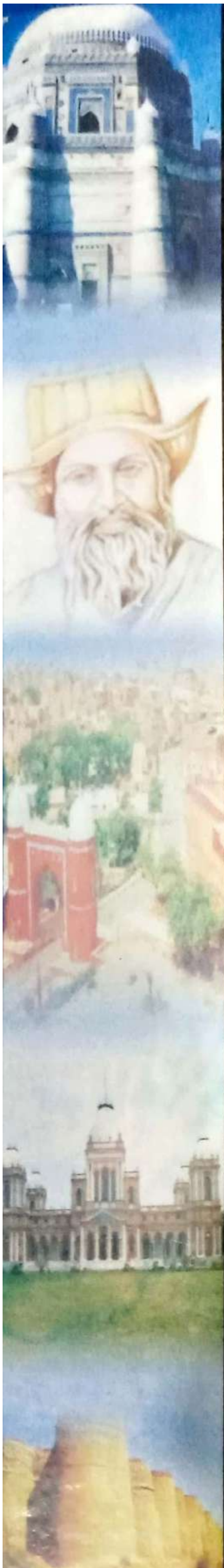

مختصر تاریخ زبان وادب

سرائیکی

ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز

مقتدرہ قومی زبان

پاکستان

Scanned with CamScanner

مختصر تاریخ زبان و ادب

سرائیکی

ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز

مقتدرہ قومی زبان، پاکستان

۲۰۱۲ء

Scanned with CamScanner

جملہ حقوق بحق مقتدرہ محفوظ ہیں

سلسلہ مطبوعات مقتدرہ: ۵۰۶

عالمی معیاری کتاب نمبر: ۳-۲۴۰-۴۷۴-۹۶۹-۹۷۸ ISBN

عالمی معیاری کتاب نمبر: ۸-۲۸۷-۴۷۴-۹۶۹-۹۷۸ ISBN

☆

طبع اول ۲۰۰۹ء

طبع دوم ۲۰۱۲ء

تعداد ۱۰۰۰

قیمت .... ۲۶۰/- روپے

فنی تدوین .... شکیل احمد منگلوری

کمپوز کاری .... محمد سرفراز تلوکر

ترتیب و صفحہ بندی .... فخر زمان خٹک

طابع .... مارشل پرنٹرز، راولپنڈی

اہتمام طباعت .... تجمل شاہ

ناشر .... ڈاکٹر انوار احمد

(صدر نشین)

مقتدرہ قومی زبان

ایوانِ اُردو، پطرس بخاری روڈ

ایچ-۸/۴، اسلام آباد، پاکستان۔

فون: ۱۳-۱۲-۰۵۱-۹۲۵۰۳۱۱

ای میل: nlapak@apollo.net.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرضِ ناشر

مقتدرہ قومی زبان نے پاکستان کے مختلف علاقوں میں بولی جانے والی پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی، سرائیکی، کشمیری اور براہوئی جیسی پاکستانی زبانوں کی تاریخ و ادب پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا تھا تاکہ ہم اپنے علاقائی ادب سے بخوبی واقف ہو سکیں کیونکہ یہی زبانیں حقیقتاً ہماری قومی ہم آہنگی اور یک جہتی کا باعث ہیں۔

اس سلسلے میں سرائیکی زبان و ادب کے معروف دانشور و ادیب ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز نے ''مختصر تاریخ زبان و ادب — سرائیکی'' تحریر فرمائی۔ پیشِ نظر کتاب اپنے متن اور زبان و بیان کے اعتبار سے طلبہ کے لیے نہایت مفید اور قابل استفادہ ثابت ہوئی اور اپنی مقبولیت کے باعث جلد ہی سٹاک میں اختتام پذیر ہوئی۔

چونکہ قارئین کی جانب سے کتاب کی طلب بہت زیادہ ہے، طلبہ کی مانگ کے پیشِ نظر مقتدرہ قومی زبان نہایت اعزاز کے ساتھ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کر رہا ہے۔ ادارہ ایک بار پھر اس تحریر کے لیے ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز کا شکر گزار ہے۔

______ ڈاکٹر انوار احمد

پیش لفظ

پاکستان میں قومی زبان اُردو کے ساتھ ساتھ دوسری پاکستانی زبانیں بھی اپنے اپنے علاقوں میں بولی جاتی ہیں۔ مختلف علاقوں میں رائج پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی، سرائیکی، کشمیری، براہوئی اور دیگر زبانوں کی تاریخ بہت پُرانی ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ہم انگریزی اور بعض دیگر بیرونی زبانوں کے پس منظر سے تو بخوبی واقف ہوتے ہیں مگر خود اپنی زبانوں کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔ ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کی زبان کے ادب سے بھی اُس طرح واقف نہیں ہوتے جیسے ہونا چاہیے۔ کون نہیں جانتا کہ پاکستان کی تمام زبانیں آپس میں قریب آئیں گی تو ان سے قومی آہنگی اور اتحاد و یک جہتی میں آسانی ہوگی۔ ادب دلوں کو جوڑتا ہے اور رابطوں کو مستحکم کرتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر مقتدرہ قومی زبان نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم پاکستان کی دوسری زبانوں کے ادب کی تاریخ قومی زبان میں محفوظ کریں اور اُن تک پہنچائیں جو براہِ راست اُن زبانوں کے ادب سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ ان مختصر ادبی دستاویزوں کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہم پاکستان کی تمام زبانوں کے پس منظر اور اس کے ادب سے واقف ہو سکیں اور اپنی لسانی اور ادبی ثروت مندی کا احساس کر سکیں۔

پیش نظر کتاب **"مختصر تاریخ زبان و ادب ــــ سرائیکی"** سرائیکی ادب کے ممتاز سکالر اور ادیب **ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز** نے لکھی ہے۔ ادارہ ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز کا احسان مند ہے کہ انھوں نے انتہائی احسن طریقے پر سرائیکی زبان و ادب کے بنیادی خدوخال اُجاگر کرتے ہوئے ایک تاریخ قلم بند کی ہے۔ پاکستانی زبانوں اور ان کے ادب کا اجتماعی دھارے کا مطالعہ کرتے وقت یہ کتاب یقیناً ممد و معاون ہوگی، مجھے اس کا پورا احساس ہے۔

ــــــــــ **افتخار عارف**

فہرست

پیش لفظ ـــــ افتخار عارف ج

حصہ اول

الف۔ پس منظر ابتدا اور ارتقا ۱

تمہید ۱

☆ حوالہ جات ۳

سرائیکی زبان ۴

سرائیکی زبان کے ماخذ ۶

سرائیکی کے مختلف نام ۱۵

ب۔ سرائیکی کا رسم الخط اور حروف تہجی ۲۶

سرائیکی لسانی مطالعے ۳۸

سرائیکی لغت نویسی ۴۸

سرائیکی زبان پر گرائمر کی کتابیں ۶۱

☆ حوالہ جات ۶۹

حصہ دوم (شاعری)

الف۔ ہیئتی شاعری ۷۱

i۔نظم	۷۱
ii۔غزل	۱۰۱
ب۔موضوعاتی مذہبی شاعری	۱۲۸
i۔حمد	۱۲۸
ii۔نعت	۱۲۹
iii۔مرثیہ	۱۴۱
iv۔منقبت	۱۵۳
v۔دیگر موضوعات	۱۵۴
دیگر اصناف	۱۵۵
(۱) کافی	۱۵۵
(۲) ڈوہڑہ	۱۶۱
(۳) قطعہ	۱۷۵
(۴) ہائیکو	۱۸۱
(۵) سرائیکو	۱۸۲
(۶) گیت	۱۸۵
گیت کی دیگر اقسام	۱۹۰
☆حوالہ جات	۱۹۱

حصہ سوم

افسانہ	۱۹۳
ناول	۲۰۷

ڈرامہ ۲۱۴
سفرنامہ ۲۲۷
انشائیہ ۲۳۵
خاکہ ۲۳۹
مکتوب نگاری ۲۴۵
آپ بیتی ۲۴۷
دیگر اصناف (مکالمہ نگاری، جدید لوک اصناف، سائنسی، ہنری اور فنی ادب،
نصابی ادب اور متفرق موضوعاتی کتب ۲۴۸
☆ حوالہ جات ۲۵۵

حصہ چہارم

سیرت نگاری ۲۵۶
i۔ منظوم ۲۵۶
ii۔ نثر ۲۶۷
واریں ۲۷۴
منظوم داستانیں ۲۹۰
بچوں کا ادب ۳۳۴
خواتین کا کردار ۳۴۹

لوک ادب ۳۶۲
☆ حوالہ جات ۳۷۹

حصہ پنجم

تحقیق وتنقید ۳۸۴
الف۔شخصیات نگاری وتذکرہ نگاری ۳۸۴
ب۔فریدیات ۴۰۷
ج۔تاریخ وثقافت ۴۱۳
د۔ادبی تاریخیں ۴۲۶
ح۔تنقید ۴۳۶

تراجم ۴۴۸
طنز ومزاح ۴۶۸
صحافت ۴۸۴
☆ حوالہ جات ۵۳۱
☆ کتابیات ۵۳۲

حصہ اول

تمہید

(الف) پس منظر، ابتدا اور ارتقا

سرائیکی زبان اس وقت پاکستان میں عام طور پر پنجاب کے اضلاع ملتان، خانیوال، وہاڑی، لودھراں، بہاولپور، رحیم یار خان، راجن پور، ڈیرہ غازی خان، لیہ، مظفر گڑھ، بھکر (شمال مغربی سرحدی صوبہ) ''پختونخواہ'' کے ڈیرہ اسماعیل خان، سندھ میں جزوی طور پر جیکب آباد، خیر پور، سکھر اور بلوچستان میں ژوب اور بعض دوسرے علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

چونکہ ''ملتان'' لسانی وثقافتی لحاظ سے بھی اور تجارتی تعلقات کے حوالے سے بھی سندھ سے ایک الگ صوبہ رہا ہے، اس لیے تاریخ میں اس کی زبان کو ملتانی کہا جاتا رہا۔ مغلیہ عہد میں ابوالفضل نے ''آئین اکبری'' میں ہندوستان کی بولیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے ''ملتانی'' ہی لکھا ہے تاہم گزشتہ نصف صدی سے یہ تحریر وتقریر میں سرائیکی کے اجتماعی نام سے مستعمل ہے۔ سرائیکی کا تہذیبی تناظر میں جائزہ لیا جائے تو اِس کا زمانہ موہنجودڑو اور ہڑپّہ سے جاملتا ہے اور اس کا لسانی جغرافیہ بھی اسی عہد سے متعلق ہے۔ جان بیمز کے مطابق:

''سندھی دریائے سندھ کے نچلے حصے کی وادیوں میں ملتان سے ساحلِ بحر تک بولی جاتی ہے۔ یہ پُورب میں راجپوتانہ کی ہندی بولیوں سے مل جاتی ہے اور پچھم میں بلوچی بولیوں سے''۔ (ح۔۱)

سندھی زبان کی تاریخ کے مصنّف بھیرومل مہرچند آڈوانی کا خیال ہے کہ:

''پشاچ لوگ جب سندھ میں آئے تو ان کی پراکرت بھی بہت بگڑی ہوئی تھی۔ اس لیے اِسے وراچڈہ پشاچی پراکرت کہنے لگے، جس نے بعد میں موجودہ سرائیکی صورت اختیار کی .... سندھ کے بالائی حصہ اُباڑو (ضلع سکھر) کی طرف ملتانی زبان سے جاملی ہے''۔ (ح۔۲)

سرائیکی زبان کا پڑوسی زبان سندھی سے گہرا لسانی اشتراک موجود ہے۔ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی کا خیال ہے:

''سندھی اور سرائیکی زبانوں میں صَرفیات،صَوتیات،اورنَحویات کے نقطۂ نظر سے گہری مماثلت ہے باوجود اِس امر کے کہ دونوں زبانیں الگ اور مستقل حیثیت رکھتی ہیں''۔(ح۔۳)

سرائیکی کے بارے میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ:

''لسانی لحاظ سے سندھی کی سگی بہن معلوم ہوتی ہے''۔(ح۔۴)

اسی طرح سرائیکی اور قومی زبان اُردو کے لسانی روابط پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُردو زبان نے جہاں تُرکی اور فارسی کے ساتھ برصغیر کی اکثر زبانوں سے اکتساب کیا ہے وہاں سرائیکی زبان نے بھی اسے کافی حد تک متاثر کیا ہے۔

جس طرح سندھی دانشور پیر حسام الدین راشدی نے کہا ہے کہ:

''کچھ شک نہیں کہ سندھی اور ملتانی ہی میں اُردو زبان کا بیج پڑا''۔

اسی طرح پنجابی ماہر لسانیات حافظ محمود شیرانی نے بھی تسلیم کیا ہے:

''اُردو اپنی صَرف ونَحو میں مُلتانی زبان کے زیادہ قریب ہے''۔(ح۔۵)

پروفیسر شوکت مغل کی ''قدیم سرائیکی اُردو لغت'' کے مطابق دکنی اُردو کی لغت مرتبہ: مسعود حسین خان (۱۹۶۹ء) اور ''قدیم اُردو کی لغت'' مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی (۱۹۷۳ء) میں ۳۰ سے ۳۵ فی صد الفاظ قدیم سرائیکی زبان کے ہیں جو معمولی تبدیلی کے ساتھ آج بھی سرائیکی میں بولے جاتے ہیں۔سرائیکی زبان کے لسانی اشتراکات مسلمانوں کی دو بڑی زبانوں عربی اور فارسی کے ساتھ بھی ہیں جیسے مصنف ''نقوشِ سلیمانی'' سیّد سلیمان ندوی کا ماننا ہے کہ:

Scanned with CamScanner

"مسلمانوں کی عربی و فارسی سب سے پہلے جس دیسی زبان سے مخلوط ہوئی وہ سندھی اور ملتانی ہے"۔ (ح۔۶)

تاہم یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سرکاری دربار میں ملتانی سوداگروں، ملتانی تاجروں اور ملتانی اُمراء کا خاصا عمل دخل رہا، مگر یہ زبان کبھی بھی خواص کی زبان نہ بن پائی بلکہ ہمیشہ عوام میں رہی، البتہ صوفیاء اور اولیاء کے عوامی تعلق کی بنا پر اُن کی بھی زبان بنی۔ البتہ سندھ میں سومرہ خاندان کی حکومت (۱۳۰۰ء تا ۱۴۳۹ء) میں اسے عروج حاصل ہوا بلکہ اسے سرکاری سطح پر بھی تسلیم کیا گیا۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی لکھتے ہیں کہ:

"سومرہ خاندان کے عہد میں جو بھٹی راجپوتوں کا ایک قبیلہ ہے سرائیکی زبان کو ملتان اور سندھ میں پہلی بار سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی .... سومرہ حکمرانوں نے سرائیکی زبان کو ملتان اور سندھ کی سرکاری زبان قرار دیا"۔ (ح۔۷)

اس کی وجہ یہ بنی کہ سومرہ خاندان قرامطہ کے ہاتھوں مسلمان ہوا اور قرامطہ جو ملتان کے حکمران تھے اور جن کی زبان سرائیکی تھی۔ اس لیے سومرہ نے بھی اس زبان کو ترقی دی۔

حوالہ جات

(ح۔۱) "ہندوستانی لسانیات کا خاکہ"، صفحہ ۱۸

(ح۔۲) "سندھی زبان کی تاریخ"، صفحات ۶۶، ۶۹

(ح۔۳) "لسانیات پاکستان"، صفحہ ۳۰۱

(ح۔۴) "سیفل نامہ"، صفحات ۳۳۔۳۴

(ح۔۵) "پنجاب میں اُردو"، صفحہ۔ ۸

(ح۔۶) "نقوش سلیمانی"، صفحہ۔ ۳۴

(ح۔۷) "سچار"۔ کراچی، صفحہ۔ ۱۲

Scanned with CamScanner

سرائیکی زبان

عمر کمال خان کتاب ''سرائیکی ادب کی نشاۃِ ثانیہ کے بیس سال'' کے تعارف میں لکھتے ہیں:

''سرائیکی زبان برِصغیر کی قدیم ترین علاقائی زبانوں میں سے ایک ہے جو وادیٔ سندھ کے اہم مرکز میں علم و عرفان کی قندیلیں روشن کر کے قدیم الایام سے ضُوفشانی کرتی آ رہی ہے۔ نیز اِس علاقائی زبان کی اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں خدمات سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔ اس کا دستیاب لٹریچر اتنا ہی قدیم ہے جتنا ڈوسری ہمسایہ علاقائی زبانوں کا لٹریچر''۔

سرائیکی علاقے کی تاریخ دیکھیں تو دراوڑی نسل کی سندھ کی تہذیب ۲۳۰۰ قبل مسیح میں نظر آتی ہے۔ اس علاقے پر دراوڑ، آریہ، دارا گشتاشپ، سائرس، مہاتمابُدھ، راجہ سہراس رائے، چچ، داہر، یعقوب بن لیث صفاری، قرامطہ، داؤد بن نصر، محمود غزنوی، سومرون، شہاب الدین غوری، ناصرالدین قباچہ، شہزادہ محمد سعید لنگاہ، مرزا عسکری، کامران مرزا، فتح خان بلوچ، زاہد خاں سدوزئی، نواب مظفر خان، مہاراجہ رنجیت سنگھ اور پھر انگریز حکمران کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ مہاتمابُدھ نے اپنی تبلیغ کے لیے اہلِ علم کی زبان سنسکرت کی بجائے عوامی زبانوں کو چُنا۔ پالی زبان نے سرائیکی کے ارتقاء میں کردار ادا کیا اور پھر اَپ بھرنش عہد آیا اور اس کے بعد لاڑ کی جھبیل اور جھبیر قوم جو ڈردستان سے آئی اور دردی بولتی تھی، اس زبان کا سرائیکی پر اثر پڑا اور پھر اَپ بھرنش کے ساتھ ساتھ پشاچی نے اسے نکھارا۔ سرائیکی ادب کے پھلنے پھُولنے میں تصوف نے بڑا کام کیا۔ اب جبکہ پندرہ ہزار سے زائد سوتر (ضرب الامثال و کہاوتیں) بھی اکٹھی کر لی گئی ہیں جو اس

زبان کی بڑائی بتانے کے لیے کافی ہیں۔اس کے قدیم ادب میں جولوریاں اوردوہے ملتے ہیں وہ بلوچستان ،لسبیلہ، کچھی، تھرپارکراور سندھ کے سرائیکی علاقوں سے لے کر سرحد کے ہندکو علاقے تک ایک ہی طرز میں دکھائی دیتے ہیں۔

سرائیکی زبان کا مرکزی مقام ملتان ہے جو جنوبی ایشیاء کا قدیم شہر ہے۔مہاراجہ ہرکناشپ کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شہر طوفانِ نوحؑ کے وقت بھی موجود تھا کیونکہ کشمیر کی لمبی چوڑی وادی بیں طوفان کا جو پانی رہ گیا تھا اسے راجہ نے ''بارہ مولا'' کے مقام پر ایک پہاڑی کو کھدوا کر نکلوایا تھا جو دریائے جہلم کی شکل میں سندھ سے آملا تھا۔اس وادی کا نام راجہ کے نام پر ''کشپ میر'' رکھ دیا گیا تھا۔جو بعد میں کثرتِ استعمال سے کشمیر بن گیا۔اسی طرح راجہ کا جنوبی شہر ''کشپ مور'' آج کل کشمور کہلاتا ہے۔ان شہروں کے پہلے باشندوں اوران کی اصل زبان کا یقینی اور حتمی پتہ لگانا مشکل ہے۔البتہ ارتقائے انسانی کے ضابطوں اور اصولوں پر نگاہ رکھتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس علاقے کی قدیم اقوام میں تھال، گونڈ، بھیلی اور دراوڑ خاصی طاقت کے مالک تھے۔ان کے دوراقتدار میں آسوریوں کا ذکر ملتا ہے۔قدیم ہندی میں ''اسور'' سورج کو کہتے ہیں۔ یہ تمام لوگ ایک ہی طرح سورج دیوتا کو مانتے اوراس کی پوجا کرتے تھے۔ملتان کا سورج مندر آج سے تین ہزار سال پہلے بھی بڑی شہرت کا حامل تھا اور دور دراز سے آئے ہوئے یاتری اور دوشیزائیں ہمہ وقت اس مندر میں حاضر رہتے تھے اور بھجن گاتے تھے۔اس وقت اسور قوم ہی اس ملک پر حکومت کرتی تھی۔زمانے کے ساتھ ساتھ اس زبان نے کئی بھیس بدلے اور کبھی اسورکی، کبھی سراواکی اور آخر سرائیکی کے نام سے مشہور ہوئی۔بعض محققین کا خیال ہے کہ اسوریوں کا مرکزی مقام ''سراواہی'' تھا جواب ضلع رحیم یارخان میں ہے۔مولانا عزیزالرحمان بہاولپوری کی تحقیق بھی یہی ہے کہ سراواکی یا سرائیکی اس لفظ کی نسبت سے وجود میں آیا ہے۔سلطان حمیدالدین حاکمؒ جن کا مزار مبارک ضلع رحیم یارخان میں واقع ہے،ان کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے دور میں سرائیکی عام وخاص کی زبان تھی۔اکبراعظم کے زمانے میں ملتان کی حیثیت ایک

Scanned with CamScanner

صوبے کی تھی اور جو زبان اس علاقے میں بولی جاتی تھی، ملتانی کہلاتی تھی۔ ملتان سے سندھ تک کا علاقہ سرائیکی کہلاتا تھا۔ جیسا کہ ''اشرالامرا'' کا مصنف کلہوڑوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ سکھر سے ملتان تک کا علاقہ ''سرائیکی'' کہلاتا ہے۔ کلہوڑے اس علاقے کے رہنے والے تھے جو سندھ میں سرائیکی مشہور ہوئے اور ان کی زبان کو سرائیکی کہا گیا۔ بعد میں کلہوڑوں نے اپنی سلطنت کو لیہ تک بڑھالیا تھا اور یوں یہ علاقہ بھی سرائیکی علاقے میں شامل ہو گیا۔

بیسویں صدی کی پہلی چھ دہائیوں تک جھنگ کی جھنگوی، ملتان کی ملتانی، ڈیرہ جات کی ڈیروی، بہاولپور کی بہاولپوری اور رحیم یار خان وغیرہ کی زبانوں کو سرائیکی کا نام نہیں دیا جاتا تھا مگر ساتویں عشرے کے آغاز پر اس زبان کے ادیبوں اور دانشوروں نے مل بیٹھ کر زبان وادب کو ترقی دینے کی خاطر علاقائی لہجوں کے ناموں کو نظر انداز کر کے زبان کے قدیم نام ''سرائیکی'' کو دوبارہ مروج کرنے کا فیصلہ کیا اور سرائیکی نظم ونثر کی تخلیق وتحریر کے ساتھ اشاعت کی شعوری کوشش کی گئی۔ جس کے نتیجے میں سرائیکی اخبارات اور بیسیوں رسائل کے اجراء کے ساتھ ساتھ مطبوعہ سرائیکی کتابوں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچ گئی ہے۔

سرائیکی زبان کے ماخذ

عام طور پر ماہرین لسانیات نے سرائیکی زبان کے حسب ذیل ماخذ بتائے ہیں۔

ا۔ دراوڑی

وادیٔ سندھ میں آٹھ ہزار سال قبل مسیح میں دراوڑ قوم فاتحین کی حیثیت سے داخل ہوئی۔ یہ بحیرۂ روم کی طرف سے آئی۔ میسوپوٹیمیا، عراق، عرب اور بلوچستان سے ہوتی ہوئی وادیٔ سندھ میں داخل ہوئی اور اپنی مشہور تہذیب کے مراکز موہنجودڑو اور ہڑپہ قائم کیے۔ اس وقت مقامی [illegible]ست اور کاہل ہو چکی تھیں اور یہ قوم کافی مہذب اور طاقتور تھی۔ ظامی بہاولپوری کہتے ہیں کہ

Scanned with CamScanner

''سرائیکی اس وادی کے پہلے آبادکاروں کی زبان تھی اور جس وقت دراوڑوں نے وادیٔ سندھ میں اقتدار قائم کیا سرائیکی بھی دراوڑی زبان کے ساتھ موجود تھی''۔ دلشاد کلانچوی کہتے ہیں کہ ''دراوڑی پہلی زبان تھی جس نے قدیم سرائیکی پر اثر ڈالا''۔ ان کے بقول دراوڑی کے بہت سے الفاظ آج بھی سرائیکی میں موجود ہیں مثلاً کنڈ، پنّی، کھر ی وغیرہ۔

سرائیکی میں دراوڑی یا وسطی ایشیا میں سے آنے والے ''ساکا'' لوگوں کی زبان کے بھی بے شمار لفظ باقی ہیں مثلاً ساکا، شلوار (سِلا ہوا زیرِ جامہ) کو ''سُکھ تنا'' کہتے تھے۔ جو سرائیکی میں ''سُتھن'' ہو گیا ہے۔ سرائیکی کے اضافی حرفوں کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ دراوڑی سے لیے گئے ہیں۔ کالڈویل اور سیلیٹر کا خیال ہے کہ دو آنکھوں والی ''ھ'' کے مرکب الفاظ بھی دراوڑی سے تعلق رکھتے ہیں جو برصغیر کی کئی اور زبانوں میں بھی مستعمل ہیں۔

۲۔ اسوری

رگ وید میں ہے کہ دراوڑوں کے بعد اسوری برسرِ اقتدار آئے اور تین ہزار سال قبل مسیح تک وادیٔ سندھ اور دیگر علاقوں پر برسرِ اقتدار رہے۔ یہ مصری تھے اور بابل کے اشوری، ایران کے آہوری اور یہاں کے اسُوری دراصل ایک ہی قوم کی مختلف شاخیں ہیں۔ ظامی بہاولپوری مرحوم لکھتے ہیں ''اس فاتح قوم اسُوری کی زبان کو اسُورکی کہا جاتا تھا جو بعد میں سرائیکی بن گیا''۔ اسُورکی اور سرائیکی میں، س۔ ر۔ ا۔ ک۔ ی کے مشترک حروف بھی قابلِ غور ہیں۔ بہرحال اس زبان نے بھی قدیم زبان پر اثرات مرتب کیے۔

۳۔ سنسکرت

اسوریوں کے بعد آریا آئے۔ آریا پندرھویں سے دسویں صدی قبل مسیح تک گروہ در گروہ شمال مغرب سے وادیٔ سندھ میں آتے رہے۔ انھوں نے دراوڑوں کو لڑ جھگڑ کر بھگا دیا۔ بعد

Scanned with CamScanner

میں ان کی مذہبی زبان کا نام سنسکرت پڑا۔ سنسکرت زبان سرائیکی سے متاثر ہوئی۔ کرسٹاایف گو پر کی تحقیق کے مطابق سنسکرت میں بے شمار الفاظ مقامی اور غیر آریائی زبانوں کے شامل ہیں مثلاً:

سنسکرت: جالا، ہالا، ڈنڈا

سرائیکی: جالا، ہل، ڈنڈا

۴۔ پالی

اس علاقے میں بدھ مت کا عروج بھی رہا ہے۔ چینی سیاح ہیون سانگ چھٹی صدی عیسوی میں جب ملتان اور سندھ آیا تھا تو اس نے لکھا کہ یہاں دس ہزار بھکشو رہتے ہیں۔ اشوک کے زمانے میں جب بدھ مت کو سرکاری مقام ملا تو بھکشوؤں کی ایک بڑی تعداد ملتان پہنچی۔ ان حالات میں سرائیکی اور پالی نے یقیناً ایک دوسرے پر اثر ڈالا ہوگا۔ کچھ مشکوک لفظ دیکھیں: سنگ، بھت، پُتر وغیرہ۔

۵۔ دردئی

اسی زمانے میں ایک نئی قوم پشاچہ ایران، افغانستان سے ہوتی ہوئی اس علاقے میں داخل ہوئی۔ اسے آریائی قوموں کا آخری گروہ بھی کہتے ہیں۔ ان کا ذکر ہندوؤں کی مذہبی کتابوں، پرانوں میں موجود ہے۔ یہ پہلے والے آریاؤں کی نسبت غیر مہذب تھے۔ اسی لیے ان کو پشاچہ یعنی بدتمیز کہا گیا ہے۔ ان کی زبان داردِک یا دردئی تھی۔ آج کل کی کشمیری، شینا، چترالی وغیرہ دردئی زبانیں ہیں۔ سرائیکی زبان بنانے والوں کے طور پر پشاچہ قوم کا نام لیا جاتا ہے۔ انھوں نے موجودہ سندھی اور سرائیکی پر بھی اثرات مرتب کیے ہیں۔ ایچ ٹی لمبرک لکھتا ہے:

> ''لہٰذا (سرائیکی) اور سندھی کا داردک بولیوں سے حروفِ علت کے حوالے سے اشتراک ہے''۔ (ح۔۱)

گرائمری اشتراک کے علاوہ مشترک ذخیرہ الفاظ بھی موجود ہے۔ دیکھیں:

کاک (کاکا)، دی (دھی)، گوڑا (گھوڑا)، کوکڑ (ککو) وغیرہ۔

۶۔ دراچڈہ

محققین کے مطابق پشاچہ کے آنے کے بعد وادیٔ سندھ میں ایک بکھری ہوئی زبان دراچڈہ کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ دراچڈہ دراصل بگڑی ہوئی دردئی زبان ہے۔ اسے اپ بھرنش دراچڈہ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک عام پراکرت سے بگڑی ہوئی زبان ہے یعنی مرکز سے دور اور بگڑ جانے کی وجہ سے اسے دراچڈہ کہا جاتا ہے۔ دراصل آریاؤں کے آنے پر بھی کچھ دراوڑوں نے اپنی زمینیں اور جگہیں نہ چھوڑی تھیں۔ مارکندیہ کی کتاب ''پراکرت ویاکرن'' کے مطابق یہ ایک قدیم شورسینی سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ مزید لکھتا ہے:

''وادیٔ سندھ میں بولی جانے والی قدیم زبان دراچڈہ نام کی ایک پراکرت تھی۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ ''ڈ'' اور ''ج'' کی آوازیں جو ہندوستان کی باقی پراکرتوں میں ایک جیسی برتی جاتی ہیں دراچڈہ میں dental یعنی دانتوں کے قریب ادا ہونے والی نہیں رہتیں بلکہ cerchle یعنی حلق سے نکلنے والی ہو جاتی ہیں یعنی ''ڈ''، ''ج'' جو جدید سرائیکی اور سندھی میں ویسی کی ویسی موجود ہیں۔''

ڈاکٹر مہر عبدالحق کا کہنا ہے:

''اس علاقے کی قدیم زبان کو دردستان سے آنے والوں کی زبان پساچی اپ بھرنش نے بہت متاثر کیا اور قدیم زبان نے ایک نئی صورت اختیار کر لی۔ دراچڈہ اپ بھرنش وہ آخری زبان تھی جس کے بعد اس علاقے میں سرائیکی اور سندھی بولی جانے لگیں''۔ (ح۔۲)

Scanned with CamScanner

۷۔ شورسینی

یہ زبان ایک وقت میں برصغیر کے بہت بڑے علاقے میں بولی جاتی تھی۔ اس کا علاقہ اُتر پردیش، پنجاب، گجرات، راجپوتانہ اور دکن تک بتایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے اس سے مہاراشٹری، سوراشٹری، اپ بھرنش دراچڑہ بلکہ سندھی اور سرائیکی زبانیں بھی عالمِ وجود میں آئیں۔ شورسینی کو آریائی زبانوں میں قدیم زبان کہا جاتا ہے۔ ظامی بہاولپوری کا کہنا ہے'' دراچڑہ سرائیکی اور سندھی کی سگی ماں ہے۔ شورسینی نانی ہے اور رگ دید والی سنسکرت پرنانی ہے۔'' اس زبان کے اثرات آگے پیدا ہونے والی زبانوں ہندی اور اردو پر بھی بہت زیادہ مرتب ہوئے۔ سرائیکی کے ساتھ کچھ مشترک لفظ دیکھیں۔ '' کٹورا، تھال، توا، رکابی'' وغیرہ

۸۔ ماگھدی

ماگھدی بھی ہندوستان کی قدیم آریائی زبان ہے۔ بعض محققین اسے شورسینی سے بھی قدیم کہتے ہیں۔ شورسینی سے پیدا ہونے والی زبانیں اندرونی دائرے کی زبانیں کہی جاتی ہیں اور ماگھدی سے پیدا ہونے والی زبانیں بیرونی دائرے کی زبانیں۔ اسی طرح یہ زبان بھی کافی اہمیت رکھتی ہے۔

۹۔ عربی

آریاؤں کا زوال ہوا تو عربوں نے وادئ سندھ میں حکومت قائم کرلی۔ محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے وقت بہت سے عرب یہاں آباد ہو گئے تھے۔ اس دور میں عربی کو مقبولیت ملی اور عام بول چال کی زبان میں بھی عربی کا عمل دخل ہوا۔ یہ سلسلہ کافی عرصے تک رہا۔ لہٰذا عربی نے سرائیکی پر کافی اثرات ڈالے مثلاً:

Scanned with CamScanner

۱۔ عربی حروف تہجی داخل ہوئے جیسے: ث، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ق وغیرہ۔

۲۔ رسم الخط عربی اپنا لیا گیا۔ سندھی اور سرائیکی (جو ایک زمانے میں الگ الگ نہیں تھیں)، خط نسخ میں لکھی جانے لگیں۔

۳۔ ذخیرۂ الفاظ کے حوالے سے عربی نے تین قسم کے اضافے کیے۔

الف خالص الفاظ کا اضافہ مثلاً: جُبّہ، صُفہ، خُمیس وغیرہ

ب سرائیکی نے عربی الفاظ کو مقامی شکل میں تبدیل کر کے اپنا لیا۔ مثلاً اُصلوں (اصلاً)، وَسّل (بصل)، بدک ر بدخ (بطخ)، تھُوم (شوم)، صَفیل (فصیل) وغیرہ۔

ج الفاظ میں حرکات (اعراب) کی تبدیلی سے الفاظ کو سرائیکی میں اپنا لیا گیا۔ مثلاً: قَبر، فِکر، عُمر، عَقل وغیرہ

۱۰۔ فارسی

فارسی کے اثرات یہاں داریوش اعظم (۵۱۲، ق م) کے زمانے میں آنے شروع ہو گئے تھے جس نے فروشتی رسم الخط رائج کیا۔ نتیجتاً شباری مقدسی (۹۸۵ء) ملتان آیا تو یہاں فارسی بولی جاتی تھی۔ محمود غزنوی کے ساتھ ہی شمال مغرب سے آنے والوں کے حملے شروع ہوئے اور پھر دہلی میں ان کی حکومت بھی قائم ہوگئی۔ یہ فارسی زبان بولنے والے تھے۔ جس وقت فارسی کو فوقیت دی گئی تو فارسی نے یہاں کی زبانوں پر اثر ڈالا۔ غزنوی سے اُنیسویں صدی کے اختتام تک ملتان فارسی کا مرکز رہا۔ سکھوں کی دفتری زبان بھی فارسی تھی حتیٰ کہ انگریزوں کے آنے کے بعد بھی بلدیہ ملتان کی دفتری کارروائی فارسی میں لکھی جاتی رہی۔ سرائیکی نے فارسی سے بھی اچھا خاصا اثر قبول کیا۔ حروف تہجی میں چ۔ ژ اور گ کا اضافہ ہوا۔ کئی لفظ تو ویسے کے ویسے قبول کر لیے مثلاً کورا،

کنڑ ورہ، پوشیں وغیرہ۔ کئی لفظ تھوڑے بہت رد و بدل سے قبول کیے مثلاً زیرہ سے جیرا، کیسہ سے کھیسہ، گذک سے گجک وغیرہ۔ فارسی نے سرائیکی گرائمر کو بھی تبدیلیوں سے کئی طرح مؤثر اور جاندار بنایا مثلاً:

الف۔ فارسی نے عربی سے بڑھ کر سرائیکی میں اضمار متصل بالا فعال کو مُروّج کیا۔ مثلاً:

سرائیکی۔ اکھیومس فارسی: گُفتمش

ب۔ فارسی کے مصدر کے آخر میں نون آتا ہے اور سرائیکی مصدر کے آخر میں ن آتا ہے۔ مثلاً آون (آمدن)، ونجݨ (رفتن) اور سمݨ (خفتن) وغیرہ۔

ج۔ افعال کی گردان میں بھی سرائیکی کے فاعلی لاحقے اور فارسی کا اثر ہے مثلاً کھادی (خوردی)، کھادا ای (خوردہ ای)، کھادِم (خوردم)۔

د۔ جملے کی بناوٹ پر بھی فارسی کا اثر ہے مثلاً او آندا پئے (اُو آمدہ شود)، نہیں جانڑا (نمی دانم)، آکھیم (گُفتہ اَم) وغیرہ

۱۱۔ انگریزی

انگریزوں نے اس علاقے میں پاؤں جمائے تو یہاں کے لوگوں نے انگریزی زبان سے بھی استفادہ کیا اور انگریزی زبان کے بہت سے الفاظ بعد تبدیلی سرائیکی زبان میں داخل ہوئے جیسے لنٹرن (Lantern) سے لالٹین وغیرہ۔

دلشاد کلانچوی مرحوم لکھتے ہیں:

''سرائیکی مآخذات سے مُراد اِشتراک کا معاملہ بھی ہے اور سرائیکی کا یہ

اشتراک برصغیر کی کئی زبانوں خاص کر شمال مغربی گروہ کی زبانوں سے
قائم ہے"۔

انھوں نے اس ضمن میں گجراتی، سندھی، پنجابی اور اُردو وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ سندھی

سندھی اور سرائیکی کو اکثر بہنیں کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے بولنے میں بہت تھوڑا فرق پایا جاتا ہے۔ البتہ رسم الخط میں فرق بہت زیادہ ہے۔ ہوا یوں کہ ۱۸۵۳ء میں حکومت برطانیہ کے حکم سے ارنسٹ ٹرمپ کی نگرانی میں ایک رسم الخط کمیٹی قائم ہوئی جس کا سربراہ ایلیس نام کا ایک اسسٹنٹ کمشنر تھا۔ اس کے دس ممبران میں دو انگریز افسر برٹن اور اٹیک کے علاوہ سندھ سے چار مسلمان اور چار ہندو ممبر تھے۔ دلشاد کلانچوی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ایسے لگتا ہے کہ یہ ایک چال چلی گئی تھی"۔ مگر الگ الگ رسم الخط کے باوجود دونوں زبانیں مٹھاس، حلاوت اور فصاحت میں ایک جیسی ہونے کی وجہ سے آج بھی آپس میں بہنیں دکھائی دیتی ہیں۔ ڈاکٹر غلام علی الانا سندھی اور سرائیکی کی بنیاد وراچڈہ اپ بھرنش کو بتاتے ہیں اور ڈاکٹر مہر عبدالحق کہتے ہیں:

> "۱۱۱ھ میں تمیم بن زید کے دورِ حکومت میں ملتان کا تعلق زیریں سندھ سے ٹوٹ گیا اور سندھی اور ملتانی دونوں زبانیں علیحدہ علیحدہ ترقی پانے لگیں"۔ (ح۔۳)

پیر حسام الدین راشدی بھی یہی کہتے ہیں کہ سرائیکی اور سندھی پہلے ایک تھیں اور موجودہ سندھی کی تشکیل سمہ عہد (گیارھویں صدی عیسوی) میں ہوئی ہے۔

۱۳۔ بلوچی

بلوچ قوموں کی بڑی تعداد سرائیکی علاقے میں آباد ہے اور بلوچستان کے اکثر علاقوں

Scanned with CamScanner

میں سرائیکی دوسری زبان کے طور پر بولی جاتی ہے۔ دو الگ خاندانوں کی یہ زبانیں ایک دوسرے پر بہت اثرات رکھتی ہیں۔ مشترک الفاظ دیکھیں:

"گجی، مندری، ہنڈی، چلھ، بیڑی، سُنج، بَر، جھٹ، ڈگ" وغیرہ۔

فقروں کی بناوٹ میں بھی بہت مشابہت ہے مثلاً: کھڑا تھی (کھڑو بلی) اُیہہ تھی (بند بی) وغیرہ۔

۱۴۔ پشتو

سرائیکی علاقے پر ایک عرصہ تک پٹھانوں کی حکومت رہی ہے۔ جہاں ملتانی پٹھانوں نے ملتانی (سرائیکی) بولنا شروع کر دی وہاں پشتو زبان کے اثرات بھی سرائیکی پر مرتب ہوئے۔

مختصر یہ کہ سرائیکی نے اپنی موجودہ صورت تقریباً ہزار سال پہلے اختیار کر لی تھی۔ سرائیکی کی جو صورت اپ بھرنش شکل میں موجود تھی، عربی فارسی کے اثر سے مکمل طور پر تبدیل ہو کر رہ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے ہزار سال میں سرائیکی کے جو نمونے ملتے ہیں وہ سرائیکی کی موجودہ صورت سے مُشابہ ہیں۔ ان پر عربی فارسی کا اثر نمایاں ہے۔ حضرت مُلّا کا "نُورنامہ" جسے ۵۰۱ھ کی تصنیف مانا جاتا ہے اس کا نمونہ دیکھیں:

۵۰۰

پنج سے سال جو گذریے ہجرت بعد رسولوں
مُلاں کہے غریب ویچارا کم علماواں کولوں

سرائیکی کے مختلف نام

قدیم مورخین نے ملتان اور اس کے گرد و نواح کو "سندھ" بھی لکھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دریائے سندھ اس علاقے سے گزرتا ہے۔ وادیٔ سندھ میں عربوں کے اختلاط سے پہلے پراکرت کی ایک خاص زبان وراچڈہ اپ بھرنش بولی جاتی تھی۔ پراکرت عوام کی زبان کو کہتے ہیں۔ مرکزی ہندوستان کے پنڈتوں نے اپنی زبان کو جو اُن کے دیدوں کی زبان تھی سنسکرت کہا جس کا مطلب ہے چھنی ہوئی زبان۔ اس کے علاوہ دوسری زبان کو پراکرت یعنی عام لوگوں کی زبان کہا جاتا تھا۔ پراکرتیں کئی ہیں۔ کئی علمی اور ادبی زبانیں بن چکی ہیں اور کئی ابھی بولی کے درجے تک ہیں وادیٔ سندھ کی پراکرت کا نام اپ بھرنش یعنی ٹوٹی پھوٹی بولی رکھا گیا تھا اور یہاں اپ بھرنش کی وراچڈہ قسم بولی جاتی تھی۔ اس بولی کے ساتھ عربی فارسی کا اختلاط ہوا۔ آخر ۱۱۱ھ میں جس وقت سیاسی لحاظ سے وادیٔ سندھ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی یعنی ایک زیریں سندھ اور دوسرا بالائی سندھ بن گیا تو بالائی سندھ کی زبان کو سِروکی یا سرائیکی کہا جانے لگا۔ سِرو کا مطلب سر، اُوپر والا حصہ، بڑا اور سردار وغیرہ ہے۔ گویا سرائیکی کا مطلب تھا اوپر والے علاقے کی بولی، سر کی طرف کی بولی اور سرداروں کی زبان۔ یہ بولی زیریں سندھ کی بولی سے صاف، نکھری ہوئی اور فصیح تھی اور شروع ہی سے اس میں شعر و ادب موجود تھا۔ سندھی زبان کی ضرب المثل "لاڑ جو پڑھیو سِرو جو ڈھگو" یعنی جنوب کا پڑھا لکھا اور شمال کا ڈھور ڈنگر ایک برابر ہے، اس بات کی شہادت ہے۔

سرائیکی زبان کے مختلف ناموں اور لفظ "سرائیکی" کے ماخذات پر ماہرین لسانیات نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اس کا ایک سرسری جائزہ پیش ہے:

(الف) مغربی اور غیر ملکی ماہرین لسانیات

۱۔ایڈورڈاوبرائین

''لوگ اسے ہندی اور ہندکی کہتے ہیں اور ڈیرہ غازی خان کے بلوچی بولنے والے علاقے میں جگدالی، جٹ کی نسبت سے جگدالی مشہور ہے۔ یورپی لوگوں نے اس کا نام ملتانی رکھا ہے مگر کوئی باشندہ اسے اس نام سے نہیں جانتا''۔(ح۔۴)

۲۔ ایورنڈ ٹریور بمفورڈ

بمفورڈ نے اسے ۱۸۹۵ء میں ''مغربی لہندا'' کا نام دیا۔

۳۔ایڈریوجیٹوکس

''مغربی پنجابی یا جٹکی زبان کے لیے بہت سے مقامی نام استعمال کیے جاتے ہیں۔ملتانی، بلوچی، پشاوری، پوٹھوہاری، ہزاری، بہاولپوری ڈیرے والی، جگدالی، شاہپوری۔یہ سارے اسی زبان کے لہجوں کے نام ہیں۔ہر خطے میں اس زبان کا اپنا اپنا نام رکھا ہوا معلوم ہوتا ہے''۔(ح۔۵)

۴۔جیمز ولسن

ولسن نے ۱۹۰۳ء میں اس زبان کو ''تھلی'' کا نام دیا۔

۵۔رچرڈ فرانسس برٹن

''سندھ میں بولے جانے والے پنجابی کے بگڑے ہوئے لہجے لوگوں میں تین ناموں سے پہچانے جاتے ہیں''۔

۱۔سرائیکی ۲۔ بلوچکی ۳۔ جٹاکی

Scanned with CamScanner

۶۔ جارج ابراہام گریئرسن

گریئرسن نے ''لینگوئیسٹک سروے آف انڈیا'' کے آٹھ ہزار صفحات میں ۱۸۳ صفحے ''جنوبی لہندا'' کے لیے وقف کیے ہیں۔ سرائیکی کے لیے ''لہندا'' کی گمراہ کن اصطلاح کو رواج دینے والا گریئرسن ہی تھا۔ اس نے جنوبی لہندا کے مختلف لہجے یہ بیان کیے ہیں:

''ملتانی (ملتان)، مظفر گڑھ اور بہاولپور)'' ہندکی بولی (ضلع ڈیرہ غازی خان)، ڈیرہ والی بولی (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان)، ہندکو بولی (ضلع میانوالی)، سرائیکی ہندکی (ضلع حیدرآباد، بالائی سندھ، ریاست خیرپور، ضلع تھرپارکر، ضلع کراچی)''۔

۷۔ ایچ ٹی لمبرک

لمبرک ''سندھ۔ اے جنرل انٹروڈکشن'' میں لکھتا ہے:

''پہلے پہلے سرائی کے معنی ''اُتر کے لوگ'' ہوتے تھے مگر پھر یہ لفظ کلہوڑوں کے گھرانے سے تعلق کی وجہ سے ''تعظیمی لقب'' کے طور پر کام آنے لگا۔ ان کے اکثر قبیلے آپس میں لہندا یا مغربی پنجابی بولتے ہیں۔ اس بولی کو سندھ میں سرائیکی کہا جاتا ہے''۔

لمبرک مزید لکھتا ہے:

''پنجاب سے ہجرت کر کے آنے والے جاٹ (جت) کچھ بلوچ اور دیگر قبیلے جو لہندا بولتے ہیں ان کو سندھ میں عام طور پر سرائیکی کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ سندھ میں جہاں بھی ہوں، یہی بولی بولتے ہیں''۔

Scanned with CamScanner

۸۔ ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل

''سولھویں صدی سے انیسویں صدی عیسوی کی درمیانی مدت میں جب جنوبی پنجاب کے بلوچ سرائیکی بولتے ہوئے سندھ میں پہنچے تو سندھیوں نے ان کی زبان کو سرائیکی کا نام دیا کیونکہ یہ جنوبی پنجاب یعنی سندھ کے شمالی حصے (سرے) میں بولی جاتی تھی''۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''صوبہ سندھ سرائیکی کا وطن نہ سہی لیکن سندھ نے اسے وہ نام ضرور دیا جس سے یہ اب پہچانی جاتی ہے''۔

۹۔ یوائے سمرنوف

یہ روسی محقق ''لہندی لینگوئج'' میں لکھتا ہے:

''برطانوی ماہرین لسانیات نے اس زبان کو مغربی پنجابی کا نام دیا کیونکہ لہندی بولنے والے لوگوں کی بڑی تعداد تقسیم سے پہلے کے مغربی پنجاب میں رہتی تھی .... حالیہ سالوں میں زیر بحث زبان کو پاکستان میں زیادہ تر سرائیکی یا سرائیکی کہا جاتا ہے''۔

(ب) سرائیکی ماہرین لسانیات

ا۔ مولوی عبدالکریم جھنگوی، مولوی خدا بخش وغیرہ

ستارھویں اور اٹھارویں صدی عیسوی میں لکھے گئے لغت کے قاعدوں میں سرائیکی زبان کو ہندی کا نام دیا گیا اور سرائیکی کے لفظوں کے نیچے علامت ''ھ'' برتی گئی ہے اور فارسی لفظ کے نیچے علامت ''ف'' برتی گئی ہے۔ مولوی خدا بخش تونسوی کی منظوم لغت ''نصاب ضروری'' کی

مثال یا مولوی عبدالکریم جھنگوی کی ''نجات المومنین'' کی مثال پیش کی جا سکتی ہے:

فرض مسائل فقہ دے ہندی کر تعلیم
کارݨ مرداں اُمیاں جوڑے عبدالکریم
(نجات المومنین)

۲۔ظامی بہاولپوری، تابش الوری وغیرہ

ظامی لکھتے ہیں:

''بہاولپور اور ملتانی کا اصل اور ابتدائی نام سری رام پوری تھا کیونکہ سری رام چندر جی کے نام سے منسوب کر کے ملتان کا نام سری رام پور رکھا گیا۔ اس لیے شہر سری رام پور کی زبان بھی سری رام پوری مشہور ہوئی۔مگر اس کلمے کی طوالت زبانوں پر نہ آ سکی۔بس یہ لفظ کثرتِ استعمال سے سری رام پوری کی بجائے ''سری کی'' اور پھر ''سرائیکی'' مشہور ہوا''۔

دبیر الملک مولانا عزیز الرحمان مرحوم نے ایوریننڈ ٹریور بمفورڈ ایم اے چرچ مشن ملتان ۱۸۹۵ء کے حوالے سے قدیم اُوچ شریف کے کسی سری رام ہندو کائستھ کی اس سلسلے میں ترتیب وتدوین کے تحت اس کے نام کی مناسبت سے زبان کو سری رام پوری بولی اور اس کے رسم الخط کو سری رام پوری رسم الخط لکھا۔

بعض کا خیال ہے کہ سندھ کے قدیم امرا اور رؤسا ملتانی الاصل ہیں۔ان کے گھروں میں اور محل سراؤں کے اندر ملتانی بولی جاتی تھی اور اب بھی بولی جاتی ہے۔بس محل سرائے کے لفظ کی مناسبت سے سندھی عوام میں یہ زبان سرائے کی مشہور ہوئی۔بعض کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں اباوڑو، بھٹی واہن، ماچھی، دائرہ اور میر پور ماتھیلو کے درمیان ایک شہر قلعہ سراوا کے نام سے آباد تھا جس کا تعلقہ ملتان اور سندھ کی سرحد پر بحری شاہراہ پر واقع تھا۔سیاسی اور تجارتی اعتبار سے

Scanned with CamScanner

اُسے اُس وقت بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اس شہر میں قدرے سندھی آمیختہ ملتانی بولی جاتی تھی جو سراوا شہر کے نام پر سراوا ہی یا سراوا کی کہلاتی تھی اور اس کے رسم الخط کو سراوا رسم الخط کہتے تھے۔

بعض محققین کا کہنا ہے کہ پرانے زمانے میں اس علاقے کی برّی اور بحری شاہراہوں پر جو سرائیں آباد تھیں ان سراؤں کا انتظام عام طور پر ملتانیوں کے ہاتھ میں تھا بلکہ دہلی سے لے کر ایران تک کی سراؤں کے منتظمین یہی تھے اور یہ لوگ اپنے عملے سمیت بہاولپوری ملتانی زبان بولتے تھے اور اسی میں بات چیت کرتے تھے۔ بس اس زبان کے سراؤں میں مُروّج ہو جانے کی وجہ سے سندھ کے لوگ اسے سرائیکی کہنے لگے۔ (ح۔۶)

تابش الوری نے بھی ظامی بہاولپوری کی مندرجہ بالا باتوں کو دہرایا ہے۔ (ح۔۷)

۳۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق

ہندوستان کی باقی زبانوں کی طرح ملتانی زبان بھی علاقائی ناموں سے موسوم ہوتی رہی ہے۔ مثلاً ملتان اور اس کے نواح میں اسے ملتانی کا نام دیا گیا۔ بہاولپور کے علاقے میں اسے بہاولپوری کہا گیا۔ اُچ میں دارالعلوم قائم ہوا تو وہاں کی زبان اُچّی کہلانے لگی۔ بلوچی اور پشتو بولنے والی اقوام پہاڑوں سے اُتر کر میدان میں آئیں تو وہ یہاں کی زبان کو ہندکو کہنے لگیں۔ ڈیرہ غازی خان کے بلوچی بولنے والوں نے اسے جگدالی اور یغدالی کا نام بھی دیا جس کے معنی ہیں کسانوں یا دہقانوں کی زبان، مظفر گڑھ میں جٹ کسان کو کہتے ہیں لہٰذا یہ جٹکی ہوئی۔ لاڑ (جنوب) کے لوگوں کے نزدیک یہ سرداروں کی تہذیب یافتہ زبان تھی اس لیے انھوں نے بصد احترام اسے سرائیکی اور سرائے کی کے نام سے پکارا۔ غرض مختلف لوگوں نے مختلف وجوہات کی بنا پر اسے کئی نام دیے۔ اگرچہ یہ اپنے علاقے میں ایک ہی طرح بولی اور سمجھی جاتی رہی۔ تحریر میں اس کا نام ملتانی ہی آیا ہے اور غالباً سب سے پہلے ابوالفضل نے ''آئینِ اکبری'' میں استعمال کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ''آئینِ اکبری'' جلد سوم، نولکشور پریس، زبانہا، صفحہ ۴۵)۔ (ح۔۸)

۴۔عتیق فکری

عتیق فکری ''لفظ سرائیکی کی ایک تاریخی توجیہہ'' میں سرائیکی لفظ کو حضرت بی بی سارہ زوجہ حضرت ابراہیمؑ تک لے جاتے ہیں اور اس طرح سارہ سین، سراکہ، سراکی وغیرہ جیسے لفظوں سے اس کا رشتہ جوڑتے ہیں (ح۔۹)۔

۵۔سید نور علی ضامن حسینی

'' اتنے وسیع رقبے میں جس کو انگریزوں نے چار صوبوں اور تین خود مختار دیسی ریاستوں یعنی بہاولپور، خیر پور اور قلات میں بانٹ دیا تھا، اس بولی کا ایک نام رہ جانا مشکل تھا۔ غالباً یہی انگریز کی سیاسی مصلحت تھی۔شمال مغربی سرحدی صوبے والے اس کو ہندکو کہنے لگے۔ان کی نظر میں دریائے سندھ کے مشرق میں ہند تھا۔گو دریائے سندھ مشرق سے مغرب کی سمت سومیل ہٹ آیا تھا مگر ملتان والے اس زبان کو ملتانی ہی کہتے رہے۔بہاولپور والوں نے اس کا نام بہاولپوری رکھ دیا۔ملتان اور بہاولپور والے اس کے اصلی قدیم، تاریخی اور جغرافیائی وارث تھے۔ بلوچستان والوں نے اس کو جٹکی کہہ دیا۔ان کی نظر میں پہاڑوں کے نیچے میدانوں میں جٹ (جاٹ) ہی رہتے تھے مگر سندھ والوں نے اس کو صحیح جغرافیائی نام دیا جو تاریخی علاقائی وحدت کا عکاس بھی تھا، جب سندھ اور اس کے کوہ سلیمان سے نکلنے والے مغربی معاونوں کے میدانی علاقہ پر شورکوٹ سے سبّی تک ایک ہی مربوط حکومت تھی۔ حال میں سندھی ادبی بورڈ کی شائع کردہ انگریزی تاریخ سندھ کے حصہ اوّل کے مصنّف مسٹر لیمبرک جو سابق انڈین سول سروس کے آفیسر تھے، نے اس کے نام کے اصل راز کا افشا ممکن بنا دیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ اصل میں سروکی یعنی دریائے سندھ کے سرے والے علاقے کی زبان ہے۔سندھی زبان خود اس ضمن میں وچولو کہلاتی ہے یعنی درمیانی علاقے میں بولی جانے والی زبان کیونکہ سمندر کے قریب کے نشیبی علاقوں کی زبان کو لاڑی کہتے ہیں۔

سرائیکی اور سندھی کا ماں بیٹی والا تعلق اس بات سے ظاہر ہے کہ سندھی لفظ سرو کو، سرائیکی ''سرا'' کہتے ہیں۔ وچولو کو ''وچلا'' اور لاڑی کو ''لاڑ'' کہتے ہیں۔ اسی نام کی نسبت سے ضلع رحیم یار خان کا ''پکا لاڑاں'' اور سندھ کا ''لاڑکانہ'' مشہور ہے اور ان دونوں علاقوں میں لاڑ قوم بھی آباد ہے''۔

(ح۔۱۰)

ضامن حسینی آگے لکھتے ہیں:

''جرمن دانشور سر آرل سین کا مقالہ رائل جیوگرافیکل سوسائٹی کے جریدہ جیوگرافیکل جنرل اپریل ۱۹۴۲ء صفحات ۱۷۴ تا ۱۸۲ شائع ہوا ہے...... صفحہ ۱۷۶ پر پیرا نمبر ۲ میں رگ وید کے گیتوں میں ایک عظیم دریا سرسوتی کا ذکر ہے...... سرسوتی سے مراد دراصل سویرا س وتی یعنی اصحاب الرس کا دریا ہوسکتا ہے اور اسی بنا پر یہ یقینِ غالب ہوسکتا ہے کہ سرائیکی کا لفظ دراصل سویرا کی تھا جو آہستہ آہستہ بگڑ کر سرائیکی ہو گیا۔ جس کو کسی نے سرائے کی سمجھا تھا اور مسٹر لیمبرک نے سِرو کی کہہ کر ہمیں دریائے سندھ کے بالائی حصہ کی طرف پہنچا دیا جہاں ہم ن ے سویرا س قوم کو تلاش کر کے سویرا کی زبان کا نام تلاش کرلیا''۔ (ح۔۱۱)

۶۔ محمد اسلم رسولپوری

''میرے خیال میں اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ سندھ میں شروع سے سرائیکی کا وہی نام مستعمل رہ گیا اور ہمارے پاس وہیں سے آیا ورنہ یہاں تو اس زبان کو علاقے یا سمت کی بنیادوں پر ملتانی، اُچی، ہندی، ڈیرہ والی، بہاولپوری، ہندکی، لہندا، جکدالی اور جٹکی کہا جاتا رہا ہے''۔

(ح۔۱۲)

۷۔احسن واگھا

''یہ مقبول عام بات کہ سرا کی کا نام سرائیکی وجہ سے سندھی الاصل ہے، غلط ہے کیونکہ یہ اصطلاح گرائمر کے لحاظ سے سندھی نہیں۔اگر زبان کا یہ نام سندھ میں بنا ہوتا تو یہ ''سرائیجی'' ہوتا کیونکہ دا، دے یا دی کا لاحقہ سندھی میں جو، جا، جی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔یہ ممکن ہے کہ سرائیکی کی اصطلاح خود سرائیکی زبان میں سے نکلی ہو کیونکہ '' کی اور اکی '' کے لاحقے سرائیکی میں زبان کا نام بنانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، جیسے بلوچکی (بلوچوں کی زبان)، پٹھانکی (پٹھانوں کی زبان) وغیرہ'' (ح۔۱۳)

۸۔دلشاد کلانچوی

''سرائیکی'' نام کے آغاز کے حوالے سے مجھے روزنامہ ''امروز'' کی ۲۔اپریل کی اشاعت (سال اشاعت درج نہیں) میں ''سرائیکی زبان اور ملتانی میں تعلق'' کے عنوان سے دلشاد کلانچوی کا ایک خط چھپا ہوا ملا ہے۔(پتہ انٹر کالج مظفر گڑھ درج ہے۔کلانچوی مرحوم کی تعیناتی یہاں ۱۸ استمبر ۶۳ء سے ۳۰ ستمبر ۶۵ء تک رہی۔گمان ہے کہ یہ ۲ اپریل ۶۴ء کا تراشا ہے) لکھتے ہیں:

''امروز میں اکثر سرائیکی زبان و ادب کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے۔۲۹ مارچ کی اشاعت میں بھی سرائیکی ادب اور ثقافت کے فروغ کے لیے فریدؒ کلچرل سنٹر قائم کرنے کی خبر شائع ہوئی ہے۔کیا آپ کے قارئین میں سے کوئی صاحب سرائیکی زبان پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔خصوصاً یہ کہاں تک ٹھیک ہے کہ ملتانی زبان سرائیکی زبان ہی ہے یا اس کی کوئی شاخ ہے۔لسانیات کی کتب میں جس سرائیکی کو سندھ کے شمالی علاقے کی (سر و کی) زبان کہا جاتا ہے کیا وہ بہاولپور، ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان وغیرہ کی زبان کہلا سکتی ہے۔جو زبان ان علاقوں میں بولی جاتی

Scanned with CamScanner

ہے کیا لسانیات کی کتب اور تواریخ میں اسے ملتانی نہیں پکارا جاتا؟''

دراصل سرائیکی کے عظیم ادیب اور ماہر لسانیات دلشاد کلانچوی کی سرائیکی کے حوالے سے پہلی کتاب ''غالب دیاں غزلاں'' مطبوعہ ۱۹۶۹ء میں اسے ملتانی بہاولپوری زبان لکھا گیا جبکہ ان کی کتاب ''سرائیکی لسانیات'' مطبوعہ ۱۹۹۰ء تک پہنچتے پہنچتے ان کے نظریات واضح ہو گئے لہٰذا وہ لکھتے ہیں:

''ایک روایت ہے کہ مسلمانوں کے وادیٔ سندھ میں داخل ہونے سے پہلے سندھ اور ملتان کے علاقوں میں ''سراوا'' شہر کو بھی کافی اہمیت حاصل رہی ہے۔ آج بھی وہ شہر ضلع رحیم یار خان میں سراوا کے نام سے موجود ہے جو کئی دفعہ مسمار اور پھر آباد ہوتا رہا ہے۔ سراوا کے شہر میں علم و ادب کے چرچے رہتے تھے بلکہ ایک قدیم یونیورسٹی بھی یہاں قائم تھی۔ اس شہر میں سیٹھوں، ساہوکاروں کی بڑی بڑی کوٹھیاں یعنی ایجنسیاں بھی قائم تھیں اور ملک ملک کے تاجر اس برصغیر میں آتے جاتے، ادھر سے گزرتے ہوئے ٹھہرتے اور آرام کرتے۔ عام بات چیت اور کاروباری معاملات کے لیے وہ یہاں کی اس وقت کی زبان سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اپنی زبانوں کے لفظ اور محاورے یہاں کی زبان میں ملا جُلا جاتے تھے۔ یہ ملی جلی زبان سراوا کی قدیم اور اہم منڈی کی وجہ سے ''سراوائی'' کہلانے لگی اور سراوائی رسم الخط میں لکھی جاتی رہی'' (ح۔۱۴)

دلشاد کلانچوی کی بیان کردہ اس روایت کو اس بات سے بھی تقویّت ملتی ہے کہ اس زمانے کے لگ بھگ وادیٔ سندھ کے اس علاقے میں سرائی کے نام والی ایک قوم بھی رہتی تھی، جس کی اولاد آج تک موجود ہے۔ ایک دن سرائی قوم کی قسمت چمکی تو سندھ پر بھی ان کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اس بات کو حکیم فقیر الٰہی بخش سرائی ''تاریخ سندھ'' حصہ ششم صفحہ ۱۸۶ کے حوالے سے آگے

Scanned with CamScanner

بڑھاتے ہیں۔

۹۔ حکیم فقیر الٰہی بخش سرائی

''سرائیکی قوم کے اکثر لوگ ''سرا'' کے باشندے ہیں جو بھکر اور ملتان کے درمیانی علاقے کا نام تھا، اس لیے انہیں سرائی کہنے لگے۔ سرائی قوم کی مادری زبان سرائیکی ہے۔ اب قسمت ملتان میں سرائی برادری کے ہزاروں گھرانے آباد ہیں۔ یہ ملتانی مشہور ہوئی۔ دراصل یہ سرائیکی ہے''۔ (ح۔۱۵)

اس تمام بحث کو ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل کے اس اقتباس پر ختم کر کے ناموں کی اس بحث کو سمیٹتے ہیں۔ شیکل لکھتے ہیں:

''موجودہ صدی کے چھٹے عشرے (۱۹۶۲ء) میں اس زبان کو ''سرائیکی'' کے متفقہ نام سے پکارنا شروع ہو گیا اور سرائیکی کے مرکزی علاقے ملتان میں ''سرائیکی اکیڈمی'' کے نام سے ایک ادبی تحریک کا آغاز ہوا''۔ (ح۔۱۶)

(ب) سرائیکی کا رسم الخط اور حروف تہجی

دلشاد کلانچوی لکھتے ہیں:

'' شروع شروع میں انسان دل کی بات دوسرے تک اشاروں کے ذریعے پہنچاتا تھا۔ پھر آوازیں نکال کر اپنا مطلب سمجھانے لگا۔ پھر ان آوازوں کی شکلیں مقرر کی گئیں تاکہ آوازوں کو لکھنے پڑھنے میں لایا جائے اور ان کو محفوظ بھی کیا جا سکے۔ ایسی شکلیں رسم الخط کہلائیں۔ شروع میں حرف نہ تھے، ان کی نمائندگی تصویروں سے کی جاتی تھی۔ اس لیے اس ابتدائی رسم الخط کو تصویری رسم الخط کہا جاتا تھا۔ مثلاً:

رات ☾ ، دن ⊙ ، درخت 丰 وغیرہ۔''

یہ تصویری رسم الخط اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا رہا مگر انسان کو اپنی جوابی بات بیان کرنے میں بہت سی شکلیں بنانی پڑتی تھیں اس لیے سالم شکلوں کی بجائے مختصر اشارے مقرر کیے گئے۔ پھر ان اشاروں کو بھی مختصر کر کے حروف تہجی میں ڈھال دیا گیا۔ عام خیال کے مطابق حروف تہجی سب سے پہلے مصر میں وجود میں لائے گئے تھے۔

وادیٔ سندھ کے رسم الخط کا تعلق آرامی رسم الخط سے رہا ہے۔ آرامی زبان زمانہ قدیم میں ملک شام میں بولی جاتی تھی اور اس کا رسم الخط فنیقی رسم الخط سے ایک ہزار سال قبل مسیح میں اخذ کیا گیا تھا (آرامی زبان کے کچھ کتبے ٹیکسلا کے عجائب گھر میں موجود ہیں۔ یہ بدھ مت کے زمانے کے ہیں)۔ اس طرح آرامی رسم الخط سے عربی رسم الخط اور فارسی رسم الخط وجود میں آئے۔ عربی رسم الخط مذہب اسلام سے پہلے رواج میں آ چکا تھا اور اس کی کئی شاخیں بھی بن گئی تھیں جن میں

کوفی رسم الخط زیادہ مشہور ہوا۔ یہ عربی رسم الخط تاجر لوگوں کے ذریعے وادیٔ سندھ میں بھی آ گیا۔

وادیٔ سندھ کی سب سے پہلی قوم جس کے رسم الخط کا کچھ پتہ چل سکا ہے وہ دراوڑ قوم تھی اور انھوں نے اپنا رسم الخط عراق کے قدیم تصویری رسم الخط سے نکال کر بنا لیا تھا جس کے نمونے وادیٔ سندھ کے تاجر عراق سے ساتھ لے آئے (تقریباً چھ ہزار سال پہلے سمیرئین (عراقیوں نے) جونئی قسم کی تحریر ایجاد کی تھی اور جسے میخی خط یا کیسو نیفارم کہا جاتا ہے۔

فی الحال وہی اس قسم کے قدیم ترین فنِ تحریر کا نشان ہے)۔ یہ رسم الخط سیدھے ہاتھ سے الٹے ہاتھ کو شروع کیا جاتا تھا اور یہی رسم الخط سرائیکی کا قدیم رسم الخط ہو سکتا ہے''۔(ح۔۱۷)

ڈاکٹر مہر عبدالحق کا کہنا ہے کہ:

''ملتان کے قلعے میں ملنے والے مٹی کے برتن کے ٹکڑوں میں جو حروف مشاہدے میں آئے ہیں وہ ترقی کی منزل میں موہن جودڑو کے خط سے بھی ایک منزل آگے ہیں''۔(ح۔۱۸)

اسلم رسولپوری کہتے ہیں کہ:

''ملتان کے حروف موہن جودڑو کے حروف کے قریب ہیں''۔(ح۔۱۹)

''موہن جودڑو کا رسم الخط جو وادیٔ سندھ کا قدیم رسم الخط ہے۔ اسے کوپن ہیگن کے انسٹی ٹیوٹ آف ایشین اسٹڈیز کے ماہرین ڈاکٹر سمیوئیل پریولا وغیرہ اور روس کے ماہرین نے کمپیوٹر کے ذریعے پڑھنے میں کامیابی حاصل کر کے یہ راز ڈھونڈنے کا کام کیا ہے کہ موہن جودڑو کی بولی دراوڑی بولیوں کی ماں یعنی پیرنٹ لینگویج ہے جس میں سے یہ بولیاں پیدا ہوئیں''۔(ح۔۲۰)

ان ماہرین نے کچھ مہروں کی تحریریں بھی بتائی ہیں جن میں بہت سارے لفظ اب بھی نحوی ترتیب کے مخصوص سرائیکی انداز میں تبدیلی لانے کے بعد تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ ان میں کچھ لفظ یہ ہیں:

گوی (لمبی کڑی جو کاندھے پر بوجھ اٹھانے کے کام آتی ہے)

مٹائی (گھڑا یا مٹی کا برتن)

کوٹ (قلعہ)

چٹ (سر کے بڑھے ہوئے بالوں کی لٹ)

کھٹ (چارپائی، کھاٹ)

ملوک (اچھا، خوبصورت، نازک، نفیس (ح۔۲۱)

سرائیکی دانشور احسن واگھا مشہور ماہرِ لسانیات عین الحق فرید کوٹی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''وادیٔ سندھ میں لکھنے پڑھنے کا رواج ۳۰۰۰ ق۔م میں ایک ایسے رسم الخط میں ہوا تھا جو آگے جا کر براہمی رسم الخط کے نام سے مشہور ہوا۔ جسے سنسکرت میں برہما سُورتا کہا جاتا ہے اور جو اصل میں قبل از دراوڑی زبان میں تھا۔ موہن جودڑو اور ہڑپہ کی تصویری مہروں سے تعلق رکھنے والا یہ رسم الخط ہزاروں سالوں تک جاری رہنے والا واحد رسم الخط ہے اور بہت سارے جدید رسم الخطوں میں اس کے مختلف انداز اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں''۔ (ح۲۲)

دلشاد کلانچوی لکھتے ہیں:

''کوکی رسم الخط وہ ہے جسے ہندو ساہوکار یا دکاندار اپنے بہی کھاتے میں

اپنے لین دین کا حساب کتاب لکھتے رہتے تھے۔ یہ رسم الخط برصغیر کی تقسیم تک با قاعدہ چلتا رہا ہے کیونکہ اسے محض ہندو پڑھتے لکھتے تھے۔ اس لیے برصغیر کی تقسیم کے بعد یہ رسم الخط بھی کراڑوں (ہندوؤں) کے ساتھ بھارت چلا گیا''۔ (ح ۲۳)

ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل نے کڑو کے رسم الخط کے متعلق لکھا ہے کہ:

''سیرام پور سے چھپنے والی انگریزوں کی مذہبی کتاب ''عہد نامہ جدید'' کا ترجمہ جو ملتانی زبان میں ہوا تھا اور ۱۸۱۹ء میں شائع ہوا۔ وہ بھی کڑو کے رسم الخط میں تھا۔''

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ سرائیکی علاقے میں ہندوؤں کی زبان بھی سرائیکی تھی۔ اس لیے لنڈا رسم الخط یا کڑو کا رسم الخط خود سرائیکی کا رسم الخط تھا۔ محمد بن قاسم کے آنے کے بعد اس علاقے کی زبانوں پر عربی کے بہت اثرات مُرتب ہوئے۔ عربی رسم الخط نے یہاں کے رسم الخطوں کی جگہ لینا شروع کر دی۔ البیرونی کے آنے تک یہاں یہی رسم الخط رائج تھے مگر یہاں کی ایک اہم زبان سندھی نے پانچویں صدی ہجری میں عربی رسم الخط کو قبول کر لیا۔ سرائیکی علاقہ اس زمانے میں دو رسم الخط استعمال کرتا رہا۔ قدیم مقامی رسم الخط، مقامی ہندو استعمال کرتے تھے جسے کڑو کی یا لنڈا کہا جاتا تھا اور مسلمانوں نے عربی رسم الخط استعمال کرنا شروع کیا۔ خواہ اس رسم الخط میں مقامی حروف اور آوازیں مثلاً نُون غنہ، ڈ، ڑ، ٹھ، ٹ وغیرہ اور مخصوص آوازیں شامل نہیں تھیں۔ اس رسم الخط میں حاجی نور محمد شیر گڑھی کی کتاب ''مسائل غسل وکفن دفن'' ۱۱۳۷ھ اور مولوی عبدالکریم جھنگوی کی مثنوی ''نجات المومنین'' چراغ اعوان کی ''ہیر رانجھا'' نور نامے اور معراج نامے وغیرہ ملتے ہیں۔

موجودہ فارسی رسم الخط ارامی رسم الخط کی ترقی یافتہ صورت ہے اور اپنی ترقی کے مختلف

ادوار سے گزر کر ہم تک پہنچتا ہے۔ موجودہ خط نستعلیق کو تیرھویں صدی عیسوی میں ایجاد کیا گیا تھا۔ اسے امیر علی تبریزی نے ایجاد کیا تھا۔ یہ رسم الخط ہندوستان میں مسلمان حکمران لے کر آئے۔ یہ صرف فارسی لکھنے کے لیے استعمال ہوا تھا مگر جب برسراقتدار طبقہ اُمراء نے مقامی زبانیں استعمال کرنا شروع کیں تو فارسی رسم الخط بھی مقامی دیوناگری رسم الخط کے ساتھ ساتھ لکھنے کے لیے استعمال ہونا شروع ہو گیا۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ اُنیسویں صدی عیسوی میں ہندوستانی زبان دو مختلف طرزِ تحریر میں لکھی جاتی تھی۔ ایک فارسی طرزِ تحریر جو اسلامی ہندوستان کے لیے اختیار کیا گیا، دوسرا دیوناگری طرزِ تحریر جسے ہندوستانی ہندی (ہندوؤں کی زبان) کے لیے استعمال کیا گیا۔

پنجاب میں پنجابی زبان فارسی رسم الخط میں لکھی جا رہی ہے۔ اس سارے عمل کے بارے میں ظامی مرحوم ''بہاولپوری ملتانی زبان و ادب'' میں لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کے سندھ میں وارد ہونے سے پہلے اور کافی عرصہ بعد تک کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ اس علاقے میں بہاولپوری ملتانی کا رسم الخط کیا تھا اور اس کے بولنے والے کون سے رسم الخط اور کن حروفِ تہجی میں یہ زبان لکھتے تھے۔ مگر بعض شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً پندرھویں صدی عیسوی سے پہلے یہ زبان سراوا حروف اور سراوا رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ اس کے بعد لُنڈا رسم الخط سامنے آیا۔ دونوں خط بہت تھوڑے ردوبدل کے ساتھ آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لُنڈا رسم الخط سراوا کی اصلاح یافتہ صورت ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ سندھ میں مسلمانوں کے آنے سے پہلے اور بعد میں ملتان اور بہاولپور میں حروفِ تہجی لارچی اکھر اور اس کا رسم الخط رکڑ کی رائج تھے مگر جب مسلمانوں نے اس زبان کی سرپرستی قبول کی۔ اس وقت سے یہ زبان

خطِ نسخ اور نستعلیق اور ان کے حروف تہجی کی طرز پر لکھی جانے لگی۔ مگر اس خط میں ایک بھاری نقص یہ ہے کہ نستعلیق کے حرف اس زبان کی مخصوص صوتیات کو مُشکل کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں''۔

بہاولپوری ملتانی زبان کی صوتیات بھی فارسی سے کچھ الگ اور نرالی ہیں۔ شروع میں یہاں کے مسلمانوں نے اس کی پرواہ نہ کی اور اپنی زبان کے مخصوص صوتیات کو قریب المخرج فارسی حرفوں کی شکل میں لکھنے لگے اور اپنی تصنیفات میں ان صوتیات کے سمجھنے کا دارومدار پڑھنے والے کی عقل اور دانائی پر قائم کیا۔ اس دور کی ابتدائی تصنیفات میں ''سیفل نامہ'' (لطف علی بہاولپوری)، یوسف زلیخا (عبدالحکیم اُچوی) اور ابیات علی حیدر ملتانی وغیرہ خالص فارسی حروفِ تہجی میں لکھی گئیں۔ مقامی صوتیات کے لیے الگ امتیازی نشان نہ ہونے کی وجہ سے یہ قیمتی تصنیفات جو اس زبان کی بنیادی کتابیں ہیں عوام سے درست اور صحیح طریقے سے نہ پڑھی جاسکیں۔ آنے والے دور میں حروف تہجی میں اصلاح کی کوششیں کی گئیں۔

ا۔ خواجہ فریدؒ کا دیوان شائع ہونے لگا تو آپؒ نے طے والا نون بدیں شکل ''ݨ'' وضع فرمایا مگر مزید صوتیات کی تشکیل کے لیے وقت نہ نکال سکے۔

اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے پہلی کامیاب کوشش ڈیرہ غازی خان کے قاضی فخرالدین راضی نے کی۔ انھوں نے ۱۸۹۳ء میں مخصوص حروف مقرر کیے اور ان کو اپنی مختلف کتابوں میں برتا۔ اُنھوں نے اپنی کتابیں خط نستعلیق میں چھپوائیں مگر اُن کی اِن کوششوں کو کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ اُن کے چھ مخصوص حرفوں میں مُفرد اور مرکّب حرف میں لکھے جانے والے دونوں حرف شامل ہیں مگر آپ نے خواجہ فریدؒ کے وضع کردہ ''ݨ'' اپنے حرفوں میں شامل نہ کیا۔ ان کے حرف یہ تھے:

ٻ (ٻے)، ڄ (ڄے)، ڃ (ڃے)، ڈ (ڈال)، ڳ (ڳاں)، ڱ (ڱاں)
ٻیلی ، ڄالی ، ویڃ ، ڈال ، ڳاہلہ ، لنڱاں
(ح-۲۴)

صَوتیات کی یہ اشکال سندھی حرفوں سے ملتی جلتی ہیں اور سندھی زبان کے حروف تہجی کے تھوڑے بہت ردّوبدل سے اسے اپنایا گیا ہے۔

۲۔ ''سرائیکی مطالعے دے سوسال'' کے مطابق فارسی رسم الخط میں سرائیکی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے دوسری اور بہتر تبدیلی کا کام بائبل سوسائٹی لاہور نے کیا۔ (ح۔۲۵) ۱۸۹۸ء میں گاسپل کے نظر ثانی شدہ سرائیکی ترجمے وہ پہلی کتابیں تھیں جو اردو رسم الخط میں شائع ہوئیں جن سے ہمیں خاص سرائیکی حروف ہجا کا بھی پتہ چلتا ہے جیسا کہ: ''ٻ، ڄ، ݙ، ڳ، نج، نڑنگ''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسم الخط کی یہ غیر معمولی درستی محض محمد حسین نام کے ایک کاتب کے فنِ کتابت میں تربیت پانے کی وجہ سے ہو سکی ہے۔ اس کام کے پیچھے اے جیوکس کا ہاتھ تھا۔ جس نے بعد میں اپنی مشہور ڈکشنری ''اے ڈکشنری آف ویسٹرن پنجابی آر جٹکی'' ترتیب دی تھی۔ اس میں بھی اس نے انگریزی کے ساتھ ساتھ سرائیکی کا تلفظ بھی دیا ہے جس کے لیے اس نے یہ مخصوص حروف مقرر کیے ہیں:

''ٻ۔ ڄ۔ ݙ۔ ڳ۔ نڑ''

NR̥ Ḡ D̥ J̄ B̥

اس کے بعد ای او برائن کی مشہور ''اے گلاسری آف دی ملتانی لینگویج'' کے ۱۹۰۳ء میں چھپنے والے دوسرے ترمیم شدہ ایڈیشن (جے ولسن) میں سرائیکی کے اضافی حروف اور آوازوں کو انگریزی کے بعض حرفوں میں لفظوں کا اضافہ کر کے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے مثلاً:

''ٹ کو n̥ اور ڈ کو d̥۔

۳۔ تیسری کوشش ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔ جمعیت الانصار دین پور شریف ضلع رحیم یار خان

نے عوام النّاس میں اسلام کی تبلیغ کی خاطر مقامی زبان کی ترقی اور ترویج کی طرف توجہ دی اور بہاولپوری زبان میں انگریزی رومن طرز کا ایک ابتدائی قاعدہ ترتیب دے کر پیش کیا۔ قاعدے کی ترتیب میں صوتیات زبان کو مُشکل کرنے کا مسئلہ ایک اہم اور اوّلین مسئلہ تھا۔ جمعیت الانصار نے اس گتھی کو سلجھا کر مقامی زبان پر بڑا احسان کیا مگر وضع شدہ حرفوں کی شکلوں کی بنیاد سندھی حرفوں پر رکھی جو دو اعتبار سے موزوں نہ تھیں۔ ایک تو اس لیے کہ دو زبانوں کے حرفوں کی مماثلت کئی پیچیدگیوں کا موجب بن سکتی ہے۔ دوسرا اس طریقے سے کسی زبان کی انفرادیت قائم نہیں رہ سکتی۔ مگر پھر بھی جمعیت الانصار کا یہ قدم بہرحال تعریف کے قابل ہے ان کے وضع کردہ سات حرف اور ان کی شکلیں یہ ہیں:

''ٻ، ڄ، ڃ، ڎ، ڳ، ڱ، ڻ''۔ (ح۔۲۶)

جمعیت الانصار نے ڑیں کی آواز کو مُفرد حرف میں متشکل کر کے اِس زبان کے تحریری کام میں بڑی مدد دی ہے اور اسی سلسلے میں جمعیت کا قاضی راضی کے بعد ترقی کی طرف یہ اہم قدم ہے۔

پھر خان غلام محمد خان لنگاہ فریدی نائب تحصیلدار سکنہ جھیلن والی تحصیل احمد پور شرقیہ نے اس زبان میں ''سلسلۂ صادقیہ'' کے نام سے لکھنا شروع کیا۔ شروع میں ''بہاولپوری ملتانی زبان دا قاعدہ'' ترتیب دیا جس میں مخصوص صوتیات کو بزرگوں کے طریقے سے ہٹ کر متشکل کیا اور پانچ حرفوں پر غیر معروف نشان لگائے۔ یہ کوشش کامیاب اور مقبول نہ ہوسکی کیونکہ یہ کوشش مختلف اور اجنبی طریقے کی تھی۔ (بحوالہ بہاولپوری ملتانی زبان وادب)

۴۔ اس کے بعد چوتھی کامیاب کوشش مولانا عزیز الرحمان بہاولپوری نے کی۔ انھوں نے خواجہ فریدؒ کے دیوان کا ترجمہ اور شرح ترتیب دے کر شائع کیا۔ ان کے مرتبہ مخصوص حروف تہجی یہ ہیں:

''ٻ، ڄ، ڃ، ڈ، ڳ، ڱ''۔ (ح۔۲۷)

ظامی بہاولپوری نے اپنی کتاب ''بہاولپوری ملتانی زبان وادب'' میں یہ حروف اور علامتیں تجویز کیں۔

''ٻ، ڄ، ڄ، ݙ، گ، ڳ، ݨ، ی''

''ٻکری، ڄموں، ڄڄ، ݙانگ، ڳاں، لݨگ، منڑ، ݙیاں''

۵۔ پانچویں کوشش ۱۸ مئی ۱۹۷۹ء کو ''کل پاکستان سرائیکی حروف کمیٹی'' (جس کے کنوینئر سیٹھ محمد عبیدالرحمان بہاولپوری تھے) کا ایک تاریخ ساز اجلاس اقامت گاہ مولانا نور احمد خاں فریدی ملتان میں ہوا جس میں متفقہ طور پر پانچ اضافی حروف طے کیے گیے:

''ٻ، ڄ، ݙ، ڳ، ݨ''۔

اس اجلاس میں سندھ سے شفیع محمدی، داد محمد خادم بروہی، بلوچستان سے پروفیسر عطا محمد حامی، ملتان سے ڈاکٹر مہر عبدالحق، عمر کمال خان، بہاولپور سے دلشاد کلانچوی، رحیم یار خان سے ممتاز حیدر ڈاہر، ڈیرہ غازی خان سے احسن واگھا، نذیر لغاری، ابن قیصر، مظفر گڑھ سے عامر فہیم اور راقم الحروف نے شرکت کی۔ اجلاس میں وضاحت کی گئی کہ جس طرح اُردو میں ب کا ایک نقطہ اور پ کے تین نقطے ہیں اس طرح سرائیکی کے اضافی حرف ٻ کے نیچے بھی دو عمودی نقطے ہیں۔ اُردو میں ج کا ایک اور چ کے تین نقطے ہیں۔ سرائیکی کے اضافی حرف ڄ کے دو عمودی نقطے ہیں۔ ٻ اور ڄ طے ہونے کے بعد دو عمودی نقطوں کو سرائیکی کی مستقل علامت بنانے کا فیصلہ ہوا اور کہا گیا کہ ایک اضافی نقطہ ب، ج اور ن میں وہاں لگایا جائے جہاں پہلے سے ایک نقطہ موجود ہے جبکہ ڈ اور گ کے نیچے دو نقطے لگائے جائیں اور یہ تمام نقطے لیٹے ہوئے ہونے کے بجائے کھڑے ہوئے ہوں۔ اجلاس میں مُرّوجہ دائرے اور اوپر ایک نقطے کو ختم کرنے کا فیصلہ ہوا تاکہ یکسانیت پیدا ہو۔ دلشاد کلانچوی نے متفقہ فیصلے کی دستاویز پر اختلافی نوٹ لکھتے ہوئے ݨ کی جگہ ''نڑ'' کو جاری رکھنے پر زور دیا۔ (اُردو حروف ''ن'' کے اوپر ننھی سی ''ط'' لگائی جائے جو

''ڑ'' کی آواز دے) اس سے پہلے اور بعد سرائیکی رسم الخط اور حروف تہجی پر سرائیکی ماہر لسانیات، دانشوروں اور ادیبوں نے وقتاً فوقتاً اپنی آراء اور خیالات کو مختلف کتابچوں کی شکل میں پیش کیا ہے جنھیں سرائیکی زبان کے قاعدے کہا جاسکتا ہے۔ ان کا جائزہ کچھ یوں ہے۔

قاضی فخر الدین راضی نے مُلتانیں بولی دی کتاب قاضی دی، المعروف ''مُلتانیں قاعدہ'' ۱۸۹۳ء میں شائع کیا تھا جس کا چوتھا ایڈیشن اُن کے بیٹے نے ڈیرہ غازی خان سے ۴۰ صفحات پر مشتمل ستمبر ۱۹۷۸ء میں شائع کرایا۔ جمیعت الانصار دین پور شریف، خان پور ضلع رحیم یار خان کا ریاستی مادری زبان کا قاعدہ چار صفحات پر مشتمل ۲۸ مارچ ۱۹۴۳ء کو عزیز المطابع بہاولپور نے شائع کیا۔ دلشاد کلانچوی اور بشیر احمد ظامی کی اس سلسلے کی پہلی کاوش بھی چار ہی صفحات پر مشتمل ہے۔ '' بہاولپوری مُلتانی زبان دی بسم اللہ، کے عنوان سے جسے عزیز المطابع بہاولپور ہی نے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔ (مگر اس سے پہلے نذیر علی شاہ (س۔ن) بھی کوشش کر چکے تھے۔)۔ اس سے پانچ سال پہلے اپریل ۱۹۵۲ء میں اختر وحید کا ''ملتانی زبان کا قاعدہ'' کاشانۂ ادب ملتان سے ۱۶ صفحات پر مشتمل شائع ہو چکا ہے۔ بشیر احمد ظامی بہاولپور نے ''سرائیکی زبان دا قاعدہ'' کے عنوان سے کوشش کی، جس کا دوسرا ایڈیشن مرکز سرائیکی زبان تے ادب بہاولپور نے ۳۶ صفحات پر مشتمل ۱۹۶۴ء میں شائع کیا۔ (ترجمہ شدہ ایڈیشن ۱۹۶۸ء میں چھپا) جبکہ دلشاد کلانچوی نے سرائیکی قاعدہ ۱۹۷۷ء میں سرائیکی لائبریری بہاولپور سے شائع کیا۔ ۱۶ صفحات پر مشتمل اِس قاعدے کے ایڈیشن ۱۹۷۸ء، ۷۹، ۸۵ء، اور ۹۰ء میں چھپے۔ ۱۹۷۸ء میں ہی ابنِ قیصر نے ڈیرہ غازی خان سے ۱۶ صفحات پر ''سرائیکی کی پہلی کتاب'' شائع کرائی۔ ۱۹۷۹ء میں اسلم رسولپوری کا ''سرائیکی قاعدہ'' صفحات ۱۶ اور ۱۹۸۰ء میں محمد علی احمدانی کا ۳۰ صفحات پر ''سرائیکی دا پہلا قاعدہ'' چھپا۔ یوں ۱۹۷۸ء، ۷۹ اور ۸۰ میں ڈیرہ غازی خان سے یہ تین قاعدے لگاتار شائع ہوئے۔

۱۹۸۵ء میں نور احمد سیال کا ''سرائیکی زبان کا نیا قاعدہ'' بہاولپور سے چھپا۔ ترجمہ شدہ

Scanned with CamScanner

غلام حسین راہی گبول اور فیاض حسین قاصر فریدی کی مشترکہ کاوش ''پکلی جماعت دا قاعدہ'' اپریل ۱۹۸۹ء میں ڈیرہ شمس، رحیم یار خان سے اور بعد اصلاح دوسرا ایڈیشن جولائی ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا، جبکہ اس کا ایک اور ایڈیشن گبول سرائیکی تعلیمی ادارہ بھونگ، صادق آباد کی ''سرائیکی دی پہلی کتاب'' کے ساتھ ۱۹۹۵ء میں بھی شائع کیا گیا۔

سجاد حیدر پرویز کا ''سرائیکی معلم'' سرائیکی لکھنا پڑھنا سیکھنے کے خواہش منداور خواندہ حضرات کے لیے آسان رسم الخط، اضافی حروف تہجی، املاء اور قواعد کے ساتھ ذخیرۂ الفاظ پر مشتمل قاعدے کا نام دے کر ۱۹۹۲ء میں چالیس صفحات پر مشتمل مظفر گڑھ سے شائع کیا گیا۔ اختر حسین اور زبیر بن قاسم نے ۱۹۹۳ء میں ''سرائیکی قاعدہ'' اور پیرزادہ معین الدین قریشی نے ''معین العلم آسان سرائیکی اردو انگریزی قاعدہ'' ۱۹۹۶ء میں مُلتان سے شائع کیے۔ تجربات کے اس دور میں چار اضافی حروفِ تہجی پر مشتمل خلیل احمد شودمستوئی کا ''سرائیکی قاعدہ'' ۳۲ صفحات پر مشتمل ۱۹۹۷ء میں فاضل پور سے اور سات اضافی حروف پر مشتمل عبدالطیف بھٹی کا ''پہلا مکمل سرائیکی قاعدہ'' ۱۲ صفحات پر مشتمل ۲۰۰۱ء میں ملتان سے شائع ہوا۔ ترامیم کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا، اِس کے صفحات ۲۰ ہیں۔

سکرپٹ اور املاء کے تجربات میں ملک وارث نانچ نے ''سرائیکی زبان کا دنیا میں پہلا مکمل قاعدہ سرائیکی وسیب کے لیے سرائیکی زبان کا ذاتی رسم الخط'' کے عنوان سے ۱۶ صفحات پر مشتمل لیاقت پور سے شائع کیا جبکہ مخدوم غفور ستاری مرحوم نے اپنے ہفت روزہ ''صدائے مخدوم'' مظفر گڑھ میں ''مخدومی املاء'' کے ساتھ ''مخدومی قاعدہ'' شائع کیا مگر یہ دونوں کاوشیں مُشکل بندی اور قابلِ عمل نہ ہونے کی وجہ سے پذیرائی حاصل نہ کر سکیں۔ غلام فرید ساجد بلوچ نے بھی ''درست املاء'' کے عنوان سے ۱۲ صفحات کا ایک کتابچہ جون ۲۰۰۱ء میں شائع کیا۔

اِس دوران پروفیسر شوکت مغل نے جون ۱۹۸۷ء میں پہلی بار سرائیکی مجلسِ ادب ملتان سے ۱۶ صفحات پر مشتمل ''سرائیکی قاعدہ'' چھاپا جو بعد میں مختلف سائزوں میں کئی اداروں

نے شائع کیا۔ تاہم انہوں نے ''سرائیکی املاء دے مسئلے'' کے عنوان سے چالیس صفحات کا ایک مقالہ اگست ۱۹۹۸ء میں اور ''سرائیکی رسم الخط اُنویہویں تے ویہویں صدی وِچ''، ''سرائیکی دیاں خاص آوازاں دی کہانی'' کے عنوان سے ایک مطالعاتی و تجزیاتی کتاب ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ستمبر ۲۰۰۲ء میں جھوک پبلشرز ملتان سے شائع کی۔

اِن کوششوں کا اگلا مرحلہ ۲۰۰۳ء میں پروفیسر شوکت مُغل نے روزنامہ ''خبریں'' ملتان کے سرائیکی ادبی صفحے پر ہفتہ وار کالم'' آؤ سرائیکی پڑھوں تے سرائیکی لکھوں'' کی شکل میں کیا۔ قسط وار ۵۲ کالموں کا مجموعہ اگلے سال اکتوبر ۲۰۰۴ء میں ۱۳۶ صفحات پر مشتمل کتاب کی صورت میں شائع کیا۔ سرائیکی میں تعلیم کے سلسلے کی کاوشیں شوکت مغل سے پہلے اور بعد میں بھی کی گئیں۔ مثلاً ۱۹۹۹ء میں گبول سرائیکی تعلیمی ادارہ بھونگ صادق آباد نے ''سرائیکی دی پہلی کتاب'' شائع کی۔ اِسے طبع دوم کے طور پر ۱۹۹۹ء میں ۲۲ صفحات پر مشتمل چھاپا گیا، جبکہ ''سرائیکی دی ڈوجھی کتاب'' صفحات ۳۲ سال ۱۹۹۶ء میں اور ''سرائیکی دی تریجھی کتاب'' ۳۲ صفحات، ۱۹۹۹ء میں شائع کی گئی۔ ۱۹۹۷ء میں مشتاق حسین کاظمی کی ''تعلیم الاطفال'' بھی اِس سلسلے کی کڑی ہے۔ نیو لائف رحیم یار خان نے ۱۹۹۹ء میں سرائیکی میں تعلیمِ بالغاں کے لیے کتاب نمبر ایک (۷۲ صفحے)، کتاب نمبر دو (۸۶ صفحے) اور کتاب نمبر تین (۸۶ صفحے) شائع کیں۔ یہی ادارہ ۲۰۰۰ء میں سرائیکی قاعدہ نمبر ۱ (۸۸ صفحے) سرائیکی قاعدہ نمبر ۲ (۸۸ صفحے) اور سرائیکی قاعدہ نمبر ۳ (۶۳ صفحے) طبع دوم کے طور پر شائع کر چکا ہے جبکہ ۲۰۰۷ء میں شاون لُنڈ ڈیرہ غازی خان سے سرائیکی پرائمری تعلیم کے سلسلے میں ''سرائیکی دی پہلی کتاب'' اور ''سرائیکی دی ڈوجھی کتاب'' شائع ہوئیں۔

(ب) سرائیکی لسانی مطالعے

سرائیکی زبان پر لسانیات کے حوالے سے پہلے انگریزی زبان میں کام ہوا۔ابتدائی سطح پر دیکھا جائے تو انگریزی دور میں ای بی سٹیڈ مین (سیٹلمنٹ آفیسر جھنگ ۱۸۷۴ء تا ۱۸۸۰ء) کی ''رپورٹ آف دی ریوائیزڈ سیٹلمنٹ آف دی جھنگ ڈسٹرکٹ آف دی پنجاب'' مطبوعہ لاہور ۱۸۸۲ء اور ای او برائین (اسسٹنٹ کمشنر و سیٹلمنٹ آفیسر مظفر گڑھ (۱۸۷۳ء تا ۱۸۸۰ء) کی ''رپورٹ آف لینڈ ریوینو سیٹلمنٹ آف دی مظفر گڑھ ڈسٹرکٹ آف دی پنجاب'' مطبوعہ لاہور ۱۸۸۲ء جیسی انتظامی رپورٹیں دکھائی دیتی ہیں جن میں مقامی زبان کے حوالے سے بھی لکھا گیا ہے۔اسی طرح تمام اضلاع کے ''گزیٹیرز'' میں مقامی زبانوں کے حوالے سے بھی مواد موجود ہے۔

انگریز مستشرقین میں سرائیکی لغت نویسی اور سرائیکی گرائمری اصول و قواعد سے ہٹ کر دیگر لسانی مطالعوں میں نمایاں نام سر جارج گریرسن کا نظر آتا ہے۔سر جارج گریرسن (۱۸۵۱۔۱۹۴۱ء) نے سرائیکی کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔جب بمفورڈ نے اپنے ''رَف نوٹس'' کا مسودہ اشاعت سے چند ماہ پہلے اُنھیں دکھایا تو گریرسن کو بھی سرائیکی سے رغبت ہوئی اور نتیجے میں ان کا ایک مضمون '' آن پرونا مینل سفیکسیز اِن دی کشمیری لینگوئج ،، جو ۱۸۹۵ء میں بمفورڈ کی تشریح و توضیح کے سلسلے میں جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے LXIV ، پہلا حصہ، ۱۸۹۵ء صفحات ۳۳۶ تا ۳۵۱ پر شائع ہوا، وہ لکھتے ہیں:

> ''مسٹر بمفورڈ اب یہ بتاتے ہیں کہ یہ زبان اُس وقت اُس جگہ کی نسبت سے جہاں اِسے پہلے سے بولا جاتا تھا، ملتانی کہلاتی رہی ہے۔کسی طرح بھی یہ زبان سندھی اور پنجابی کی سرحد پر کی زبان نہیں۔یہ تو خود پنجاب کی زبان ہے جو ایک اندازے کے مطابق دریائے جہلم کے مغربی علاقے

سے شروع ہو کر دریائے سندھ یا پشتو بولنے والے مغربی علاقے تک بولی جاتی ہے۔''

گریرسن آگے چل کر لکھتے ہیں:

''مغربی پنجابی کسی طرح بھی معیاری پنجابی کا لہجہ نہیں کہلا سکتی کیونکہ یہ بالکل الگ زبان ہے جو سندھی اور کشمیری سے قریبی تعلق رکھتی ہے اور ان کو آپس میں ملانے کی کڑی کا کام بھی دیتی ہے۔

اِس تحقیق کے بعد وہ ۱۸۹۸ء میں 'ف لینگوئیسٹک سروے آف انڈیا'' کے سپرنٹنڈنٹ تعینات ہوئے اور اگلے ۳۰ سال اِسی منصوبے پر کام کرتے رہے نتیجتاً ایک کتاب تیار ہوئی جو بڑے سائز کی اُنیس (۱۹) جلدوں میں آٹھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ سر جاج گریرسن (۱۸۴۵ء تا ۱۹۴۱ء) نے لِنگوئسٹِک سروے آف انڈیا کی اُنیس جلدوں میں سے آٹھویں جلد میں ''لہندا لینگو یج'' پر بات کی ہے۔ اُس کے مطابق: '' لہندا اور سرائیکی شمال مغربی گروہ کی اِنڈو آرین زبانیں ہیں۔'' دی سرائیکی لینگویج'' کے عنوان سے اِسے شوکت مغل نے از سرِ نو مُرتب کیا ہے۔ ۴۰۰ صفحات کی کتابی شکل میں سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے اِسے ۲۰۰۵ء میں شائع کیا ہے۔ مُرتّب کا ''لہنداہ/ سرائیکی: دی ایورلونگ لینگویج آف دی اِنڈس ویلی'' کے عنوان سے مضمون صفحہ ۱۳ تا ۲۷ پر ہے جو ستمبر ۲۰۰۴ء کی تحریر ہے۔ یہ ایک ٹھوس کام ہے مگر ڈاکٹر شیکل برِصغیر کے مغربی حصے کی پنجابی کو ''لہندا'' کا نام دینے پر تنقید کرتے ہیں۔

دراصل ''لہندا'' کی اصطلاح سب سے پہلے سی ایم ایس کے ایک عیسائی مُبلّغ ریورنڈ ولیم سینٹ کلیر سٹڈِل (وفات ۱۹۲۸ء) نے اپنی کتاب ''اے سمپلیفائیڈ گریمر اینڈ ریڈنگ بک آف دی پنجابی لینگویج'' مطبوعہ لندن ۱۸۸۹ء میں پیش کی تھی جو دوسری بار نیویارک سے بھی ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔ اِس اصطلاح سے ملی جُلی ادبی زبان کی وضاحت کرنا مقصود تھی جو

سترھویں صدی عیسوی میں ایک سِکھ کے قلم سے لکھی ہوئی گرونانک کے حالاتِ زندگی قلمبند کرنے کے حوالے سے لکھی گئی تھی۔ بعد کے لوگوں نے اسے صیغہ تانیث میں ''لَہندی'' لکھنا شروع کردیا۔ گریرسن کی کتاب میں ۱۸۳ صفحے جو کل سروے کا چوالیسواں حصہ ہیں ''جنوبی لَہندا'' کے لیے وقف ہیں۔ گریرسن نے جنوبی لَہندا پر اپنی بحث میں ولسن کی شاہ پوری، او برائین کی ملتانی، جیوکس کی جٹکی کے علاوہ سندھ کی سرائیکی ہندکی، میانوالی اور ڈیرہ اسماعیل خان کی تھلّی وغیرہ کو گنوایا ہے۔ شیکل لکھتے ہیں کہ:

''گریرسن نے لہندا میں بول چال کے اتنے مقامی لہجے شامل کر لیے ہیں کہ اس طرح محض بے ڈھنگے معیار سے ہی اس کی حدیں مقرر کی جاسکتی ہی''۔(ح۔۱)

شیکل مزید لکھتے ہیں کہ:

''پنجاب کے جنوب مغربی علاقوں کے لہجوں پر بحث تفصیل سے یعنی تقریباً دوسو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اپنی داخلی درجہ بندی سے اسے ''جنوبی لہندا'' کہا گیا ہے۔ یہ ان لوگوں کی تصنیفات وتالیفات پر انحصار کرنے کی وجہ سے ہے جو ایسا لسانی مواد دے سکتی تھیں''۔(ح۔۲)

شیکل نے اس کی مزید وضاحت اپنے مضمون ''پرابلمز آف کلاسیفکیشن اِن پاکستان پنجاب''، مطبوعہ ٹرانزیکشنز آف دی فلالوجیکل سوسائٹی ۱۹۷۹ء صفحات ۱۹۲ تا ۲۱۰ میں کی ہے۔

''لِنگوسٹک سروے آف انڈیا'' کی ببلیوگرافی میں گریرسن نے ملتان کے ڈپٹی کمشنر ایڈورڈ میکلیگن (تعیناتی ۱۸۹۶ء تا ۱۹۰۱ء) کی ایک مرتبہ کتاب ''نوٹس آن ویسٹرن پنجابی''، مطبوعہ لاہور ۱۹۰۰ء کا ذکر کیا ہے۔

یوا ے سمرنوف کی روسی کتاب مطبوعہ ۱۹۷۰ء کا ای ایچ ٹمسن کا کیا ہوا انگریزی ترجمہ ''دی لہندی لنگوئج'' ہے جسے سنٹرل ڈیپارٹمنٹ آف اورینٹل لٹریچر ماسکو اور یو ایس ایس آر اکیڈمی آف سائنس انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل سٹڈیز نے ۱۹۷۵ء میں شائع کیا۔ (ڈاکٹر یو اے سمرنوف ۱۹۲۳ء میں سوویت یونین میں پیدا ہوئے۔ کالج کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد فوج میں بھرتی ہو گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد لسانیات کا مطالعہ کرنے کے لیے ماسکو کے غیر ملکی زبانوں کے انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۶۵ء میں انڈیا آئے اور پھر پنجابی کے ساتھ سرائیکی میں دلچسپی ہوئی۔ پاکستان بننے کے بعد بھارت ہجرت کر جانے والوں سے سرائیکی سیکھی۔ ۱۹۷۸ء میں ''پنجابی زبان کے نظریاتی انکشافات'' کے عنوان سے مقالے پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی)۔

ترجمہ شدہ کتاب کے صفحہ ۱۵ پر واضح طور سے لکھ دیا گیا ہے کہ یہ سرائیکی زبان کے بارے میں ہے کتاب کے اندر بھی ڈاکٹر سمرنوف نے لہندا (سرائیکی) کو پنجابی سے الگ زبان قرار دیا ہے۔

کتاب کے تعارف میں مصنف ''زبان، زبان کا علاقہ، آبادی، لسانی نظریات، پنجابی اور سندھی زبانوں سے تعلق اور پنجابی سے بنیادی فرق کی تفصیل، تاریخی اور تہذیبی پسِ منظر، کلاسکس میں ہونے والی لسانی تحقیق، ادبی اور سیاسی تحریکیں وغیرہ پر بحث کرتا ہے۔ کتاب میں زبان کی باریکیوں اور نزاکتوں کا گہرائی سے لسانی جائزہ لیا گیا ہے۔ زبان کے مختلف لہجوں کو زیرِ بحث لا کر مُصنف نے باریک سے فرق کی بھی مثالیں پیش کی ہیں۔ ہر علاقے میں بولی جانے والی لہندی کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ معیاری لہجہ صرف ملتان، مظفر گڑھ اور بہاولپور کے علاقے کی زبان کو کہتے ہیں۔ کتاب میں مُصنف نے ہندوستان کے ممتاز ماہر لسانیات ایس کے چڑجی کا ذکر کیا ہے جنھوں نے لہندی پر بہت زیادہ توجہ دی اور اسے ہندوستان کی دیگر جدید زبانوں کے صف میں کھڑا کر کے سندھی اور پنجابی سے اس کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ اپنے دیباچے میں جارج گریئرسن، گراہم بیل اور اے جیوکس جیسے مستشرقین کے ان تحقیقی کاموں کا ذکر کیا ہے جو اُنھوں نے لہندی اور پنجابی کا فرق بیان کرنے کے لیے کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ لہندی اور پنجابی دو

الگ زبانیں ہیں۔ انھوں نے بی اُرون، ڈونی چندر اور بی ایس سندھو جیسے پنجابی ماہر لسانیات کا حوالہ بھی دیا ہے، جنھوں نے لہندی کو اس کی خصوصیات کی بنا پر الگ زبان تسلیم کیا ہے اور اس کے بارے میں لکھا ہے۔ انھوں نے مشرقی پنجاب کے ماہرِ لسانیات پریم سنگھ پرکاش کے بارے میں بتایا ہے کہ انھوں نے پنجابی اور اردو زبانوں پر لہندی کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ رُوسی میں لکھی یوائے سمرنوف کی ۱۹۷۰ء کی مطبوعہ اِس کتاب کا ای ایچ پٹسن کے انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۵ء کو کتاب ''دی لہندی (سرائیکی) لینگوئج'' کے عنوان سے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان ۱۷۶ صفحات کی کتابی صورت میں ۲۰۰۶ء میں شائع کیا ہے۔ جس پر پروفیسر شوکت مُغل کا تعارفی مضمون صفحہ ۷ سے ۱۴ پر ہے۔ اس کے بعد بشیر احمد ظامی بہاولپوری کے مقالے کا محمد جلال الدین کا کیا ہوا انگریزی ترجمہ ''دی سرائیکی لینگوئج'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ کتابچہ ''مرکز سرائیکی زبان تے ادب بہاولپور'' نے شائع کیا ہے۔ پروفیسر معین الدین حسن قریشی نے شروع میں چار صفحے کا پیش لفظ لکھا ہے۔

ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل کی کتاب ''فرام اُچ ٹو ساؤتھرن لہندا۔ اے سنچری آف سرائیکی سٹڈیز اِن انگلش'' بھی قابل ذکر ہے۔ یہ کتاب بزمِ ثقافت ملتان نے ستمبر ۱۹۸۳ء میں شائع کی۔ اس میں سرائیکی کے ابتدائی ناموں اور سر جارج گریرسن کے کام تک کا احاطہ کیا گیا ہے جبکہ دوسرا حصہ لوک ادب اور بائبل کے تراجم پر مشتمل ہے۔ (اِس کتاب کے علاوہ بھی ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل کی کتابیں'' ساؤتھ ویسٹرن ایلیمنٹس اِن دی لنگوئج آف دی گرنتھ''، جس میں سکھ قوم کی مذہبی کتاب میں سرائیکی عناصر کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ''سرائیکی اے لنگوئج موومنٹ ان پاکستان'' جو پاکستان میں سرائیکی لسانی تحریک پر ایک تاثراتی کتابچہ ہے اور لندن یونیورسٹی نے یونیورسٹی جنرل میں شائع کیا، بھی سرائیکی لسانی مطالعے کے حوالے سے قابل ذکر ہیں۔ اس سلسلے کے دو کتابچے اور بھی ہیں:

۱۔ ''اپروچز ٹو دی پرشین لونز آن دی آدی گرنتھ''۔

۲۔ ''دی نان سنسکرتک ؤکیبلری آف دی لیٹر سکھ گروز''۔

نورالزماں احمد اوج کی کتاب ''اوکینٹ بہاولپور'' کاروان بک سنٹر ملتان نے ۱۹۸۸ء میں شائع کی ہے، اِس کتاب میں بہاولپور کی زبان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

''دی سرائیکی لینگویج اِٹس گروتھ اینڈ ڈیویلپمنٹ'' احسن واگھا کا ایم فل کے لیے تحقیقی مقالہ ہے جسے ۱۹۹۰ء میں کتابی شکل میں ڈیرا ور پبلیکیشنز اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔ جس میں سرائیکی کے پس منظر، مختلف نام، رسم الخط، علاقہ، زبانوں کی تقسیم میں مقام، لہندا، پنجابی، آوازیں، گرائمر، سرائیکی سندھی وغیرہ پر لکھا گیا ہے۔

''لینگویج اینڈ پالیٹکس اِن پاکستان'' طارق رحمان کی کتاب ہے جسے ۱۹۹۶ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کیا ہے، صفحہ ۱۷۳ تا ۱۹۰ پر دسواں باب ''سرائیکی'' کے حوالے سے ہے۔ شوکت مغل کے لسانیات پر انگریزی کتب کے نظر ثانی شدہ ایڈیشنوں کے دیباچوں کی جھوک پبلشرز ملتان نے ۱۱۲ صفحات کی کتابی شکل میں ۲۰۰۶ء میں شائع کیا ہے۔ مختار شاہ کی مرتبہ اِس کتاب کا عنوان ہے۔ ''پریفیس: رٹن بائی شوکت مغل''۔

اب اُردو زبان میں شائع ہونے والی کتابوں کے سرائیکی لسانی مطالعوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ دیوان حکم چند ای اے سی ملتان کی ۱۸۹۷ء میں شائع ہونے والی کتاب ''تواریخ ملتان'' میں بھی سرائیکی زبان کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب ''ملتانی زبان کیا ہے؟'' ۱۹۱۳ء میں یہ کتاب سید علی ملتانی نے ملتان سے شائع کی۔ جولائی ۱۹۵۲ء میں ملتان سے شائع ہونے والی اختر وحید کی کتاب ''درد گوہر'' کا پہلا حصہ ''ملتانی زبان کی تاریخ'' ہے۔ (یہ مضمون ''ماہ نو'' کراچی جون ۱۹۵۲ء کے شمارے میں بھی چھپا تھا)۔ اگلی کتاب ''بہاولپوری ملتانی زبان وادب'' ہے۔ محمد بشیر احمد ظامی بہاولپوری کی یہ کتاب نومبر ۱۹۶۲ء میں پرنسپل ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ بہاولپور نے کتابی شکل میں شائع کی۔ کتاب میں مغربی پاکستان کی اُمّ الالسنہ قدیم اور ترقی یافتہ زبان کی تاریخ، ملتانی

اور سندھی زبانوں کا اشتراک، زبان کا علاقہ وغیرہ پر لکھا گیا ہے۔ اگلی کتاب ڈاکٹر مہر عبدالحق کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ''ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق'' ہے۔ اردو اکادمی بہاولپور نے ۱۹۶۷ء میں یہ کتاب شائع کی۔ پندرہ ابواب میں ہند آریائی زبانوں میں پنجابی لہندا اور ملتانی کا مقام، ملتانی زبان، ملتانی زبان میں فارسی اور عربی کے الفاظ، ملتانی اور اس کی ہمسایہ زبانیں'' ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق ہے، اردوئے قدیم اور ملتانی، ملتانی زبان کی حقیقت وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں شائع ہونے والی مسعود حسن شہاب کی کتاب ''خطہ پاک اوچ'' اردو اکیڈمی بہاولپور میں بھی سرائیکی زبان کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ کیفی جامپوری کی ''سرائیکی شاعری'' ۱۹۶۹ء میں بزم ثقافت ملتان نے شائع کی۔ اس کتاب میں سرائیکی زبان کا اور دکنی سرائیکی جیسے موضوعات پر بھی لکھا گیا ہے۔ ''عہد ہائے قدیم میں سرائیکی زبان کا ارتقا'' محمد بشیر احمد ظامی بہاولپوری کی کتاب ہے جسے ''مرکز سرائیکی زبان تے ادب بہاولپور'' نے اپریل ۱۹۷۰ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں محمد بن قاسم کی آمد سے قبل تک کی قدیم زبان سرائیکی کی تاریخ، سرائیکی کے مختلف نام اور قدیم زبانوں سے سرائیکی کا تعلق واضح کیا گیا ہے۔ ''العتیق العتیق'' میں سرائیکی زبان و ادب کا تاریخی ارتقا پیش کیا گیا ہے۔ عبدالحمید عتیق فکری کی یہ کتاب سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ستمبر ۱۹۷۱ء میں شائع کی۔ ۱۸۶ صفحات کی اس کتاب میں آریہ اور سندھ و ملتان، ایران اور آریہ کا لسانی اور مذہبی رابطہ، لسانی تحقیق کا ایک نیا انداز، عبرانی الفاظ کی وہ فہرست جو سرائیکی یا ملتانی میں استعمال ہوتے ہیں، لسانیات کا تحقیقی تجزیہ اور سنسکرت کا احیاء، سنسکرت اور دیگر زبانیں، ''سندھی، سرائیکی، ساربانی، ملتانی، ہندی'' لفظ سرائیکی کی ایک تاریخی توجیہہ وغیرہ پر لکھا گیا ہے (طبع دوم ۱۹۹۷ء)۔ ''معارفِ سرائیکی'' نورعلی ضامن حسینی کی کتاب ہے مصطفیٰ شاہ اکیڈمی احمد پور شرقیہ نے ۱۹۷۲ء میں شائع کی ۲۴۲ صفحات کی اس کتاب کے پہلے باب میں سرائیکی زبان کی وجہ تسمیہ وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ جنوری ۱۹۷۲ء میں شیخ اکرام الحق کی ملتان سے ''ارضِ ملتان'' شائع ہوئی۔ ''ملتانی زبان'' صفحہ ۲۸۴ سے ۲۹۳ تک ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کی کتاب

Scanned with CamScanner

''سرائیکی زبان اوراس کی ہمسایہ علاقائی زبانیں'' سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۱۹۷۷ء میں شائع کی۔اس کتاب میں ''سرائیکی سرپرستی سے محروم زبان، سرائیکی اور پنجابی کے اختلافات، سرائیکی زبان السنۂ عالم کی صف میں، سرائیکی زبان اور دوسری علاقائی زبانیں وغیرہ شامل ہیں''۔ ۱۹۷۳ء میں مولانا نوراحمد خان فریدی کی ''تاریخ ملتان'' جلد دوم شائع ہوئی۔اس کتاب میں سرائیکی اوراردو، سرائیکی حروف تہجی وغیرہ کے عنوانات پر بھی لکھا گیا ہے۔ دلشاد کلانچوی کی کتاب ''سرائیکی اوراُس کی نثر'' میں ایک مختصر تاریخی خاکہ دیا گیا ہے۔۱۹۸۲ میں مکتبہ سرائیکی لائبریری بہاولپور نے ۲۲۴صفحات کی یہ کتاب جس کے پہلے حصے میں ''سرائیکی زبان کی وجہ تسمیہ، سرائیکی زبان کی قدیم تاریخ، وادیٔ سندھ میں مسلمانوں کا اولین دور اور سرائیکی زبان، سرائیکی زبان عہدِ مغلیہ سے تحریکِ آزادی تک اورتحریکِ آزادی سے آج تک'' وغیرہ صفحہ۹ تا۶۶ بیان کیے گئے ہیں۔''وادی ہاکرہ اوراُس کے آثار'' صدیق طاہر کی کتاب اردو اکیڈمی بہاولپور نے ۱۹۸۲ء میں شائع کی۔۲۱۲ صفحے کی کتاب میں زبان پر ۱۹۵ صفحے سے لکھا گیا ہے۔''سرائیکی کتابیں'' سیٹھ محمد عبیدالرحمان بہاولپوری کی کتاب ہے جو ادارہ تحقیق سرائیکی ادب وثقافت کے اشتراک سے سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۸۳ء میں شائع کی ہے۔۲۰۸ صفحے کی اس کتاب میں صفحہ ۱۵۹ تا ۱۹۴پردو مضمون اردو میں ''سرائیکی اوراردو میں باہمی تعلق، سرائیکی اورعربی کے باہمی روابط'' کے علاوہ دوسرائیکی مضمون ''فارسی سرائیکی سکوت'' اور'' سرائیکی زبان دیاں خوبیاں'' شامل کیے گئے ہیں۔''تاریخ ڈیرہ غازی خان'' حصہ دوم از عبدالقادر لغاری مطبوعہ جولائی ۱۹۹۰ء میں صفحہ ۲۱۶ سے ۲۲۳ تک سرائیکی زبان کے بارے میں ہے۔''لسانیاتِ پاکستان'' ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی کی کتاب ہے جسے مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے مارچ ۱۹۹۲ء میں شائع کیا،۴۵۶صفحات کی اس کتاب میں ''سرائیکی زبان'' صفحہ ۲۹۱ تا ۳۱۰ اور'' پنجابی اور سرائیکی'' صفحہ ۳۲۷ تا ۳۳۷ پر ہیں۔''برصغیر میں سرائیکی تہذیب'' حمید ناصر کا کتابچہ ہے جس میں سرائیکی زبان کے علاوہ قبیلے اور سرائیکی سرزمین کا مختصر تاریخی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ ۱۶ صفحے کا ہے اور ۱۹۹۵ء میں کراچی سے

Scanned with CamScanner

شائع کیا گیا ہے۔ ۲۰۰۷ء میں شوکت مغل کی چھپنے والی کتاب ''اَفادات'' صفحات ۳۳۶ میں ایک حصہ ''سرائیکیات'' ہے۔ سرائیکی زبان کے بارے میں سات مضمون شامل ہیں۔ کتاب جھوک پبلشرز ملتان نے شائع کی ہے۔ اِسی سال بیکن بُکس ملتان سے چھپنے والی ۳۸۴ صفحات کی حمید اُلفت ملتانی کی کتاب ''پاکستانی زبانوں کا ادب'' میں سرائیکی زبان کا تجزیہ بھی موجود ہے۔ چھٹا باب ''سرائیکی'' ہے جو صفحہ ۲۵۳ سے ۲۸۰ تک ہے۔

اب سرائیکی زبان میں لکھی گئی کتابوں میں سرائیکی زبان کے لسانی مطالعے کا جائزہ لیتے ہیں۔ پہلے ایک کتابچہ اسلم رسولپوری کا سولہ صفحے کا ۱۹۷۷ء میں انڈس پبلی کیشنز ڈیرہ غازی خان نے شائع کیا۔ سرائیکی زبان کی تاریخ، رسم الخط، وجہ تسمیہ، لہجے وغیرہ پر لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد دو کتابیں زبان کے نمونے کے حوالے سے ہیں۔ ''صحیح سرائیکی'' واحد بخش بلوچ نے میڈیکل کالونی بہاولپور سے شائع کی۔ اس میں سرائیکی زبان کی صحیح املاء اور سرائیکی زبان کے نثری و منظوم نمونے دیے گئے ہیں۔ دوسری کتاب محمد بشیر احمد ظامی بہاولپوری کی ''کانڈھے تے گانڈھے'' ہے۔ اس میں بھی دعوت ناموں کے نمونے دیے گئے ہیں۔ مرکز سرائیکی زبان تے ادب بہاولپور نے اگست ۱۹۷۵ء میں ۲۷ صفحے کی یہ کتاب شائع کی۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء میں چھپنے والی عین الحق فریدکوٹی کی مدون کی گئی ''ہیر چراغ اعوان'' میں انھوں نے صفحہ ۹ سے ۵۸ پر سرائیکی کا لسانی مطالعہ کیا ہے۔ ظامی بہاولپوری کی ''سرائیکی اُردو بول چال'' مطبوعہ ۱۹۸۳ء ناشر سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور صفحات ۱۲۸ میں سرائیکی زبان کے بارے میں پہلے سبق کے علاوہ محمد اقبال کی ''بہار سرائیکی کی باقیات الصالحات'' موجود ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ایوارڈ یافتہ کتاب ''سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں'' سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے جون ۱۹۸۵ء میں شائع کی۔ اس میں ''علم لسانیات دی اہمیت''، ''سرائیکی زبان دیاں امتیازی خوبیاں''، ''اوبرائین دی گلاسری'' اور ''لغت نویسی'' کے علاوہ ''سرائیکی دا بلوچستان دیاں زباناں نال اشتراک'' جیسے مقالے شامل ہیں۔ کل صفحات ۴۲۸ ہیں۔ ''سرائیکی مطالعے دے سو سال'' شیکل کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ دلشاد کلانچوی نے

یہ کتاب ۱۹۸۶ء میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور سے شائع کرائی۔ ''سرائیکی لسانیات'' دلشاد کلانچوی کی کتاب ہے۔ ۲۰۰ صفحے کی یہ کتاب اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے ۳۰ جون ۱۹۹۰ء کو اور پھر ترامیم کے بعد ۱۴ اگست ۱۹۹۴ء کو شائع کی۔ یہ لسانی تحقیقات، نظریات اور اردو سرائیکی ماہرین لسانیات کا تذکرہ ہے۔ ۲۰۰۷ء میں اسے ۱۶۰ صفحات پر مشتمل طبعِ نو کے طور پر شائع کیا گیا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں دو مقالے شائع ہوئے، ''سرائیکی معیاری زبان دی اہمیت'' میاں سراج الدین سانول نے کتابچے کی شکل میں رحیم یار خان سے شائع کیا جبکہ ''سرائیکی زبان لاطینی اکھراں وچ'' عبداللہ عرفان نے ۲۴ صفحے کی کتابی شکل میں سرائیکی ادبی ثقافتی بورڈ بہاولپور سے شائع کیا۔

''سرائیکی اَساڈا اساہ'' جمشید احمد کمتر رسولپوری کی کتاب ہے جو جام پور، راجن پور سے ۱۹۹۴ء میں ۱۱۲ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کی گئی ہے۔ ''سرائیکی زبان مع آکھاݨ'' حاجی رانا سردار احمد سعید نے داراب پور، جلالپور پیروالا سے شائع کی۔ اکتوبر ۱۹۹۴ء میں چھپی ۳۳۴ صفحے کی اس کتاب میں سرائیکی زبان کو مختلف حوالوں سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اختر بلوچ کا مقالہ ''سرائیکی زبان'' جو ۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۹۵ء میں سرائیکی ادبی تحریک ملتان نے شائع کیا۔ ''بولی بھوم دی سنجاݨ'' سید ناصر عباس رضوی کی کتاب ہے۔ جھوک پبلشرز ملتان نے ۱۲۷ صفحے کی یہ کتاب ۱۹۹۶ء میں شائع کی۔ اس میں ''بولی، سرائیکی بولی'' اور ''سرائیکی تے پنجابی'' جیسے باب شامل کیے گئے ہیں۔ اگست ۲۰۰۶ء میں اسلم رسولپوری کی کتاب ''لسانی مضامین'' (سرائیکی) شائع ہوئی ہے۔ چودہ سرائیکی مضامین کا یہ مجموعہ سرائیکی پبلیکیشنز رسولپور جام پور نے شائع کیا ہے۔ اس کے صفحات ۹۰ ہیں۔ لسانیات کے موضوع پر شوکت مغل کے اُردو سرائیکی مقدمات ''مقدمات'' کے عنوان سے جھوک پبلشر ملتان نے شائع کیے ہیں جنوری ۲۰۰۸ء میں شائع ہونے والی اِس کتاب کو پروفیسر مقبول گیلانی نے مرتب کیا ہے اور اِس کے صفحات ۲۸۸ ہیں۔ کتاب میں چودہ اُردو اور تیرہ سرائیکی مُقدمے شامل کیے گئے ہیں۔

Scanned with CamScanner

سرائیکی لُغت نویسی

سرائیکی زبان کی لُغت نویسی کے حوالے سے جو مطبوعہ کوششیں ہوئیں، وہ کچھ اس طرح ہیں۔

ا۔ نصابِ ضروری

خدا بخش کی جس کتاب ''نصابِ ضروری'' مطبوعہ لاہور ۱۸۷۶ء کو ڈاکٹر شہباز ملک نے ''پنجابی کتابیات'' صفحہ ۱۳۷ پر فارسی پنجابی لغت لکھا ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق اس کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

''سرائیکی زبان کی پہلی لغت ۸۷۹ھ (بمطابق ۱۴۷۵ء) میں لکھی گئی۔ اس کا نام ''نصاب ضروری'' ہے۔ اس عظیم کتاب کے مصنّف مولوی خدا بخش صاحب سوکڑ، تحصیل تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے''۔ (ح۔۳)

میر حسان الحیدری نے ''سرائیکی ادب'' میں انھیں ملتان کا اور پیدائش ۱۸۳۰ء بتائی ہے (ح۔۴) جو درست نہیں ہے۔

اس کتاب میں فارسی الفاظ کے معانی سرائیکی زبان میں دیے گئے ہیں۔ اسے فارسی سے سرائیکی لغت کہا گیا ہے۔ کتاب کا موضوع روزمرہ زندگی کی ضرورتوں کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ ہیں۔ یہ بچوں کی تعلیم کے لیے لکھی گئی ہے اور اسم بامسمّٰی ہے۔ کتاب کے ۳۱ باب اور پانچ ہزار الفاظ ہیں جن میں سرائیکی الفاظ کی تعداد ۱۴۹۰ ہے، دیگر الفاظ میں فارسی، فارسی میں

آئے ہوئے عربی اور عربی میں ڈھالے گئے یونانی، ترکی الفاظ شامل ہیں۔ فارسی لفظوں کے لیے علامت ''ف'' عربی کے لیے ''ع'' عربی فارسی مشترک الفاظ کے لیے ''عف'' اور سرائیکی الفاظ کے لیے علامت ''ہ'' برتی گئی ہے کیونکہ ایک وقت میں سرائیکی کو ہندی کا نام بھی دیا جاتا تھا جیسے:

فرض مسائل فقہ دے ہندی کر تعلیم　　کارنٹ مرداں اُمیاں جوڑ یئے عبدالکریم

(نجات المومنین)

کتاب کا ایک دستیاب ایڈیشن ۱۲۸۶ھ (بمطابق ۱۸۷۰ء) کا مطبوعہ ہے جسے مطبع مصطفائی لاہور نے شائع کیا۔ سرِ ورق پر کتاب کا نام ''نصابِ ضروری معہ شرح'' درج ہے جس میں اصل کتاب کی شرح فتح محمد نے کی ہے۔ ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۸ء) میں ایک شرح غلام حیدر خان شکستہ ملتانی نے ''نصابِ ضروری مُعرب'' المعروف ''مفید العالمین'' کے نام سے مطبع ویدک پرکاش ملتان سے شائع کی۔ ناشر مولوی خدایار، نور احمد، نور محمد، فیض احمد ملتان تھے۔

۱۳۱۴ھ (بمطابق ۱۸۹۷ء) میں مفید عالم پریس لاہور سے شائع ہونے والے نسخے میں برخودار ملتانی ولد مولوی عبدالرحیم ملتانی نے لکھا ہے کہ:

''یہ چند سطور بطور حاشیہ کے اردو زبان میں تحریر کی گئیں اور اعراب بھی لگائے گئے ہیں تا کہ دوسرے ملکوں والے بھی ملتانی زبان سے آگاہ ہوں''۔

اِس نسخے کا ایک اور ایڈیشن ۱۳۴۸ھ میں ملتان الیکٹرک پریس سے بھی شائع ہوا۔

۱۳۱۸ھ میں انوار احمد پریس سے ''مُعرب ومحشی بحواشی جدید مفیدہ'' کے نام سے ایک ایڈیشن خدایار و نور احمد و فیض احمد تاجران کتب ملتان نے مولوی عمر بخش مدرس اول گجرات (ضلع مظفر گڑھ) کی نظر ثانی کے بعد شائع کیا۔ ان نسخوں کے علاوہ ۱۳۰۶ھ میں مکتبہ صدیقیہ ملتان اور ۱۳۳۱ھ میں مطبع مفید عالم لاہور کے ایڈیشن بھی شائع ہوئے۔ احسن واگھا نے ۱۹۶۰ھ میں ملتان سے شائع ہونے والے ایک اور ایڈیشن کا حوالہ بھی دیا ہے۔

Scanned with CamScanner

مصنف کا کہنا ہے کہ یہ کتاب شعری نہیں بلکہ مُقفّٰی نثر پر مشتمل ہے۔ مثلاً دیکھیے:

۱۔ وزن نہ دارد قافیہ دارد۔ ولیک منافع وافیہ دارد

۲۔ گر سخن موزوں نمی گفتم ۔ مگر لغتے افروزمی گفتم

مولانا خدا بخش جراح صابر تونسوی کی تصنیف ''نصابِ ضروری'' کی تصحیح اور اُردو ترجے کا کام ڈاکٹر محمد بشیر انور ابو ہری مُلتانی نے کیا ہے، جسے ۹۶ صفحات کی کتابی شکل میں سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا ہے۔

۲۔ مخصوص زرعی اور دیگر اصطلاحات کی گلاسری

لیفٹیننٹ اینڈ ریوالکارن منرو ۱۸۵۵ء میں انتظامی فرائض کے سلسلے میں ڈیرہ غازی خان تعینات کیے گئے تو انھوں نے سرائیکی لُغت کے حوالے سے ابتدائی کام کیا۔ ان کے مخطوطے کے اور مسودات کے اشاریہ پر مشتمل کتاب آکسفورڈ باڈلیین لائبریری میں (Ms. ind/ Mis/ Cil.) اقتباسات صفحہ ۸ بی، دس بی، ۱۸۵اے) محفوظ ہے۔ اس کتاب کا پہلا حصہ ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے جس میں کچہری کی اصطلاحات اور ضلع ڈیرہ غازی خان میں بولے جانے والے مخصوص لفظوں کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے مثلاً ٹِک (نتھ) ترنی (بیل چرانے کا ٹیکس) وغیرہ۔ مگر ڈیرہ غازی خان میں رواج پا جانے والے بہت سے ایسے الفاظ جو تقریباً ۱۲۰ لفظوں کی فہرست ''مخصوص زرعی اور دیگر اصطلاحات کی گلاسری'' جسے ایف ڈبلیو، آر، فریّر نے ۱۸۷۶ء میں چھپنے والے ضلع ڈیرہ غازی خان کی بندوبست رپورٹ کے ساتھ ضمیمے کے طور پر شامل کیا تھا، نکال دیا گیا ہے۔

۳۔ گلاسری آف دی ملتانی لینگو یج آر ساؤتھران پنجابی

ایڈورڈ او برائین جو ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۰ء تک مظفر گڑھ کا اسسٹنٹ کمشنر اور سیٹلمنٹ آفیسر تھا، اُسے مقامی لوگ گھگری والا صاحب کہتے تھے (ح۔۵)۔ سیٹلمنٹ کمشنر مسٹر لائل نے اوبرائین کو زراعت اور کاشتکاری کے متعلق مقامی زبان کے خاص الفاظ اور اصطلاحات اکٹھے

کرنے کو کہا، جس کے نتیجے میں ۱۸۸۱ء میں اس کی کتاب ''اے گلاسری آف دی ملتانی لینگویج کمپیئرڈ وِد پنجابی اینڈ سندھی'' شائع ہوئی جو سرائیکی گرائمر، لوک ادب اور لغت کے حوالے سے انگریزی میں پہلی قابل قدر کتاب ہے۔ گلاسری کا یہ پہلا ایڈیشن لُغت کے لحاظ سے محض ابتدائی کوشش ہے۔ اس میں لگ بھگ اٹھارہ سو الفاظ کے اندراجات ہیں تاہم کافی اندراجات پوری تفصیل سے دیے گئے ہیں۔ شعروں میں استعمال ہونے والے لفظوں اور کہاوتوں کی مکمل تشریح موجود ہے۔ اوبرائین لکھتا ہے کہ:

> ''مظفر گڑھ، ملتانی زبان کا ایک مرکز ہے۔ پہلے دستیاب مواد کو مظفر گڑھ کے مولوی عبدالرحمان انگریزی میں ترجمہ کرتے، پھر احمد پور سیال کے جم پل اور مظفر گڑھ میں بیاہے ہوئے ملتانی زبان سے شغف رکھنے والے ایکسٹرا اسسٹنٹ سیٹلمنٹ آفیسر قاضی غلام مرتضیٰ نظر ثانی کرتے، پھر میں اسے ترتیب دیتا''۔

اوبرائین نے ڈاکٹر ٹرمپ کی ''سندھی گرائمر''، بیمز کی ''ہندوستان کی جدید آریائی زبان کی گرائمر'' سے استفادہ اور جھنگ کے سیٹلمنٹ آفیسر مسٹر ایسٹڈ ین کی معاونت کا بھی اعتراف کیا ہے۔ اوبرائین نے دیباچے میں مانا ہے کہ یہ زبان پنجابی سے مختلف اور سندھی سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ اس زبان کا ذخیرۂ الفاظ بے حد وسیع ہے۔ خاص طور پر مقرون اشیاء کے تھوڑے تھوڑے فرق کو بیان کرنے کے لیے بھی کئی کئی نام موجود ہیں۔ گلاسری کا پہلا ایڈیشن عربی حروفِ ہجا کی ترتیب سے محض اٹھارہ سو اندراجات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے پہلے حصے میں مختلف عنوانات کے تحت جمع کیے گئے الفاظ کو آخر میں انگریزی حروفِ تہجی کی ترتیب سے آخری حصہ میں ڈکشنری کے طور پر درج کیا گیا ہے۔

اوبرائین کی وفات کے بعد شاہپور میں تعینات برطانوی افسر مسٹر جیمز ولسن نے ۱۸۹۸ء میں اوبرائین کی گلاسری پر نظر ثانی کی۔ (عین الحق فرید کوٹی مرحوم نے ''آزادی مگروں

پنجابی ادب'' میں صفحہ ۱۴ پر جے ولسن کی شاہ پوری پنجابی ڈکشنری مطبوعہ ۱۸۹۹ء کا ذکر بھی کیا ہے)
جے ولسن نے گلاسری کو نئے سانچے میں ڈھالا اور ۱۹۰۳ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن '' گلاسری آف دی ملتانی لینگویج آر ساؤتھ ویسٹرن پنجابی'' پنجاب گورنمنٹ پریس لاہور سے شائع کیا۔ اس میں پنڈت ہری کشن کول نے بھی معاونت کی۔ شروع میں او برائین کا تیرہ صفحات کا تعارف موجود ہے۔ پھر ۵۷ صفحات پر مشتمل گرائمر شامل کی گئی ہے، اس کے بعد کے حصوں میں پہلا ۱۰۴، دوسرا ۷۵ اور تیسرا لغت والا حصہ ۱۰۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس نظر ثانی شدہ ایڈیشن میں گرائمر کے بعد موضوعات کے تحت دیے گئے لفظوں کی فہرستیں ہیں۔ ان کے بعد انگریزی ترجمے سمیت سرائیکی لوک ادب کے حوالے سے ضرب الامثال، لوک کہاوتیں، پہیلیاں اور اشعار کو چھ سو پچاس مدّون میں ترتیب دیا گیا ہے۔ کہیں کہیں ترجمے کے ساتھ تشریح و توضیح بھی کر دی گئی ہے۔ پہلے ایڈیشن کی نسبت اضافے کیے گئے ہیں۔ آخر میں پانچ ہزار الفاظ کی ایک لغت ہے جو رومن حروف ہجا کے مطابق ترتیب دی گئی ہے۔ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن بھی ۱۹۶۲ء میں پٹیالہ انڈیا سے رومن رسم الخط میں شائع ہوا ہے۔ تازہ ایڈیشن ''سرائیکی اُردو لغت'' کے عنوان سے جھوک پبلشر ملتان نے ۲۰۰۱ء میں شائع کیا ہے ۱۷۶ صفحات میں تبدیلی رسم الخط، ترجمہ اور ترتیب نو کا کام شوکت مغل نے کیا ہے۔

۴۔ ڈکشنری آف جٹکی آر ویسٹرن پنجابی لینگویج

کینیڈا میں پیدا ہونے اور برطانیہ میں تعلیم پانے والے ڈاکٹر اینڈ ریو جیوکس (۱۸۴۷ء۔۱۹۳۱ء) سی ایم ایس (چرچ مشنری سوسائٹی) میں بطور مبلغ طبیب تقریباً ۳۰ سال پنجاب اور سندھ بالخصوص ڈیرہ غازی خان میں تعینات رہے۔ طویل قیام سے فائدہ اٹھا کر مقامی زبان سے واقفیت حاصل کی۔ انگریزوں نے جب ڈیرہ غازی خان میں عیسائی مشن قائم کیا تھا تو انجیلوں کے مقامی زبان میں تراجم کے لیے انگریزی سرائیکی اور سرائیکی انگریزی ڈکشنری کی ضرورت محسوس کی گئی تھی۔ لہٰذا ڈاکٹر اے جیوکس کو ایسی ڈکشنری مرتب کرنے کا کام سونپ دیا گیا، اس ضمن میں جیوکس لغت میں لکھتا ہے:

'' عیسائی مشن انگریزی سرائیکی اور سرائیکی انگریزی مترادفات کا ایسا ذخیرہ جمع کرنا چاہتا تھا جس کے ذریعے خدا کا کلام اُن لوگوں تک پہنچایا جائے جو اب تک محروم ہیں۔ چنانچہ او برائین کی گلاسری کے ۱۸۰۰ لفظوں کے علاوہ اٹھارہ سالوں کے ذاتی مطالعے کا نچوڑ بھی اِس لغت میں دیا گیا ہے''۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق زبان کے بارے میں جیوکس کے خیالات اُسی کی زبانی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' جٹکی زبان کے بہت سے نام ہیں، ملتانی، ڈیرہ والی، جگدالی، شاہ پوری، ہنوچی (اُچّی)، پشاوری، پوٹھوہاری، ہزاروی، بہاولپوری وغیرہ۔ یہ زبان مشرقی پنجاب میں بولی جانے والی زبان پنجابی سے بالکل مختلف ہے۔ ڈاکٹر ایچ مارٹن کلارک پنجابی زبان کا کامل ماہر ہے۔ اس نے بھائی مَیا سنگھ کی ڈکشنری کے مسودے کی اصلاح کی تھی۔ اس نے جس وقت میری لغت کا مطالعہ کیا تو ہر صفحے پر بمشکل دو لفظ پنجابی کے کہہ کر پہچان سکا''۔ (ح۔۶)

جیوکس کا زبان کے بارے میں نظریہ ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل '' اے سنچری آف سرائیکی سٹڈیز ان انگلش'' میں ایک خط کے ذریعے واضح کرتے ہیں جو جیوکس نے ۲۳ اکتوبر ۱۸۸۷ء کو برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی (جس کی بنیاد ۱۸۰۴ء میں انجیل کے تراجم کو آگے بڑھانے کے لیے رکھی گئی تھی) کو لکھا:

'' جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہوں، کئی ناموں سے پکاری جاتی ہے۔ خود اہل زبان اسے جٹکی یا جگدالی کہتے ہیں۔ ان کے پڑوسی اسے ملتانی یا

ڈیرے والی کے نام سے یاد کرتے ہیں ...... یہ زبان پنجابی اور سندھی سے رشتہ اور دوستی تو رکھتی ہے مگر ان دونوں سے بہت زیادہ مختلف ہے''۔

لغت سازی کے کام کے بارے میں ایک خط ۲۵ مارچ ۱۸۹۵ء کو سی ایم ایس کے مسٹر آئر لینڈ جونز کو لکھا:

'' ڈکشنری آف ویسٹرن پنجابی (انگلش سرائیکی ڈکشنری جو تا حال غیر مطبوعہ ہے۔ مئولف) بھیج رہا ہوں۔ پشاور کے ضلع کی زبان کو مقامی طور پر پشاوری کہا جاتا ہے اور ملتانی کی طرح یہ بھی مغربی پنجابی کا ایک لہجہ ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ اس زبان میں کسی لُغت کا وجود بھی نہیں ہے۔ اس کے اس حصے کے لیے جو مغربی پنجابی کے لیے مخصوص کیا گیا ہے مجھے اپنی مدد کے لیے مطبوعہ کتب میں محض او برائین کی '' گلاسری '' ہی دستیاب ہوئی ہے۔ میرے کام کو ڈپٹی کمشنر مسٹر ایم ایل ڈیمز (مؤلف '' ڈکشنری آف بلوچی '' تعیناتی جھنگ وڈیرہ جات ۱۸۷۵ء تا ۱۸۸۳ء) نے دیکھا بھالا ہے اور ڈاکٹر ایچ مارٹن کلارک نے بھی اسے تنقیدی نظر سے ملاحظہ کیا ہے''۔

مگر افسوس کہ جیوکس اینڈریو (سی ایم ایس میڈیکل۔ مشنری۔ ڈیرہ غازی خان) کا یہ کام اسے لوٹا دیا گیا جسے بالآخر جون ۱۹۳۰ء میں قلمی مسودے کی شکل میں سی ایم ایس سی لائبریری میں جمع کرا دیا جواب بھی '' اے ڈکشنری آف ملتانی آر ڈیرے والی آر جگدالی آر ویسٹرن پنجابی '' کے نام سے اکاؤنٹس نمبر zl .40 کے تحت محفوظ ہے۔ اس لغت میں '' سیفل نامہ '' اور '' مرثیہ ہاشمی '' جیسی سرائیکی کتابوں کے الفاظ بھی شامل کیے گئے ہیں۔ یہ مسودہ صفحہ ۲۱ کے لفظ '' اتھالٹ '' سے صفحہ ۱۷۷ پر لفظ '' یہودٹ '' تک تقریباً دس ہزار الفاظ پر مشتمل ہے۔ مسودے کے آخر میں جیوکس کے سرائیکی معاون اور کاتب منشی محمد حسین کا فوٹو بھی چسپاں ہے۔

البتہ ۱۹۰۰ء میں جیوکس کی ''اے ڈکشنری آف جٹکی آر ویسٹرن پنجابی لینگویج'' (سرائیکی۔انگریزی) لندن اور لاہور سے چھپ گئی اور دوسری بار پٹیالہ سے ۱۹۶۱ء میں بھی شائع ہوچکی ہے۔اس کے ۳۵۲ صفحے ہیں۔اس میں تقریباً پانچ ہزار الفاظ ہیں۔ہر لفظ اردو کے نئے رسم الخط میں اور اُس کے آگے ترجمہ رومن رسم الخط میں ہے۔یہ رسم الخط حروفِ علت کو بھی ظاہر کرتا ہے اور انگریزی میں ان کی وضاحت بھی اچھی طرح کردی گئی ہے۔یہ متذکرہ بالا قلمی مسودے والی لُغت سے کئی طرح سے مختلف ہے۔مثلاً اس میں مآخذات کے حوالے موجود نہیں یا پھر پلیٹ کی اردو ڈکشنری کے مشترک الفاظ بھی، جنھیں جیوکس نے قلمی مسودے میں نشانات کے ذریعے الگ کیا تھا (جیسے لفظ ''کسبی'' جو اُردو میں طوائف، کنجری کے معنی ہیں اور مغربی پنجابی میں دستکار، کسب رکھنے والے کاریگر کے معنی میں آتا ہے)۔تاہم اس لغت میں جے ولسن سے ملے ہوئے الفاظ اور ۱۸۹۵ء میں شائع ہونے والی مایا سنگھ کی ''پنجابی انگریزی ڈکشنری سے وہ الفاظ جنھیں ملتانی کہا گیا تھا'' شامل کیے گئے ہیں۔اے جیرکس کی ڈکشنری آف دی جٹکی آر ویسٹرن پنجابی لینگویج''، مطبوعہ ۱۹۰۰ء کو سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۲۰۰۳ء میں دوبارہ شائع کیا ہے۔۳۶۸ صفحات کے اِس ایڈیشن میں پروفیسر شوکت مُغل کا تعارفی مضمون صفحہ ۷ سے ۱۵ پر ہے جو اگست ۲۰۰۳ء کی تحریر ہے۔اِس کا تازہ ایڈیشن ''سرائیکی اُردو لغت'' کے عنوان سے اِسی سال جھوک پبلشر ملتان نے شائع کیا ہے۔۴۶۲ صفحات کے اِس ایڈیشن میں تبدیلی رسم الخط اور ترتیبِ نو کا کام شوکت مغل نے کیا ہے۔

۵۔ دُرّ د گوہر

اختر وحید کی کتاب ''دُرد گوہر'' جولائی ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی اور یہ ۷۸ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں ''ملتانی زبان کی تاریخ'' اور ''ملتانی صرف و ترجمہ'' کے بعد تیسرا حصہ ''فرہنگ'' پر مشتمل ہے جو صفحہ ۶۵ سے ۸۷ پر مشتمل ہے جس میں حروفِ ابجد کی بجائے موضوعاتی عنوانات کے تحت اردو الفاظ کے سرائیکی مترادفات دیے گئے ہیں۔اختر وحید کی اِس کتاب کو سرائیکی ادبی

بورڈ ملتان نے ۲۰۰۸ء میں دوسری مرتبہ ۹۶ صفحات کی کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔

۶۔لغات سرائیکی

یکم اگست ۱۹۶۵ء کو سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور سے شائع ہونے والی بشیر احمد ظامی کی اس لغت کے تین حصے ہیں۔ پہلے میں سرائیکی الفاظ کے، دوسرے میں محاورات، ضرب الامثال، پہیلیوں، خوانچہ والوں کی آوازوں وغیرہ کے اردو تراجم دیے گئے ہیں جبکہ تیسرے حصے میں رسومات اور لوک ادب پر لکھا گیا ہے۔

۷۔سرائیکی سمّل

جمشید کمتر رسول پوری کی کتاب ''سرائیکی سمّل''، سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۷۷ء میں شائع کی۔ چھیانوے صفحے کی اس کتاب میں سرائیکی اردو لغت کا حصہ زیادہ ہے۔ بالخصوص صفحہ ۱۸ تا ۶۲ پر سرائیکی مصادر، سرائیکی ٹھیٹھ لفظوں کے معانی، محاورے، کہاوتیں وغیرہ اردو ترجمے کے ساتھ دی گئی ہیں۔

۸۔لُغّاتِ دلشادیہ جلد اوّل

دلشاد کلانچوی کی تالیف ''لغاتِ دلشادیہ'' اردو۔سرائیکی تین سو چوراسی صفحات کی لغت ہے، جس میں تقریباً بیس ہزار اردو الفاظ کے سرائیکی مترادفات دیے گئے ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں اسے سرائیکی لائبریری بہاولپور نے شائع کیا۔

۹۔نویکلی سرائیکی اردو ڈکشنری

۱۹۸۰ء میں شائع ہونے والی ''نویکلی سرائیکی اردو ڈکشنری'' کے مؤلفین فدائے اطہر اور اسلم قریشی کا دعویٰ ہے کہ یہ لغت کی تعریف پر پوری اترنے والی پہلی کتاب ہے۔ اس کے

بیانوے صفحات پر صرف تین حروف ''ا، ب، پ'' سے متعلق اکتیس سو الفاظ، محاورے، کہاوتیں وغیرہ جمع کی گئی ہیں، اسے سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کیا۔

۱۰۔ لُغاتِ دلشادیہ۔ جلد دوم

دلشاد کلانچوی کی تالیف ''لغاتِ دلشادیہ'' سرائیکی۔ اُردو جون ۱۹۸۱ء میں سرائیکی لائبریری بہاولپور ہی نے شائع کی۔ اس کے دو صد نواسی صفحے ہیں۔

۱۱۔ لُغاتِ فریدی

ویسے تو دیوانِ فریدؒ کے تمام تراجم اور شرحوں (مثلاً مولانا عزیز الرحمان، مولانا نور احمد خان فریدی، صدیق طاہر وغیرہ) میں سرائیکی اُردو لغت دی جاتی رہی ہے تاہم ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اسے الگ سے ''لغاتِ فریدی'' کے نام سے ترتیب دیا۔ ۱۹۸۴ء میں اسے سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کیا۔ اس میں حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے سرائیکی دیوان میں آنے والے ۸۱۶۷ الفاظ کو حروفِ تہجی کی ترتیب سے متن کی روشنی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

۱۲۔ چند سرائیکی اصطلاحات و مترادفات

قیس فریدی کی ۳۲ صفحات پر مشتمل ''چند سرائیکی اصطلاحات و مترادفات'' بھی سرائیکی اردو لغت ہے، جسے جنوری ۱۹۹۰ء میں دھریجہ ادبی اکیڈمی خان پور نے شائع کیا ہے۔ اس میں سرائیکی کی انتخابی، جغرافیائی، قواعدی، علمی ادبی، سائنسی، اور متفرق ۱۲۹۷ اصطلاحات کے اردو مترادفات دیے گئے ہیں۔

۱۳۔ اُردو سرائیکی مترادفات

طالب علموں کے لیے ایک ہزار افعال، تراکیب، اصطلاحات وغیرہ پر مشتمل شوکت مغل کا ۲۴ صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ سرائیکی اشاعتی ادارہ ملتان نے ۱۹۹۸ء میں شائع کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

۱۴۔ سرائیکی تے انگریزی

محمد دین گانگا نے گانگا ویلفیئر سوسائٹی گانگا نگر ضلع رحیم یار خان سے ۷۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۹۹ء میں شائع کی۔ اس میں سینکڑوں الفاظ کے ذریعے سرائیکی اور انگریزی کی لِسانی اور صَوتی مشابہت تلاش کی گئی ہے۔

۱۵۔ سرائیکی محاورے

شوکت مغل نے ''سرائیکی محاورے۔ حصہ اول'' اپریل ۱۹۹۶ء میں سرائیکی ادبی بورڈ ملتان سے ۱۸۸ صفحات کی کتابی شکل میں شائع کرائی ہے۔ ۲۹۰۰ محاورات اور اُن کا اُردو ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔ حصّہ دوم ۲۰۰۵ء میں اسی ادارے نے شائع کیا ہے۔ ۲۶۴ صفحات کی اِس کتاب میں ۴۷۸۱ محاورات کا اُردو ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔

۱۶۔ ساڈا ترکہ

شوکت مغل کی ۱۹۹۹ء میں جھوک پبلشر ملتان نے گیارہ عنوانات پر سرائیکی ثقافت کو بشکل لغت ترتیب دی گئی کتاب ''ساڈا ترکہ'' شائع کی ہے۔

۱۷۔ سرائیکی نامہ

مارچ ۲۰۰۰ء میں جھوک پبلشر مُلتان کی طرف سے شوکت مغل کی ۳۲۸ صفحات پر مشتمل کتاب ''سرائیکی نامہ'' شائع کی ہے۔ اس میں لوک ادب اور ثقافت کے لحاظ سے آٹھ موضوعات پر سرائیکی الفاظ اور اصطلاحات کا اُردو ترجمہ مع تشریح کیا گیا ہے۔

۱۸۔ سرائیکی مصادر

''آمدنامہ جدید المعروف سرائیکی مصادر'' شوکت مغل کی ۳۸۴ صفحات پر مشتمل کتاب

ہے جسے نومبر ۲۰۰۰ء میں جھوک پبلشرز نے شائع کیا ہے۔ سرائیکی مصادر اور اُن کے اُردو مترادفات شامل کیے گئے ہیں۔

۱۹۔حرف حمیل

سوجھلا پبلی کیشنز تونسہ نے زبیر احمد کی ۱۶۸ صفحات کی یہ کتاب ۲۰۰۱ء میں شائع کی۔ حروف تہجی کے اعتبار سے انگریزی الفاظ کا سرائیکی ترجمہ اور وضاحت شامل ہے۔

۲۰۔پہلی وڈّی سرائیکی لغت (سرائیکی توں اُردو)

محمد سعداللہ کھیتران کی ۷۰۴ صفحات پر مشتمل یہ لغت ۲۰۰۷ء میں شعبہ سرائیکی زکریا یونیورسٹی ملتان نے شائع کی ہے۔

ان لغتوں کے علاوہ بھی کئی لغات ہیں جنھیں سرائیکی لغت نویسی کے حوالے سے گنوایا جا سکتا ہے۔جیسے سچل سرمستؒ کے کلام کی لغت ''سچل لغات'' کے نام سے ڈاکٹر عبدالکریم سندیلو نے مرتب کی ہے جسے سچل سرمستؒ یادگار کمیٹی خیر پور نے ۱۹۸۴ء میں شائع کیا ہے۔ صفحہ نمبر ۹ پر سرائیکی لفظوں کے لیے علامتیں بھی مخصوص کر دی گئی ہیں۔اسی طرح سرائیکی صوفی شعراء بابا فریدؒ سے خواجہ فریدؒ تک کے سرائیکی کلام میں آنے والے الفاظ کے معانی پر مشتمل کتاب ''پنجابی کلاسیکی لغت''، جسے جمیل احمد پال نے مرتب کیا ہے اور جسے پنجابی سائنس بورڈ لاہور نے مارچ ۱۹۹۳ء میں شائع کیا ہے۔ پروفیسر شوکت مغل کی کئی کتابیں بھی سرائیکی زبان کی لغت نویسی کے ضمن میں آتی ہیں جیسے ۱۹۹۰ء میں چھپنے والی ''قدیم اُردو کی لُغت اور سرائیکی زبان'' ہے۔اِس میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی کتاب ''قدیم اُردو کی لغت مطبوعہ اگست ۱۹۸۷ء سے ۱۷ فی صد یعنی تقریباً انیس سو الفاظ نکالے گئے ہیں جو سرائیکی زبان کے ہیں۔ان کا سرائیکی میں محاوروں، کہاوتوں اور اشعار وغیرہ کے ذریعے استعمال دِیا گیا ہے۔طبع دوم، اضافہ شدہ ایڈیشن کے صفحات ۴۰۰ ہیں جسے جھوک پبلشر ملتان نے ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔ دوسری کتاب ''اردو میں سرائیکی زبان کے انمٹ نقوش'' ہے۔

Scanned with CamScanner

یہ کتاب مارچ ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی ہے۔ اسے بھی سرائیکی اشاعتی ادارہ ملتان نے شائع کیا ہے۔ اس میں اردو محاورات، کہاوتوں، ضرب الامثال کے علاوہ قدیم نظم ونثر میں سرائیکی زبان کے الفاظ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ سرائیکی سے اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ دو اور کتابیں ''سرائیکی اکھاݨ'' اور ''سرائیکی مصادر'' (جن کا ذکر آگے آئے گا) بھی اس ضمن میں آتی ہیں۔

سرائیکی لغت نویسی کے حوالے سے کئی قلمی لغات بھی موجود ہیں جو تاحال شائع نہیں ہوئیں۔ جیسے صادق فریدی کی قلمی لغت جس کا حوالہ دلشاد کلانچوی نے ''لغات دلشادیہ'' جلد دوم کے صفحہ نمبر ۹ پر دیا ہے یا میاں سراج سانول کی لغات وغیرہ۔ سہ ماہی ''سرائیکی'' میں نذیر علی شاہ کا مضمون (اکتوبر ۱۹۶۸ء) یا ''سرائیکی ادب'' ملتان میں دلشاد کلانچوی کا مضمون (فروری ۱۹۷۵ء) میں سرائیکی لغت نویسی کے سلسلے کی کڑیوں کی مثالیں ہیں۔

سرائیکی زبان پر گرائمر کی کتابیں

ویسے تو مسٹر جاہن بیمز کی 'کمپیریٹو گرائمر آف ماڈرن آرین لینگو یجز آف انڈیا''
۱۸۷۲ء (طبع دوم دہلی ۱۹۶۶ء) سے ہمارے موضوع کا آغاز ہوتا ہے اور یہ بھی طے ہے کہ سرائیکی زبان کے گرائمری اصولوں اور قواعد پر تحقیقی کام کا آغاز انگریزوں نے کیا۔ جیسے عین الحق فرید کوٹی مرحوم نے ''ملتانی زبان کی گرائمر'' کے نام سے تین کتابوں کے کوائف دیے ہیں:

۱۔ پادری ٹریور بمفورڈ کی مطبوعہ، ملتان ۱۸۸۸ء

۲۔ آرایف برٹن کی مطبوعہ، ۱۸۹۸ء

۳۔ چرچ مشن لاہور کی مطبوعہ، ۱۹۰۰ء

(ح۔۷)

مگر میں اس میں کچھ اضافہ کر رہا ہوں۔ ولیم کیرے (۱۷۶۱ء۔۱۸۳۴ء) جو پروسٹنٹ عیسائی یعنی لُوتھر کا پیروکار تھا، اسے یقین تھا کہ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بڑھیا طریقہ یہی ہے کہ انجیل کے ترجمے لوگوں کو دیے جائیں جن کو ہر شخص اپنی زبان میں پڑھ اور سمجھ سکے۔ لہذا اس نے ۱۸۰۱ء سے ۱۸۳۰ء کے درمیان چالیس ہندوستانی زبانوں میں سالم یا ادھورے ترجمے پیش کیے۔ ان تراجم کی اشاعت کے لیے اس نے ہندوستان کے اندر بنگال کے ایک شہر سیرامپور جو دریا ہگلی کے اوپر کلکتہ سے سومیل دُور واقع ہے، ایک جدید پریس بھی لگایا۔ وہ ان تراجم کے لیے نت نئی زبانوں کی تلاش میں رہتا تھا۔ خواہ وہ زبانیں سیرامپور سے کتنی ہی دُور کیوں نہ بولی جاتی ہوں۔ اسے ان تراجم کے لیے ان زبانوں کی لُغتیں اور قواعد بھی تیار کرنا پڑے تھے۔ سیرامپور مشنریز کی چھٹی یادداشت ''سِکستھ میموار'' کے مطابق سرائیکی تراجم کا آغاز وہ ۱۸۱۶ء سے پہلے کر چکا تھا یقیناً سرائیکی کے قواعد ترتیب دینے کی پہلی کوشش کرنے والا ولیم کیرے ہی ثابت ہوتا ہے۔

دوسرے نمبر پر کیپٹن سر رچرڈ فرانس برٹن (۱۸۲۱ءتا۱۸۹۰ء) کا نام لیا جا سکتا ہے، (جو بعد میں مسلمان بھی ہو گئے تھے)، ۲۹ زبانوں کے ماہر تھے۔ پچاس کتابیں یادگار ہیں جن میں سے پانچ سندھی میں اور تین سرائیکی میں ہیں۔ دراصل ۱۸۴۲ء میں ہندوستان آئے تو ملتان اور ڈیرہ غازی خان کا چکر بھی لگایا۔ سرائیکی میں ان کی لغت اور گرائمر لندن کی شاہی لائبریری میں موجود ہیں۔ ۱۸۹۰ء سے لندن لیک مارکیٹ کے قبرستان میں سنگِ مرمر کے خیمہ نما مقبرے میں محو استراحت برٹن کے بارے میں سٹین ڈیئر ڈین کی کتاب ''عربین نائٹ'' طبع دوم مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء میں لکھا ہے کہ:

''برٹن نے جنرل پنپیئر کی قائم کردہ انٹیلی جنس سروس میں بطور خفیہ تولیس تعیناتی کے دوران سرائیکی سیکھ لی تھی''۔

عزابیل برٹن کی کتاب ''دی لائف آف کیپٹن سر رچرڈ ایف برٹن'' جلد اول مطبوعہ ۱۸۹۳ء کے مطابق اس نے اپنے خط میں خود لکھا ہے کہ:

''میں ملتانی زبان سمیت دیگر زبانوں کے مطالعے کے ساتھ ساتھ چھ مقامی زبانوں کا امتحان پاس کر چکا ہوں''۔

برٹن سرائیکی کے بارے میں اپنی لسانی تحقیقات ایک مضمون کی شکل میں چھوڑ گئے ہیں۔ آر ایف برٹن کا یہ مضمون ''اے گرائمر آف جٹا کی آر بلوچکی ڈائیلکٹ'' کے عنوان سے جرنل آف دی بمبئی برانچ آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی iii حصہ اول مطبوعہ ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا۔ یوں یہ سرائیکی میں مکمل قواعد کی شکل میں چھپنے والی پہلی کوشش تھی۔ اس کے تین باب ہیں جن میں قواعد کی رُو سے اسماء، ضمائر اور افعال کی مختلف شکلوں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ باب مزید شعبوں میں بانٹے گئے ہیں۔ ان کا ایک تتمہ بھی ہے جو متعلقات فعل وغیرہ پر پھیلا ہوا ہے جن کو الف بائی لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس نے بہت احتیاط سے ہجے، تلفّظ یا گردان کا لحاظ رکھ کر سرائیکی لفظوں

کے معنی یا مترادف صورتوں کو ترتیب دے کر لکھا ہے۔ (ح۔۸)

جہاں تک ایورنڈ ٹریور بمفورڈ (۱۸۴۹ء۔ ۱۹۲۵ء) کی بات ہے۔ وہ ۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۶ء تک اشاعتِ مسیحت کے سلسلے میں ملتان رہا اور مقامی زبان سیکھی۔ اُس نے ملتانی زبان کے قواعد پر بھی توجہ دی اور اُس کا ایک مضمون ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا جس کے کوائف یہ ہیں:

''رف نوٹس آن دی گرائمر آف لینگویج سپوکن اِن دی ویسٹرن پنجاب'' مطبوعہ جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال LXIV۔ حصہ پہلا۔ صفحات ۲۹۰ تا ۳۵۵۔ یہ شذرات برٹن کے مضمون، اوبرائین کی گلاسری اور اُس زبان کے قواعد کے بارے میں دیگر قلمی اشارات سے متعلق ہیں جو اوبرائین نے ۱۸۸۵ء میں اس کے حوالے کیے تھے۔ ان کے علاوہ اِس کے پیشِ نظر سیرامپور کے نیوٹسٹامنٹ اور جیوکس کے بائبل کے تراجم بھی تھے۔ یہ مضمون زبان کے قواعد سے متعلق ایک جامع بحث ہے۔ اس میں ملتانی، اُچّی اور جٹکی کے ناموں کو رد کر کے مغربی لہندا کا نام دیا گیا ہے اور اس میں ضمیری لاحقوں کے متعلق پہلے لوگوں کی اصلاح کی گئی ہے تاہم ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل کا کہنا ہے کہ:

''بمفورڈ نے سرائیکی کے امکانات کو نقصان پہنچایا ہے''۔ (ح۔۹)

۱۸۹۶ء میں بمفورڈ نے ملتان کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا اور ۱۸۹۷ء میں اس نے سرائیکی زبان کے قواعد پر ایک مضمون میں اضافے کے ساتھ آخری بار بحث کی۔ یہ مضمون بھی ''پرونامینل ایڈجنٹس اِن دی لینگویج سپوکن ان دی ویسٹرن اینڈ ساؤدرن پارٹس آف دی پنجاب'' کے عنوان سے جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں شائع ہوا۔ Lxvi۔ حصہ پہلا مطبوعہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۴۶ تا ۱۶۳۔

جے ولسن اور پنڈت ہری کشن کول نے مل کر ''گریمر اینڈ ڈکشنری آف ویسٹرن پنجابی ایز سپوکن ان دی شاہ پور ڈسٹرکٹ (موجودہ سرگودھا) وِد پرووَربز'' سے ''اِنگلز اینڈ وَرسز'' کے عنوان

سے سرائیکی گرائمر لکھی جو لاہور سے ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن پٹیالہ سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر شیکل لکھتا ہے کہ:

"یہ سرائیکی بولنے والے علاقے کے شمال میں واقع ضلع کی زبان ہے جسے جے (J) وِلسن تھلی کہتا ہے کہ یہ ہمارے موجودہ موضوع (سرائیکی) سے تھوڑا بہت تعلق رکھتی ہے"۔ (ح۔۱۰)

جے وِلسن کی طرف سے اوبرائین کی "گلاسری آف دی ملتانی لینگوئج" کا ترمیم شدہ ایڈیشن ۱۹۰۳ء میں شائع ہوا تو اس کا پہلا حصہ جو ۵۷ صفحات پر مشتمل ہے، سرائیکی کی گرائمر کے نام سے ہی موسوم ہے۔ اس میں تلفظ، اسم، صفت" تضاد، فعل وغیرہ جیسے موضوعات پر لکھا گیا ہے۔ یہ وضاحت کرنے اور سمجھانے کے لحاظ سے پہلے ہونے والے کاموں سے بہتر ہے۔

اگلی کوشش، "لینگوسٹک سروے آف انڈیا" کے نام سے ڈاکٹر سر جارج ابراہم گریرسن کی کاوش ہے جسے سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ پرنٹنگ پریس انڈیا نے کلکتہ سے ۱۹۱۹ء میں شائع کیا تھا، جلد آٹھ حصہ پہلا، انڈو آرین فیملی نارتھ ویسٹرن گروپ سپیمنز آف سندھی اینڈ لہندا" میں صفحہ ۱۳۸ پر "سٹینڈرڈ سندھی ایلسوِیر اِن سندھ، بلوچستان اینڈ بہاولپور" صفحہ ۱۴۰ پر "سرائیکی سندھی" صفحہ ۲۳۳ پر "لہندا یا مغربی پنجابی" اور پھر صفحہ ۲۴۶ سے ۲۷۲ تک "سکیچ آف لہندا گرائمر" ہے۔ اگلے صفحے سے "لہندا یا مغربی پنجابی" شروع ہوتی ہے جن میں مختلف اضلاع کے لہجے میں سرائیکی نثری نمونے بھی دیے گئے ہیں۔ صفحہ ۳۵۹ سے "سرائیکی ہندکی" وغیرہ شروع ہوتی ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ صفحہ ۴۶۱ تک چلتا ہے۔ اِس سروے کا طبع دوم اکوریٹ پرنٹرز لاہور نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر سیتا رام باہری، ملتان میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے۔ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں استاد رہے۔ یہیں سے انھوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ پھر پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں لسانیات کے صدر شعبہ بنے۔ انھوں نے ۱۹۴۲ء میں ایم اے کا تحقیقی مقالہ لکھا۔ "فانولوجی آف پرشین ایلیمنٹ ان لہندی" (لہندی میں فارسی آوازوں کا عنصر) یہ بڑے سائز کے

پونے دوسو صفحے کا ہے اور لہندا کے کئی پہلوؤں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس میں گرائمر کا حصہ بھی ہے۔

روسی ماہر لسانیات یوائے سمرنوف کی کتاب ''دی لہندی لینگوئج'' پہلے روسی زبان میں ۱۹۷۰ء میں چھاپی گئی۔ دراصل یہ سوویت یونین کی اکیڈمی آف سائنسز کے مشرقی زبانوں کے ادارے کی پیش کش ہے۔ اس ادارے کے پروفیسر جی پی سردیوچینکو نے ۱۹۵۹ء میں ''ایشیائی اور افریقی زبانیں'' کے نام سے ایک تحقیقی سلسلے کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں ایشیاء اور افریقہ کی زندہ زبانوں یا پھر ماضی کی ان زبانوں پر تحقیقی کتابیں چھاپی گئیں جنھوں نے مشرق کی زندگی اور تہذیب پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ ۱۹۷۳ء تک سو کتابیں چھپ چکی تھیں۔ ان میں سے ۲۶ کتابیں ہندوستانی زبانوں کے متعلق تھیں۔ ۱۹۷۰ء میں اس ادارے نے دو پاکستانی زبانوں ''بروشکی'' اور ''لہندی'' پر بھی کتابیں شائع کیں۔ ''دی لہندی لینگوئج'' کو یوائے سمرنوف نے ۱۹۶۶ء میں مکمل کرلیا تھا۔ یہ تقریباً ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ پانچ سال بعد ۱۹۷۵ء میں اس روسی کتاب کا انگریزی ترجمہ ای ایچ ٹسیپن (Tsipan) نے کیا، جسے سوویت یونین کے ادارے سنٹرل ڈیپارٹمنٹ آف اورینٹل لٹریچر، ناؤ کا پبلشنگ ہاؤس ماسکو نے شائع کیا۔ اس کتاب میں سرائیکی زبان کے مختلف لہجوں اور گرائمری خصوصیات وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔ زبان کی گرائمر اور صرف ونحو کا سائنسی انداز میں جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ سرائیکی کے لفظ، حروف، حرفوں کی بُنت، ذخیرہ الفاظ کے علاوہ فعل، صوتیات اور سکرپٹ کے باب بہت اہم ہیں۔

ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل (پیدائش ۴ مارچ ۱۹۴۲ء) نے ۱۹۷۲ء میں ''سرائیکی اور سرائیکی ادب ۱۷۵۰ء تا ۱۹۰۰ء بالائی سندھ اور جنوب مغربی پنجاب میں'' لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ سرائیکی سمیت کئی زبانوں کے ماہر ہیں۔ لندن یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں اور صدر شعبہ انڈیالوجی ہیں۔ ۶۸۔۱۹۶۷ء میں پاکستان آ کر سرائیکی اور دیگر زبانوں کا مطالعہ کیا۔ ۱۹۷۴ء میں دوبارہ آئے تو سرائیکی روانی سے بولنے لگے۔ ۱۹۷۵ء میں سندھ میں ایک کانفرنس اور ملتان میں پہلی سرائیکی ادبی کانفرنس میں شرکت کرکے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ چوتھی بار ۳۰ دسمبر ۱۹۷۸ء کو

Scanned with CamScanner

آئے تو ملتان، بہاولپور ،ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسماعیل خان سے ہو کر مئی ۱۹۷۹ء میں واپس گئے۔ آخری بار ۱۹۹۰ء کے آغاز میں آئے تو ملتان، بہاولپور، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان وغیرہ کا تفصیلی دورہ کیا اور سرائیکی ادیبوں سے ملاقاتیں کیں۔ ان کی سرائیکی گرائمر پر اہم اور یادگار کتاب حوالہ جاتی گرائمر ''دی سرائیکی لینگویج آف سنٹرل پاکستان'' ہے۔ اسے سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز، یونیورسٹی آف لندن نے ۱۹۷۶ء میں ۱۹۸ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ اس میں سرائیکی کی مقامی قسمیں، سندھی، سرائیکی وغیرہ کے علاوہ اسم، فعل جملے وغیرہ پر بھی لکھا گیا ہے۔

سرائیکی زبان میں گرائمر، قواعد اور اصولوں کے حوالے سے ابتدائی مثالیں منظوم کتابچوں کی شکل میں ملتی ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب قاضی فخر الدین راضی کی کورس کی منظوم کتاب ''کریمانامہ'' ہے جسے ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۰ء) میں چھاپہ خانہ کریمیہ لاہور نے شائع کیا۔ اس کے ۳۲ صفحے ہیں۔ دوسری کتاب ۲۴ صفحے کی ہے جس کا نام ''قوانین صرفیہ منظوم ہندیہ محشی'' ہے جو شاہ ولایت ملتانی (پیدائش ۱۸۱۰ء) کی تصنیف ہے جسے مولوی خدایار، فیض احمد ملتان نے ملتان الیکٹرک پریس سے شائع کرایا تھا۔

دو ہمزوں کی یکجائی سے متعلق صرف کا قانون ملاحظہ فرمائیے:

- ڈُوں ہمزے ہکی جائی ہووِن پہلا سا کن : بجھ
ثانی ہمزہ یاء سنگ بدلے شک نہ آنی گُجھ

(یعنی اگر عربی کے کسی ایک کلمے میں دو ہمزے متصل آجائیں اور پہلا ہمزہ ساکن ہو تو دوسرے کو وجوباً یا سے بدل دیا جاتا ہے)۔

یو اے سمرنوف نے ''دی لہندی لینگویج'' (مطبوعہ ۱۹۷۰ء) میں لکھا ہے کہ ''ملتانی گرائمر'' کا قلمی نسخہ جسے سعد اللہ خان ملّے زئی نے لکھا تھا، بدقسمتی سے گُم ہو گیا ہے۔ یہاں اکرام الحق کی کتاب ''شعر العجم فی الہند'' کا ذکر بھی ضروری ہے جس کا ساتواں باب ''ملتانی زبان'' ہے جس

Scanned with CamScanner

میں ملتانی زبان کی گرائمر کے بارے میں بھی لکھا گیا ہے۔

سرائیکی ماہرِ لسانیات کی لکھی ہوئی خالص گرائمر، اصولوں اور قاعدوں کے حوالے سے تین کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ پہلی کتاب ''بہاولپوری ملتانی زبان کی صرف ونحو۔ نخلستانِ قواعد'' اردو میں ہے۔ محمد بشیر احمد ظامی بہاولپوری کی لکھی ہوئی یہ کتاب جون ۱۹۶۳ء میں محکم آرٹ پریس ملتان سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں لفظ، اسم، فعل، حرف، اضافت، مرکب وغیرہ کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ اگلی دو کتابیں سرائیکی میں ہیں۔ پہلی ''سرائیکی قواعد تے زباندانی'' بشیر احمد بھائیہ کی تالیف ہے جسے سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۸۴ء میں شائع کیا۔ اس میں قواعد، کلام، اسم، فعل اور زباندانی وغیرہ پر لکھا گیا ہے۔ دوسری بار ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی۔ صفحات ۲۹۶ ہیں۔ مجموعی طور پر تیسری کتاب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ''سرائیکی زبان دے قاعدے قانون'' ہے۔ یہ کتاب سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۱۹۸۴ء میں ہی شائع کی۔

سرائیکی زبان کے رسم الخط وغیرہ کے حوالے سے دو کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ پہلی کتاب ''سرائیکی رسم الخط کی مختصر تاریخ'' ہے جسے اسلم رسولپوری اور عمر کمال خان نے مرتّب کیا ہے۔ یہ کتاب بزم ثقافت ملتان نے ۱۹۷۶ء میں شائع کی۔ اس میں ایم شفیع محمدی کی سرائیکی سنگت کراچی کی سرائیکی لسانی کمیٹی کی رپورٹ، عمر کمال خان کی سرائیکی رسم الخط کمیٹی کی رپورٹ کے علاوہ کرسٹوفر شیکل کا مضمون ''سرائیکی زبان میں آوازیں'' شامل ہے جبکہ سرائیکی کے دس معتبر دانشوروں کی آراء بھی شامل کی گئی ہیں۔ دوسری کتاب اسلم رسولپوری کی تحریر ''سرائیکی زبان، اوندا رسم الخط تے آوازاں'' ہے۔ یہ کتاب سرائیکی پبلیکیشنز رسول پور جام پور نے ۱۹۸۰ء میں شائع کی۔ اس میں ''سرائیکی دیاں آوازاں، صفحہ ۵۷ سے ۸۴ پر ہے۔

شاعری کے قواعد کے حوالے سے دو کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ دلشاد کلانچوی کی ''سرائیکی شاعری دے اوزان'' سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۷۵ء میں کتابی شکل میں شائع کی جس میں بحروں اور خواجہ فریدؒ کے فنی تجربے کے حوالے سے بھی لکھا گیا ہے۔ دوسری کتاب نواز شہانوی کی

تالیف ''شاعری دے گُر'' ہے جسے بزم شعر وسخن شہانی ضلع بھکر نے مارچ ۹۷ء میں شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں شاعری کی قسمیں، شعری اصطلاحات، علمِ عروض، بحروں کی تشریح، سرائیکی شاعری کے لہجے اوران کا شاعری پر اثر، اصنافِ سخن، علم قافیہ اور کلام کے عیوب پر بات کی گئی ہے۔

اب قیامِ پاکستان کے بعد چھپنے والی اُن کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں جُزوی طور پر سرائیکی زبان کے گرائمری اصول اور قواعد کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اختر وحید کی ''دُردگوہر'' جولائی ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ جس میں دوسرا حصہ ''ملتانی مصادر یا ملتانی صرف'' ہے۔ جس میں اسم، واحد جمع، مصدر، جملے اور فعل شامل ہیں۔ ''العتیق العتیق'' عبدالحمید عتیق فکری کی کتاب ہے جسے ستمبر ۱۹۷۷ء میں سرائیکی ادبی مجلس نے شائع کیا۔ کتاب میں صفحہ ۱۴۳ سے لے کر ۱۸۰ تک سرائیکی گرائمر کے چند اصول تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ ''بہاولپوری ملتانی زبان وادب'' محمد بشیر احمد ظامی کی کتاب ہے۔ یہ کتاب پرنسپل گورنمنٹ ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ بہاولپور کی طرف سے نومبر ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی اس میں بہاولپوری، ملتانی زبان کے مخصوص حروفِ تہجی پر صفحہ ۴۵ سے ۶۰ تک لکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ''ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق'' اردو اکادمی بہاولپور سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔ اس کا باب تیرہ ''ملتانی اور اردو کے اصول وقواعد کا تقابلی مطالعہ'' پر مبنی ہے۔ ''سرائیکی اردو بول چال'' محمد بشیر احمد ظامی بہاولپوری کی ایک اور کتاب ہے جسے سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ اس میں بارھواں سبق ''اسم، فعل، حرف تے ضمائر'' پر مبنی ہے۔ ''سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں'' ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ایک اور کتاب ہے جسے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے جون ۱۹۸۵ء میں شائع کیا۔ اکیڈمی آف لیٹرز ایوارڈ یافتہ اس کتاب میں ''ٹ، ڈال، ڑے کی تاریخ'' اور ''سرائیکی محاورے'' جیسی تحریریں موجود ہیں۔ کتاب ''ضلع مظفر گڑھ'' جو راقم الحروف کی تالیف ہے، مئی ۱۹۸۹ء میں چھپی، ۹۵۸ صفحات کی اس کتاب میں گرائمر کا حصہ ۳۷۹ تا ۳۸۹ پر موجود ہے۔ ''سرائیکی لسانیات'' دلشاد کلانچوی کی کتاب ہے۔ جس

Scanned with CamScanner

کا پہلا ایڈیشن ۳۰ جون ۱۹۹۰ء کو اور ترمیم شدہ ایڈیشن ۱۴۔ اگست ۱۹۹۴ء کو اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے شائع کیا۔ اس ایڈیشن میں ''سرائیکی زبان دیاں آوازاں، سرائیکی رسم الخط'' وغیرہ کے علاوہ دو ضمیمے ''سرائیکی دیاں صرفی تے نحوی خصوصیات'' اور ''سرائیکی دے فاعلی تے مفعولی لاحقے'' شامل کیے گئے ہیں۔ ''بولی بھوم دی سنجاݨ'' سید ناصر عباس رضوی کی کتاب ہے جسے جھوک پبلشرز ملتان نے اسے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں ''صوتیات، گرائمر، (صرف نحو) اور سرائیکی لکھت دے مسائل'' وغیرہ جیسے موضوعات پر بھی لکھا گیا ہے۔ گرائمر میں مصادر کے ساتھ محاوروں کا استعمال بھی اہم ہے شوکت مغل نے ''سرائیکی محاورے'' کے نام سے جو کتاب سرائیکی ادبی بورڈ ملتان کی طرف سے اپریل ۱۹۹۶ء میں شائع کی تھی، اس کتاب میں ٦ صفحے کے ''موہری اکھر'' میں ''محاورے'' پر کھل کر بحث کی گئی ہے۔

حوالہ جات (حصہ اول۔ الف)

ح۔۱	سندھ۔ اے جنرل انٹروڈکشن	صفحہ۳۹۶
ح۔۲	لسانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق	صفحہ۹۴تا۹۵
ح۔۳	ما [illegible] نی زبان اور اس کا اردو سے تعلق	صفحہ۱۰۲
ح۔۴	ا۔۔ گلاسری آف دی ملتانی لینگویج	طبع ۱۸۸۱ء
ح۔۵	ڈکشن [illegible] آف جٹکی آر ویسٹرن پنجابی	طبع ۱۹۰۰ء
ح۔۶	بہاولپو [illegible] لتانی زبان و ادب	صفحہ۳۳
ح۔۷	[illegible] کے۔ (مقدمہ)	صفحہ۲۶تا۲۸
ح۔۸	ما [illegible] زبان اور اس کا اردو سے تعلق	صفحہ۱۲۸تا۱۲۹
ح۔۹	ال [illegible] تنقیق	صفحہ۱۰۹تا۱۱۵
ح۔۱۰	[illegible] ئیکی (مختلف صوبوں میں مختلف نام)	صفحہ۳۹، ۴۰
ح۔۱۱	[illegible] کی (مختلف صوبوں میں مختلف نام)	صفحہ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵
ح۔۱۲	سرائیکی ز [illegible] ارسم الخط تے آوازاں	صفحہ۴۹
ح۔۱۳	دی سرائیکی لینگو [illegible] ٹس گروتھ اینڈ ڈویلپمنٹ	طبع ۱۹۹۰ء
ح۔۱۴	سرائیکی لسانیات	صفحہ۲۸تا۲۹

Scanned with CamScanner

ح۔۱۵	ہفت روزہ ''بشارت'' مظفر گڑھ (سرائیکی زبان کی وجہ تسمیہ)	۲۳ دسمبر ۱۹۶۰ء
ح۔۱۶	سرائیکی اے لینگوئج موومنٹ ان پاکستان	صفحہ ۳۹۴
ح۔۱۷	سرائیکی لسانیات	صفحہ ۵۲ تا ۵۳
ح۔۱۸	ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق	صفحہ ۸۷
ح۔۱۹	سرائیکی زبان اُوندا رسم الخط تے آوازاں	صفحہ ۶۲
ح۔۲۰	روزنامہ ''ڈان'' ۲۰ جولائی ۱۹۶۹ء	صفحہ ۱۷
ح۔۲۱	سندھی بولی جو بنیاد	صفحہ ۳۸
ح۔۲۲	سرائیکی لینگوئج اِٹس گروتھ اینڈ ڈویلپمنٹ	صفحہ ۱۵
ح۔۲۳	سرائیکی لسانیات	صفحہ ۵۴
ح۔۲۴	کتاب قاضی دی تے دیوان راضی دا	صفحہ ۸
ح۔۲۵	سرائیکی مطالعے دے سو سال (ترجمہ)	صفحہ ۷۵
ح۔۲۶	ریاستی قاعدہ	طبع ۱۹۴۳ء
ح۔۲۷	دیوان فرید (دیباچہ)	صفحہ ۵
ح۔۲۸	بہاولپوری ملتانی زبان و ادب	صفحہ ۶۰

حصہ اول۔ب

ح۔۱	اے سنچری آف سرائیکی سٹڈیز اِن انگلش	صفحہ ۳۶
ح۔۲	اے سنچری آف سرائیکی سٹڈیز اِن انگلش	صفحہ ۳۷
ح۔۳	سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں	صفحہ ۲۷۳
ح۔۴	سرائیکی ادب	صفحہ ۳۱۵
ح۔۵	ہسٹری آف جوڈیشری	صفحہ ۶۶
ح۔۶	سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں	صفحہ ۳۰۲
ح۔۷	آزادی مگروں پنجابی ادب	صفحہ ۱۳
ح۔۸	اے سنچری آف سرائیکی سٹڈیز اِن انگلش	صفحہ ۹
ح۔۹	اے سنچری آف سرائیکی سٹڈیز اِن انگلش	صفحہ ۲۴
ح۔۱۰	اے سنچری آف سرائیکی سٹڈیز اِن انگلش	صفحہ ۱۸

☆ تفصیلی کوائف ''کتابیات'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

Scanned with CamScanner

نظم

اگر چہ پہلے تو سرائیکی شعراء نے سرائیکی کی قدیم اصنافِ سخن میں ہی شاعری کی مگر آج کا سرائیکی شاعر نئی اصناف میں بھی لکھ رہا ہے۔ نظم شاعری کی تمام روایتی اصناف سے مختلف ہے۔ اس لیے یہ ایک الگ اور نئی شعری صنف ہے۔ نظم میں موضوع یا ہیئت کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ یہ کسی بھی ہیئت جیسے مثنوی، قصیدہ، مُسدّس، ترکیب بند وغیرہ میں لکھی جا سکتی ہے۔ پھر بھی اسے زبان اور بیان کرنے کے خاص انداز کی وجہ سے دیگر اصناف سے الگ پہچانا جا سکتا ہے۔ نظم میں عام طور پر کسی ایک خیال یا تصور کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ نظم کے لیے خیالات کا تسلسل ضروری ہے جبکہ نئی نظم میں داخلیت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور اس کا انداز عام طور پر تجزیاتی ہوتا ہے۔

ویسے تو سرائیکی میں نظم بطور صنف بیسویں صدی عیسوی سے پہلے بھی لکھی گئی ہے جیسا کہ اسلم رسولپوری کی کتاب ''منتخب سرائیکی کلام حمل لغاری'' مطبوعہ ۱۹۸۱ء میں حمل لغاری (۱۸۱۰ء۔۱۸۷۹ء) کی منظومات کے عنوان تلے ''مرشد کی مدح، نصیحت نامہ، قصہ جمجمہ سلطان'' شامل ہیں۔ مگر بیسویں صدی کے پہلے نصف میں نظموں کی کتابیں چھپنا شروع ہو گئی تھیں۔ مولانا محمد صدیق کی ''تحفۃ المسلمین (۱۳۱۵ھ) اور قدرت اللہ کی ''ہگڑیاں دی ٹکر'' (۱۳۴۳ھ) کے علاوہ ماسٹر ہری چند گوٹھی کی ''ہری کے منوہر پھول'' (۱۹۳۹ء) شہاب الدین کی ''بہاولپور دا بند'' (۱۹۴۲ء) اس کی چند مثالیں ہیں۔ بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور نظم کے حوالے سے شیر محمد ڈیروی کی ''اصلاحی نظمیں'' (۱۹۵۶ء، طبع دوم) خرم بہاولپوری کی ''خیابانِ خرم'' اور اختر علی خان اور ریاض انور کی مرتبہ ۱۹ شاعروں کے کلام پر مشتمل ''للکار'' (مطبوعہ ۱۹۶۵ء) محکمہ اطلاعات بہاولپور کی ''گلدستہ سرائیکی'' (مطبوعہ ۱۹۶۷ء) جس میں خلیق ملتانی مرحوم کی اول انعام یافتہ نظم ''غلہ زیادہ اگاؤ'' بھی شامل تھی۔ شعر دیکھیں:

مُلّح آہدے کال ہے کال دی مجال ہے

ہِک تیڈے نال ہے کال کوں نسائی آ

یتیم جتوئی کی ''دُرِیتیم'' (مطبوعہ ۱۹۶۷ء) جس میں ان کی شاہکار نظم ''چیڑی دا گھر'' بھی شامل ہے۔ اسی سال ہی میں صادق بشیر کی تالیف کردہ ''رَت دیاں ہنجوں'' دلدار بلوچ کی ''ڈُکھ دی چھاں'' (مطبوعہ ۱۹۶۸ء) محمد بشیر احمد ظامی بہاولپوری کی ''پھلاں دے ہار'' مطبوعہ ۱۹۷۳ء، اقبال سوکڑی کی ''ہنجوں دے ہار'' مطبوعہ ۱۹۷۳ء جس میں ''پنڑی''، ''پاپگل، اور ''چھیکڑی خط'' جیسی چھبیس (۲۶) نظمیں شامل ہیں۔ شاد گیلانی کی ''ہاں دے بیرے'' اور ممتاز حیدر ڈاہر کی مُرتبہ ''وَہندے نیر'' (مطبوعہ ۱۹۷۳ء) عمر کمال خان کی شائع کردہ ''نام اللہ دے کوک میڈی سُن حسنؑ حسینؑ دی مائی'' (مطبوعہ ۱۹۷۴ء) محی الدین شان کی ''شان آسودہ طوفان'' اور قاسم جلال کی ''پھلاں دی سیج'' (مطبوعہ ۱۹۷۵ء) کے علاوہ نصر اللہ خان ناصر کی ''اوئے ہوئے ہوئے'' جیسی کئی یادگار کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

خرم بہاولپوری کی کئی نظمیں یادگار ہیں؟ شعر دیکھیں:

ول سانوں رُتے سوہانوں ہا

اَنب کھاؤں ہانالیاں دھاؤں ہا

جھوٹیاں دے جھوٹیاں کیتے

اُچے پپلاں پینگھاں پاؤں آ

۱۹۶۷ء میں جب سرکاری طور پر موضوعاتی نظموں کے مقابلے کرائے گئے تا کہ حکومت کے فلاحی کاموں اور منصوبوں سے متعلق پاکستانی عوام کو بتایا جا سکے تو ان مقابلوں کی وجہ سے سرائیکی شاعروں نے بھی نظم کی طرف بھرپور توجہ دی اور کئی نامور شاعروں نے ان میں حصہ لیا۔ ''شان آسودہ طوفان'' میں شامل محی الدین شان کی نظمیں ''بھراو مسلمان بنڑ تے ڈُکھاوَ'' اور ''جے گھٹ بال جنڑ سوتاں گھٹ ڈُکھ جھیلسو'' اسی طرح کی انعامی نظمیں ہیں۔ ''ہنجوں دے ہار''

کے شاعر اقبال سوکڑی کی نظموں کا نمایاں موضوع ہمارے معاشرے کی بے انصافی اور امیر غریب کی تفریق ہے۔

وہ ایک انسان کو دوسرے انسان کا غلام بَن کر رات دن کام کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے:

سوچو تاں سہی زخم کیویں اپنڑے سیوے
مزدوری کرے کھیروی شارک وی نہ پیوے
ڈو وقت دی رج روٹی نصیب ایں کوں نہ تھیوے
جیونڑ دے کیتے مرے، مرنڑ کیتے ایہہ جیوے

''پنّی'' اور ''پاگل'' دو شاہکار نظمیں ہیں جن کے پڑھنے سے اقبال سوکڑی کے تخلیقی شعور کی عظمت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ''پنّی'' ہمارے معاشرتی ڈھانچے پر ایک طمانچہ ہے۔ یہ نظم ہمارے معاشرے پر بھرپور طنز ہے کہ سماجی انصاف کے نعرے لگانے والو، خالی نعرے پیٹ نہیں بھرتے۔ عملی اقدام بھی ضروری ہیں۔ نظم ''پاگل'' میں پاگل کو علامت بنا کر دنیا کی سیاست، عالمی امن اور بڑے ملکوں کا چھوٹے ملکوں کے ساتھ رویّہ، انسانیت کو غلام بنانے کی سامراجی کوششیں اور دوسرے کمزور ملکوں کے علاقوں پر قبضہ کرنے کی سازشوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ شائع ہونے والی کتاب ''ہاں دے بیرے''، میں شاد گیلانی کی نظم ''پہلی ملاقات'' میں رومان اور جنسیات کے باوجود ایک پاکیزہ تاثر ابھرتا ہے۔

تیڈے میل دی کتنی حسین او شام ہئی
تیڈیاں نشیلیاں اکھیں وِچ ہِک پیار دا پیغام ہئی

شاد کی شاعری میں جنسیات اور دیگر معاشرتی برائیوں کا ذکر مشاہداتی شاعری کے زمرے میں آتا ہے۔ معاشرے کے اخلاقی دیوالیہ پن کی عکاسی ان کی ایک اور نظم ''وَلا آکھاں''

Scanned with CamScanner

میں بھی ملتی ہے۔ جس میں وہ نام نہاد سیاسی لیڈروں کے اصل چہرے بے نقاب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

''پھلاں دے ہار'' میں ظامی نے بچوں کے لیے ہلکے پھلکے انداز اور خوبصورت زبان میں نظمیں لکھی ہیں۔ ''مٹھاں ہکلے جھاردا'' ایک ایسی نظم ہے جو دیہاتی زندگی بلکہ ثقافت کے ایک سمبل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اسی سال شائع ہونے والی ایک اور کتاب ''وہندے نیر'' میں شاد گیلانی کی رومانیت اور جنسیات آگے بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ نصر اللہ خان ناصر کی نظم ''نیو کیمپس'' ملاحظہ ہو:

ورثہ بیٹھیں سھو کھسا پگّی
میکوں ہک گالھ تاں ڈسا پگّی
درس گاہ دا قصور ہے سارا
یاداو ماضی نہ کھاندا ہئی دارا
تیڈا ماضی، او مشرقی ماضی
تیڈے کولوں وِنجیج گئے کیویں
تیڈا او ورثہ کھسیج گئے کیویں

اس نظم کے ساتھ ساتھ اسی کتاب میں مجاہد جتوئی کی نظم ''وستی دی وارث'' بھی قابل غور ہے۔ ایک شعر دیکھیے:

تُوں وستی دی وارث تھی تے کیوں شہر اچ پٹوں پاتی
کیوں خود نال رُٹھی ہیں بھولی کہیں آ سختی چاتی

Scanned with CamScanner

یہ نظم اس شعر پر ختم ہوتی ہے:

جتلی دی جلدی تھی سکدی بجھ وَستی دو بھیج وِنج
مار گھتیسے ڈِھل گھُس تیکوں، کل دی ویندی اج وِنج

اس صدی کے آخری رُبع میں نظموں کے کئی مجموعے شائع ہوئے جیسے ۱۹۷۹ء میں حسن رضا گردیزی کی چالیس نظموں کا مجموعہ ''دھاپے دھوڑے'' ۱۹۸۹ء میں جانباز جتوئی کی ''مزدور ، سکھڑ، جٹی، عشق، اور چوری'' جیسی قابلِ ذکر ساٹھ نظموں کا مجموعہ ''تنواراں'' اور اشولال فقیر کی لوک گیت اور کافی کی طرز پر مشتمل نظموں کا مجموعہ ''چھیڑو ہتھ نہ مُرلی'' ۱۹۹۲ء میں سعید احمد راشد کا مجموعہ ''انگل'' ۱۹۹۳ء میں محمد حسین شاد (مرحوم) کی نظموں کا مجموعہ ''بیٹ دی سِک'' اور ۱۹۹۶ء میں صادق تھہیم کی نظموں کا مجموعہ ''پرکھ''۔

''الیاس عشقی ''دھاپے دھوڑے'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''حسن رضا گردیزی کی طبیعت کو غزل سے بڑی مناسبت ہے لیکن اس مناسبت کے باوجود انھوں نے غزل بہت کم لکھی ہے۔ اصل میں وہ نظم کے مردمیدان ہیں اور ان کی طبیعت کا رچا ہوا تغزل ان کی نظموں کے تاثر کو اجاگر کرتا ہے۔ نظم میں حسن رضا گردیزی کی شاعری کا اصل جوہر نمایاں ہوتا ہے''۔

اس مجموعے میں ''نوکر دا بچہ'' ایک سادہ مگر پُر اثر نظم ہے۔ ''بندی خانہ'' ایک علامتی نظم ہے۔ نظم ''وچھوڑے'' کے کچھ شعروں میں وجودی نکتۂ نظر جھلکتا ہے۔ ''چتے بدل'' میں دنیا کے عظیم نظام کو بدلنے کی خواہش ملتی ہے۔

حسن رضا کا ایک یادگار شعر دیکھیں:

Scanned with CamScanner

شعر نہ تحقیقات دا حاصل، شعر نہ علم ٹوں گولے

شعر تنّاواں رُوح دیاں چھلّے، شعر کتاب نہ پھولے

''بُجیاں سالہیں'' میں تصویر کشی اور منظر کشی کمال کی ہے۔ ایسی ہی ایک نظم ''تھل دیاں کھجیاں'' ہے۔ نظم ''سرکس'' میں انفرادی اور اجتماعی آزادی کی بات کی گئی ہے۔

مگر پرانا تمثیلی انداز اختیار کر کے مختلف جانوروں اور پرندوں کے حوالے سے ایک کہانی کی صورت میں آزادی کی نعمت کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں:

پنجرے وچ ہک شیر ڈٹھم سرکس دے کھیل دے اندر

طاقت ٹوں مجبور ڈٹھم کمزور دی جیل دے اندر

جنگل دا آزاد درندہ قید دے وچ گھبراوے

اپنے ہتھوں کجھ نہ تھیوس بے دی ماری کھاوے

جانباز جتوئی کی نظمیں ''کافی'' کی طرح بند میں لکھی گئی ہیں۔ ان نظموں کی سب سے نمایاں خوبی وطن سے پیار ہے۔ نظموں کا زیادہ حصہ بلاواسطہ یا بالواسطہ وطن سے متعلق ہے۔

میڈی سونے سنویں دھرتی ہے جیکوں لگیا رنگ قدرتی ہے

اساں سب کجھ ایکوں جاتا ہے اساں عزتاں دے تے پاتا ہے

اشولال کی نظموں پر ان سطروں سے بہتر تبصرہ نہیں ہو سکتا جو انھوں نے خود کتاب میں لکھا ہے، لکھتے ہیں:

''چھیڑو ہتھ نہ مُرلی...... میں مَیں نے شعوری طور پر وسیب کے لوگ گیتوں، قصوں، کہانیوں، کھیلوں اور رسوم و رواج میں فوک وِزڈم کو دوبارہ

نظم کیا ہے ۔ جہاں تک دھرتی ، بندہ ، وجود، عقیدہ اور اس کے فلسفے (تصوف) مارکسزم اور وجودیت) کا تعلق ہے اس کے لیے میں نے عارفانہ شاعری میں برتی گئی لفظوں کی لُغت اور اس کی علامتی روایت کو آگے بڑھانے کی شعوری کوشش کی ہے اور اپنے وسیبی پسِ منظر اور اس کی شعری روایت کو انڈین متھالوجی سے دوبارہ گانٹھا ہے اور اپنی نظموں میں مُرلی، شیام (کرشن، نندلالہ، موہن) رادھا، رام، سیتا، گوتم، ہَر، تُلسی وغیرہ کی علامتیں برتی ہیں''۔

اشولال کا یہ سفر ''گوتم نال جھیڑا'' مطبوعہ ۱۹۹۵ء میں ایک نئے رنگ میں آگے بڑھا ہے۔

محمد حسین شاد کے مرنے کے بعد اُن کی نظموں کا مجموعہ ترتیب دے کر شائع کیا گیا۔ اگرچہ ان کے اپنے شہر کے تذکرہ نگار کیفی جامپوری نے ''سرائیکی شاعری'' میں ان کو نظیر مان کر میر کا سا برتاؤ کیا ہے۔ مگر کتاب میں کتاب کے عنوان پر مشتمل نظم کے علاوہ ''ونواڑ'' اور ''فضا بیٹ دی'' ایسی نظمیں ہیں جن میں وسیب کے وہ تمام نظارے اپنی پوری خوبصورتی کے ساتھ موجود ہیں جنھیں وسیب کی علامت کہا جاسکتا ہے۔ نظموں کا خاص موضوع سرائیکی ثقافت ہے اور شاعری میں اپنی مٹی اور ثقافت سے پیار کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ ہندوؤں کے محلے کی سیر کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

ہک ڈینہہ قادر سانگ بنْا کے خاص محلے نِیتے
پَر مَیں دا ہک ٹول ڈِٹھم جَیں ہوش فکر کھَس نِیتے
تَن تے خاص گون پئے چھکدے خاص مشینیں سیتے
ڈیکھ ڈیکھ کے گھُنڈ چا کیتا، اے وَت کینجھی رِیتے

کنڈیتے درد سارے ہن تھئے سمولے آن بھج بھج

کیتے مارنڑ دے شاد بس کیتا، سنگھار ہار ، عارنہ کجھ

صادق تھیم کی اکتیس نظموں کے مجموعے ''پرکھ'' میں محبوب جھنگوی سرائیکی نظم کو شعراء کی جرأت کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہر شاعر کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی شاعری لوگوں تک پہنچے۔ عوامی شاعری کے مجموعے کسی نہ کسی طرح بک جاتے ہیں مگر صرف نظم لکھنے اور اس کا مجموعہ چھپوانے کی جرأت ہر شاعر نہیں کر سکتا''۔(ح۔۱)

متذکرہ بالا کتابوں کے علاوہ اقبال سوکڑی کی کتاب ''ڈُکھ دی جنج'' کا پہلا حصہ چھبیس نظموں پر مشتمل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ۱۹۷۸ء میں فدائے اطہر کی ''رمجھول'' اور نصیر سرمد کی ''سوجھلا'' ۱۹۷۹ء میں جام عبدالمجید ناشاد کی ''ڈکھاں دی کھاری''، ۱۹۸۰ء میں ممتاز احمد زاہد کی ''ڈُسکیاں'' نظر آتی ہیں جبکہ ۱۹۸۵ء میں جانباز جتوئی کی ''اُرداساں'' میں نظم کے عنوان تلے اِکیّس نظمیں موجود ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں مہینوال منگروٹھوی کی ''پیار دی پینگھ'' قاصر احمد پوری کی ''تو بھے تارمتاراں''، نواز جاوید کی ''تانگھاں'' میں نظمیں موجود ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں فیض محمد دلچسپ کی ''حق دی آواز'' قاصر احمد پوری کی ''وٹھڑی روہی'' اور احمد خان طارق کی ''گھروں در تانڑیں'' میں جبکہ ۱۹۹۰ء میں فیض بلوچ کی ''غم دیاں غاشاں'' محمد علی خالد بھٹی کی ''گنڈیاں دی سیج'' اور ساقی سمینوی کی ''زُلفاں دی چھاں'' میں نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں شائع ہونے والی حسین گوہر کی ''فجر دا تارہ''، صادق تھیم کی ''بھالے'' محمد رمضان طالب کی ''جھریٹاں'' جمشید احمد کمتر کی ''سُکھ سوجھلا'' بخت علی مسرور کی ''آساں دے پھُل'' نوروارث کی ''پچھاواں'' میں نظمیں موجود ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں ارشاد ڈیروی کی ''ریت سفر'' اعجاز ڈیروی کی ''کلہیپا''، اے بی عاصم کی ''سِک داساونڑ'' اقبال احمد جوہر کی ''وَلدا'' جہانگیر مخلص کی ''پرہ باکھ''، عزیز شاہد کی ''پھُل سَرمی

دے''، جمشید احمد کمتر کی ''چندر پچوڑی دا''، سردار احمد سعید کی ''ہنجوں دے موتی'' نقوی احمد پوری کے ''دیوانِ نقوی'' میں بھی نظمیں موجود ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں سلیم احسن کی ''چیتے چنتے'' رفیق ساحل کی ''بزدار'' ساقی سمیوی کی ''خالی جام'' جمشید احمد کمتر کی ''پلداڈیوا'' رحیم طلب کی ''سونا چاندی''، اقبال نصرت تونسوی کی ''کلّی کُونج''، جوگی فقیر (خالد اقبال) کی ''کھُمبیاں کھُمب کھنڈائے'' کرم ٹالپور کی ''دل دیاں دانھیں''، مُصطفٰی خادم کی ''پارت'' عباس غزالی کی ''مینگھ ملہار'' اور اسلم میتلا کی، ڈُکھ سنجوک، میں نظمیں شامل ہیں۔ ۱۹۹۴ء میں ارشاد ڈیروی کی ''روگ'' میں اِس روایت کو جاری رکھا گیا ہے۔ اُمّید ملتانی کی ''پلکوں وچ سویر'' میں بھی نظمیں ہیں۔ جبکہ ۱۹۹۵ء میں مہینوال منگروٹھوی نے ''وفادا کال'' میں اور احمد خاں طارق نے ''متاں مال ولے'' میں، عاشق رسول اشک نے ''تیڈی پہلی خوشی'' میں مشتاق سبقت نے ''کھیڈ قلندر دی'' میں اور جندوڈہ مغموم نے ''گوڑے گھُٹ'' میں اسے مضبوط کیا ہے۔ ۱۹۹۶ء میں نجف علی شاہ کی ''منوتی'' میں، عبدالرحمان اختر کی ''میڈادل آہدے'' میں عاشق حسین عاشق کی ''بے پرواہ نال گالھ مُہاڑ'' میں، مصطفٰی خادم کی ''لُوار لہجے'' میں نقوی احمد پوری کی ''قطب تارا'' میں اور شفقت بُزدار کی ''گریہہ دا قرض'' میں بھی نظمیں شامل کی گئی ہیں۔

فِدائے اطہر نے ''رجھول'' میں اپنی نظموں میں وڈیروں اور زمینداروں کی زیادتیاں گنوائی ہیں جیسے:

شاہ رگاں دا لہو پیندن اِنساناں دے ماس تے جیندن

چٹ شودیاں دے ہاں پے ڈلدن، اجھے نانگ پے پلدن

''ڈکھاں دی کھاری'' دکھوں بھری ضرور ہے مگر اس میں سُکھ کے پھول بھی ملتے ہیں اور رجائیت بھی موجود ہے۔ شاعر نے شعری اصناف کو اس طرح گنوایا ہے:

گیت لکھاں میں یار خوشی دے

بھُل کے سب او غم دیاں غزلاں

لکھدا رہواں چن دی شان اِچ

نِت ناشاد میں نویں ڈوہڑے

''کھُمبیاں کھمب کھنڈائے'' میں علی تنہا نے لکھا ہے کہ ''اس مجموعے میں نظموں، غزلوں اور دائیوں کی گھمبیر تا لینڈ سکیپ کے مطابق ڈھلتی ہے''۔ ''مینگھ ملہار'' میں ''غریبو امیریں دیاں رِیساں نہ کرو، اج دی تربیت، میڈی توبہ زاری، فرقہ بندی، اے جھوک ول وسے ہا'' شاعر کی تخلیقی صلاحیت اور قوت بیان کو ظاہر کرتی ہیں۔ ''گوڑے گھُٹ'' میں جندوڈہ مغموم کی بیس نظمیں ہیں۔ مغموم نے اگرچہ سرائیکی کی دیگر اصناف سخن میں بھی لکھا ہے لیکن ان کی شاعری کا مزاج نظم ہے۔ انھوں نے مسدس، مخمس اور مثمن میں شعر کہے ہیں۔ زیادہ تر نظموں میں طبقاتی کشمکش، فضول رسم ورواج، منافقت، فیشن، دکھاوا، جھوٹ، بددیانتی اور بے راہروی کے خلاف جہاد کیا ہے۔ خود لکھتے ہیں:

> ''پچھلے دس سالوں سے میں اپنے وسیب میں موجود ظلم کرنے والے عناصر کے خلاف نظمیں لکھ کر سٹیجوں پر پڑھتا آرہا ہوں''۔

''بے پرواہ نال ڳالھ مہاڑ'' میں عاشق حسین عاشق کی ۱۹ نظمیں شامل ہیں۔ ان نظموں میں عربی، فارسی کی آمیزش بھی پائی جاتی ہے۔ سرائیکی شاعرات نے بھی پابند نظمیں لکھی ہیں مثلاً مرحوم بخت آور کریم نے ''اِٹک مِٹک دیداں'' (مطبوعہ ۱۹۸۴ء) میں سات اور بہار النساء بہار نے ''چھل بل اکھیں'' (مطبوعہ ۱۹۹۴ء) میں پانچ نظمیں شامل کی ہیں۔

عام نظم سے ہٹ کر نظم کی تین دیگر اقسام بھی ہیں۔ جنھیں نظم مُعَریٰ، آزاد نظم اور نثری نظم کہتے ہیں۔ مُعرّیٰ کے لفظی معنی ننگا، خالی، آزاد اور پاک صاف کے ہیں۔ شعر کی اصطلاح میں نظم مُعرّیٰ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس کے تمام شعر ہم وزن اور رائج بحروں میں سے کسی ایک بحر میں ہوں۔ مگر ردیف اور قافیے کی قید سے آزاد ہوں۔ سولہویں صدی کے وسط میں انگریزی ادب میں اس کا رواج پڑا اور ملٹن نے اسے کمال تک پہنچایا۔ اردو میں ن۔ م راشد، میرا جی، فیض اور مصطفیٰ زیدی

وغیرہ نے اسے توانا کیا۔ آزاد نظم کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اس میں کسی نہ کسی بحر کی پابندی کی جاتی ہے مگر اس کے اندر سہولت پیدا کر لی جاتی ہے کہ اس خاص بحر کے ارکان میں کمی بیشی کر کے مصرعے چھوٹے بڑے کر لیے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک خاص وزن کی پابندی سے آزاد ہو کر اپنے خیالات کا اظہار آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ اگر قافیہ، ردیف، وزن، بحر سب کو چھٹی دے دی جائے تو نثری نظم وجود میں آتی ہے۔ سرائیکی شعراء قدامت پرست واقع ہوئے اور ایک عرصے تک نئی صنفوں کی طرف دھیان نہ دیا مگر موجودہ دور میں دیگر زبانوں کے شاعروں کی طرح سرائیکی شاعروں نے بھی مسلّمہ اور مخصوص اوزان سے بیزار ہو کر اور ردیف قافیے کی پابندیوں سے گھبرا کر آزاد نظمیں لکھیں۔ آزاد نظم سرائیکی وسیب کے موجودہ عہد سے لگاؤ رکھتی ہے۔

کیفی جامپوری نے اپنی کتاب، ''سرائیکی شاعری'' (مطبوعہ ۱۹۶۹ء) میں سحر رومانی (موجودہ حسین سحر) کو پہلا جدید نظم گو سرائیکی شاعر لکھا اور پھر نگہت فردوس نے آزاد نظمیں لکھنی شروع کیں تو سرائیکی ادبی حلقوں میں اس پر کافی لے دے ہوئی مثلاً میاں سراج الدین سانول نے ''آزاد شاعری اتے سرائیکی شعراء'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔ ان کا کہنا تھا کہ:

> ''آزاد شاعری محض تحت اللفظ کے ذریعے وقتی طور پر سامعین کے ذہنوں کو گرماتی ہے۔ مگر جو لطف بحروں پر ترتیب دی گئی دوسری اصناف پیدا کرتی ہیں۔ اس سے یہ صنف عاری ہے''۔ (ح۔۴)

اس مضمون کے جواب میں محمد اسماعیل احمدانی نے آزاد شاعری کی حمایت میں مضمون لکھا۔ انہوں نے لکھا کہ:

> ''سرائیکی شاعری کی تمام اصناف ردیف، قافیہ اور بحر وزن کی پابند ہیں۔ اگر کوئی شاعر کہیں اس پابندی سے پاؤں باہر نکالے تو پھر بھی کسی نہ کسی سُر یا چھند کی حدود میں محدود رہتا ہے کیونکہ ہندی، سندھی اور سرائیکی شاعری موسیقی کے چھندوں اور ماتراؤں کی بنیاد پر ہی وجود میں آتی ہے۔ ہمیں

آزاد شاعری کی کچھ قسمیں قابلِ قبول ہیں۔ اگر بحر اور وزن موجود ہو مگر ردیف قافیے کی پابندی نہ کی جائے اور اگر پوری بحر نہ ہو اور شعری آہنگ موجود رہے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر بحر موجود ہو تو وہ شعر کسی نہ کسی چھند کی صورت میں آ جائے گا۔ اس سے لئے اور آہنگ موجود رہے گا جو موسیقی اور شعر کی روح ہے"۔ (ح۔۳)

ویسے تو ابتدائی شاعری کی کئی اصناف، نظم کی ذیل میں ہی آ جاتی ہیں مگر اب نظم سے مراد جدید اور آزاد نظم لی جاتی ہے۔ اس کے آتے ہی سرائیکی شاعری کی دیگر اصناف، کافی، وائی، گیت، بارہ ماہ وغیرہ میں کم لکھا جانے لگا ہے۔ جب اردو میں نئی نظم لکھی جانے لگی تو اس کے اثرات سرائیکی شاعری پر بھی مرتب ہوئے۔ ایک طرف پابند اور موضوعاتی نظم لکھنے والے تھے اور دوسری طرف جدید اور آزاد نظم کی بنیادیں رکھنے والے پر تول رہے تھے۔ پابند نظمیں موضوعات اور تخیل کے حوالے سے سامنے آتی ہیں تو آزاد نظم اظہار کے لیے فنی پابندیوں کو قبول نہیں کرتی۔ پابند نظم نے نئی نظم کے سفر میں کئی رنگ اختیار کیے۔ نظم مختلف موضوعی اور ہیئتی تجربوں سے گزرتی ہوئی آج کے دور تک پہنچی ہے۔ اب دیکھا جائے تو پابند نظم کا رواج کافی کم ہوتا جا رہا ہے اور اس کی جگہ آزاد نظم اور خاص طور پر مختصر نظم کا رواج بڑھ رہا ہے۔ لہٰذا اس صدی کے آخری رُبع میں نظموں کے ایسے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں جن میں پابند یا موضوعاتی نظم کے ساتھ ساتھ جدید آزاد اور نثری نظمیں بھی شامل کی گئی ہیں۔ مثلاً ۱۹۷۶ء میں رشید عثمانی کا "اکھیں دے جگارے" اور ۱۹۹۱ء میں سعید اختر کا "دریا سندھ کنارے" سامنے آئے۔ ممتاز حیدر ڈاہر کی نظموں کا مجموعہ "اندھارے دی رات" (مطبوعہ ۱۹۸۵ء) سرائیکی نظم میں ایک سنگ میل ہے۔ "اکھیں دے جگارے" میں مختلف موضوعات پر ۲۹ نظموں کے بعد ۹ آزاد نظمیں شامل کی گئی ہیں انیس پیرزادہ لکھتے ہیں:

"رشید عثمانی نے سرائیکی ادب میں آزاد نظم کی بنیاد بھی مضبوط کی ہے۔ پہلے سرائیکی زبان میں آزاد نظمیں نہیں۔ اگر ہیں بھی تو نہ ہونے کے

Scanned with CamScanner

برابر۔ کہنے کو تو یہ نظمیں آزاد ہیں مگر ان کو بھی ہم اصولوں سے آزاد نہیں کہہ سکتے۔ اس شاعر نے سرائیکی زبان میں آزاد نظمیں کہہ کر حیاتِ انسان کی سچائیوں کو اپنے ایک انداز میں سمو دیا ہے''۔(ح۔۴)

''دیرا سندھ کنارے'' میں شامل آزاد نظموں کے بارے میں نصیر سرمد لکھتے ہیں:

''انھوں (سعید اختر) نے نئی اصناف بھی بنائی ہیں۔ جن کا کوئی خاص نام نہیں رکھا بلکہ عنوان دے کر نظم کی شکل میں پیش کر دیا ہے''۔(ح۔۵)

گزشتہ دس سالوں میں سرائیکی شعری مجموعوں میں دیگر اصناف کے ساتھ پابند اور آزاد نظم دونوں کو ایک ساتھ شامل کرنے کا رجحان بھی سامنے آیا ہے۔ جیسے عزیز شاہد (پھُل سَر می دے)، دلشاد کلانچوی (کلام کلانچوی)، مشتاق سبقت (کھیڈ قلندر دی)، نقوی احمد پوری (قُطب تارا) اور شفقت بزدار (گر یہہ دا قرض) کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ نقوی احمد پوری جنھوں نے ''دیوان نقوی'' کو سرائیکی میں غزلوں کا پہلا دیوان (ردیف وار) کہا مگر اس میں نظمیں بھی شامل کیں جن میں زیادہ تر آزاد نظمیں ہیں جبکہ ''قطب تارا'' کی ایک نظم ''وٹہ سٹہ'' میں المیے کو اس طرح بیانٌ کیا ہے:

''میڈے بھنٹویے دے دل وچ گرٹپے گیا/ ہَولے ہَولے اُوندی سنگت اونکوں گال ڈِتا ہے/ جیہڑی نینگرِ گوں دی ڈِہدے /اُوندے پِچھوں بھجدا راہندے/ ڈُوں ڈِینہہ گزرن/ او میڈے گھر رات گوں آیا/ آکھݨ لگا میڈی بھیݨ گوں کاغذ ڈِے چا/ اپݨی بھیݨ دا کاغذ گھِن گھِن''۔

دلشاد کلانچوی کے مجموعے ''کلامِ کلانچوی'' میں بھی نظمیں ہیں۔ ان نظموں کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

''یہ نظمیں لمبی چوڑی بھی ہیں اور چھوٹی چھوٹی بھی۔ قدیم رنگ کی بھی ہیں

اور جدید طرز کی بھی۔ یہ رنگ برنگی اور طرح طرح کی چیزیں مختلف عوامل کی محتاج رہیں اور ان کو رہنا بھی چاہیے تھا۔ بہر حال ان میں وطن اور وطن کے لوگوں کے متعلق نظمیں نمایاں ہیں۔''

''کھیڈ قلندر دی'' میں ۳۳ نظمیں ہیں جن میں آزاد نظمیں بھی شامل ہیں۔ ''قطب تارا'' کی ۳۵ نظموں میں سے ۲۴ ''جبکہ گریہہ دا قرض'' کی ۲۴ نظموں میں سے نو آزاد ہیں۔ شفقت بُزدار کی نظمیں اپنے موضوع اور اسلوب کے حوالے سے سرائیکی وسیب کی ترجمانی کرتی ہیں۔ نظم ''اٹ ڈھٹی جھوک'' سرائیکی وسیب کا نوحہ ہونے کے ساتھ کلچر کی تصویر بھی ہے۔

اس ربع میں آزاد، نثری اور مُعرّیٰ نظموں کے کئی مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں۔ دلشاد کلانچوی کا ''نویّں نسل دیاں چھولیاں'' (مطبوعہ ۱۹۷۸ء) فرحت نواز کا ''چونڑویاں نظماں'' (۱۹۸۰ء) عاشق بزدار کا ''قیدی تخت لہور دے''، (۱۹۸۶ء)، اسی سال چھپنے والی ''چار اپریل'' میں بھی پندرہ آزاد نظمیں شامل ہیں)۔ اقبال بانو کا ''دل تانگھ تانگھے'' (۱۹۸۷ء) نصر اللہ ناصر کا ''اَجرک'' (۱۹۹۰ء) مظہر قلندرانی کا ''ریول'' اور چندر گردیزی کا ''ہتھاں دے چندر'' (۱۹۹۱ء) رحیم طلب کا ''پیار دا پہلا ساونڑ'' (۱۹۹۲ء) یاسر بزادر کا ''سوچ سنگھار'' (۱۹۹۴ء) اسلم جاوید کا ''میکوں آکھ نہ پنج دریائی'' (۱۹۹۴ء) رفعت عباس کا ''بھوندی بھوئیں تے'' قیس فریدی کا ''پرکھرا (۱۹۹۵ء) اور خالد اقبال کا ''پئی وگے ہک نئیں،، (۱۹۹۶ء)۔

۱۹۸۰ء میں شائع ہونے والی ''چونڑویاں نظماں'' اردو شاعر وزیر آغا کی تیس اُردو نظموں کے سرائیکی تراجم پر مشتمل ہے۔ جنھیں بارہ شعراء نے ترجمہ کیا ہے۔ کتاب کی مرتبہ فرحت نواز لکھتی ہیں:

''سرائیکی میں ابھی تک نئی نظم اپنی جڑیں مضبوط نہیں کر سکی۔ ڈاکٹر وزیر آغا کی نظموں کے ترجمے کی یہ کتاب دراصل اس کمی کو پورا کرنے کے لیے

چھپ رہی ہے۔ یہ ترجمے سرائیکی میں نئی نظم کو مضبوط بنیادیں دیں گے''۔

آسی خان پوری نے اس کی تائید میں لکھا ہے:

''ڈاکٹر وزیر آغا بلاشبہ اردو نظم کے مجتہد ہیں۔ سرائیکی زبان میں ان کی شاعری کے ترجمے کے اس کام سے اردو اور سرائیکی دونوں زبانوں کو ہی فائدہ پہنچے گا۔ سرائیکی اپنے بہت سے امکانات رکھتی ہے مگر ابھی تک سرائیکی دانشوروں نے جدیدیت کے حوالے سے بہت کم کام کیا ہے۔ ان ترجموں سے اب سرائیکی شاعری میں نئے دور کے جدید رجحانات فروغ پائیں گے اور اس طرح سرائیکی شاعری کا دامن وسیع تر ہو جائے گا''۔

نمونہ دیکھیے۔ 'ڈکھ میلے رساں دا'' مترجم اظہر ادیب

''ڈکھ دے روپ ہزار اڈِس رہواوی ڈکھ تے بھاوی ڈکھ اے رمیں تیڈا
توں میڈا ڈکھ ہیں۔''

۱۹۸۱ء میں ممتاز حیدر ڈاہر نے جی ششیندر شرما کے تیلگو رزمیے کا طویل آزاد نظم کی شکل میں ترجمہ 'میڈی دھرتی میڈے لوک'' کے نام سے شائع کیا۔

دلشاد کلانچوی اپنی کتاب ''سرائیکی شاعری دے کجھ مہاندرے شاعر'' میں لکھتے ہیں:

''سرائیکی نظم کی طرف آئیں تو ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۵ء تک ہماری نظم ابھی روایتی رنگ میں رنگی ہوئی نظر آتی ہے۔ ضرورت تھی کہ سرائیکی نظم کو نئے رنگ سے آشنا کیا جائے اور اظہار کے نئے سانچے سامنے لائے جائیں۔
نصراللہ خان ناصر پہلا سرائیکی شاعر ہے جس نے باقاعدگی سے پوری توجہ کے ساتھ جدید سرائیکی نظم کو اظہا کا ذریعہ بنایا۔'' (ح۔٦)

''اجرک'' کی تمام کی تمام ۷۵ نظمیں آزاد ہیں۔ ان نظموں کے اکثر مصرعے دو، دو، تین، تین لفظوں کے بھی ہیں۔ ناصر نثری نظم کو بھی سرائیکی شاعری میں لے آیا ہے۔ اس کی ایک مثال نظم ''دہاڑیں دیلے دے قرضائیں'' ہے۔ یہ نظمیں لوک سمّل کا مجموعہ ہیں اور سرائیکی ثقافت کے تمام رنگ ان میں نظر آتے ہیں۔

''پیار دا پہلا ساون'' چھوٹی بڑی ۹۳، ''بھوندی بھوئیں تے'' ۷۸ ''ہتھاں تے چندر'' ۷۸ اور ''سوچ سنگھار'' ۳۲ آزاد نظموں کے مجموعے ہیں۔ ارشد ملتانی ''ہتھاں تے چندر'' میں لکھتے ہیں:

> ''میرے نزدیک ان (حیدر گردیزی) کی نظموں میں ان تمام داخلی جذبوں کی گہرائی اور شدت موجود ہے جو کسی غزل یا نظم کو باوقار اور لائقِ توجہ بنادیتے ہیں۔''

اسلم جاوید کی نظمیں مختصر ہوتی ہیں مگر معنی کے لحاظ سے ان کے پس منظر میں سرائیکی وسیب اور اس کے باسیوں کے دکھ درد موجود ہوتے ہیں۔ ''پرکھرا'' دراصل قیس فریدی کی ۱۹۹۵ء ہی میں منظر عام پر آنے والی کتاب ''تُوں سورج میں سورج مُکھی'' کی نئی شکل ہے۔ دراصل اس کتاب کا ایک حصہ ''وَوڑ'' ۴۵ نظموں پر مشتمل تھا جنہیں پرکھرا کی کل پچاس نظموں میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ ان نظموں میں ''کنفوشش دا پہلا خطبہ'' اور ''پندرھویں صدی داوہم نہ کر'' جیسی نظمیں بھی ہیں۔ چار سطروں پر مشتمل ایک نعتیہ نظم دیکھیں:

> ''ڈوں جکدے / سِھ آگِل پچھل / تیڈی ذات دے اندر / گم ہن''

''پَی وِگے ہک نیں'' میں خالد اقبال نے نظم کی مختلف ہیئتوں کو اپنایا ہے۔ اکثر نظموں میں کافی اور گیت کی آمیزش نظر آتی ہے۔ ''پَی وِگے ہک نیں، تیئں کیا کھٹیا وٹیا، اڑی او پینگ ہلارے، اک دے پھّل نیلے، گادھی کھوہ دی گادھی رُلاری دے اُلارتوں، اَدھی دُھپ اَدھی

چھاں'' وغیرہ میں اس طرح کی ایک خاص ہیئت ملتی ہے۔

اس ربع صدی میں شائع ہونے والے ایسے سرائیکی شعری مجموعے بہت ہیں جن میں آزاد نظمیں بھی شامل کی گئی ہیں۔ چند ایک دیکھیے۔ ''بلدے پچھانویں'' (۱۹۸۴ء) ''ورقہ ورقہ زخمی'' (۱۹۸۴ء) ''ڈُھڑی روہی'' (۱۹۸۹ء) ''پھُل سَرمی دے'' (۱۹۹۰ء) ''جھریٹاں'' (۱۹۹۱ء) ''پرہ باکھ'' (۱۹۹۲ء) ''باکووال'' (۱۹۹۳ء) ''چیتے چنتے'' (۱۹۹۳ء) ''روگ'' (۱۹۹۴ء) ''سِک سوجھل'' (۱۹۹۵ء) وغیرہ۔

''بلدے پچھانویں'' ان میں نمائندہ کتاب ہے۔ جس میں جدید نظموں کی تعداد دیگر اصناف سے زیادہ ہے یعنی اس میں منیر فاطمی نے دو نعتیں، گیارہ غزلیں اور ایک گیت کے ساتھ بائیس نظمیں شامل کی ہیں۔ یہ نظم معرّیٰ کا کامیاب تجربہ ہیں۔ نظم ''۱۹۷۱ء دی جنگ'' میں ہماری سیاست کی مکروہ روایات کو حق گوئی سے بے نقاب کیا گیا ہے۔ اسی سال شائع ہونے والی اقبال سوکڑی کی کتاب ''ورقا ورقا زخمی'' میں الگ عنوان سے سولہ آزاد نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ نظم ''گونگی لڑکی'' دیکھیں:

''او سوہنی نو خیز کلی ہئی
موریں وانگوں ٹور ہئی جیندی
قدم قدم تیں پَیلاں پَیندی
میں جو شوق دے نال اَلایا
کھِل کے اپنا نام ڈِسایا
اودی کھِل پئی دل شرما گئی
اُوں آں کر کے پیار جتا گئی''

قاصر احمد پوری نے نظمیں بھی کہی ہیں۔ ''ٹوبھے تارمتاراں'' (۱۹۸۷ء) کے بعد ''ڈُھڑی روہی'' (۱۹۸۹ء) میں تیرہ نظمیں شامل کی ہیں۔ عزیز شاہد کی ''منڑ دریاتے'' (۸۷ء)

میں چار پانچ آزاد نظمیں تبرکاً شامل کی گئی تھیں۔ مگر ''پھل سری دے'' میں تقریباً نصف کتاب آزاد نظموں پر مشتمل ہے۔ شعری مجموعے ''جھریتاں'' کا نام محمد رمضان طالب نے اپنی ایک آزاد نظم کے عنوان پر ہی رکھا ہے۔ دیکھیں:

''کہیں خان دے کوٹھے اُتے
غریب دی عصمت لُٹی
چندر ڈہدارہ گیا
تاہوں اُوندے چہرے اُتے
ڈیکھو جھریتاں آ گیاں''

''پرہ باکھ'' کی تمام نظمیں جہانگیر مخلص کے گہرے مشاہدے اور شعور وآگہی کی مظہر ہیں۔ ''خصوصی عدالتاں''، ''آٹھویں ترمیم''، ''ہارس ٹریڈنگ'' اپنے اندر ایک خاص پس منظر رکھتی ہیں۔ ''چیتے چنتے'' میں سلیم احسن کی بائیس نظمیں شامل ہیں۔ ''روگ'' میں تیڈی مخلوق نہیں''، ''میڈا مالک میکوں معاف کریں''، ''اے اساڈی دعا ہے'' وغیرہ ''سِک سوجھل'' میں حمید الفت ملغانی کی چالیس آزاد نظمیں شامل ہیں ''چڑھدے سجھ کوں سلام'' اور ''ناں دی لَج'' قابل ذکر ہیں۔ ڈوہڑے کے بڑے شاعر احمد خان طارق کے مجموعے ''متاں مال وَلے'' جسے مارچ ۱۹۹۵ء میں سوچ سُنجان سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان نے شائع کیا تو اس میں پانچ نظمیں وطن کی نذر کی گئیں جبکہ ''عُمر اں دا پورھیا'' مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۷ء ناشر جھوک پبلشر ملتان میں بھی اٹھارہ نظمیں شامل ہیں۔ ''ہتھ جوڑی جُل'' (جولائی ۲۰۰۵ء) میں بھی نظمیں ہیں۔ تاہم ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۸ء تک سرائیکی نظم کا سفر کچھ یوں رہا۔

۱۹۹۷ء

اِس سال جدید سرائیکی لہجے کے شاعر اشُو لال کا تیسرا مجموعہ کلام ''کاں وَسُوں دا پکھی اے'' شائع ہوا۔ یہ اُن کے پہلے دو مجموعوں سے علیحدہ پہچان رکھتا ہے۔ اِس میں قدیم و جدید

ثقافت کو ایک خاص انداز میں نظموں کی صورت میں سامنے لے کر آنے کی کوشش کی گئی ہے۔
سندھ وادی کی ''۱۵۔ اُڈیلاں'' ۱۶۰ صفحات پر شامل ہیں۔ اُشولال کی ایک اور کتاب ۲۰۰۲ء میں چوپال اور ادبی فورم لعل عسین کہروڑ سے ۱۲۰ صفحات کی کتاب ''سندھ ساگر نال ہمیشاں'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اِس میں بھی وادیٔ سندھ کی تہذیب و ثقافت پیش کی گئی ہے۔ اسی سال جدید رنگ کے شاعر رفعت عباس کی کتاب ''سنگت وید'' اکتوبر میں چھپی۔ یہ ۸۸ صفحات کی ایک طویل نظم ہے جس میں تختِ شاہی سے دور ملتان شہر اور اس کے گردونواح کو موضوع بنایا گیا ہے۔
۲۰۰۲ء میں چھپی کتاب ''پردھرے ہِک شہر اچوں'' صفحات ۱۵۷ کو بھی بیکن بکس ملتان نے ہی شائع کیا ہے۔ اِسی سال ملیر فریدیات اور اِنشائیہ نگار محمد اسلم میتلا کا مجموعہ ''پیت اوڑی'' میتلا پبلی کیشنز جہانیاں نے شائع کیا۔ ۱۴۴ صفحات میں سلام، وطن، شہریات (مظفر گڑھ، وہاڑی) پر نظموں کے علاوہ نظم مُعریٰ بھی شامل ہیں۔ خوشاب کے محمد اقبال قریشی کی کتاب ''مٹھیاں سنگتاں'' مطبوعہ ۱۹۹۷ء میں نظمیں بھی ہیں۔ ''سوجھل'' (صفحات ۔ ۹۶) ۲۰۰۴ء میں چھپی۔ ریاض فاروق بزدار کی نومبر ۱۹۹۷ء میں '' ڈُکھ تطبیراں'' سنجوک پبلی کیشنز ملتان نے چھاپی۔ ۱۱۲ صفحات کی اِس کتاب کے علاوہ ۲۰۰۱ء میں آنے والی ''مو نجھے منظر'' میں بھی نظمیں شامل ہیں۔ اقبال حسن بھپلا کی ''کچے دھاگے'' ۱۹۹۷ء میں اور ''پیٹ چھناں دا'' مطبوعہ ۱۹۹۸ء صفحات ۲۵۸ ناشر بھپلا ادبی اکیڈمی ملتان میں نظمیں موجود ہیں۔ جواں مرگ شاعر شوکت ہاشمی کا سرائیکی شعری مجموعہ ''لو داھوکا'' ناشر الحمد لاہور کی آزاد نظموں میں سرائیکی وسیب کے کئی منظر دکھائی دیتے ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں ہی مُرید حسین انصاف کا ''دیوانِ انصاف'' بسم اللہ پرنٹنگ سروس ملتان نے ۲۴۴ صفحات پر مشتمل شائع کیا۔ اِس میں بھی نظمیں ہیں۔ جنوری ۱۹۹۷ء میں جھنگ کے محمد ریاض سیال کا ''ساون نال بُلارے'' جسے پرائم پبلیکیشنز لاہور نے شائع کیا۔ ۱۶۰ صفحات کی اِس کتاب میں سرائیکی نظمیں شامل ہیں۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں الطاف حسین جابر کا ''بھَنی ونگ'' ڈیرہ غازی خان سے شائع ہوا۔ اِس میں بھی نظمیں شامل ہیں۔

Scanned with CamScanner

۱۹۹۸ء

ابنِ کلیم احسن نظامی کی بچوں کے لیے کتاب ''نویاں سوچ آہراں'' ناشر کلیم پبلیشرز ملتان میں نظمیں اور آزاد نظمیں شامل ہیں۔ جمشید احمد کمتر احمدانی کا ''اُبھر دا سجھ'' مطبوعہ ۱۹۹۸ء میں معاشرتی موضوعات پر طنزیہ و مزاحیہ نظمیں موجود ہیں جبکہ ۲۰۰۷ء میں آنے والے مجموعے ''پُھل گلاب دے'' صفحات ۱۱۰ میں بھی نظمیں موجود ہیں۔ ضلع مظفر گڑھ کے اقبال وارث کی ''اُڈردی دھوڑ'' کی نظموں میں تھل کی ثقافت اور لوک داستانوں کا حوالہ واضح ہے۔ سانول ادبی اکیڈمی ڈیرہ شمس کی شائع کردہ احمد خان آسی کی ''سِک دی سانگ'' میں نظمیں شامل ہیں۔ ستمبر ۱۹۹۸ء میں فیض بلوچ کی ''تھَل دی تَس'' مشعلِ ادب ملتان نے شائع کی۔ نظموں میں سرائیکی وسیب کی ثقافت موجود ہے۔ مارچ ۱۹۹۸ء میں عبدالاحد حسن گورمانی کی تونسہ سے ''پھکی کھِل'' چھپی۔ ۱۲۰ صفحات میں نظمیں بھی ہیں۔ نومبر ۲۰۰۰ء میں ''پتھر ہَنج'' دبستانِ سحر ڈیرہ غازی خان نے چھاپی۔ اِس میں بھی نظمیں موجود ہیں۔ اِسی سال چھپنے والی جندوڈہ مغموم کی ''اَکھا پُھلا'' میں مزاحیہ نظمیں ہیں۔ محمد بخش آسی عرف حاجی بلوچ کا دوسرا مجموعہ ''چھیکڑی ہَنجھ'' شائع ہوا تو اِس میں نظمیں موجود ہیں۔ اگست ۱۹۹۸ء میں سید ساجد راہی کی کتاب ''لُکھ دے جھولے'' شائع ہوئی۔ ناشر سرائیکی ادبی سنگت رحیم یار خان نے ۱۴۴ صفحات کی اِس کتاب میں آزاد نظمیں اور نظم معریٰ شامل ہیں۔ جون میں زید جعفری کی چھپنے والی ''ہائے حوانی'' میں بھی نظمیں شامل ہیں۔

۱۹۹۹ء

اکبر ہاشمی کی ''سجھ دا پوکھا'' سارہ پبلی کیشنز لاہور نے شائع کی۔ یہ ۱۲۸ صفحات پر مُشتمل مختصر آزاد نظموں کا مجموعہ ہے۔ جولائی میں شائع ہونے والی تونسہ کے زبیر احمد کی ''چاندی مَڑھیے طاق'' (اکیڈمی آف لیٹرز ایوارڈ یافتہ) جدید نظموں کا مجموعہ ہے۔ ۱۲۴ صفحات کی کتابی شکل میں جھوک پبلیشرز ملتان نے شائع کیا۔ جدید تقاضوں کے مطابق آزاد نظمیں اور نظم معریٰ شامل

ہیں۔ایک چھوٹی سی نظم ''ریت پریت'' دیکھیں:

ہِک پاسو شہر ہے رِیتیں دا

بے پاسو بیٹ پریتیں دا

نئیں اُلجھن میں توں سُلجھ سگی

اے شہر تُساں او بیٹ تُساں

بس اکثر سوچ دے ساحل تیں

ہِک حرف لکھاں ہِک میٹ سٹاں

اپریل ۱۹۹۹ء میں سلطان احمد سوز بلوچ کا ''سوز فراق'' شاطر سرائیکی سنگت پکالاڑاں نے ۶ ۷ اصفحات پر مشتمل شائع کیا نظمیں بھی شامل ہیں۔اگست میں شفقت بُزدار کی ''نکھیڑے'' سنجوک سنگت ملتان نے ۱۶۰ صفحات پر مُشتمل شائع کی۔آزاد نظمیں شامل ہیں طبع دوم ۲۰۰۵ء ہے۔ جون میں فدا حسین شہباز کی ''رُوح روہی دی کُونج'' سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۴۴ صفحات پر مشتمل شائع کی۔نظمیں زیادہ ہیں۔مارچ میں عبداللہ یزدانی کا ''آسماناں توں لتھے پھُل'' دمان آرٹس کونسل ڈیرہ اسمٰعیل خان نے شائع کی۔روایتی شاعروں میں قومی،ملّی اور مزاحیہ نظمیں شامل ہیں۔ہمراز سیال اُچوی کی ''گھنڈ کھول'' مئی میں ۹۶ صفحے کی چھپی۔ملی اور معاشرتی نظمیں ہیں جیسے ''غربت دا دھک'' ایک اور مجموعہ اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے ۱۶۰ صفحات پر مُشتمل ''ہر پھُل زخمی'' کے عنوان سے شائع کیا۔اِس میں بھی نظمیں موجود ہیں۔سیّد مالک اُشتر کی ''لہندی شام'' ناشر لوک ادبی سنگت ڈیرہ غازی خان میں بھی نظمیں ہیں۔اعجاز ڈیروی کی ''پردیسی ول آ'' میں بچوں کے لیے نظمیں ہیں۔خلیل احمد شودا کی ''سچے پھُل پیار دے'' میں باتصویر نظمیں شامل ہیں۔جنوری میں شوکت بھٹی کی ''حق دا ہوکا'' چھپی اِس میں بھی نظمیں ہیں۔اِس سال دِلنور نور پوری نے ''مزاحیہ نظماں'' اور ''غمناک نظماں'' مرتب کیں۔غمناک نظماں میں ''یتیم دی عید، تیز رو دی ٹکر، زکریا ایکسپریس دی ٹکر شامل ہیں۔۶۴ صفحات کے اس کتابچے کو بزم فیض جندو پیر

کمال نے شائع کیا۔

۲۰۰۰ء

اِس سال شائع ہونے والے نظموں کے خالص مجموعوں میں جنوری میں دبستان سحر ڈیرہ غازی خان سے شائع ہونے والا عزیز شاہد کا ''اول'' جدید نظموں کا مجموعہ ہے۔ ہر نظم کے آخر میں تخلیق کی تاریخ درج ہے۔ ۲۰۰۶ء میں اِس شاعر کی کتاب ''جوگ'' صفحات ۱۶۰ ناشر جھوک پبلیشرز ملتان میں بھی نئے دور کی آواز پر مُشتمل نظمیں شامل ہیں۔ خاور نقوی کا ''جھل دا بُوٹا'' آزاد نظموں کا مجموعہ ہے۔ ۱۲۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب عکاس اسلام آباد نے شائع کی۔ جنوری میں ڈیرہ اسمٰعیل خان کے جدید لہجے کے شاعر سعید اختر کی ''وِساکھ'' (اکیڈمی آف لیٹرز ایوارڈ یافتہ) دوست ایسوسی ایٹس لاہور نے شائع کی۔

علامتوں اور استعارات کے بھرپور استعمال پر مبنی آزاد نظموں کی اِس کتاب کے ۱۲۸ صفحات ہیں۔ نثر نگار منظور اعوان کی امداد سرائیکی سنگت رحیم یار خان سے ستمبر میں چھپی ''وفا دے ڈیوے'' میں قدیم اَصناف کے ساتھ آزاد نظمیں بھی ہیں۔ ''پندھ حیاتی دا'' خوب ہے۔ دسمبر میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے سید عین شاہ ساجد ملتانی کی ''موڑ مہار'' شائع کی۔ ۱۴۳ صفحات پر نظمیں بھی ہیں۔ دوسری کتاب ''دل دیاں دل وچ'' ۲۰۰۶ء میں ۱۱۲ صفحات کی جھوک پبلشرز مُلتان نے چھاپی۔ دمساز قیصرانی کی اِس ادارے نے ۱۲۸ صفحات کی ''پیار دا سنیہا'' شائع کی۔ نظم ''تونسے دی تحصیل اَساڈی'' یادگار ہے۔ سفیر لاشاری کی ''سفارت'' ۱۷۶ صفحات سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کی۔ روایت سے جُڑی نظم '' اَج دی روہی'' بھی شامل ہے۔ ۲۰۰۱ء میں مجموعہ ''اَساں خیرات نئیں منگدے'' میں بھی نظمیں شامل ہیں۔ ساحل بُزدار کی ''سُولی کُوں سِک منصور دی'' اور پُر سوز بُخاری کی مُرتبہ ''نمراس'' صفحات ۱۵۲ میں مزاحمتی نظمیں شامل ہیں۔ حیدر بُزدار کی سوچ سنجان سرائیکی سنگت شاہ صدر دین سے جون میں ۱۵۲ صفحات کی ''میل مہانگے''، علی محمد خان فخر مرحوم کا دیوان ''تیر و نشتر'' نومبر میں جام پور سے ۱۶۰ صفحات کا بھی شائع ہوئے۔

۲۰۰۱ء

اسلم جاوید کی نئے لب و لہجے کی شاعری ''ست سرائی،، ۱۰۹ صفحات ورلڈ وائیڈ میڈیا کمیونیکیشن اسلام آباد نے شائع کی۔ یہ ایک طویل آزاد نظم ہے جو نئے تجربے کے طور پر لکھی گئی ہے۔ اِس میں سرائیکی وسیب اور ثقافت کے کئی رنگ نمایاں ہیں۔ اس میں ۱۹۹۴ء میں شائع ہونے والی ''میکوں آکھ نہ پنج دریائی'' صفحات ۶۸ کو بھی دوبارہ شامل کیا گیا ہے۔ جون ۲۰۰۸ء میں اِسی شاعر کی ۳۶۶ صفحات اور پچاس نظموں پر مشتمل کتاب ''طبل کوہاڑی'' جھوک پبلشر ملتان نے شائع کی۔ انجم لشاری مرحوم کی ''اکھیں ستیاں'' اُن کی ایک نظم کا عنوان ہے۔ کُل چالیس نظمیں شامل ہیں۔ خالد اقبال نئے لہجے کا شاعر ہے۔ ۲۰۰۱ء میں تیسرا مجموعہ ''کہیڑ وِچوں سُونہہ'' صفحات ۸۰ ادب رنگ پبلی کیشنز ملتان نے شائع کیا۔ جبکہ جولائی ۲۰۰۴ء میں ''کویلی دی کاوڑ'' صفحات ۹۶ علامتی استعاراتی ۲۵ آزاد نظموں کا مجموعہ ہے۔ مظہر علی تابش کی ڈیرہ اسمٰعیل خان سے شائع ہونے والی ''ٹھیڑیاں'' میں آزاد نظمیں شامل ہیں۔ مثلاً مزیرہ۔ محمد اشرف درپن کا ''کلامِ درپن'' میں بھی نظمیں ہیں۔ افضل ندیم افضل کی نظم ''غریبی دا قصہ'' بھی اِسی سال کتابی شکل میں چھپی۔

۲۰۰۲ء

صوفی محمد یار بے رنگ کا ''دیوانِ بے رنگ'' صفحات ۲۰۸ ناشر جھوک پبلشرز ملتان میں بھی نظمیں شامل ہیں۔ سیفل بلوچ کی ''اُلردیاں بانھیں'' طیب بک سنٹر علی پور صفحات ۱۲۰ میں نظمیں ہیں۔ اس سے پہلے ۲۰۰۰ء میں ''وَنج وَلا سوچ گھِن'' ۲۰۰۷ء کی ''نصیب دی وَنڈ'' (اکتوبر) اور ''تماشہ'' جون میں بھی نظمیں شامل ہیں۔ ۲۰۰۷ء میں ''گودا گیری'' اور ۲۰۰۸ء میں صدائے سیفل میں نظمیں شامل ہیں۔ منیرن بلوچ کی ''اَکھریں دے پھُل'' پیر قتال سرائیکی ادبی سنگت جلالپور میں نظمیں ہیں۔ نور وارث کی ''ادھوری چُپ'' ڈیرہ سے چھپی اس میں بھی نظمیں ہیں۔ امیر بخش دانش کی ''کلام دانش''، صفحات ۱۲۸ میں بھی نظمیں شامل ہیں۔ ہوت حسین ہوت کی

''اُفق تیں لالی''میں آزاد نظمیں ہیں۔

۲۰۰۳ء

عابد عمیق آزاد نظم کے شاعر ہیں۔ان کے دو مجموعے لاہور سے ''تل وطنی''۲۰۰۳ء اور ''پکھی جا تک دے رستہ''۲۰۰۵ء شائع ہوئے۔ جانباز جتوئی مرحوم کا تیسرا مجموعہ'' ہواڑاں'' خذینہ علم وادب لاہور چھاپا۔زیادہ تر نظمیں شامل ہیں۔ڈیرہ غازی خان کے تین شعراء محمد رمضان طالب نے ''سکھ سمل'' میں صادق تھہیم نے ''چُنی'' میں اور الطاف حسین جابر نے '' اَجاں میں بے وفاہاں'' میں نظمیں بھی شامل کی ہیں۔ناصر جُروار '' دینہ وکھو ہے'' کی نظموں میں سحر وفراق کا دُکھ نمایاں ہے۔رب نواز منور کی ''زمانہ چندر تے کیچ گئے''(۱۱۲ صفحے) میں پابند کے ساتھ آزاد نظمیں بھی شامل کی ہیں۔

۲۰۰۴ء

سرور کربلائی مرحوم کتاب کے منکر تھے۔ان کی وفات کے بعد اپریل ۲۰۰۴ء میں ''سجھ دا سینہ'' آئی تو نظم کو بھر پور نمائندگی ملی۔اقبال سوکڑی کے مجموعے ''آٹھواں اسمان'' میں نئی نظم کی نمائندگی میں ۱۳ نظمیں شامل ہیں۔نُور محمد سائل ڈیروی مرحوم کا کلام محمد رمضان طالب نے '' قلندر سمندر'' صفحات ۲۲۰ شائع کیا تو صفحہ ۱۲۳ سے ۱۵۸ پر نظمیں ہیں۔اللہ بخش یاد کے ''میڈا مٹھا وطن'' میں نظمیں ہیں مگر ۲۰۰۷ء کے ''پڑجُھمراں تے'' مختصر اور آزاد نظموں کا مجموعہ ہے۔''مُنڈھ دا گانڈھا'' دیکھیں:

بے شک سفرا گونہیں چنگے
بے شک ٹوراں تیز بھلیریاں
بیشک اُہراں جٹیاں سوہنیاں
پر جے مونڈھی رہ کو، مُنڈھ کوں

اُکا بُھل بُھل یاد نہ رکھسوں
کیا منزِل داویورا تھیسی
کئیں بُنیا ددے پندھ متھیسن

امان اللہ ارشد کی ''اکھیں خواب جگارے'' جنوری میں ۱۹۲ صفحات کی چھپی، نظمیں بھی شامل ہیں۔ ایاز سہروردی کے ''سروڈِ ساربان'' المعروف دیوان ایاز فقیر میں جو ۴۹۰ صفحات کا ہے نظمیں بھی شامل ہیں۔ شاکر مہروی کے مجموعے ''مَیں یاد آساں'' حماد خان کے ''اُڈدے پکھی'' (صفحات ۱۵۹) حق نواز نشتر کے ''کلامِ نشتر حصہ اوّل'' حنیف خاکی دنیاپوری کے ''تانگھ سجن دی'' کے علاوہ کبیر والا کے ریاض اِرم کی ''حیاتی دے پندھ'' (صفحات ۱۷۶) میں بھی نظمیں شامل ہیں۔

۲۰۰۵ء

میانوالی کے شعراء محمد فیروز شاہ ''پینگ'' صفحات ۱۰۴، محمد مظہر نیازی کے ''ہنج داوین'' میں آزاد نظمیں نمایاں ہیں۔ رفیق احمد پوری کی ''قلم کُشالے'' کا عنوان ایک نظم میں ہے۔ اِس سال چھپنے والے شعری مجموعے جن میں نظمیں شامل ہیں۔ تونسہ کے فرہاد ہیروی کا ''تیڈے شہر وِچ'' جبکہ ۲۰۰۷ء میں ''مِصر دابازار'' غلام جعفر نادار کا ''سِکدیاں اکھیں'' گلزار احمد کا ''گھِل'' عارف فریدی کا ''یاد سجن دی'' نُصرت کنول کلیج پوری کا ''متاں یار ملّے'' محمد رمضان سانول کا ''سانول سُلوناں'' شامل ہیں۔ ایم اشرف عظیم کے ''دردیں دا حال المعروف سچ کوں مرچاں'' کے حصہ سرائیکی صفحہ ۵ تا ۲۸ میں بھی نظمیں ہیں۔ موضوعاتی نظموں میں بشیر دیوانہ صادق آبادی کا ''خوفناک خونی زلزلہ''، دلنوّر نور پوری کا ''بھوئیں اَمب خونی زلزلہ'' شامل ہیں۔ مرتضیٰ زاہد کا ترنڈ (۱۲۰ صفحے) میں آزاد نظمیں شامل ہیں۔ خالد اقبال کی سہ حرفی ''کویلیاں کیتا پیار'' جھوک پبلشرز ملتان نے شائع کی جبکہ سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے رحیم طلب کی نظموں کا مجموعہ ''اِیہو ای سچ ہے'' شائع کیا۔

Scanned with CamScanner

۲۰۰۶ء

جنوری میں ارشاد تونسوی کی ''ندی ناں سنجوک'' اکیڈمی آف لیٹرز (ایوارڈ یافتہ) ۲۳ معرّی نظموں کا مجموعہ ہے۔ ۹۶ صفحات کی اِس کتاب کو سرائیکی ریسرچ سنٹرز کریا یونیورسٹی ملتان نے شائع کیا۔ خادم رزمی کی ''اَساں آپ اُڈن ہارے'' مُرتّب مُنیر ابنِ رزمی صفحات ۱۲۸ کو سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے شائع کیا۔ نظمیں بھی شامل ہیں۔ بھکر کے صفدر کربلائی کا ''شام تُوں پہلے'' پابند نظم کا مجموعہ ہے۔ اِسی شاعر کا جھوک پبلشرز ملتان ہی نے ستمبر ۲۰۰۸ء میں آزاد نظموں پر مشتمل ''ساڈی جھوک تے آ'' بھی شائع کیا ممتاز غافل کی ہَج دریا (۱۱۲ صفحے) وَسّو لال کی ''راول'' (۹۶ صفحے) میں بھی نظمیں ہیں۔ خالد منیر خالد کی ''سندھڑے لہندی شام'' کا عنوان ایک نظم کے عنوان پر ہے۔ میانوالی کے محمد ظہیر احمد کا ''ہنجو، ریت ہوا'' میں (صفحات ۱۳۶) آزاد نظمیں شامل ہیں۔ قربان اظہر کی ''ہجر دی شام'' (۱۶۰ صفحے) واحد بخش شیراز کا ''پیلھوں'' (۱۱۲ صفحے) میں بھی نظمیں ہیں۔ محمد رمضان صفدر کی ''تانگھ'' کے علاوہ محمد ظفر مُنصف کی مُرتبہ ''روہی دے پھل'' میں بھی نظمیں شامل ہیں۔

۲۰۰۷ء

حفیظ خان کی مرتبہ کتاب ''خرم بہاولپوری شخصیت اور منتخب سرائیکی کلام'' صفحات ۴۰۰ میں تقریباً ۱۰۰ صفحات پر نظمیں ہیں۔ بہاولنگر کے سلیم شہزاد کی اکیڈمی آف لیٹرز ایوارڈ یافتہ کتاب ''پیریں ٹُردا دا شہر'' (۱۶۰ صفحے) آزاد نظموں کا مجموعہ ہے۔ دسمبر میں سانجھ لاہور سے غلام حسین ساجد کی چھپنے والی ''سرسوتی تُوں راوی'' میں اکہتر آزاد نظمیں ہیں۔ محمد ریاض خاکوانی کی ''یاداں'' (صفحات ۲۷۲) اور حافظ گلاب فیاض کی ''گُونج گُرلاٹ'' (۱۱۲ صفحے) میں بھی نظمیں ہیں۔ مہر محمد اجمل خاموش کی ''تانگھ'' (۱۴۴ صفحے) ''تھل دے مسافر'' (یعقوب ساغر) جھوک پبلشر ملتان نے شائع کی۔ ڈاکٹر اظہر علی کی ''جھاتی'' (۹۶) وسیبی علامتوں اور ثقافتی اُمنگوں سے مزین آزاد

نظموں کا مجموعہ ہے جسے سویل کتاب ملتان نے شائع کیا۔ غلام فرید کہتر کا ''پتھر دے صنم'' (۱۴۴ صفحے) بے زر شجاع عبادی کا '' آمنے سامنے'' (۱۲۸ صفحے) میں بھی نظمیں ہیں۔ نور حسن نور کا ''اکھ دے وار'' اختر عباس فہد قتالپوری کا ''یاداں'' فیض بلوچ کا ''تھل واڈات'' میں نظمیں شامل ہیں۔ نذیر احمد قاصر کی ''میں چُپ راہساں'' (صفحات ۱۳۲) کریم بخش شعیب کی '' کچا گھڑا'' (۲۲۸ صفحے) کے علاوہ محمد عباس یُوسف کا ''سِک دا سیک'' میں بھی نظمیں شامل ہیں عرفان حاشر کے دو کتابچے ''سنگھار سوچاں'' (اپریل) اور ''لاش لہجے'' (نومبر) میں بھی نظمیں موجود ہیں۔

۲۰۰۸ء

ایم بی اشرف کی ضوریز ملتان سے فروری میں چھپنے والی ''وس وسیب'' (۱۱۲ صفحے) پابند نظموں کا مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ اپریل میں شبیر ناز کی ''سجاک سوچاں'' (صفحات ۱۴۳) خورشید قمر لاشاری کی ''روہی ریت سمندر'' (۱۶۰ صفحے) مجید احمد ساگر دنیاپوری کی (۹۶ صفحے) ''میکوں پینگھ جُھٹا'' محمد عظیم بلوچ علی پوری کی ''کُجھ تاں سوچیں ہا'' اعظم سیال کی ''تیکوں یاد آسوں'' بلال محسن کی ''گول تجن دی'' مجید انجم ہارون کی ''لُک چھپ'' میں بھی نظمیں شامل ہیں۔

خواتین شاعرات میں اقبال بانو کے مجموعے ''دل تانگھ تانگھے'' میں ۱۱۵ سیدھی سادی نظمیں ہیں۔ جبکہ سحر سیال کے مجموعے ''ترامے دا شہر'' (۱۹۹۴ء) میں بھی آزاد نظمیں دیگر اصناف پر حاوی ہیں۔

سرائیکی کی نظم نگاری میں خواتین شاعرات کی طرف نگاہ ڈالیں تو ستمبر ۱۹۸۰ء میں فرحت نواز نے ''ڈاکٹر وزیر آغا دیاں چونڑویاں نظماں'' کے عنوان سے ۳۰ منتخب نظموں کے اُردو سرائیکی تراجم اَسّی صفحات کی کتابی شکل میں مُرتب کیے۔ جدید ادب پبلی کیشنز خان پور کی شائع کردہ کتاب میں مُرتبہ کی چار اور پروین عزیز کی تین ترجمہ شدہ کُل سات نظمیں خواتین کی شاعری پر مشتمل ہیں۔ دسمبر ۱۹۸۴ء میں کلاسیکل شاعری سے جُڑی بخت آور کریم کا مجموعہ ''اِتک مِتک

دیداں'' چھپا۔۱۵۲ صفحات پر مشتمل خواجہ فرید علمی ادبی ایوارڈ لاہور نے اس میں دیگر اصناف کے علاوہ اُن کی سات نظمیں بھی چھاپی ہیں۔ اقبال بانو کا آزاد نظموں کا مجموعہ ''دل تانگھ تانگھ'' سنہرا پبلی کیشنز احمد پور شرقیہ نے جولائی ۸۷ء میں ۲۰۸ صفحات کی کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس میں ۱۱۵ نظمیں شامل ہیں۔ جون ۱۹۹۴ء میں بہار النساء بہار کا مجموعہ ''چھل بل اکھیں'' سرائیکی ادبی ایوارڈ ملتان نے ۱۲۸ صفحات کی کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس میں نظمیں بھی شامل ہیں۔ شاعرہ کا مجموعہ ''سبھے خواب میڈے'' جھوک پبلشرز ملتان نے ۱۹۹۹ء میں شائع کی۔ ۲۴۰ صفحات کی اس کتاب میں ۱۲ روایتی اور ۱۴ جدید نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ سحر سیال کا مجموعہ ''ترامے دا شہر'' بیکن بکس ملتان نے جون ۹۴ء میں ۷۰ صفحات کی کتابی صورت میں شائع کیا۔ ۵۰ شعری تحریروں میں نظمیں بھی شامل ہیں۔ اپریل ۲۰۰۶ء میں ایک دو کتابچے شائع ہوئے جیسے جھوک پبلیشر ملتان نے ۲۳ صفحے کی ''پیار دی چھاں'' میں شاہینہ خان کی ۹ نظمیں شامل کی ہیں۔ صابرہ شاہین کا مجموعہ ''خالی ٹک'' جون ۲۰۰۷ء میں قسمانی آرٹ پریس ڈیرہ غازی خان سے ۱۷۳ صفحے کی کتابی شکل میں شائع ہوا اس میں ۵۳ نظمیں ہیں۔ رضوانہ تبسم دُرانی کا جون ۲۰۰۶ء میں ۶۷ نظموں کا مجموعہ ''کونج چتا نہدی'' جھوک پبلشرز ملتان نے ۱۶۰ صفحے کی کتابی صورت میں شائع کیا۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی نے ''خواتین کی سرائیکی تخلیقات میں عورت'' کے عنوان سے ۱۶۰ صفحے کی کتاب سرائیکی ادبی بورڈ ملتان سے شائع کرائی۔ جس میں خواتین کی شاعری پر بحث کے بعد ایک انتخاب بھی شامل ہے۔ اِس انتخاب میں چار شاعرات (اقبال بانو کی دو) بہار النساء بہار کی دو، شاہین ڈیروی کی دو اور سحر سیال کی گیارہ کی کُل سترہ نظمیں شامل کی ہیں۔ ایک شعری انتخاب اِس سے پہلے محمد عارف جان کا ''بوستان'' کے عنوان سے مرتبہ المحسن آرٹ پریس ڈیرہ غازی خان سے ۲۴۵ صفحات کی کتابی صورت میں شائع ہوا تھا۔ جس کا تیسرا حصہ سرائیکی شاعری کے انتخاب پر صفحہ ۱۴۴ سے ۲۱۶ پر مشتمل ہے۔ اس میں دو شاعرات بہار النساء بہار اور اقبال بانو کا کلام بھی شامل کیا گیا ہے۔

Scanned with CamScanner

سرائیکی میں نظم کے مجموعی مزاج اور موضوعات کو دیکھیں تو کئی باتیں سامنے آتی ہیں مثلاً جس طرح ''ڈکھ نجوک'' میں محمد اسلم میتلا نے ''شہریات'' کے عنوان تلے نظمیں لکھیں عاشق رسول اشک نے ''تیڈی پہلی خوشی'' میں مقامی مقامات مثلاً پاکستانی چوک (ڈیرہ غازیخان) اور فیاض پارک (مظفر گڑھ) کے عنوان سے آزاد نظمیں لکھیں۔ سرائیکی شعراء نے خاص مواقع اور خاص واقعات پر بھی نظمیں لکھی ہیں۔ جیسے ''قیدی تخت لہور دے'' میں عاشق بزدار کی نظم ''عورتوں کے عالمی دن پر'' یا جہانگیر مخلص کی ''پرہ باکھ'' میں ''وینا حیات دے ناں''۔ ایک ہی موضوع یا عنوان پر کئی شاعروں کی طبع آزمائی کرنے کی روایت بھی پرانی ہے جیسے ''رَت دیاں ہنجوں'' (مطبوعہ ۱۹۶۷ء) میں اسی عنوان پر نقوی احمد پوری، شوخ ریاستی اور حسین علی شاہ حسرت کی نظمیں۔ جس طرح پنجابی شاعری سے ایک انتخاب ممتاز بلوچ نے ''مزدور'' کے نام سے ۱۹۹۱ء میں شائع کیا تھا اسی طرح سرائیکی شاعری بھی ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ ''مزدور'' ہی کے عنوان سے چند نظمیں دیکھیے:

''تنوراں'' (صفحہ ۱۱۲)، ''قطب تارا'' (صفحہ ۱۳۹)، ''ہنجوں دے ہار'' (صفحہ ۲۸)، ''کلیہیا'' (صفحہ ۴۴)، ''نَین نظر دن نیلے'' (صفحہ ۱۰۰) وغیرہ۔

یہ مطالعہ مزید بھی پھیلایا جاسکتا ہے مثلاً بھیک مانگنے والوں کے حوالے سے ایک ہی شہر کے تین شاعروں رمضان طالب (جھریٹاں صفحہ ۸۷)، اعجاز ڈیروی (کلیہیا صفحہ ۵۳) اور ساقی سمینوی (زلفیں دی چھاں صفحہ ۳۵) نے طبع آزمائی کی ہے۔ ''توں تے میں'' کے عنوان سے ''ڈکھ دی ججّ'' (صفحہ ۳۳) ''قیدی تخت لہور دے'' (صفحہ ۴۱) اور ''گوڑے گھٹ'' (صفحہ ۵۳) وغیرہ کی مثال بھی دی جاسکتی ہے۔

سرائیکی پابند اور آزاد نظم میں مزاحمتی شاعری بھی کی گئی ہے۔ جہاں ابن کلیم کی موضوعاتی مزاحمتی شاعری کا مجموعہ ''ہبڑاس'' (مطبوعہ ۱۹۹۶ء) میں سات نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ وہاں ''سرائیکی وِچ مزاحمتی شاعری'' (مطبوعہ ۱۹۹۵ء) میں بھی ڈاکٹر طاہر تونسوی نے ۱۹ شعراء کی ۳۹

نظموں کا ایک انتخاب شامل کیا ہے۔ اشولال فقیر کی ''دھرتی تے دھاڑ دی پہلی رات'' دیکھیں:

''سنڈے ہیں کوئی فوجاں لتھن

راجاں تاجاں والیاں

کوٹ فصیلاں اُتے نچدن

ہنے گھوڑے سانگاں

اساں وی جے ہل دی اوڑاچ

چار بارود رھیندے

ساڈے تن تے نیل نہ ہوندے

برہوں بار نہ چیندے'' (ح۔ ۷)

سرائیکی آزاد نظم لکھنے والے کئی نام ایسے بھی ہیں جن کے مجموعے تو شائع ہو کر سامنے نہیں آئے تاہم رسائل واخبارات میں شائع ہونے والی نظموں کے حوالے سے انہیں قابل ذکر شمار کیا جاسکتا ہے مثلاً حبیب فائق، رشید قیصرانی، ارشاد تونسوی، محسن نقوی، ممتاز اطہر وغیرہ۔ مختصر یہ کہ سرائیکی شاعری میں آزاد نظم نہ صرف مقبول ہو رہی ہے بلکہ اس میں کچھ ایسی اصطلاحی خصوصیات بھی پیدا ہو رہی ہیں جو پہلے انگریزی اور پھر اردو شاعری سے آئیں مگر اب آہستہ آہستہ وہ زبان کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتی جا رہی ہیں اور اس طرح سرائیکی نظم مشرق و مغرب کے درمیان ایک نیا اور منفرد راستہ بنا رہی ہے۔

غزل

غزل عربی سے فارسی، فارسی سے مسلم ہندوستان کے پایۂ تخت دہلی، دہلی کے حوالے سے اردو زبان میں اور اردو سے سرائیکی میں آئی ہے اور یہ سارا عمل ان زبانوں سے غزل کی نظری ہم آہنگی کے ساتھ ہوا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم سرائیکی شاعری میں غزل کی آمد اور ارتقا پر نگاہ ڈالیں، سرائیکی شاعری میں غزل کی بطور صنف کے حوالے سے ہونے والی تنقیدی بحثوں کا ذکر کرتے چلیں۔ جناب م۔ی قیصرانی نے ''سوجھلا'' کے چھٹے شمارے میں اپنے مضمون ''غزل تے سرائیکی دامزاج'' میں سرائیکی غزل گوئی کو مسترد کرتے ہوئے لکھا:

> ''غزل اردو کے راستے سرائیکی میں آئی ہے اس لیے سرائیکی غزل محض سرائیکی لفظوں کا کُرتا پہنے ہوئے اردو غزل ہے''۔

اس مضمون کے رّدِعمل کے طور پر حیدر قریشی نے جہاں جوابی مضمون لکھا وہاں ''سرائیکی غزل'' کے عنوان سے ۳۸ سرائیکی غزلوں کا ایک انتخاب مرتب کر کے ستمبر ۱۹۸۰ء میں شائع کر دیا اور لکھا کہ:

> ''زبانیں ایک دوسرے پر ہمیشہ اثر انداز ہوتی رہتی ہیں اور ایک دوسرے کے الفاظ کو فطری طور پر جذب بھی کرتی رہتی ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد سرائیکی اردو روابط میں اضافہ ہوا ہے۔'' حیدر قریشی نے مزید کہا کہ سرائیکی غزل اپنی زبان کے مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ contact کے حوالے سے بھی اور Form کے حوالے سے بھی اور اس میں توانائی اور تاب ہے کہ خود کو منوا چکی ہے''۔

اس ادبی بحث کی گونج کافی سالوں تک سرائیکی تنقید میں سنائی دیتی رہی۔ اسلم رسولپوری کا مضمون ''سرائیکی وچ غزل دے امکانات'' (مشمولہ ''ٹلاوڑے'' مطبوعہ ۱۹۸۷ء) دلشاد کلانچوی کا مضمون، سرائیکی شاعری وچ غزل دا مقام (مشمولہ) ''سرائیکی شاعری دا گوتم بدھ'' (مشمولہ ''سرائیکی ادب ریت تے روایت'' مطبوعہ ۱۹۹۳ء) کا ابتدائی فقرہ یعنی ''بعض نقادوں کا خیال ہے کہ غزل سرائیکی مزاج سے میل نہیں کھاتی'' (ح۔۸) اس کی مثالیں ہیں۔ یہاں تک کہ ریاض رحمانی کے سرائیکی غزلوں کے مجموعہ ''سوچاں خُشبُو لفظ غُلاب'' مطبوعہ ۱۹۹۴ء کے فلیپ پر احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

''غزل فارسی اُردو کی خوبصورت اور دلکش صنف ہے اور سرائیکی جیسی میٹھی زبان میں غزل کی کمی کو پُورا کرنا ثواب ہے۔''

اب سرائیکی غزل میں اولیت کو لیتے ہیں۔ ویسے تو کئی محققین کی طرف سے قدیم سرائیکی شعراء کے کلام میں بھی غزل کی صنف کی نشاندہی کی گئی ہے مثلاً ۱۹۷۸ء میں صدیق طاہر مرحوم نے کتاب ''سچل سرمست'' میں سچل کی غزلیں بھی شامل کی ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر اسلم رانا مرحوم نے ۱۹۸۹ء میں اپنی کتاب میں، جیسے:

کراں اسرار میں ظاہر ہے وچ حیرت دے حیرانی
نہ کائی جوڑ جسمانی رہی رکتھ شکل انسانی
(ح۔۹)

مگر نصراللہ خان ناصر نے اپنے مقالے ''سرائیکی شاعری دا ارتقا'' میں لکھا ہے:

''سرائیکی زبان میں غزل نُما کافیاں تو ابتدائے قیام سے ملتی ہیں لیکن باقاعدہ سرائیکی غزل مولانا نصیرالدین خرم بہاولپوری (۱۸۵۵ء۔۱۹۵۱ء) نے لکھی''۔ (ح۔۱۰)

مگر نقوی احمد پوری مرحوم نے اپنے سرائیکی غزلوں کے مجموعے ''دیوان نقوی'' مطبوعہ ۱۹۹۲ء کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ:

''میں نے جس وقت شاعری شروع کی تو کافیوں، ڈوہڑوں اور نظموں کا رواج تھا۔ خرم مرحوم کی زبان سے کافیاں اور نظمیں وغیرہ سنتا تھا۔ میں نے سرائیکی زبان میں غزل کی بنیاد رکھی۔ اس وقت لوگ غزل کے وجود کو نہ مانتے تھے اور مجھے سرائیکی کا بدعتی کہتے تھے اور آج میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ غزل کے بغیر سرائیکی کا وجود آدھا نظر آتا ہے۔
ہمارے نامور اور عظیم شاعر خواجہ غلام فریدؒ سرائیکی کافیوں کے صاحب دیوان شاعر ہیں تو میں اپنے وسیب کی خدمت میں سرائیکی غزلوں کا پہلا دیوان پیش کر رہا ہوں''۔

جبکہ کیفی جامپوری مرحوم کی ''سرائیکی شاعری'' مطبوعہ ۱۹۶۹ء کے صفحہ ۳۶۸ پر سحر رومانی (موجودہ حسین سحر) کا دعویٰ انھی کے الفاظ میں نقل کیا گیا ہے کہ:

''سرائیکی میں سب سے پہلی آزاد نظم اور جدید غزل میں نے کہی ہے''۔

صورتحال یہ ہے کہ سرائیکی شاعری کی صنف ''کافی'' داخلی جذبوں اور خیالات کے اظہار میں غزل سے بہت آگے رہی ہے۔ شاید اس لیے شروع شروع میں سرائیکی شاعروں نے اس طرف دھیان نہ دیا۔ کچھ سرائیکی شاعروں نے غزل کی شکل وصورت والے شعر کہے بھی تو ان کو غزل کا نام نہیں دیا بلکہ کافی ہی کہا اور لکھا۔ یہاں تک کہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ (جن کا اردو غزلوں کا دیوان بھی موجود ہے) کی کئی سرائیکی کافیاں بھی غزل نُما ہیں۔ (میر حسان الحیدری نے اپنے مقالے ''سرائیکی ادب'' میں بھی ایک عنوان ''خواجہ کے کلام میں تغزل'' بھی بنایا ہے) یوں خواجہ غلام فرید نے جہاں سرائیکی کافی کو وسعت، عظمت اور خوبصورتی دی، وہاں غزل کی ترویج کے حوالے سے وہ غزل کی صنف کے بانی بھی کہے جا سکتے ہیں بلکہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کے

Scanned with CamScanner

دور میں کافی کے اندر غزل کے انداز کے شعر کہنے کا رواج پڑ چکا تھا۔ اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تھی تو وہ خرم بہاولپوری اور ان کے ساتھ کے دوسرے شعراء نے پوری کر دی بلکہ خرم کا مجموعہ کلام "خیابان خرم" ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا تو اس میں سرائیکی غزل بطور صنف کے موجود تھی۔ دلشاد کلانچوی نے بھی خرم کے سرائیکی کلام کو ترمیم اور ترتیب نو کے بعد ۱۹۸۶ء میں شائع کیا تو اس میں ۲۷ غزلیں الگ عنوان تلے شامل کیں۔ دلشاد کلانچوی لکھتے ہیں:

"اگرچہ کہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ سرائیکی کے عظیم شاعر تھے اور اس عظیم شاعر کی عظیم شاعری نے سرائیکی شاعری کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا اور وہ ان کے راستے پر چلنے کی کوشش کرتے رہتے تھے مگر خرم بہاولپوری نے اپنا راستہ اُن سے الگ بنایا ہے اور حقیقت ورومان کو ملا جلا کر ایک نیا اور منفرد رنگ پیدا کیا ہے اور اس طرح اپنی انفرادیت قائم کی ہے"۔ (ح۔۱۱)

یاد رہے کہ دلشاد کلانچوی نے غالب کی اُردو غزلوں کا سرائیکی میں منظوم ترجمہ "غالب دیاں غزلاں" (مطبوعہ ۱۹۶۹ء) کیا تھا۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس کتاب کا مقدمہ ۱۰ اگست ۱۹۶۷ء کو لکھا گیا تھا۔ یقیناً یہ تراجم اس سے پہلے کر لیے گئے تھے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ غالب کی غزلوں کے سرائیکی تراجم نے سرائیکی غزل پر کوئی اثرات مرتب کیے یا نہیں۔ یہ تو الگ بحث ہے تاہم یہاں ترجمے کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

اُردو

آج ہم اپنی پریشانیٔ خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھیے کیا کہتے ہیں
(غالب)

سرائیکی

آپڑیں دل دی پریشانی انہاں کوں اج تائیں
آکھدے ہیسے پر اوڈیکھو جو کیا آہدے ہن
(کلانچوی)

خرم کی سرائیکی غزلیں غزل کی تعریف پر پوری اُترتی ہیں۔ بریگیڈیر سیّد نذیر علی شاہ مرحوم لکھتے ہیں:

''خرم صاحب سے مل کر اور آپ کا کلام سننے کے بعد معلوم ہوتا ہے وہ جنھیں سعدی، حافظ سودا یا داغ کہتے ہیں کچھ اسی شان وشوکت اور حال حلیے کے بزرگ ہوں گے''۔ (ح۔۱۲)

اس بات کی توثیق میر حسان الحیدری بھی کرتے ہیں۔

''خرم سرائیکی شاعری کا بلا مبالغہ ''فصیح الملک داغ'' ہے۔ وہی نازک بیانی اور وہی الفاظ کی مینا کاری ہے''۔ (ح۔۱۳)

نمونہ کلام دیکھیے:

دم دم نکلدم ٹھڈرے سا۔ تُوں بن سونہٹاں سُجھم نہ وا
اوبن ڈیکھ کے نہ سَٹ مِٹھلا۔ لگڑی یاری توڑ نبھا

مگر ان تمام باتوں کے باوجود خرم بہاولپوری کے سَر پر اوّلین سرائیکی غزل گو کا تاج رکھ دینا مناسب نہیں ہوگا کیونکہ جہاں خود میر حسان الحیدری نے سردار کوڑے خان جتوئی (۱۸۰۰ء۔۱۸۹۶ء) کی غزل کا حوالہ درج کیا ہے یعنی:

تیں باجھوں دل سنگ یارا
ہیوں اج کل ڈاڈھے تنگ یارا (ح۔۱۴)

وہاں ''خیابان خرم'' سے پہلے بھی سرائیکی غزلوں کے مطبوعہ کتابچے موجود ہیں جیسے

۱۹۳۳ء میں منشی اللہ ڈیوایا پرجوش کے مجموعے ''کلام پرجوش'' شیخ محمد یار صدیقی دلسوز کا ۱۳۲۹ھ میں صادق الانوار سٹیم پریس بہاولپور سے چھپا ہوا ''غزلیات دلسوز'' یا پھر پنّوں زادہ شاد بہاولپوری کا ۱۹۶۴ء میں گردیزی پریس بہاولپور سے چھپا ہوا ''فغانِ شاد''۔ ''خیابانِ خرم'' طبع ثانی سے پہلے ترجمے میں ''غالب دیاں غزلاں'' (مطبوعہ ۱۹۶۹ء) بال جبریل'' (۱۹۷۴ء) اور مرتبہ ''ڈہندے نیر'' (۱۹۷۳ء) کے علاوہ سرائیکی غزل کے حوالے سے شعری مجموعے دلدار بلوچ کا ''ڈکھ دی چھاں'' ۱۹۶۸ء میں شاد گیلانی کا ''ہاں دے بیرے'' اور محمد اقبال اظہر کا ''سچ کوں مرچاں'' ۱۹۷۳ء میں قاسم جلال کا ''پھلاں دی سیج'' ۱۹۷۵ء میں چھپ چکے تھے۔ جبکہ ۱۹۷۸ء میں رشید عثمانی کا غزلوں کا مجموعہ 'میں مٹی میں سونا'' بھی سامنے آچکا تھا۔ ۱۹۷۸ء میں چھپنے والے نصیر سرمد کے مجموعے ''سوجھلا'' میں ۴۴ غزلیں شامل تھیں۔ اسی طرح فدائے اظہر کے ''رجھول'' (۱۹۷۸ء) ممتاز احمد زاہد کے ''ڈسکیاں'' ، (۱۹۸۰ء)، منیر فاطمی کے ''بلدے پچھانویں'' (۱۹۸۴ء) جیسے مجموعے بھی چھپ چکے تھے۔ جن میں سرائیکی غزلیں شامل تھیں۔ ۱۹۷۹ء میں ''مینگھ ملہار'' سرائیکی مجلس ملتان کے ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۳ء کے طرحی مشاعروں کا مجموعہ بھی چھپ کر آچکا تھا۔

الغرض خرم بہاولپوری سے پہلے اور فوراً بعد سرائیکی غزل چھپی ہوئی شکل میں موجود ہے۔ تاہم خرم کے بعد کے سرائیکی غزل کے دور پرنواز کاوش یوں تبصرہ کرتے ہیں:

> ''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک پورا عہد غزل کے لیے کچھ کرتا نظر نہیں آتا۔ اس عہد کے شاعروں میں جانباز جتوئی، صالح محمد صالح، دلچسپ اور دوسرے کئی شاعر موجود ہیں بلکہ جانباز جتوئی ، سفیر لشاری اور فیض محمد دلچسپ نے غزلیں بھی کہی ہیں۔ مگر ان کی غزلوں میں شدت اور احساس کی رعنائی موجود نہیں''۔ (ح۔۱۵)

جبکہ عمر کمال خان ''ٹلاوڑے'' میں اسلم رسولپوری کے مضمون پر ''حواشی'' درج کرتے ہوئے جہاں ''کشکول وچ سمندر'' اور ''پڑچھیاں اُتے پھُل'' کے سرائیکی غزل میں انقلاب پیدا کرنے اور ممتاز حیدر ڈاہر، عزیز شاہد اور رفعت عباس کا سرائیکی غزل کے مزاج کو بدل ڈالنے کی بات کرتے ہیں، وہیں کتاب کے آغاز میں ''جان سجان'' میں لکھتے ہیں:

> ''مجھے یہ بات کہنے میں کوئی شرم نہیں کہ سرائیکی میں قدرتی غزل گو شاعر بہت کم ہیں۔ مجھے اس پر اعتراض نہیں کہ قیس فریدی اور اقبال سوکڑی سرائیکی غزل کے دو بڑے نام ہیں لیکن سرائیکی غزل کی سلطنت کے صرف اور صرف دو بڑے ستون نہیں بلکہ دس دوسرے غزل گو شاعر پیش کیے جاسکتے ہیں جن کے کاندھوں پر سرائیکی غزل کی سلطنت کا بوجھ ہے''۔

ان دو صاحبان نے جن پانچ سرائیکی غزل گو شعراء کا ذکر کیا ہے ان کا شعری سرمایہ غزل کے حوالے سے کچھ یوں ہے۔ اقبال سوکڑی کے غزلوں کے مجموعے ''کالے روہ چٹی برف'' (مطبوعہ ۱۹۷۸ء) سے پہلے دو مجموعوں ''ڈکھ دی ݨیج'' اور ''ہنجوں دے ہار'' (مطبوعہ ۱۹۷۶ء) میں بھی غزلیں موجود ہیں جبکہ اس کے بعد ''ورقا ورقا زخمی'' (مطبوعہ ۱۹۸۴ء) اور ''لیرو لیر پچھانواں'' (مطبوعہ ۱۹۹۲ء) میں بھی۔ دوسرے نمبر پر قیس فریدی ہیں جن کی ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۸ء تک کی غزلوں کا مجموعہ ''ارداس'' (۱۹۸۰ء) میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ''آمشام'' (مطبوعہ ۱۹۹۳ء) اور ''ٹوں سورج میں سورج مکھی'' (مطبوعہ ۱۹۹۵ء) میں بھی غزلیں موجود ہیں۔ تیسرے نمبر پر ممتاز حیدر ڈاہر کی ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۰ء تک کے درمیان لکھی گئی غزلوں کا مجموعہ ''کشکول وچ سمندر'' ہے جو ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا ہے۔ اکیلے اُمید ملتانی کے مجموعے ''پلوں وچ سویر'' میں سَوا سو غزلیں ہیں۔ رفعت عباس کا مجموعہ ''پڑچھیاں اُتے پھُل'' ۱۹۸۴ء میں اور ''جھومری جھم ٹرے'' ۱۹۸۹ء میں سامنے آتے ہیں۔ عزیز شاہد کے تین شعری مجموعوں میں غزلیں شامل ہیں۔ ''مِٹھ دریا تے'' (مطبوعہ ۱۹۸۷ء) ''پھُل سِری دے'' (مطبوعہ ۱۹۹۲ء) اور ''پِنّیال'' (مطبوعہ ۱۹۹۶ء)۔ جبکہ ان

پانچوں شاعروں سے پہلے سرائیکی غزل کے مطالعے کے حوالے سے تین کتابوں کا ذکر ضروری ہے۔ پہلی کتاب صادق بشیر کی تالیف کردہ ''رت دیاں ہنجوں'' مطبوعہ ۱۹۶۷ء ہے۔ اس میں صدیق طاہر، ڈاکٹر محمد خان بابر اور صادق بشیر کی غزلیں بھی شامل ہیں۔ دوسری کتاب ۱۹۶۹ء میں شائع ہونے والی کیفی جام پوری کی ''سرائیکی شاعری'' ہے شامل غزلوں کا نمونہ دیکھیں:

بہاراں بہاراں غوغا چوگوٹھ ہے
ڈینہواراں ڈکھیاں دیاں ڈکھاں اے بدلیاں نہ

(نور محمد سائل ڈیروی۔ صفحہ ۳۳۸)

اساں اپنے درد ڈکھاونے نئیں
ہُݨ ماݨھوں یار موںجھاونے نئیں

(صدیق طاہر۔ صفحہ ۳۵۹)

دلڑی دا سوا درد دے غم خوارنی کوئی
یوسف ہاں مگر میڈا خریدار نی کوئی

(سرور کربلائی صفحہ ۳۶۷)

اسی طرح ۱۹۷۳ء میں شائع ہونے والے ممتاز حیدر ڈاہر اور فانی الہ آبادی کی تالیف کردہ ''وہندے نیر'' کا تیسرا نمبر ہے۔ اس میں جانباز جتوئی، نصر اللہ خان ناصر، سرور کربلائی، قیس فریدی، سفیر لشاری، محسن نقوی، رشید عثمانی، اقبال سوکڑی، نقوی احمد پوری، عزیز نشتر غوری، دلدار بلوچ، نور محمد سائل، خان رضوانی، ریاض رحمانی، فانی الہ آبادی، مجاہد جتوئی، حیدر گردیزی، تحسین سبائے والوی، غلام حسین، زائر ڈیروی، نصیر سرمد، احمد خان طارق، منیر فاطمی، ممتاز حیدر ڈاہر، صدیق طاہر کی غزلیں شامل ہیں۔

بزرگ سرائیکی شاعر اور محقق حبیب فائق لکھتے ہیں:

''سرائیکی غزل کو نئے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں سرائیکی

Scanned with CamScanner

مجلس ملتان کا بہت حصہ ہے۔ کافی عرصہ تک مجلس میں پندرہ روزہ سرائیکی طرحی مشاعرے ہوتے رہے۔ ان مشاعروں میں شامل ہونے والے ان معتبر ناموں کا ذکر یہاں بہت ضروری ہے جو ہم سے بچھڑ گئے ہیں۔ غلام حیدر مستانہ، مقبول تنویر، ممتاز حیدر ڈاہر، خاور جسکانی، طارق جامی، حیدر گردیزی کے نام ہمیشہ ادبی حوالے سے زندہ رہیں گے۔ ان کے علاوہ سرائیکی غزل لکھنے والے معروف شاعروں کا تذکرہ ضرور کرنا چاہیے۔ تا کہ سرائیکی ادب کی تاریخ مرتب کرنے والوں کو آسانی ہو۔ سرائیکی غزل کے لکھنے والوں میں بہت سے معتبر نام سامنے آتے ہیں۔ جیسے کہ ''سفیر لاشاری، قیس فریدی، نقوی احمد پوری، اقبال سوکڑی، مہجور بخاری، جانباز جتوئی، سرور کربلائی، ریاض رحمانی، رشید قیصرانی، امید ملتانی، رشید ملتانی، خادم ملک ملتانی، مشکور قطب پوری، کیف انصاری، سلیم احسن، نصیر سرمد، رفعت عباس، اللہ بخش یاد، ممتاز مظہر، حمید الفت ملغانی۔ (ح۔۱۶)

جبکہ حسان الحیدری، صالح الہ آبادی (۱۹۰۸ء۔۱۹۹۶ء) کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''صالح بنیادی طور پر غزل کا شاعر ہے۔ سرائیکی زبان کے موجودہ شعراء میں صالح کا ہم پلہ کوئی غزل گو شاعر نہیں''۔ (ح۔۱۷)

گزشتہ دو دہائیوں میں سرائیکی غزل نے وہ مقام حاصل کر لیا ہے جس سے اس کا منفرد ادبی تشخص اُبھر کر سامنے آیا ہے۔ اس میں سلیم احسن کی ۱۹۷۹ء، تا ۱۹۸۴ء کی ۵۶ غزلیں ''جھکڑ جھولے'' (مطبوعہ ۱۹۸۴ء) میں، ۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۳ء کی ۹۲ غزلیں ''چیتے چنتے'' (مطبوعہ ۱۹۹۳ء) میں سامنے آئیں۔ نقوی احمد پوری کا ''دیوان نقوی'' ۱۹۹۲ء میں (۷۰ غزلیں) چھپا تھا۔ ان کی وفات کے بعد تنویر سحر نے ''قطب تارا'' مطبوعہ (۱۹۹۶ء) مرتب کر کے شائع کیا۔ اس میں ۵۸ غزلیں شامل ہیں۔ مصطفیٰ خادم کا مجموعہ ''پارت'' جو ۱۹۹۳ء میں چھپا ۵۸ غزلوں اور ''لُوار لہجے''

مطبوعہ ۱۹۹۶ء ۳۷ غزلوں سمیت نمایاں رہا۔ جبکہ بزرگ شاعر ریاض رحمانی کی ۱۱۲ غزلوں کا مجموعہ ''سوچاں خشبو لفظ غلاب'' ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا اور اب تک اِس کی خُوشبو قائم ہے۔ ان میں سالوں میں غزل کے دیگر نمایاں شاعروں میں نواز جاوید ('' تانگھاں'' مطبوعہ ۱۹۸۷ء ۵۰ غزلیں) قاصر احمد پوری (''وٹھڑی روہی'' مطبوعہ ۱۹۸۹ء ۵۳ غزلیں) محمد اسلم میتلا (''ڈُکھ بچوک'' مطبوعہ ۱۹۹۳ء ۵۰ غزلیں) شفقت بزدار ''گریہہ داقرض'' مطبوعہ ۱۹۹۶ء ۵۸ غزلیں) کے علاوہ سفیر لشاری، حسن گوہر ''نوروارث، اختر کھوسہ، فدا ملتانی اور شاکر شجاع آبادی کے نام لیے جاسکتے ہیں جبکہ جانباز جتوئی (''ارداساں'' مطبوعہ ۱۹۸۵ء)، دلشاد کلانچوی ('' کلام کلانچوی'' مطبوعہ ۱۹۹۲ء) گوڑے گھٹ۔ چند وڈہ مغموم، احمد خاں طارق (''متاں مال وتے'' مطبوعہ ۱۹۹۵ء) نے تبرکاً غزلیں بھی کہیں۔

ایسے اور بھی کئی سرائیکی شاعر ہیں جنھوں نے بہت کچھ لکھا اور ان کے بہت سے مجموعے چھپے مگر صنف غزل میں ان کا حصہ تبرک کا ہی رہا۔ جیسے جمشید احمد کمتر رسولپوری کے تین مجموعے ''سکھ سوجھلا'' (۱۹۹۱ء) میں گیارہ ''چندر چوڑی دا'' (۱۹۹۲ء) میں آٹھ اور ''ہلداڈیوا'' (۱۹۹۳ء) میں پانچ، کل ملا کر ۲۴ غزلیں شائع ہوئیں۔ وہاں فیض بلوچ، بخت علی مسرور، صادق تھہیم، ساقی سمنوی، اے بی عاصم، جہانگیر مخلص، اعجاز ڈیروی، ریاض فاروق بزدار، خادم حسین مخفی، محمد رمضان طالب، ریاض قیصر قیصرانی، کرم ٹالپور، کاشف چوہان، ایاز سہروردی، عبدالرحمان اختر وغیرہ کے شعری مجموعوں میں بھی غزلیں شامل ہیں جبکہ ۱۹۹۷ء میں چھپنے والے شکیل تپانی کے مجموعے ''اکھ بے خواب عذاب'' میں بھی کئی خوبصورت غزلیں ہیں۔ پہلے دو معروف عوامی شعراء کی غزل نگاری کا جائزہ لیتے ہیں۔ شاکر شجاع آبادی کا مجموعہ ''پہلے پتر'' فروری ۱۹۹۴ء میں ۱۶۰ صفحات پر مشتمل دلنور سرائیکی پبلیکیشنز نُور پور نُورنگا نے شائع کیا۔ جسے بعد میں ستمبر ۱۹۹۶ء میں جھوک پبلشرز ملتان نے ۱۱۲ صفحات پر مشتمل شائع کیا۔ اِس میں ۳۷ غزلیں ہیں۔ دوسرا مجموعہ ''لہو داعرق'' یکم جنوری ۲۰۰۰ء کو جھوک پبلشرز ملتان نے ۹۶ صفحات پر مشتمل چھاپا۔ اس میں ۳۲

غزلیں ہیں۔ایک شعر:

ہتھ بدھیندے ، ہتھ کھیں چیندا ،جیہڑا ظالم دے اگوں اُوندی شاکر سوچ وچ تقدیر کیوں بدنام ہے

تیسرا مجموعہ ''کلام شاکر'' صفحات ۲۷۶ وسیب سرائیکی ادبی مرکز ملتان نے مارچ ۲۰۰۲ء میں شائع کیا اس میں ۷۷ غزلیں ہیں۔چوتھا مجموعہ ''بلدیاں ہنجوں'' جھوک پبلشر ملتان نے فروری ۲۰۰۶ء میں شائع کرایا۔۱۱۸ صفحات میں ۲۸ غزلیں ہیں۔پانچواں مجموعہ ۳۲ صفحات کے کتابچے کی صورت میں جھوک پبلشرز نے اپریل ۲۰۰۶ء میں ''پتہ لگ ویندے'' کے عنوان سے شائع کیا۔اس میں بھی غزلیں شامل ہیں اس کے بعد تین مرتبہ مجموعوں میں بھی ،جنھیں جھوک پبلشرز ملتان نے چھاپا۔غزلیں شامل ہیں۔

''شاکر دیاں غزلاں'' مرتبہ خضر حیات مُون ، جولائی ۲۰۰۱ء صفحات ۳۲، ''خدا جانے'' مرتبہ شاہد دھریجہ ستمبر ۲۰۰۱ء صفحات ۳۲ اور ''مُنافقتاں توں خدا بچاوے'' مرتب دلنور نور پوری جولائی ۲۰۰۵ء صفحات۔۱۶

احمد خان طارق کا پہلا مجموعہ دسمبر ۱۹۸۹ء میں ''گھروں ورتانڑیں'' فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان صفحات ۸۸ میں غزلیں شامل ہیں۔''متاں مال ولے'' مارچ ۱۹۹۵ء میں سوچ سنجان سرائیکی سنگت شاہ صدر نے ۱۴۰ صفحات کتابی صورت میں شائع کیا تو اِس میں ایک درجن غزلیں تھیں۔اس ادارے نے اگست ۲۰۰۱ء میں ''میکوں سی لگدے'' شائع کیا تو ۱۵۲ صفحات کی کتاب میں ۲۸ غزلیں تھیں جولائی ۲۰۰۵ء میں ''ہتھ جوڑی جُل'' میں بھی غزلیں شامل ہیں۔جبکہ دسمبر ۲۰۰۷ء میں ''عمراں دا پورھیا'' کے نام سے جھوک پبلشرز ملتان نے ۳۸۴ صفحات کی کتاب چھاپی تو اس میں ۲۷ غزلیں تھیں۔دو کتابچوں ''پیٹ دی خوشبو'' ستمبر ۲۰۰۲ء میں اور ''پُھل لِکھ ڈے'' جنوری ۲۰۰۵ء میں بھی غزلیں شامل تھیں۔

اب دیگر شعراء کے حوالے سے ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۸ء تک کی سرائیکی غزل کے سفر کا

جائزہ لیتے ہیں۔

۱۹۹۷ء

اِس سال چھپنے والے سرائیکی شعری مجموعے شوکت ہاشمی کا ''لو داھوکا''، محمد اسلم میتلا کا ''پیت اولڑی''، محمد اقبال قریشی کا ''مِٹھیاں سنگتاں''، اقبال حسن بھیلا کا ''کچے دھاگے'' مرید حسین انصاف کا ''دیوان انصاف''، ساقی سیمنوی کا تیسرا مجموعہ ''بے خواب نندراں'' اور فیض فرید کا ''بیٹ دے بیلا'' وہ سرائیکی شعری مجموعے ہیں جن میں سرائیکی غزل اپنا سفر جاری رکھے ہوئے نظر آتی ہے۔ فیض کی غزل کا شعر:

میڈے سینگیں دے سِر تے اَج نویاں ڈِن چونڑویاں چُنّیاں
میں وی رنگریز توں پوچھن رنگارواں اَج دے سجھ اپنا

۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۹ء کے درمیان قاصر احمد پوری کے پانچ شعری مجموعے ''ٹوبھے تار متاراں، ڈھٹری روہی، واٹ نہاراں، پیلھوں پکیاں،، اور ''ڈھلدا پچھاواں'' چھپے۔ اِن سب میں غزلیں نُمایاں ہیں۔ ڈیرہ غازی خان کے علام حسین زائر کا مجموعہ ''تتے تاء'' روایتی تصوّف کا رنگ لیے ہیں۔ مگر غزل کا اظہار نمایاں ہے۔ اس سال دلچسپ سرائیکی سنگت جندو پیر کمال سے شائع ہونے والے اِن مجموعوں میں بھی غزلیں شامل ہیں۔ جولائی میں شہباز سیّد کا ''دل دے سودے'' صفحات ۹۶، عبداللہ ساجد عمر کوٹی کا ''رُت دے نیر،، صفحات ۶۴ مئی میں شبیر بلوچ کا ''ڈکھ بجّن دے'' اہم ہیں۔

۱۹۹۸ء

جنوری میں ابنِ کلیم کا ''سچا رنگ تصوّف والا'' صفحات ۱۱۲، اگست میں ساجد راہی کا ''لکھ دے جھولے'' صفحات ۱۴۴، اکتوبر میں جمشید احمد کمتر احمدانی کا ''اُبھر دا سجھ'' صفحات ۱۱۲،

اقبال حسن بھپلا کا ''بیٹ چھاں دا'' صفحات ۲۵۸، نواز خوشدل کا ''ڈکھ دے پندھ'' صفحات ۶۴، اکتوبر میں حاجی بلوچ کا ''چھیکڑی ہنجھ'' صفحات ۶۴، فیض بلوچ کا ''تھل دی تَس'' جند وڈہ مغموم کا ''اَکھا پھلا'' محمد اقبال قریشی کا ''عشق دی جھانجھر'' مئی میں احمد خان آسی کا ''سِک دی سانگ'' مارچ میں تونسہ کے عبدالاحد حسن گورمانی کا ''پھکی کھل'' صفحات ۱۲۰ اور نومبر ۲۰۰۰ء میں ''پتھر پنج'' صفحات ۵۶ کے علاوہ خالد محمود بیدار غازیگھاٹوی کا ''پریت'' صفحات ۴۸، جنوری میں خلیل احمد شودا مستوئی کا '' سچے پھل پیار دے'' صفحات ۹۶، دسمبر میں مومن ہاشمی کا ''احسان سجن دے'' صفحات ۶۴، افضل ندیم افضل کا ''سِک دیاں ونگاں'' صفحات ۴۰ میں بھی غزلیں شامل ہیں۔ جبکہ جون میں زید جعفری کے ۳۲، ۳۲ صفحے کے دو مجموعے ''ہائے جوانی'' اور ''واہ سجن تیڈے وعدے'' جبکہ نذیر شجا آبادی کا ۳۲ صفحے کا ''اَکھ دا ساون'' بھی اِسی ذیل میں آتے ہیں۔

۱۹۹۹ء

فروری میں عبداللہ یزدانی کا '' آسماناں توں لتھے پھل'' میں قدیم و جدید غزل کا سنگم نظر آتا ہے۔ شعر دیکھیں۔

اِیں بے قدری دنیا دے وچ   یوسفؑ دا مُل کھوٹا ٹکا

شفقت بزدار کا ''نکھیڑے'' صفحات ۱۶۰ (طبع دوم ۲۰۰۵ء) ہمراز سیال اُچوی کا ''گھُنڈ کھول'' صفحات ۹۶، اور ۲۰۰۰ء میں ''ہر پھُل زخمی'' صفحات ۱۶۰، عبدالخالق سرمد کا ''پیار پینگھاں'' صفحات ۹۶ کے علاوہ سفیر لشاری کے ''وِپرے'' میں چودہ غزلیں ہیں۔ ۶۴، ۶۴ صفحات کے اعجاز ڈیروی کے ''پردیسی وَل آ'' اور محمد افضل سومرو کا ''پتھریں دی برسات'' بھی قابلِ ذکر ہیں۔ جبکہ شہزادہ آصف علی گیلانی کا ''عاشق مزاج'' میں بھی غزلیں موجود ہیں۔

۲۰۰۰ء

سید عیسن شاہ ساجد مُلتانی کے دو مجموعے ''موڑ مہار'' صفحات ۱۴۳ اور ''وِچھڑی کونج''

(دسمبر۲۰۰۲ء) کے علاوہ دمساز قیصرانی کا ''پیار دا سنیہا'' ۱۲۸ صفحے، ساحل بزدار کا ''سولی گوں سِک منصور دی'' ۱۳۱ صفحے، حیدر بزدار کا ''میل مہانگے'' صفحات ۱۵۲ غزل کی روایت کے امین ہیں۔ اپریل میں محمد جعفر ڈیتہ کا ''غمگین مسافر، ستمبر میں منظور اعوان کا ''وفا دے ڈیوے'' جنوری میں محمد افضل سومرو کا ''پتھر دِل صنم'' اور نومبر میں الطاف سولنگی کا ''رِمیں پکّے پکّے'' کے علاوہ دسمبر میں اعجاز سولنگی کا ''میں ٹھگڑی عاشق ہاں'' میں غزلیں شامل ہیں۔

۲۰۰۱ء

بابائے تھل فاروق روکھڑی کی ''کاغذ دی بیڑی'' صفحات ۱۸۲ صدرنگ پبلیکیشنز لاہور نے شائع کی۔ انجم لشاری کی ''اُکھیں سسیاں'' صفحات ۱۴۴ وفات کے بعد شائع ہوئی۔ غزل کا ایک شعر دیکھیں۔

یا خبر ہئی جو پیار تھی پوسی۔ زندگی اشتہار تھی پوسی

سفیر لاشاری کے ''اساں خیرات نئیں منگدے'' میں مزاحمتی رنگ نمایاں ہے۔ ''مونجھے منظر'' ریاض فاروق بُزدار کا تیسرا مجموعہ (صفحات ۱۴۴) ہے۔ محمد اقبال قریشی کا ''ہکل'' ۱۱۹ صفحے میں غزلیں موجود ہیں۔ فروری میں غلام فرید جانی کا ''پھلو ہے'' صفحات ۹۶، رانا محمد نواز نیازی کا ''آونج سانول'' اور سیّد ساجد راہی کا ''رشتے محبتاں دے'' میں بھی غزلیں موجود ہیں۔ مظہر علی تابش کا مجموعہ ''ٹھیڑیاں'' بھی اس ذیل میں آتا ہے۔ اِن کے علاوہ شعری مجموعوں میں اُردو کے علاوہ سرائیکی کلام میں غزلیں موجود ہیں جیسے محمد اشرف درپن کا ''کلامِ درپن'' ۱۲۰ صفحے، کوٹ مٹھن کے ڈاکٹر خورشید محمد ملک کے دو مجموعے ''شمع خورشید'' صفحات ۹۶، ۲۰۰۱ء میں اور ''ریت کا دریا'' (۲۰۰۲ء) میں۔

۲۰۰۲ء

اگست میں شبیر ناز کی ''چُپ دی چِک'' اور دسمبر میں اجمل خاموش کی ''دل دی مرضی''

صفحات ۳۲ میں غزلیں نمایاں ہیں جبکہ سیفل بلوچ کی ''اُلردیاں بانھیں'' صفحے ۱۲۰، صوفی محمد یار بے رنگ کا ''دیوانِ بے رنگ'' صفحہ ۲۰۸، ''اکھڑ اں دے پھُل'' ازمُنیرن بلوچ، ''ادھوری چُپ'' ازنُور وارث۔ ہوت حسین ہوت کی ''اُفق تیں لالی'' اگست میں نذیر شجاع آبادی کی ''مقدر دی وَنڈ'' صفحات ۸۰، مستری محمد ارشاد کی ''ڈکھ سجن دے، شبیر بلوچ کی اپریل میں ''میں پریشان ہاں'' جون میں محمد افضل سومرو کا ''ہاں دی ہبڑاس'' کے علاوہ جنوری میں ''محمد ندیم کشور دے ڈوہڑے'' اپریل میں محمد امین مجنوں کا ''نین شکاری'' میں بھی غزلیں موجود ہیں۔

۲۰۰۳ء

ڈوہڑے کے مقبول شاعر امان اللہ ارشد نے غزلیں بھی لکھی ہیں جنوری میں ''اکھیں دے جگارے'' صفحات ۱۹۲ میں غزلیں زیادہ ہیں۔ ایک شعر دیکھیں۔

ساڈیاں لاشاں ناں تارپانی تے　　　اساں تریہہ نال مَرتے سُتے ہیں

اللہ بخش یاد کا ''پلدے پھُل'' ۴۳ غزلوں کا مجموعہ ہے۔ شعر دیکھیں

بولیسیں یار پڑھیسیں پرائے اکھرؔ ڈِسا کے تیئں　　　تُو اپنی بول مابولی نشابرا اپنا لہجہ کر

''دل وارڈیواں'' بشیر ملتانی کا دسمبر میں آیا۔ سلیمان پردیسی کا ''بنّی داڈھولا'' سال میں تین بار فروری، مئی، جولائی میں چھپا۔ اِس سال ناصر جروار کے ''وین وکھوہے'' بشیر ملغانی کے ''دل وارڈیواں'' اور شمس الدین کے ''سُنویں سَنجھ'' میں بھی غزلیں موجود ہیں۔

۲۰۰۴ء

نور محمد سائل مرحوم کے ''قلندر سمندر'' صفحات ۲۲۰ میں غزلیں صفحہ ۱۵۹ سے ۱۷۰ پر ہیں۔ سرور کربلائی کی ''سجھ داسینہ'' میں بھی غزلیں موجود ہیں۔ ایاز فقیر کا ''دیوان ایاز فقیر'' صفحات ۴۹۰ کے علاوہ شاکر مہروی کا ''میں یاد آساں'' صفحات ۱۶۰، اگست میں کشور لودھراں کا ''دل نمیں

راہندا'' صفحات ۱۶۰ ، زوار حسین زوار کا ''پینگھ'' صفحات ۱۵۷، مارچ میں انور شاہ انور کا ''سنگھٹ'' اقبال قریشی کا ''سوجھل'' صفحات ۹۶، سلطان قادری کا ''تانگھی تارے'' صفحات ۸۸، حماد خان کا ''اُڈدے پکھی'' صفحات ۱۵۹ میں غزل کی روایت کو شامل رکھا گیا ہے۔ جبکہ نومبر میں ثاقب ساہی کا ''ستی شب جا گدیاں اکھیں'' صفحات ۱۶۰ غزلوں کا مجموعہ ہے۔ ریاض ارم کے ''حیاتی دے پندھ'' صفحات ۱۷۶ اور دسمبر میں فرید ساجد کے ''چنتے'' صفحات ۱۱۲ میں بھی غزلیں نمایاں ہیں۔ ساجد کا شعر دیکھیں۔

غزل اَنجھی لکھیجے ہا سجن دو پٹھ ڈوتے ہا جیکوں سئیں گنگناوے ہا غزل اَنجھی لکھیجے ہا

حنیف خاکی دین پوری کا جولائی میں ''تانگھ سجن دی'' عبداللطیف بھٹی کا اکتوبر میں ''بیڑی دا جگ سارا پُور'' عارف فریدی کا ''عشق وچ رُل گئے ہیں'' میں بھی غزلیں موجود ہیں۔ امان اللہ ارشد کا ۳۲ صفحے کا ''میڈے ساہ دی ٹور تے ٹُردا جُل'' اپریل ۲۰۰۴ء اور پھر ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔

۲۰۰۵ء

اقبال سوکڑی کا ''اَٹھواں اسمان'' اپریل میں ۱۱۶ صفحات پر مشتمل شائع ہوا۔ جس میں ۲۷ غزلیں شامل ہیں۔ رشید عثمانی کی غزلوں کا ایک مجموعہ ''میں مٹی میں سونا'' ۱۹۷۸ء میں چھپا تھا۔ دوسرا مجموعہ ''خواب وچ دریا'' صفحات ۲۰۸ اِس سال شائع ہوا۔ اس سال گلزار احمد گلزار نے ''گول'' صفحات ۱۷۶ میں غزل کے مطلع کے بول عنوان کے طور پر پیش کرنے کی روایت آگے بڑھائی۔ میانوالی کے دو شعراء محمد فیروز شاہ کے ''پینگ'' صفحات ۱۰۴ اور مظہر نیازی کے اگست میں چھپنے والے ''ہنج دا دین'' صفحات ۱۴۴ میں غزلیں نمایاں ہیں۔ مئی میں مرتضی زاہد کا ''ترنڈ'' صفحات ۱۲۰، جنوری میں غلام جعفر نادار کا ''سِکدیاں اکھیں''، ستمبر میں محمد رمضان سانول کا ''سانول سلوناں'' فروری میں مُصّور حسین مصّور بلوچ کا ''دل ہے کعبہ'' فریاد ہیروی کا ''تیڈے شہر وچ''

میں غزلیں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ نور حسن نور کا ''سوہنے سوہنے لوگ'' غلام مصطفی دلچور کا ''ڈھک سجن دے'' کے علاوہ جولائی میں ایم ارشد عظیم کا مجموعہ ''درد یں دا حال المعروف سچ کون مرچاں'' جس میں حصہ سرائیکی ۵ تا ۲۸ پر ہے، غزلیں بھی شامل ہیں۔ عارف فریدی کی ''یاد سجن دی'' میں بھی غزلیں زیادہ ہیں۔

۲۰۰۶ء

میانوالی کے محمد ظہیر احمد کے ''ہنجوریت ہوا'' صفحات ۱۹۶ میں غزلیں زیادہ ہیں۔ خادم رزمی کا مجموعہ ''اَساں آپے اُڈن ہارے'' صفحات ۱۶۸ میں بھی غزلیں ہیں۔ ستمبر میں قربان اظہر کا ''ہجر دی شام'' صفحات ۱۱۰، لیہ کے امان اللہ کاظم کا ''پِپلیں ہنجوں نہ مارے'' صفحات ۱۷۷، واحد بخش شیراز کا ''پیلھوں'' صفحات ۱۱۲ اور ممتاز غافل کا ''ہنج دریا'' صفحات ۱۱۲، رشید حسرت سہوانہ کا اپریل میں ''مُندر ریے مُنہہ'' ۱۱۲، بھکر کے صفدر کربلائی کا ''شام ثوں پہلے'' صفحات ۱۱۲ کے علاوہ فروری میں عابد حسین عابد شجا آبادی کے ''پردیس نہ ونج'' اور دسمبر میں نعیم احمد انجم کھوکھر کے ''خواب سجن دے'' میں بھی غزلیں شامل ہیں۔

۲۰۰۷ء

اسی سال اُوچ شریف کے ڈاکٹر محمد اختر تا تاری کا غزلوں کا مجموعہ ''حیاتی دے پندھ'' صفحات ۲۴۰، جنوری اور مئی میں دوبارہ شائع ہوا۔ سرائیکی غزل کی رفتار کو بڑھانے میں اس نے اہم کردار ادا کیا۔ کریم بخش شعیب کا ''کچا گھڑا'' ۲۲۸ صفحے، یعقوب ساغر کا جولائی میں ''تھل دے مسافر'' ۲۲۸ صفحے، محمد ریاض خاکوانی کا ''یاداں'' صفحات ۲۷۲، اگست میں ساحل بزدار کا ''گیارول راول'' ۱۹۲ صفحے، اکتوبر میں ضلع مظفر گڑھ کے غلام فرید کہتر کا ''پتھریں دے صنم'' صفحات ۱۴۴، جولائی میں مہر محمد اجمل خاموش کا ''تانگھ'' ۱۴۴ صفحے، نذیر احمد ناصر کا ''میں چپ

صفحات ۱۲۸ ریاض عنبر کا ''اکھاں ٹوں راہساں'' ۱۳۲ صفحے، بے زر شجاعبادی کا '' آمنے سامنے'' صفحات ۱۲۸ ریاض عنبر کا ''اکھاں ٹوں
زسدیں'' ۹۶ صفحے ,فیض بلوچ کا ''تھل دی ذات'' ۱۱۲ صفحے میں غزلیں شامل ہیں۔فریاد ہیروی
کے ''مصر دا بازار'' صفحات ۹۳ میں غزلیں زیادہ ہیں جبکہ نومبر میں نور حسن نور کا ''اکھ دے وار،،
جولائی میں غلام عباس باشو کا '' دل او کھے ملدن'' اکتوبر میں عابد حسین ظامی کا ''عشق دیاں
چاٹاں'' کے علاوہ درج ذیل کتابچوں میں بھی غزلیں شامل رہیں۔اکتوبر میں شاہین ملک کا ''عید
کراوج'' جنوری میں محمد عباس یوسف کا ''سِک دا سیک'' جون میں نعیم احمد انجم کھوکھر کا ''میڈے
وَس کا ئینی'' سیف اللہ سیفل کے دو کتابچے اکتوبر میں ''نصیبیں دی وَنڈ'' جون میں ''تماشہ
جولائی میں فیض احمد شاذم کا ''مونجھ دا موسم'' کے علاوہ مارچ میں تین کتابچے محمد رمضان ثاقب
کا ''پیار دا موسم'' اختر عباس کا ''انساں نئیں بچدے'' اور محمد عمران عاجز بہاولپوری کا ''پیار دے
پھل'' شامل ہیں۔

۲۰۰۸ء

اس سال مئی میں احمد پور شرقیہ کے تنویر سحر کا غزلوں کا مجموعہ ''روہی ریت کنارے''
صفحات ۱۶۰ ملتان سے شائع ہوا۔جبکہ وارث علی وارث کے مجموعے ''اَن ڈٹھے خواب'' میں غزل
نمایاں یعنی صفحہ ۱۹ تا ۹۷ پر ہے۔دیگر مجموعوں میں خورشید قمر لاشاری کا مارچ میں ''روہی ریت
سمندر'' صفحات ۱۶۰، شبیر ناز کا اپریل میں ''سُجاک سوچاں'' صفحات ۱۴۳، دیوانہ بلوچ کا جون میں
''عشق سمندر'' صفحات ۱۱۲ حاجی اقبال جاوید کا جنوری میں ''ترمدے ڈھاڑے'' ۱۲۸ صفحے، سیفل
بلوچ کا مارچ میں ''صدائے سیفل'' میں غزلیں موجود ہیں۔فروری میں سہیل عباس دانش کا ''پیار
دے گاون'' ۹۶ صفحے چھپا۔جولائی میں بلال محسن کا ''گول سجن دی'' اور ستمبر میں صفدر کربلائی کا
''ساڈی جھوک تے آ'' شائع ہوئے۔کتابچوں میں جنوری میں ملک عارف گلشن اور بچایا شہباز کا
''یار بہار دے پھل ہوندن'' فروری میں محمد عظیم بلوچ کا ''کجھ تاں سوچیں ہا'' اپریل میں اشرف
حسین کشور کا ''چٹی نخرے باز'' ستمبر میں بلال احمد بلال کا ''غم دے بادل'' اور بلال محسن کا ''گول

سجن دی'' کے علاوہ مجید انجم باروی کا'' لُک چُھپ''میں بھی غزلیں شامل ہیں۔

اسی طرح مختلف شعراء کے کلام کے مجموعوں کی روایت میں ۱۹۸۸ء میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے'' سرائیکی شعری گلدستہ'' کے نام سے کتاب شائع کی جس میں جانباز جتوئی، ریاض رحمانی، سفیر لاشاری، نقوی احمد پوری، رشید عثمانی، قاسم جلال وغیرہ جیسے پچیس شعراء کی ۳۹ غزلیں بھی شامل ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں شائع ہونے والی مرتب کردہ یادگار کتاب'' گودڑی وچ لعل'' میں امان اللہ ارشد، شکیل تیاپی، فاروق روکھڑی، مجبور عیسیٰ خیلوی، نواز جاوید، نجیب اللہ نازش وغیرہ جیسے ۴۵ غزل گو شعراء کی ۷۷ غزلوں کا انتخاب شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح مختلف شہروں کے شعراء کے کلام کے انتخاب میں بھی غزل شامل رہی۔ جیسے ڈیرہ اسماعیل خان کے شعراء کے مجموعے،'' دامان'' (مطبوعہ ۱۹۸۴ء) میں بارہ غزلیں، شہانی ضلع بھکر کے شعراء کے مجموعے '' چھل'' (مطبوعہ ۱۹۹۱ء) میں تیس غزلیں اور پپلاں ضلع میانوالی کے شعراء کے مجموعے'' مسکار'' (مطبوعہ ۱۹۹۱ء) میں چار غزلیں شامل ہیں۔

سرائیکی غزل نگاری میں شاعرات بھی پیچھے نہیں ہیں۔ کلاسیکل شاعرہ بخت آور کریم کا مجموعہ'' اِٹک مِٹک دیداں'' دسمبر ۱۹۸۴ء میں لاہور سے چھپا تو اِس میں نو غزلیں شامل تھیں ایک کتابچہ مِس نگہت شمسی آف کہروڑ پکا کا نومبر ۱۹۸۹ء میں دلنور پبلی کیشنز لاہور نے ۸ صفحات پر مشتمل شائع کیا تو اس میں تین غزلیں بھی شامل تھیں۔ بہار النساء بہار کا پہلا سرائیکی شعری مجموعہ ''چھل بل اکھیں'' جون ۱۹۹۴ء میں ملتان سے شائع ہوا تو اس میں غزلیں بھی شامل تھیں جبکہ دوسرے مجموعے'' سبھے خواب میڈے'' مطبوعہ ۱۹۹۸ء میں بھی ۳۹ غزلیں شامل کی گئیں۔ فروری ۱۹۹۸ء میں رِضوانہ تبسم دُرّانی کا سرائیکی غزلوں کا مجموعہ'' چیناں چینایں ونگ'' دبستانِ سحر ڈیرہ غازی خان نے شائع کیا۔ ۱۶۰ صفحات کی کتاب میں ۶۷ غزلیں شامل ہیں۔ اپریل ۲۰۰۶ء میں جھوک پبلشر ملتان سے شائع ہونے والے دو کتابچوں'' پیار دی چھاں'' میں شاہینہ خان کی ایک غزل مگر شبنم شاکر شجاعبادی کے دوسرے کتابچے'' کچ دی ونگ'' صفحات ۴۸ میں موضوعاتی

Scanned with CamScanner

حوالے سے ۳۴ غزلیں شامل کی گئیں۔ صابرہ شاہین کے مجموعے ''خالی ہنگ'' مطبوعہ ۲۰۰۷ء میں ۳۱ غزلیں شامل ہیں۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی مرتبہ کتاب ''خواتین کی سرائیکی تخلیقات میں عورت'' مطبوعہ ۲۰۰۶ء میں شامل شعری انتخاب میں ایک شاعرہ سحر سیال کی پانچ غزلیں شامل کی گئی ہیں۔

اِس دوران سرائیکی غزلوں کے انتخاب بھی شائع ہوئے۔ مثلاً ۲۰۰۳ء میں فیض بلوچ نے مشعلِ ادب ملتان سے ''سرائیکی شاعری اِچ غزل گوئی'' کے عنوان سے ۱۹۲ صفحات کی کتاب ۲۸ صفحے کے مضمون کے ساتھ مختلف غزل گو شعراء کا مختصر تعارف اور نمونہ کلام شائع کیا۔ اِسی سال ''شامِ غزل'' (شاہکار غزلاں) کے نام سے احسان اعوان نے مُرتّب کر کے جھوک پبلشرز سے شائع کی۔ اِس میں ۶۰ شعراء کی ۶۴ غزلیں ہیں۔ ۲۰۰۷ء میں سرائیکی ''سرائیکی چونڑویاں غزلاں تے ڈوہڑے'' کے مُرتّب عبدالرشید اُشتر ہیں۔

بلاشبہ سرائیکی غزل گوئی میں اقبال سوکڑی کا نام سب سے آگے ہے۔ اقبال سوکڑی کے مجموعے ''کالے رودہ چِٹی برف'' میں ملک عزیز الرحمان (سٹیشن ڈائریکٹر ریڈیو، ڈیرہ اسماعیل خان) لکھتے ہیں:

> ''اس خوبصورت اور مشکل سفر کے شروع میں بھی میری نظریں یہ بھی دیکھ رہی تھیں کہ اگر ہم نے کافی کے علاوہ غزل، گیت اور نظم، موسیقی کی ضرورت کے مطابق تیار نہ کیے تو پھر ہم ایک اور میدان میں پیچھے رہ جائیں گے۔ اقبال سوکڑی میرے وہ محترم دوست، ہمدرد اور بھائی ہیں جن پر میں تو کیا میرے سارے سرائیکی بھائی فخر کرتے ہیں خاص طور پر غزل کے میدان میں جو نئے نئے مضمون، نئی سوچیں اور نئے رنگ اس ہمارے شاعر نے زبان کو عطا کیے ان پر سرائیکی شاعری بجا طور پر فخر کر سکتی ہے''۔

Scanned with CamScanner

اقبال سوکڑی بنیادی طور پر نئی سرائیکی غزل کا نمائندہ شاعر ہے۔اس نے ہر قسم کے خیالات وجذبات کو غزل کے سانچے میں ڈھالا ہے۔وہ فطری طور پر غزل پسند ہے۔اس کے کچھ شعر دیکھیں:

کجھ دوستیں دا طور ، کجھ اپڑیں وفا دا رنگ
میکوں غزل دی بہوں وڈّی جاگیر ڈے گیا
مَیڈے ہتھ دے قلم خودکر ڈِتے ہن ہتھ قلم میڈے
میڈی ہر سوچ دا رانجھا غزل دی ہیر منگدا ہے
سوچ دے رانجھے ڈِتی کاغذ تے لفظیں دی مُہاگ
ہر غزل کوں ذہن دے بیلے دی ہیر آکھی گئے

اقبال کہیں تو ڈراؤنے مناظر کی عکاسی کر کے لوگوں کو خبردار کرتا ہے اور کہیں آنے والی تباہی کی نشاندہی کر کے تیاری کرنے کا درس دیتا ہے۔

جے ایہا وا چھڑتاں نکلو باہر کوٹھا ہے ضعیف
کیا خبر بھوئیں تیں ہنڑیں کمزور چھت آونڑ نے

زور آور ناحق پر ہوتے ہوئے بھی حق پر ہوتا ہے۔اقبال سوکڑی جبر اور ظلم کے اس رویے کو معاشرتی ناہمواری کے حوالے سے دیکھتا ہے اور استحصالی طبقے کی زیادتیوں کو واضح انداز میں بیان کر کے نچلے اور کمزور طبقے میں شعور کی لہر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے:

فلسفہ اُچّے تے جھکّے دا وَلا سوچیں ضرور
تیڈی گردن تے جڈاں ڈاہڈے دی لت آون لگے
تُوں پڑھ تاں ڈیکھ ایں دھرتی دے روزنامے کوں
نظر کریں تاں قیامت دی ہر خبر نظرے

Scanned with CamScanner

چاند، سورج اور صبح مثبت قدروں کی علامت کے طور پر برتے جانے والے وہ استعارے ہیں جن کے ذریعے شاعر ظلم اور جبر کے اندھیرے کو روشنی سے بدلنا چاہتا ہے۔ اقبال کے ہاں ''سحر'' کا استعمال دیکھیے:

اِیں ٹُوں پہلے جو رَل مِل کے سحر کیتی وَنج
اپنڑے اپنڑے حال تے ہِک ہِک نظر کیتی وَنج

''میں مٹی میں سونا'' رشید عثمانی کی غزلوں کا اچھا مجموعہ ہے۔ خود کہتے ہیں:

ڈینہہ رات میں سِنگریندا ہاں گلزار غزل دا

کتاب کا عنوان شعر میں شعری حسن کو واضح کرتا ہے:

کُکھ وی میں ہاں ، لکھ وی میں ہاں ، میں مٹی میں سونا
ڈیکھ کے میڈا ظاہر، میڈی قدر نہ کیتی یاراں

رشید عثمانی سرائیکی غزل کے ابتدائی شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ م۔ی قیصرانی کی جوارئے شروع میں درج کی ہے۔ اس کے حوالے سے ایک اردو شعر دیکھیں اور پھر رشید عثمانی کے سرائیکی شعر پر اس کے اثرات کا اندازہ لگائیں:

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اِک آگ سی ہے دل کے اندر لگی ہوئی

ہیں ٹُوں محبت آہدے ہوسن
پئی ہے دل وچ تھولی تھولی

ممتاز حیدر ڈاہر کا ''کشکول وچ سمندر'' غزلوں کا ایک نمائندہ مجموعہ ہے۔ اس میں ''کشکول'' طلب، عزتِ نفس کی موت، انا کی لاش، منفی اقدار اور زندگی کی حقیقتوں سے فرار کی، جبکہ ''سمندر'' زندگی کے حقائق کا اعتراف، حرکتِ عمل، سوچ وفکر کی روانی، جستجو، لگن اور تلاش کی

علامت ہے۔ ممتاز حیدر آج کے نئے دور کا حساس اور باشعور فنکار ہے۔ اپنے وجود کی پہچان اور اپنی ذات کی تلاش اس کی غزل کا بنیادی رویّہ ہے۔

اپنٹی گول اچ میں رات ڈینہہ حیدر
دربدر پھروا ہاں گدا وانگے

وہ مادیت پرست عہد کی منافقتوں کا کھلے انداز میں برملا اظہار کرتے ہوئے سراپا طنز بن کر احتجاج کرتا ہے۔

ساہ گھِندوں تاں رِشوتاں ڈِے تے
دَور جو ہے سفارشیں دا اَج

سلیم احسن کی ''جھکڑ جھولے'' صرف ایوارڈ یافتہ کتاب ہی نہیں بلکہ سرائیکی شاعری میں ایک اہم اور خوشگوار اضافہ ہے۔

رونڈیاں اکھیں کوں اے گل سمجھا چھوڑو
سجناں نئیں آونا تُساں بوہے وَلا چھوڑو

نواز جاوید کے مجموعے ''تانگھاں'' کی غزلوں کا موضوع پیار، محبت، محبوب اور رقیب کی باتیں ہی ہیں۔ مگر شاعر کا اصل جوہر ''عشق'' کے موضوع میں سامنے آتا ہے۔ عشق کا اظہار تو روایتی عاشق کا سا ہے مگر محبوب کا سراپا جاندار ہے۔

چنبے دی او بند کلی ہے یا ہے رُوپ کول دا
زُلفاں ریشم دے لچھے ہن مُکھڑا شعر غزل دا

قاسم جلال ''مُکھلاں دی سیج'' میں ''ہاسیاں دی چادر'' شک دا پکھی، سوچاں دے پیر اور

نفس دالوبھی کُتا''، جیسی تراکیب کے ساتھ نظر آتے ہیں تو عزیز شاہد ''تضمین'' میں یوں رنگ جماتے ہیں:

مُونجھ ملی تاں سُدھ پی اے سچ آکھیے یار فریدؒ

''درد منداں دے دیرے ہن جتھ کرڑ کنڈا بوئی ڈھیر''

ساقی سمینوی ''خالی جام'' میں موضوعاتی شعری تسلسل قائم رکھتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک غزل کا مطلع ہے۔

بلہا ناں تَساہاں پلا جام ساقی

تھئی بیٹھیں بیٹھیں اُتوں شام ساقی

دوسری غزلوں کا مقطع دیکھیں:

میں تَساہاں ساقی ناں کئی جام ولیں

توڑے اج ونجے تھی سَحر پیندیں پیندیں

احمد خاں طارق کی غزلیں کلاسیکی روایت سے جُڑی ہیں مگران کا کہنا ہے:

جڈاں طارق ویندوں سجدے وچ کئی غزل سُٹیندے کون ہوسی

مصطفیٰ خادم مضبوط آواز کا غزل گو ہے۔ اقبال سوکڑی اس کے مجموعے ''پارت'' میں اعتراف کرتے ہیں کہ:

''غزل شاعری کی مشکل ترین صنف ہے۔ خاص کر سرائیکی غزل جو اس زبان میں نو وارد ہے لکھنا بہت مشکل ہے کیونکہ صدیوں کا یہ گیپ سرائیکی شاعری نے کئی سالوں میں پُر کرنا تھا۔ غزل کو درباری انداز سے نکال کر

ایک نئے انداز میں لکھنا ذرا مشکل ہے۔ اس کے لیے غزل کی ہیئت کو مکمل طور پر تبدیل کرنا پڑتا ہے اور غزل کے لیے جو الفاظ صدیوں سے مخصوص آ رہے ہیں جن کو متروک قرار دینا پڑتا ہے۔ مصطفیٰ خادم کی غزلیں اس لحاظ سے غنیمت ہیں کیونکہ انھوں نے غزل کو جدید رنگ دینے کی کوشش کی ہے''۔

سرائیکی غزل میں علامت نگاری کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ لفظ ''روہی'' (چولستان) نے ہمارے ادب میں کئی علامتی مفہوم دیے ہیں مثلاً ویرانی، بہار، پیاس، دکھی ماندی روح، ہجر فراق، وصال اور جدو جہد وغیرہ۔ غزل کے ایک شعر میں یہ علامت دیکھیے :

دل دا چولستان نی ڈٹھا
اکھیں بن گئن روہی نالے

ممتاز حیدر ڈاہر کے ''کشکول وچ سمندر'' کا ایک شعر دیکھیں:

درخت پتلے وی ہن، سبھ زمین تے آ گئین
قبول کر چا دعا، ختم ہن اندھاری کر

اس شعر میں درخت، اندھاری، زمین اور دعا تمام لفظوں میں کئی معانی چھپے ہوئے ہیں۔ سرائیکی ادب میں علامت نگاری کو نظم و نثر میں متعارف کرانے والوں میں عامر فہیم کا بڑا ہاتھ ہے۔ ان کے شعر دیکھیں:

جنگل اَنت مکان بنڑایا، بن کراں دروازے
رات اندھاری سر تے آئی کیکوں ہکلاں ماراں

Scanned with CamScanner

کانے کانے لگدے سیہڑ اُکھوں نیر وہاون

جالیں چاچا بھجن شکاری منہ وچ پاپچکاراں

چنگاں چنگاں ٹُردی جنج اے چُلھوں لتھے توے

بال ہلوڑے اُکھ جھمکاون، ڈیکھن جھم قطاراں

سرائیکی غزل کے اس تمام سفر میں اس کا مزاج دیکھنے کے لیے چند منتخب شعر دیکھیں:

بے درد دل کوں کیا پتے دردیں دی شان دا

تھے سُرخ میڈیاں آہیں تُوں رنگ آسمان دا

شاکر تونسوی

سڈ یار کرے دوکھے جیہڑا اوکوں یارنی آہدے

لاغرض تے مغرور جیہڑا ہوئے اُوکوں دلدار نی آہدے

محمد اقبال اظہر

کلھوکی گالھہ ہے میں تُوں گھڑی نہ وِسدا ہا

ملیے جو اج تاں ٹُریا گئے متھے تے وَٹ پاتے

سفیر لاشاری

محبت، عقیدت تے نفرت ادھوری

اساں تاں کوئی شے وی کیتی نی پُوری

جہانگیر مخلص

Scanned with CamScanner

سجھ دا رستہ روکݨ اوکھا اے کیہہ تائیں شہر دے باہروں
لوک فدا اے رات دے کالے کوٹ اسریندے راہسن

فدا ملتانی

سُنج پتھاری، کھوکھلیاں کندھاں اتے خالی صحن
میں جتھاں رہنداں توں اوکوں میڈا گھر محسوس کر

شکیل تپانی

ہر قدم تے بَلیندا گیاں فن دے ڈیوے
سوجھلے وچ لگے آنون پچھوں آنوݨ آلے

ریاض رحمانی

(ب) موضوعاتی مذہبی شاعری

ا۔حمد

شروع سے یہ طریق رہا ہے کہ منظوم قصہ، داستان، مثنوی وغیرہ میں حمد یہ اشعار سے آغاز کیا جاتا رہا ہے۔سرائیکی مرثیہ بھی حمد، نعت، منقبت یا سلام وغیرہ سے شروع ہوتا ہے۔ جب سے شعری مجموعوں کا چلن ہوا۔ ہر شاعر تبرک کے طور پر ہی سہی حمد یا پھر نعت میں حمد یہ اشعار سے بسم اللہ کرتا ہے۔اگر یہاں سرائیکی حمد کی تاریخ بیان کی جائے تو لوک گیت اور صنف لوری سے آغاز کرنا ہوگا۔مگر یہ تفصیلات دیگر موضوعات میں شامل ہیں۔لہذا پچھلے پندرہ سالوں میں شائع ہونے والے منتخب سرائیکی شعری مجموعوں کے تذکرے پر اکتفا کیا جاتا ہے جنہوں نے باقاعدہ حمد کا اہتمام کیا ہے۔

۱۹۹۷ء میں نواز بزدار کا مجموعہ ''سِک سُرور'' چوٹی زیریں ڈیرہ غازی خان سے شائع ہوا۔ ۱۲۸ صفحات کی اس کتاب میں حمد کو خاص جگہ دی گئی۔ ۱۹۹۸ء میں ابنِ کلیم احسن نظامی کی ''سچا رنگ تصوف والا'' میں بھی حمد کو شامل کیا گیا ہے جسے کلیم پبلشرز ملتان نے شائع کیا۔نواز بُزدار نے ''حمد یہ سہ حرفی تے نعتیہ سہ حرفی'' کے عُنوان سے بزمِ اکرم مانہ احمدانی سے ۲۰ صفحے کا کتابچہ اپریل ۲۰۰۰ء میں شائع کیا۔نواز جاوید نے جون ۲۰۰۳ء میں ''ہِک دی سِک'' کے عنوان سے منتخب شعراء کا حمد یہ کلام ترتیب دیا ہے جسے سلیمان ادبی سنگت ڈیرہ غازی خان نے شائع کیا۔ ۴۰ صفحات میں ۲۱ شعراء کا کلام ہے۔ ۲۰۰۷ء میں ریاض حسین اِرم کا مجموعہ نُور دی بارش کو حمد و نعت کے مجموعے کا نام دیا گیا۔ جھوک پبلشرز ملتان نے اسے ۱۲۸ صفحات کی کتابی شکل میں شائع کیا جبکہ محمد اسلم میتلا نے تو سرائیکی زبان میں ''حمد'' کا پہلا مکمل مجموعہ کلام ''شانِ ذوالجلال'' کے نام سے تخلیق کر کے نومبر ۲۰۰۷ء میں جھوک پبلشرز ملتان سے شائع کرایا۔ یہ اسّی صفحات کی کتاب ہے۔

اِن کے علاوہ چند مجموعے نواز خوشدل کا ''ڈکھ دے پندھ'' (۱۹۹۸ء) علی محمد قمر کا ''تیرونشتر'' دیوان فخر (۲۰۰۰ء) ہمراز سیال اُچوی کا ''ہر پھل زخمی'' (۲۰۰۱ء) صوفی محمد یار بے رنگ کا ''دیوانِ بے رنگ'' (۲۰۰۲ء) ایاز سہروردی کا ''سروزِ سارباں'' (۲۰۰۴ء) نور محمد سائل ڈیروی کا ''قلندر سمندر'' (۲۰۰۴ء) اللہ بخش یاد کا ''میڈا امتھاوطن'' (۲۰۰۴ء)، نادر لاشاری کا ''آس ادھوری'' (۲۰۰۶ء) اور وارث علی وارث کا ''اَن ڈٹھے خواب'' (۲۰۰۸ء) اَیسے مجموعے ہیں جن میں حمد شامل کی گئی ہے۔

۲۔نعت

سرائیکی زبان کا دامن نعت شریف اور مولود شریف (ایسی نعت جس میں آنحضورﷺ کی ولادت باسعادت کو موضوعِ سُخن بنایا گیا ہو) سے بھرا ہوا ہے۔نعت کا لفظ چونکہ صرف شاعری کے موضوع کی طرف اشارہ کرتا ہے اس لیے سرائیکی میں نعت مختلف شعری اصناف کی ہیئت میں کہی گئی ہے۔نور نامے، معراج نامے، حلیہ نامے یا حلیہ مبارک، تولد نامے، درود نامے، تاج نامے، معجزہ معراج وغیرہ کے علاوہ قصیدہ، مثنوی، کافی، غزل، رباعی، ڈوہڑہ، اور دیگر تمام اصناف میں نعت شریف کا فیض جاری ہے۔سرائیکی نعت کا زیادہ تر موضوع ولادت باسعادت، سراپا، واقعہ معراج، درود وسلام، روضہ اقدس کی زیارت کی خواہش، اپنے کمتر ہونے کا اظہار اور مدنی سرکار سے محبت میں ہجر وفراق کی کیفیت کا بیان رہا ہے۔

سرائیکی شاعری میں لوک شاعری کی طرح نعت سے آغاز ہوتا ہے مثلاً سرائیکی لوری کا یہ شعر دیکھیں:

اٹھی جاگ محمدؐ سید صبح حبیب
بچھ ناں اکھیں لایاں جاگے چندر غریب

سرائیکی شاعری کے اولین اسلامی دور میں حمد وثنا کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف وتوصیف کولازمی قرار دیا گیا ہے۔ پروفیسر عامر فہیم کہتے ہیں کہ:

''ہماری سرائیکی شاعری کا ارتقا تو ہوتا ہی حمد باری تعالیٰ سے ہے یا نعت رسول مقبول ﷺ سے۔ جتنی پرانی کہانیاں ہیں، مثنویاں ہیں، لوک قصے ہیں سب کے آغاز میں دعا ہے، بارگاہِ رسالت مآب میں کہ اسے قبولیت کا درجہ ملے''۔(ح۔۱۸)

جبکہ اُمّید ملتانی کا کہنا ہے:

''ملتان (سرائیکی علاقہ مراد ہے) کے لوگوں کو ثنا خوانی سے اور مولود شریف کہنے، لکھنے، پڑھنے اور سننے سے اتنی محبت تھی اور اب بھی ہے کہ یہاں اس حد تک رواج پڑ گیا کہ جنازے کے ساتھ بھی مولود شریف پڑھے جاتے ہیں جس کا کسی اور جگہ رواج نہیں ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ملتان کے لوگوں کو کملی والے ؐ کی ثناخوانی کا اتنا شوق ہے جس کی مثال بہت کم ہی ملے گی''۔(ح۔۱۹)

اسی طرح ارشد ملتانی لکھتے ہیں:

''میں یہ دعوٰی آسانی سے کرسکتا ہوں کہ سرائیکی نعت رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے جتنی محبت، عقیدت اور جذبے کی شدت سے اظہار کرتی ہے، والہانہ عشق کا وہ ارفع مقام دنیا کی دوسری کسی زبان کی نعت کو حاصل نہیں ہوگا''۔(ح۔۲۰)

حضرت مُلاّ کے ''نورنامے'' اعظم چانڈیہ کے ''حُلیہ مبارک'' پیارا شہید کے ''معراج

نامے'' جیسی روایت کے بعد منظوم مذہبی کتب میں نعتیہ اشعار کا بیان ملتا ہے۔ جیسے مولانا عبدالکریم جھنگوی کی مشہور کتاب ''نجات المومنین'' اور پھر فقیر محمد یار جھنگوی کی ''نافع الصلوۃ'' اس کی مثالیں ہیں۔

منظوم قصوں، داستانوں اور مثنویوں میں بھی شعراء نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ یہاں تک کہ سندھ کے حضرت سچل سرمستؒ اور حمل خان لغاری جیسے شعراء کے ہاں سرائیکی کلام میں جدید نعت کے خدوخال دکھائی دینے لگے۔ خیر شاہ تونسوی، امام الدین ہزاروی، فیض مشہدی اور فقیر محمد عارف سے ہوتے ہوئے خلیفہ یار محمد ملتانی، غلام قادر ملتانی، منشی محمد بخش فائق ملتانی، منشی محمد رمضان، بہار ملتانی تک سرائیکی نعت کا سفر کسی نہ کسی شکل میں جاری رہتا ہے۔ اس دوران سرائیکی شاعرات بھی پیچھے نہیں رہیں۔ جیون خاتون نکمی (۱۸۳۵ء۔۱۹۱۸ء) کا یہ شعر دیکھیں:

اُڈریں نی گُونجاں موہروالی ہے کالی
نِکمی اللہ میلے مٹھا عرب دا والی

حضرت خواجہ غلام فریدؒ کی آنحضورؐ کی یاد اور مدح میں لکھی گئی نعتیہ کافیاں جیسے:

اُتھاں میں مُٹھڑی نت جان بلب
او تاں خوش وسدا وچ ملک عرب

کے بعد سرائیکی نعت بیسویں صدی عیسوی میں داخل ہوتی ہے۔ مولانا نور احمد فرید آبادی کے ''دیوان احمدی'' کے علاوہ حضرت محمد یار بلبل فریدی کے ''دیوان محمدی'' میں شامل سرائیکی نعتیں ایک زریں دور کی نشاندہی کرتی ہیں۔ شعر دیکھیں:

حقیقت محمد دی پا کوئی نہیں سگدا
اِتھاں چُپ دی جاہے الا کوئی نہیں سکدا

بیسویں صدی عیسوی کا پہلا نصف ایسا دور ہے کہ سرائیکی علاقے کے ہر شہر اور قصبے میں معروف نعت گو شعراء کا جم غفیر نظر آتا ہے۔ ضلع مظفر گڑھ کی مثال لے لیجیے۔ ''مولود اور نعت لکھنے والے شاعروں میں مولوی مسکین، میرن شاہ، مولوی صدیق، مولوی خادم، غافل، مولوی کتر، مولوی گلشن، فقیر مسافر، منشی محمود کوٹی، غلام سیت پوری، نور جعفری، عبرت جانباز جتوئی وغیرہ کے نام آتے ہیں''۔ (ح۔۲۱)

غلام سیت پوری کا نمونہ کلام دیکھیں:

ڈکھ درد آوی سَڈ مدنی کُوں، پہلے پہنچ ویندے اَکھ پھڑ کن توں
غِلمان پری پَٹ وات بہن ،اُوندی زلف سیاہ دے لُوکن توں
خود آپ خدا قربان تھیوے، اُوندے مِٹھڑے سُر کن توں
پھٹ زخم غلام ڈکھاں اڑین ، کرے فرق نہ مرہم پُرکن توں (ح۔۲۲)

محمد بخش شاطر، فقیر بخت علی بخت، فیض محمد دلچسپ جیسے شعراء کے نام سرائیکی نعت کے جدید دور میں آتے ہیں مگر ان سے پہلے قدیم سرائیکی شعراء کی بیاضوں سے لے کر چھپنے والے دواوین اور مجموعہ کلاموں تک میں سرائیکی نعت نہ صرف شامل رہی ہے بلکہ اس نے مختلف اصناف سخن کی شکل بھی اختیار کی ہے۔ مثلاً ۱۹۱۳ء (۱۳۱۳ھ) میں مرزا عبدالسبحان بہاولپوری کا ''تحفہ سبحانی'' (صفحات ۳۲) ناشر کتب خانہ سبحانی بہاولپور ایک مثال ہے۔ مولوی میر باز محکوم کا ''تذکرۃ المظلوم''، اللہ ڈیوایا پر جوش کا ''کلام پر جوش'' حاجی محمد علی اکبر قادری کا ''دیوان اکبری''، محمد نواز شاہ اختر کا ''بیاضِ کوثر'' اللہ وسایا منشی محمود کوٹی کا ''جذبات مُنشی''، منشی نبی بخش ذوق کا ''گلستان ذوق'' امیر بخش شاہ کا ''دیوانِ امیر'' مولانا محمد بخش عاجز کا ''دیوان عاجز'' سے لے کر مولانا نصیر الدین خرم بہاولپوری کے ''خیابانِ خرم'' غلام حیدر یتیم جتوئی کے ''دُرِیتیم'' سائیں داد کلہوڑہ کے ''عشق دی نویں بہار'' رشید عثمانی کے ''اکھیں دے جگارے'' ممتاز احمد زاہد کے

''ڈسکیاں'' یہاں تک کہ حیدر گردیزی کے ہائیکوز کے مجموعے ''ساہ دی بُگل'' تک میں سرائیکی نعت کے فنی ارتقا اور صنف وار سفر کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ سرائیکی نعت گو شعراء شروع سے آج تک سرائیکی نعت میں نت نئے تجربات بھی کرتے رہے ہیں۔ جیسے محمد اسلم میتلا لکھتے ہیں:

''اس مجموعے میں نعتیں، نعتیہ قطعے، مولود شریف، نظم، مستزاد، نظم معریٰ شامل ہیں۔ کچھ نئے تجربے بھی کیے ہیں''۔ (ح۔۲۳)

اگرچہ ۱۹۳۸ء میں فقیر بخت ''ختم رسل دی شان'' کے عنوان سے چودہ مولود شائع کر چکے تھے اور محمد رمضان طالب ۱۹۵۲ء میں نعتیں لکھ رہے تھے۔ جیسے:

یا محمد مصطفیٰ میڈے دل دی آس پچا

ہاں مشتاق دیدار تیڈے دا جندڑی نہ ترسا

تمام سرائیکی شعری کتابوں میں خواہ وہ حمد، نعت، منقبت، مرثیہ پر ہی کیوں نہ مُشتمل ہوں۔ نعتیہ شعر، اشعار یا نعتیں ضرور شامل رہی ہیں۔ اِن سے ہٹ کر نعت گو شعراء کی اِنفرادی نعتیہ شاعری پر مُشتمل کتابوں اور کتابچوں کا جائزہ پندرھویں صدی ہجری کی تخصیص کے ساتھ شعراء کی الفبائی ترتیب سے پیش ہے۔

ابنِ کلیم احسن نظامی کی ''گلہائے مدینہ المعروف ''پھُلاں دی چنگیر'' میں سرائیکی نعتیں بھی شامل ہیں۔ ستمبر ۱۹۹۸ء میں ۳۲ صفحے کے اِس کتابچے کو کلیم پبلشرز ملتان نے شائع کیا ہے۔ ارشاد جھنڈیر جو مرثیہ گو شاعر گذرے ہیں۔ ۲۰۰۶ء میں چھپنے والی ''رموزِ مئودت''۔ حصہ دوم اس سلسلے کی کتاب ہے۔ اسد ملتانی کا ''کلیاتِ اسد ملتانی'' ۲۰۰۴ء میں سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان نے شائع کی۔ سرائیکی نعتیہ شعر دیکھیں:

اے ویلھا نور حضور دا ہے ...... گھر گھر جلوہ طور دا ہے

اقبال حسن بھپلا کا نعتیہ مجموعہ ''منگتا مدینے دا'' شوکت بھپلا اکیڈمی ملتان نے ۱۹۹۸ء میں ۴۸ صفحات پر مشتمل شائع کیا۔ دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۳ء میں سامنے آیا۔ اُمید ملتانی کی ''مدنی سئیں سلطان'' صفحات ۹۶ مئی ۱۹۸۸ء میں چھپی۔ اِسے ہجرہ ایوارڈ بھی ملا۔ لغت میں اپنی ذات کے حوالے سے انفرادی فلاح و بہبود اور سعادتوں کی خاطر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے دامن پھیلا کر عرض معروض کرنا ایک قدیم روایت ہے۔

جبکہ آنحضورؐ کے معجزات کو واقعہ بنا کر پیش کرنے کی بجائے انسانیت کی فلاح و بہبود اور معصیت سے رُستگاری کے ساتھ مُنسلک کر کے حقیقت اَفروز اسلُوب اختیار کرنا جدید روایت ہے۔ اِس حوالے سے جب ہم اُمید ملتانی کے نعتیہ مجموعے ''مدنی سئیں سلطان'' کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ ہمیں قدیم و جدید نعت کے سنگم پر نظر آتے ہیں۔ انھوں نے قدیم روایت کو جدید اسالیب سے آراستہ کیا ہے۔

ایم۔ اے راہی کی ۵۶ صفحات پر مشتمل ''سردارِ انبیاء'' انصاف کتاب گھر ڈیرہ غازی خان نے شائع کی۔ ایم۔ بی اشرف کی پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر طویل نعت ''کونین دا سُنہڑپ'' کتابی شکل میں شہباز سرائیکی سنگت جہانیاں ملتان نے ۲۴ صفحے پر مشتمل شائع کی۔ ایم ڈی گانگا کی ۳۲ صفحات پر مُشتمل ''ہِک عربیؐ دی'' گانگا ادبی اکیڈمی رحیم یار خان نے دسمبر ۲۰۰۱ء میں شائع کی۔ بخت فقیر سئیں کلاسیکی روایت سے جُڑے ہیں۔ جنوری ۱۹۸۹ء میں ''رحمت دی ڈات'' ان کے بیٹے بخت زادہ محمود الحسن اویسی نے مُرتّب کر کے احمد پور لمّہ صادق آباد سے شائع کیا۔ ان کے ۸۰ صفحات ہیں۔ خواجہ فریدؒ سرائیکی سنگت صادق آباد نے بشیر احمد دیوانہ ''سوہناں ساوا روضہ'' صفحات ۳۲، نومبر ۲۰۰۱ء میں شائع کیا۔ بیگم نصرت عبدالرشید (والدہ بشریٰ رحمٰن) کی '' آہِ سحر گاہی'' صفحات ۳۳۰ کو ۱۹۸۱ء میں وطن دوست لمیٹڈ لاہور نے شائع کیا۔ ۱۲۷ نعتوں میں سرائیکی بھی ہیں۔ نمونے کا شعر دیکھیں:

الف تے میم نے اَکھ لڑائی .... یاری لا کے توڑ نبھائی

جعفر حسین ثاقب کا ''اساں پنڑیں ہیں'' جھوک پبلشر ملتان نے ۳۲ صفحات پر مشتمل اپریل ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔ خواجہ علی اکبر کا ''فیوضاتِ اکبری'' درگاہ ٹھی ہوت مہر۔ بہاولپور سے ۲۷۲ صفحات پر مشتمل اگست ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔ جبکہ خواجہ محمد یار فریدی بُلبل کا ''دیوانِ محمدی'' مرتب کر کے آستانہ عالیہ گڑھی شریف خان پور سے شائع کیا جاتا رہا ہے۔ پانچویں اشاعت مئی ۱۹۹۱ء میں ۲۶۴ صفحات پر شائع ہوئی۔ خواجہ نور احمد فریدی کا ''دیوانِ احمدی'' قصر الادب۔ ملتان نے شائع کیا۔ کل ۲۳۸ صفحات میں کافیاں، ڈوہڑے، رُباعیات ہیں جبکہ آخری ۱۲ صفحے خواجہ محمد اعظم کے ڈوہڑے بھی شامل ہیں۔

حافظ رسول بخش حافظ مانہ احمدانی کا ''گلدستہ عقیدت'' دیوان حافظ کی صورت میں پہلے قسط وار شائع ہوتا رہا۔ آٹھ آٹھ صفحوں پر مشتمل پہلا حصہ اپریل ۱۹۷۰ء میں چھپا جبکہ حصہ چودہ ۱۴۰۹ھ میں، پندرہ ۱۴۱۰ھ میں، سولہ ۱۴۱۱ھ میں، سترہ ستمبر ۱۹۹۱ء میں اٹھارہ محرم ۱۴۱۴ھ (جون ۱۹۹۳ء) میں، انیس محرّم ۱۴۱۵ھ (جون ۹۴ء) میں، بیس محرّم ۱۴۱۶ھ (جون ۹۵ء) میں اکیس محرّم ۱۴۱۷ھ میں شائع ہوا جبکہ مکتبہ حاجی مشتاق احمد ملتانی نے انھیں اکٹھا کر کے دو کتابوں ''مٹھے مدنی دیاں نعتاں'' صفحات ۸۰ اور ''پاک نبیؐ دیاں نعتاں'' صفحات ۶۴ کی صُورت میں ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔ حافظ نذیر احمد کا ۳۲، ۳۲ صفحات پر مُشتمل دو کتابچے '''' تھیواں نبیؐ دے صدقے'' اور ''سئیں دے سہرے'' ۲۰۰۴ء میں مخدوم پبلشر مُلتان نے شائع کیے۔ حق نواز نشتر کا ''کلام نشتر'' حصہ اول ۲۰۰۵ء میں چھپا۔ حمید اُلفت ملتانی کی یک صد منظومات جن میں ۹۹ اِسماء النبیؐ کو نظم معرّیٰ کے ذریعے منظوم کیا گیا ہے ''میمؐ دے اولے'' کے عُنوان سے تھل دمان سرائیکی سنگت لیہ نے ۱۱۲ صفحات کی کتابی شکل میں ۲۰۰۷ء میں شائع کیا ہے۔ حیات شاہ شہباز سیّد کا ''پیار دیاں نعتاں'' صفحات ۴۰ میں جنوری ۹۹ء میں الٰہ آباد لیاقت پور سے چھاپا۔ جبکہ حبیب اللہ عظیمی کا شاہ جمال ضلع مظفر گڑھ سے ''سرائیکی انمول موتی'' ۸۰ صفحات کی کتابی شکل میں شائع ہوا۔ جس میں

Scanned with CamScanner

حمد، مرثیہ و دیگر شاعری بھی شامل ہے۔ خلیل احمد خلیل کا ''حضورؐ دے سہرے'' سرائیکی ادبی اکیڈمی بہاولپور سے مارچ ۹۲ء میں بشیر احمد سعیدی نے ۶۴ صفحات پر مشتمل شائع کرایا۔

''دلشاد کلانچوی تے اِنہاں دی نعتیہ سہ حرفی'' جمشید کلانچوی نے ۱۹۹۷ء میں اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور سے چھپوائی۔ جبکہ دلنور نور پوری کی ''کمال قدرت'' جس میں شاکر شجاع آبادی کا نعتیہ کلام بھی شامل ہے جھوک پبلشر ملتان سے ۶۴ صفحات کی کتاب میں پہلے اگست ۲۰۰۴ء میں پھر ۲۰۰۶ء میں شائع کیا گیا۔ ریاض حسین اِرم کا حمد و نعت پر مشتمل مجموعہ ''نور دی بارش'' صفحات ۱۲۸ جھوک پبلشر ملتان ہی نے ۱۲۸ صفحات کی کتابی شکل میں پہلے ۲۰۰۷ء میں اور پھر اپریل ۲۰۰۸ء میں چھاپا۔ سرور قریشی کا ہجرہ ایوارڈ یافتہ ''تَن روشنی مَن روشنی'' احمد پور شرقیہ سے ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ سفیر لاشاری کا ''نور گر'' ۱۲۸ صفحات پر مشتمل سفیر ادبی سنگت محراب والا نے ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔

شاکر شجاع آبادی کا (کمال قدرت ۲۰۰۴ء کے بعد) ''مِلدے خدا مدینے'' صفحات ۳۲ جھوک پبلشرز ملتان نے نومبر ۲۰۰۷ء میں چھاپا۔ شائق بزدار کا ''خوشبو'' نواں جنوبی چوٹی زیریں ڈیرہ غازی خان سے ۸۰ صفحات پر مشتمل دسمبر ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔ شباب ڈیروی کا ''کونین دا والی'' صفحات ۴۸ سوچ سنجان سرائیکی سنگت شاہ صدر دین نے اگست ۱۹۹۱ء میں شائع کیا۔ نور محمد سائل ڈیروی کی ''قلندر سمندر'' ۲۰۰۴ء میں فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان نے شائع کیا۔ اس میں ۲۲ نعتیں ہیں۔

ظفر حسین ظفر فریدی کا ''مِلدا اہے کیا مدینے'' ۳۲ صفحے ۲۰۰۶ء میں، ''خیرات مدینے دی'' ۳۲ صفحے، اکتوبر ۲۰۰۷ء میں اور ''حضور دے سہرے'' ۳۲ صفحے اگست ۲۰۰۸ء میں جھوک پبلشر ملتان نے شائع کیے۔ عابد حسین ظامی کا ''نبیؐ دی عظمت'' صفحات ۴۸ جھوک پبلشر نے ہی اگست ۲۰۰۸ء میں عبدالرشید شاد کا ''سِلک درود'' ۲۰۰۷ء میں اور عارف حسین شاہ عزشین کا ''عشق مدینے دا''، ۳۲ صفحے ۲۰۰۸ء میں جھوک پبلشر ملتان نے ہی شائع کیے۔ غلام حسین قمر کا

Scanned with CamScanner

''مدنیؐ دے سہرے'' آٹھ صفحے، غلام محمد واصف کا ''دیوانِ واصف'' صفحات ۱۴۴ کو سنہڑا ادبی اکیڈمی بہاولپور نے ستمبر ۹۹ء میں شائع کیا۔ اِس میں حمد اور منقبت بھی شامل ہیں۔ شاعر تھل فیض محمد سندھڑ کے اڑھائی سو سے تین سو کے درمیان شعری مجموعے کتابچوں اور کتابوں کی صُورت میں شائع ہو چکی ہیں، جن میں ایک بڑا حصہ مذہبی شاعری پر مُشتمل ہے۔ اِن کا نِصف القسم ''سہرے حضورؐ دے''، ''محبوب رسالت''، عرب دا چَن، ''فیض مصطفیٰ''، ''محسنِ کائنات'' محمدی چمن ''مدینے دے موتی''، نُوری گلشن'' وغیرہ نعتیہ مجموعے میں ''محسن کائنات'' ۳۲ صفحے فیض آباد لیّہ سے ''میم مقدّس'' صفحات ۱۲۴ دربار پیر حسن علی گیلانی منزل لیہ سے ۲۰۰۴ء میں چھپا'' جلوے حضور دے'' اور'' تانگاں ڈھول دیاں'' ۱۲۴ صفحات پر مُشتمل ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا ہے۔

''میلادِ مصطفیٰ'' صفحات ۳۲ اور ''عقیدت دے ہیرے'' صفحات ۸۰، انصاری بک سنٹر لیہ سے شائع ہوا۔ فدا حسین شہباز کا ''زُلف ملوک۔ محمد ئیں دی'' جھوک پبلشر ملتان نے ۶۴ صفحات پر مُشتمل ۱۹۹۹ء میں جبکہ گلشاد قادری کے ''مدنیؐ دے سہرے'' (صفحات ۱۱۱۰) ۲۰۰۶ء میں دو بار اور ''سرکار دے سہرے'' صفحات ۳۲ جون ۲۰۰۷ء میں شائع کیے۔

مصطفیٰ عزیز کا ''ثناتھی وَنجے'' صفحات ۳۲، (۲۰۰۵ء) جبکہ مظلوم فریدی کا ''مظلوم دی فریاد'' (صفحات ۱۶) دلنور سرائیکی ادبی پبلیکیشنز نور پور نورنگا نے ۲۰۰۵ء میں شائع کیا۔ اس میں حمد کے علاوہ ایک نثری افسانہ بھی ہے۔ محمد اسلم میتلا کا نعتیہ کلام ''گلشن سرکار'' میتلا پبلی کیشنز جہانیاں خانیوال سے ۱۹۹۵ء میں ۱۲۰ صفحات کی کتابی شکل میں شائع ہوا۔ محمد اکرم قریشی کا ''نعتیہ کلام اکرم'' بزمِ اکرم مانہ احمدانی سے صفحات آٹھ پر مشتمل مئی ۹۱ء اور اگست ۹۹ء میں چھپا۔ محمد ایاز فیض کا ''فیض دے موتی'' ۳۲ صفحے ۲۰۰۶ء میں چھپا۔ محمد بخش اظہر کا ۱۹۹۷ء میں ''دیوانِ اظہر۔ حصہ دوم'' سرائیکی نعتوں پر مُشتمل مارچ ۱۹۹۹ء میں ۲۲۴ صفحات کی کتابی شکل میں مکتبہ اسلامیہ رضویہ شجاع آباد سے چھپا جبکہ ''علامہ اَظہر کی چند مشہور نعتیں'' صفحات ۱۸ بھی اِس سال اِس ادارے سے چھپی۔ محمد رمضان طالب کی دو کتابیں ''سوچاں سُکھ دیاں'' مئی ۸۷ء اور مارچ ۹۶ء

میں جبکہ ''پنھوار'' مارچ ۹۲ء اور اپریل ۹۲ء میں دو دو بار ۹۶،۹۶ صفحات پر مشتمل فریدؒ سرائیکی سنگت ڈیرہ غازیخان سے شائع ہوئیں۔ ''سی حرفی'' ۱۶ صفحے جون ۲۰۰۰ء میں اس ادارے نے جبکہ ''سوہجل سہرے'' ۳۲ صفحے ستمبر ۲۰۰۳ء میں دبستانِ سحر ڈیرہ غازیخان اور ذکر و فکر (درود و سلام کا مجموعہ) صفحات ۳۲ کو ۲۰۰۷ء میں فریدؒ سرائیکی سنگت نے ہی شائع کیا۔

محمد شہزاد اثر کا کتابچہ ''دربار مدینے دا'' (صفحات۔۳۲) ۲۰۰۸ء میں چھپا۔ محمد صدیق نازک کا ''نور دا سوجھلا'' صفحات ۳۲ جھوک پبلشر ملتان سے اور ''ثنا مصطفیٰ دی'' بھی اتنے صفحات کا اسی ادارے سے ۲۰۰۷ء میں چھپے۔ محمد نواز نیازی کا ''کونین دا گھوٹ'' ۲۰۰۵ء میں ۴۸ صفحات پر مشتمل شائع ہوا۔ حمید نواز عصیم قادری کا ''چمنستان نعت'' حمید نواز عاصم قادری نے مرکزی ادارہ فیوضات نقشبندیہ مجددیہ ملتان سے جنوری ۱۹۹۳ء میں شائع کیا۔ اس کے ۱۲۸ صفحے ہیں۔ محمد نیازی جوئیہ کا کتابچہ ''محمد دے دروی غلامی'' (صفحات۔۳۲) جھوک پبلشرز ملتان نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا۔

نواز بزدار کی ''محمدیہ سی حرفی تے نعتیہ سی حرفی'' (صفحات۔۴۰) بزم اکرم مانہ احمدانی نے اپریل ۹۹ء اور پھر ۲۰۰۰ء میں شائع کی جبکہ اس سے پہلے نعتیہ مجموعہ ''ہک سرور'' چھپ چکا تھا۔ ناظم نگاری کا ''ہک مدینے دی'' (صفحات ۳۲) مخدوم پبلشر ملتان نے ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔ نواز جاوید کی ''بہار عقیدت'' نومبر ۲۰۰۰ء اور مارچ ۲۰۰۳ء میں ادارہ ادبی دنیا ڈیرہ غازی خان نے شائع کیا۔ اس میں اعجاز ڈیروی کا اردو کلام بھی شامل ہے۔ ''رحمت اللعالمین'' (صفحات ۴۰) فروری ۲۰۰۱ء میں سلیمان ادبی سنگت ڈیرہ نے شائع کیا۔ نور احمد کھتر کلاسیکل شاعر کا ''کلام کھتر'' کلام جیلانی چاچڑ نے ۱۲۸ صفحات پر مشتمل جماعت اہلسنت سہائے والا مظفر گڑھ سے ۲۰۰۲ء میں شائع کرایا۔

اب نعتیہ کلام پر مشتمل مختلف شعراء کا جو کلام مرتبہ کتابوں اور کتابچوں کی شکل میں شائع ہوتا رہا ہے اس کا ایک جائزہ پیش ہے۔ احمر پبلشر ملتان نے ''سرائیکی نعتاں'' ۲۰۰۳ء میں

چھاپا۔ احمد بخش احمد کا مرتبہ ''نور دیاں لاٹاں'' (صفحات۔۳۲) جھوک پبلشرز ملتان نے ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔ امداداللہ خان امداد نے امداد سرائیکی سنگت رحیم یار خان سے ''مدینے دے سہرے'' (صفحات۔۴۸) ۲۰۰۰ء میں شائع کیا۔ بشیر احمد مغفور سعیدی بہاولپور نے اب تک کم و بیش چودہ مجموعے مرتب کر کے شائع کرائے ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

☆ جلوے حضورؐ دے۔ صفحات ۶۴۔ جھوک پبلشرز ملتان ۲۰۰۴ء۔ دوم اپریل ۲۰۰۶ء

☆ سہرے پاک نبیؐ دے۔ (۳۹ شعراء) ۴۲ نعتیں۔ ۶۴ صفحات۔ جھوک پبلشرز ملتان۔ جون ۲۰۰۵ء

☆ عظمتِ رسولؐ۔ ۲۳ صفحات۔ مکتبہ کنز الایمان۔ بہاولپور ۱۹۹۱ء

☆ فیضانِ مدینہ۔ ۶۴ صفحات۔ سرائیکی ادبی مرکز۔ بہاولپور۔ دسمبر ۱۹۹۵ء

☆ مِٹھر امدینہ۔ ۶۴ صفحات۔ اکادمی سرائیکی ادب۔ بہاولپور ۱۹۹۷ء، ۲۰۰۴ء

☆ محبت رسولؐ۔ ۶۴ صفحات۔ سرائیکی ادبی اکیڈمی بہاولپور، طبع دوم مارچ ۹۲ء۔ سوم مارچ ۹۳ء پنجم جنوری ۹۶ء، ششم دسمبر ۹۸ء، (کتابستان بہاولپور) ۲۰۰۴ء

☆ مدینے دے موتی۔ ۶۴ صفحے۔ کتابستان بہاولپور

☆ مدینے ہوواں ہا۔ ۶۴ صفحے۔ دلنور سرائیکی پبلیکیشنز نور پور نورنگا۔ طبع پنجم ستمبر ۹۲ء، ہفتم جنوری ۹۶، سرائیکی ادبی مرکز بہاولپور۔ ہشتم دسمبر ۹۸ء کتابستان لاہور۔

☆ نُوری پھُل۔ ۶۴ صفحے۔ کتابستان بہاولپور، دسمبر ۱۹۹۸ء

☆ نُور دیاں لاٹاں۔ ۶۴ صفحے۔ سرائیکی ادبی اکیڈمی۔ بہاولپور، مارچ ۱۹۹۲ء

☆ نُوری جلوے۔ ۶۴ صفحے۔ جھوک پبلشرز ملتان، دسمبر ۲۰۰۵ء

☆ نُوری سمندر۔ ۶۴ صفحے۔ کتابستان۔ بہاولپور، ۱۹۹۹ء

☆ نُوری سہرے۔ ۶۴ صفحے۔ سرائیکی ادبی مرکز۔ بہاولپور طبع اول ستمبر ۹۲ء، طبع سوم دسمبر ۹۵ء، طبع چہارم دسمبر ۹۸ء۔ کتابستان بہاولپور۔

بشیر دیوانہ صادق آبادی کے دو مجموعے ''سرکار دے سہرے'' صفحات ۴۸، ۳۵ شعراء کی نعتیں نومبر ۲۰۰۵ء میں اور ''سرکار دے نعتاں'' ۳۲ صفحے جنوری ۲۰۰۷ء میں خواجہ فریدؒ سرائیکی سنگت صادق آباد نے شائع کیے۔ دلنور نُور پوری کے مُرتّبہ تین مجموعے شائع ہوئے۔ ''نورد ی کِنز مِنز'' ۱۹۹۸ء میں چھپی۔ دلنور اور محمد منّور سراج نے ۳۲ صفحات کی اُردو سرائیکی نعتوں پر مشتمل دسمبر ۹۹ء میں بھی شائع کی ''نُوری نعتاں'' دلنور پبلی کیشنز نور پور نورنگا سے صُفحات ۴۸ اِشاعت نمبر ۷، ۱۹۹۷ء، نمبر ۸، ۱۹۹۹ء نمبر ۹ (۳۲ صفحات) ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔ ''نُورئی نظارے'' دلنور سرائیکی پبلیکیشنز سے صفحات (۳۲) جنوری ۱۹۹۸ء اور پھر ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔ زید جعفری کی دو کُتب ''انتخابِ ادب'' مُلتان نے ۶۴، ۶۴ صفحات پر مُشتمل شائع کیں۔ ''شاہِ مدینہ'' اور ''نعتیہ ڈوہڑے'' کا سالِ اشاعت ۲۰۰۱ء ہے۔ دلنور سرائیکی پبلیکیشنز نُور پور نُورنگا کی ''شان رسولؐ''، صفحات ۶۴ میں سرائیکی نعتیں بھی ہیں اِسے شفقت رسول کھوکھر نے مُرتّب کیا ہے۔ شاہد دھریجہ کی مُرتّبہ ''تھیواں صدقے صدقے'' جھوک پبلشرز ملتان نے ۲۰۰۱ء میں شائع کی۔ محمد مُنّور سراج کی ''صِفتاں حضور دیاں'' روہی ادبی اکیڈمی ڈیرہ نواب صاحب نے ۲۰۰۰ء میں اور نادر لاشاری کی مُرتّبہ ۳۸ شعراء کی نعتیں صفحات ۶۴ ''گلدستہ نعت'' کے عُنوان سے اکتوبر ۲۰۰۵ء میں جھوک پبلشرز ملتان نے شائع کی۔

الغرض سرائیکی نعت مولود، کافی، ڈوہڑے، سے ہوتی ہوئی آج ہائیکو اور سرائیکو تک جیسی جدید اصنافِ سُخن میں کامیابی کے ساتھ لکھی جارہی ہے۔ نہ صرف یہ کہ زیادہ تر شعری مجموعوں میں نعت بھی شامل ہوتی ہے بلکہ کثیر تعداد میں نعت کے الگ مجموعے بھی تواتر سے شائع ہورہے ہیں۔

- مرثیہ

مرثیہ ایسی شعری صنف ہے جو پوری مسلمان قوم کے مذہبی جذبات کی آئینہ دار ہے۔ اس کا تعلق خارجی شاعری سے ہے۔ سانحہ کربلا ۶۱ ھ بمطابق پہلی اکتوبر ۶۸۰ء کے بعد جب حضرت امام حسینؓ کے صاحبزادے حضرت امام زین العابدین اور مستورات کو دمشق لے جایا گیا تو حضرت امام زین العابدین نے اور پھر حضرت امام حسینؓ کی بہن اُمّ کلثومؓ نے مرثیے کہے۔ روایت ہے کہ اس موقع پر امام زین العابدین کی بیویوں میں سے ایک (جو جنوبی سندھ کی خاتون تھیں) نے اپنی مادری زبان (قدیم سرائیکی زبان) میں مرثیہ لکھ کر اپنے شوہر کو پیش کیا تو امام نے دعا فرمائی کہ:

''اللہ کرے گا تمھاری زبان میں ذکرِ حسینؓ تا قیامت ہوتا رہے گا'' (ح۔۲۴)

''آئینِ اکبری'' میں ابوالفضل لکھتا ہے:

''مختیار ثقفی نے قاتلانِ حضرت امام حسینؓ کو قتل کرنے کی مُہم شروع کی تو معرکہ کربلا میں شریک نامور لوگوں کو مروا ڈالا۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف نے عراقیوں پر بہت ظلم کیے۔ اُموی اور عباسی حکومتوں کے ظلم سے تنگ آ کر سیّد مہاجرین کی بہت سی جماعتیں ہندوستان کو آئیں۔ جو سندھ و ملتان اور پھر ڈیرہ غازیخان وڈیرہ اسماعیل خان تک آباد ہو گئیں۔ ان میں زیادہ تر علوی اور ہاشمی تھے۔''

''تاریخ فرشتہ'' موجب امام باقرؓ متوفی ۱۱۷ھ کے زمانے میں ہی ملتان کے اندر بہت سے شیعہ حضرات آباد تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایرانی مبلغ مُلّائی کے ہاتھوں (جس نے ملتان کے

Scanned with CamScanner

کئی ہندو گھرانوں کو مسلمان کیا) سرائیکی علاقے میں عزاداری کا آغاز ہوا۔ یہ عباسی گورنر عمر بن حفص کا دورِ حکومت تھا۔ بہر حال ۳۵۲ھ میں بغداد کے علاقوں میں پہلی بار محرم میں واقعہ کربلا کی یاد منائی گئی تو اس کا اثر ملتان کے لوگوں پر یہ ہوا کہ پہلی بار مقامی زبان میں کربلا کا واقعہ بیان کیا گیا۔

تیسری اور چوتھی ہجری میں مصر کے فاطمین سندھ سے ہوتے ہوئے ملتان آئے۔ اسماعیلی شیعہ فرقے کی لڑی قرامطہ ۹۸۰ء میں سندھ اور پنجاب (اُچ و ملتان) پر قابض تھی تو سرائیکی زبان میں مرثیے کو فروغ ملا۔ یعنی چوتھی صدی ہجری یا دسویں صدی عیسوی میں ملتان کے لوگ شیعیت اور اسماعیلیت کی طرف راغب ہوئے تو ایک جدید علمِ کلام اور انوکھے نظریات و افکار کی تبلیغ تقریروں کے ساتھ تحریر میں بھی ہونے لگی۔ قدیم سرائیکی ادبیات کا کافی حصہ اسماعیلی، قرامطی اور شیعی افکار و نظریات پر مشتمل ہے۔ قدیم سرائیکی نثر کو بھی شیعہ حضرات نے ہی زندہ رکھا اور مرثیے کی سینکڑوں کتابیں مدتوں تک چھپتی رہیں بلکہ ایک ایک کتاب کئی کئی بار شائع ہوئی ہے۔

چھٹی ساتویں ہجری میں بھی بغداد سے سادات، تاتاریوں سے بچ کر ملتان آ کر آباد ہوئے۔ ۶۶۴ھ میں غیاث الدین بلبن نے اپنے بیٹے سلطان محمد کو ملتان کا حاکم بنایا تو امیر خسرو اور حسن دہلوی جیسے شاعر بھی ملتان آئے اور یہاں عزاداری کی سرپرستی بھی کی۔ ۱۳۷۰ء ھ میں امیر تیمور نے یہاں قبضہ کیا۔ وہ اہل بیت سے محبت رکھتا تھا۔ اس نے یہاں تعزیے کا آغاز کیا۔

ساتویں صدی ہجری میں بابا فرید شکر گنج نے کوٹھیوال ملتان سے سیکھی ہوئی مقامی زبان میں شعر کہے تو شہادتِ حسینؓ کا ذکر بھی کیا۔ سیّد شیر شاہ، جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت جو ۷۰۷ء میں پیدا ہوئے، وہ اور ان کے چھوٹے بھائی راجو قتال بخارا سے سندھ آ گئے۔ ''تاریخ فیروز شاہی'' مُصنفہ عفیف ملتانی کے مطابق راجو یا راجن قتالؒ متوفی ۸۲۷ھ ملتانی زبان اچھی طرح جانتے تھے اور شاعری بھی کرتے تھے۔ یقیناً انھوں نے اس زبان میں مرثیے بھی کہے ہوں گے۔ ان تمام باتوں کے باوجود دستیاب تحریروں کے حوالے سے سرائیکی زبان کی باقاعدہ مرثیہ گوئی کی اولین شکل ''جنگنامہ حامد ملتانی'' مصنفہ ۷۶۰ھ بمطابق ۱۳۵۹ء ہے۔ جنگنامے کی ایک اور مثال

جنگنامہ سیّد اکبر شاہ مصنفہ ۱۸۴۱ء ہے۔ ۳۸۳ سالہ قدیم سرائیکی جنگنامہ شاہِ مرداں، قطب الدین مانہ احمدانی کا مئی ۲۰۰۵ء میں محمد اکرم قریشی نے دریافت کیا۔ ۵۰ صفحات پر مشتمل اِس کی عکسی نقل راقم الحروف کے پاس بھی موجود ہے۔ اس کے بعد محمد بیرم خان ترکمان متوفی ۹۶۸ھ نے (جو ہمایوں بادشاہ کا مشیر تھا اور مرثیہ گو شاعر تھا ملتانی زبان جانتا تھا) اس زبان میں مرثیے کہے۔ مغلوں کے دور میں فرخ سیر کے عہد حکومت (۱۹۔۱۳۔۱۷ء) میں قلعہ معلیٰ کے اندر با قاعدہ تعزیہ نکالا جاتا تھا۔ اس کے بعد سرائیکی مرثیہ تحریری شکل میں ہمیں بارھویں صدی ہجری میں نظر آتا ہے بلکہ بارھویں سے چودھویں صدی تک تین سو سال کے عرصے کو سرائیکی مرثیہ گوئی کا زریں دور کہا جاسکتا ہے۔ بارھویں صدی میں جہاں علی حیدر ملتانیؒ، عبدالحکیم اُچوی اور مولوی لطف علیؒ جیسے سرائیکی شاعروں نے سانحہ کربلا کا ذکر اپنی شاعری میں کیا وہاں سید زمان شیرازی ایک مرثیہ گو شاعر کی قلمی بیاض بھی دریافت ہوئی ہے جس میں سرائیکی مرثیے موجود ہیں۔ یہ ۱۰۹۷ھ میں حاجی لال کربلائی نے مرتب کی تھی) ایسے ہی خلیفہ محمد علی المعروف سکندر پنجابی، کتاب ''گلشن بے خار'' صفحہ ۱۳۴ کے مطابق محمد شاکرناجی (عہد محمد شاہ رنگیلا) کے شاگرد ہیں، وہ مرثیہ گو شاعر تھے اور سیّد انشاء کی کتاب ''دریائے لطافت'' کے مطابق انھوں نے سرائیکی زبان میں بھی مرثیے لکھے ہیں۔ ایک پُرانی، قلمی بیاض (مملوکہ سید زاہد حسین نانوتوی سہارنپوری) میں ان کے مرثیے ملے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ کی بیٹی فاطمہ کے حوالے سے ایک شعر دیکھیں:

نہ رو میڈی لاڈلی ہنجھوں بھر بھر نین
صبح شام کوں آویسی تیرا باپ حسینؑ

سید ثابت علی شاہ ثابت ملتانی متوفی ۱۲۲۵ھ جن کو سندھی زبان کی مرثیہ گوئی کا بانی مانا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی مادری زبان سرائیکی میں بھی مرثیے لکھے۔ خلش پیراصحابی کے بقول کہاوڑ کلاں کے سید خدا بخش جو تیرھویں صدی کے اوائل میں ہوئے ان کے ہاتھ کی لکھی بیاض میں ان کا سرائیکی کلام موجود ہے۔ سید غلام محمد شاہ بخاری نے جو تھل کے قصبے ''چانٹا'' کے باسی

Scanned with CamScanner

تھے۔ ۱۲۳۰ھ میں فارسی کی کتاب ''روضۃ الشہدا'' کا منظوم سرائیکی ترجمہ مخمس مرثیے کی شکل میں کیا۔ قلمی نسخہ خلش پیر اصحابی کے پاس موجود ہے۔ نواب محمد شاہ نواز خان خادم والئی ریاست ٹانک و بنوں ایک علم دوست حکمران تھے۔ خود اونچے درجے کے شاعر تھے اور شاعروں کے قدردان تھے۔ سید ذوالفقار شیرازی، مولوی فدوی اور غلام سکندر خان غلام ان کے حلقے کے شاعر تھے۔ انھوں نے تمام عمر سرائیکی مرثیے لکھے۔ اس دور میں مولوی فیروز، سید علی شاہ چھنوی، کمال خان مگسی، غلام حسین شیرازی، فیض مشہدی کے علاوہ مجرم، مائل، ماہر، صفائی، مشتاق، مولائی، ذاکر، صابر، بیکس اہم شاعر ہو گزرے ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں میاں مسکین ملتانی بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ مرزا محمد رفیع مولائی کی شہر آشوب میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے۔

چودھویں صدی کے کچھ اہم شاعر آغا اشرف حسین بکھروی، صادق، گدائی، بخزون، بخشن ملتانی، غمگین، تسکین، عاشق حسین شیرازی، اختر شیرازی، فوق، ناظر شاہ، وفا ملتانی، شرف ملتانی۔ کمتر، نذر، منظور، طالب، غلام شبیر خان، محمد خان زائر، رفیق، فگار، محکوم، مالنگ شاہ پوری، منظور حسین، خالی فقیر، ذوالفقار، واصل ملتانی، فائز ملتانی، غلام شبیر، غلام قاسم خان، نوبہار، شاد، شوق، جلال حسین، سائل، محمودی تونسوی، امیر، مشکور جھنڈیر، ارشاد عباسی، محسن عمران، اظہر، ظفر شاہ، دلسوز، اختر، گوھر، مضطر حیدری، گوہر جعفری، خلش پیر اصحابی، فتح محمد ناز، ناز ڈیروی، شیخ اسد، سرور کربلائی، اعجاز حسین اعجاز، جانباز جتوئی، اقبال کندانی، ظفر، توقیر کربلائی، اعجاز ملتانی، صدف، فلک، جرآت، غمناک، حسن رضا گردیزی، حیدر گردیزی، ناصر تونسوی، منشی محمود کوٹی، فقیر نور جعفری، اختر جعفری اور نقیب جعفری ہیں۔

منشی محمود کوٹی کی ایک بحر ملاحظہ کریں جس میں انھوں نے مرحوم، بزرگ اور ہم عصر سرائیکی مرثیہ گو شعراء کا ذکر خوبصورتی سے کیا ہے۔

بحر کوئی ایسا لکھ ڈکھا، جو نفیس تے آب دار ہووے
نہ فرق آوے وزن دے وچ اصلوں، مصرع اوہ لطف دار ہووے

فدا ہو عاشق دلوں بجانوں ، بہار بھی خود نثار ہووے
رہے نہ وچ اضطراب مضطر، سنڑتاں باغ وبہار ہووے
رفیق کوں ذوق، فوق پاوڑ دا شوق لیل ونہار ہووے
منیر، تسکین پاورے سڑ کر ہو شاد گر بے قرار ہووے
رہے اومخزون کیویں تائب جیہڑا اجوکی ڈینہوار ہووے
سید علی تے غلام وفیروز دی اِرَم وچ گذار ہووے
یاواصف، آصف یا راز،صفدر، گدا ، مداح، ذوالفقار ہووے
نذر یا منظور یا گدائی یا خادم و شہسوار ہووے
شفیق، عاصی، نقیب ، محکوم واسطے خوشگوار ہووے
مرید، پرجوش ،شمسی جام الست پی مست وار ہووے
نہ بھائی اختر تے چاچے غمگین وانگ ونج وپار ہووے
نواز ،کاظم ،اتے وفادی ایہہ،فی البدیہہ دل پکار ہووے
بہار تُوں اصلُوں منشی وانگوں نہ کوئی مصرعہ تیار ہووے
ایہہ جیہاں نال گرکھڑاوے تاں کیوں نہ پھر شرمسار ہووے

پندرھویں صدی ہجری کے ابھی سترہ برس ختم ہوئے ہیں مگر ان سالوں میں سرائیکی مرثیے پر بہت ساتحقیقی ،تنقیدی اور تخلیقی کام ہوا ہے۔کئی تحقیقی تنقیدی مضمون رسالوں اور اخباروں میں شائع ہوئے ہیں اور مختلف تحقیقی تنقیدی کتابوں میں سرائیکی مرثیے کے بارے میں مقالے

شامل ہوئے ہیں۔ سرائیکی مرثیے کی کتابوں پر ببلیو گرافیاں تیار ہوئی ہیں۔ خلش پیراصحابی کے "سرائیکی مرثیہ گوئی کے چار سو سال" (۱۹۸۰ء) اور "سرائیکی مرثیہ گوئی کے پانچ سو سال" (۱۴۰۴ھ) دو کتابچوں کے علاوہ "ملتانی مرثیہ" (۱۹۸۶ء) کے نام سے کتاب سامنے آئی ہے۔ "نقیبانِ کربلا" کے نام سے صفدر حسین ڈوگر نے سرائیکی مرثیہ پر مرثیہ گو اور مرثیہ خواں اصحاب کے تذکرے کے حوالے سے نومبر ۱۹۹۳ء میں کتاب شائع کی ہے۔ "ملتان کے قدیم امام باڑے اور مجالس عزاء کی روایت" نام کی تحقیقی کتاب اجمل مہار ابن اکبر کی کاوش ہے۔ سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان نے اسے ۲۰۰۴ء میں ۱۳۵ صفحات کی کتابی شکل دی ہے۔ پیش لفظ "تاریخ کے تناظر میں" دسمبر ۲۰۰۳ء میں لکھا گیا ہے۔ صفحہ ۱۲۱ سے آگے تصاویر ہیں۔ مرحوم فقیر ار جعفری کی کتاب "نگارستان" یعنی افکار الذاکرین شعراء کے نام سے ایک ضخیم کتاب جو ۱۹۸۷ء میں کتابت ہو چکی تھی تا حال ان کے صاحبزادے اختر جعفری کے پاس اشاعت کی منتظر ہے۔ یونیورسٹیوں کی سطح پر انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان سٹڈیز جام شورو یونیورسٹی نے مرثیہ گو شاعر بہار ملتانی کے بیٹے مظفر مہدی سے پی ایچ ڈی کا مقالہ اور شعبہ سرائیکی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے سید صفدر حسین سے ایم اے کا مقالہ بعنوان "سرائیکی مرثیہ" لکھوایا ہے۔

تحقیقی کام کے حوالے سے گزشتہ سالوں (۱۴۰۱ھ تا ۱۴۱۸ھ) میں جو کام ہوا ہے وہ کچھ یوں ہے۔ شاعر فضل فیض سندھڑ کی کتابیں اور کتابچے جو وہ خود اپنے اور ملتان کے مختلف چھاپہ خانوں سے چھپواتے رہے ہیں اور جن پر سال اشاعت موجود نہیں، کچھ یوں ہیں: "حضرت حر کی شہادت، سفر سادات او گر شام غریباں"، "شام کربلا"، "صبر حسین"، "علی اکبر کی شہادت"، "فیض کربلا"، "واہ واہ حسین" وغیرہ۔ سرور ناز کا کتابچہ، "نوائے نینوا" بزم خلیل، حویلی خلیل خان بہاولپور نے ۱۹۸۴ء میں شائع کیا۔ اس میں سرائیکی کلام بھی ہے۔ یہ کتابچہ ۱۹۸۹ء، ۱۹۹۱ء اور ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا جبکہ ۱۹۸۸ء میں اسے انجمن کاروان حسین بہاولپور نے بھی شائع کیا۔ محمد عبداللہ اختر کی "نوائے نینوا" جس میں دوسرے شعراء کا کلام بھی ہے انجمن کاروان حسینؑ بہاولپور

نے شائع کیا جبکہ ان کی ایک کتاب ''کنز المودت'' ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی جس میں سرائیکی کلام بھی موجود ہے۔ ارشد حسین ارشد کا کتابچہ ''نوائے غم'' انجمن صادقیہ بہاولپور نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا۔ خادم حسین مشکور کا آٹھ صفحوں کا کتابچہ ''امام المصائب'' بارگاہِ قمر بنی ہاشم بہاولپور نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا۔ بخت فقیر کی کتاب ''دان پنجتنی'' صفحات ۴۸ فروری ۱۹۸۹ء میں بخت زادہ محمود الحسن اویسی نے مرتب کر کے احمد پور لیہ صادق آباد سے شائع کی۔ سفیر لشاری کی کتاب ''صابر پتر علی دا'' جنوری ۱۹۸۹ء میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کی، اس کے صفحات ۹۶ ہیں۔ اس کتاب میں دلشاد کلانچوی کا مضمون بھی شامل ہے۔ سلیم نصرت کا ''قصہ درد'' نام کا کتابچہ انجمن گلدستہ حسینی ڈیرہ غازی خان نے ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔ سید علی شاہ ناشاد بخاری کا ''داستانِ غم'' ۱۹۸۹ء میں انجمن مشطرین حسینی بہاولپور نے شائع کیا۔ سید احمد حسن پرسوز بخاری کی ''حسین میڈا یزید تیڈا'' بزم شعاع سرائیکی احمد پور شرقیہ نے ۱۹۹۰ء میں شائع کی۔ دلنور نور پوری کے مرتبہ'' حسینی ڈوہڑے'' تین بار شائع ہوئے۔

دس جولائی ۱۹۹۱ء، دوسری بار اور پھر تیسری بار ۱۹۹۶ء، طبع نو ۱۹۹۹ء۔ محمد یار بیرنگ کا کتابچہ ''سید زادہ علی المرسلین فارقلیط مرحوم دا مرثیہ'' دھریجہ پرنٹرز خان پور سے ۲۵ جنوری ۱۹۹۱ کو شائع ہوا۔ جاوید نقوی کا کتابچہ ''نوائے غم'' جس میں سرائیکی کلام بھی موجود ہے، بہاولپور سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ غلام قنبر زاہد کا ''ستیاں لکھیں'' نومبر ۱۹۹۱ء میں بہاولپور سے شائع ہوا۔ عبدالرزاق بھٹی کا ''حسین زندہ یزید مر گیا''، نام کا کتابچہ دلنور پبلیکیشنز نور پور نورنگا نے ۱۹۹۲ء میں شائع کیا۔ محمد اختر نقوی کا ''نوائے غم'' انجمن صادقیہ بہاولپور نے شائع کیا۔ اس میں سرائیکی کلام بھی موجود ہے۔ غوث بخش منصف کا ''شانِ علی'' نام کا ۸ صفحے کا کتابچہ دلمست سرائیکی پبلیکیشنز نور پور نورنگا نے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا۔ ۱۹۹۴ء میں آغا اقبال حسین کا مرتبہ ''ماتم ای ماتم'' آغا پبلشرز ڈیرہ غازی خان نے شائع کیا۔ ۱۹۹۵ء میں غلام محمد محمودی تونسوی کی کتاب ''حسینی تبرکات'' مکتبہ جعفریہ تونسہ سے ان کے بیٹے مشتاق حسین جعفری نے شائع کی۔ نومبر ۱۹۹۶ء میں مصطفیٰ خادم کی

صفحے کی کتاب ''پنج کنی'' بھی تونسہ سے شائع ہوئی۔ مئی ۱۹۹۶ء میں زوار سلیم نصرت کے حسینی ۱۲۸ ڈوہڑے ''غریب کربلا'' کے نام سے ڈیرہ غازی خان سے اور شبیر احمد کوثر ابن بے رنگ کے سوالی جوابی ڈوہڑے ''میدان کربلا وچ تقدیر تے حضرت امام حسینؑ'' کے نام سے خان پور سے شائع ہوئے جبکہ ناظم ڈیروی کا کتابچہ ''معراج کربلا'' ڈیرہ غازی خان سے شائع ہوا۔ اپریل ۱۹۹۷ء میں افضل ندیم افضل کا حسینی ڈوہڑے اور نوحے ''مظلوم کربلا'' کے عنوان سے ڈیرہ غازی خان سے ۳۲ صفحات کے کتابچے کی شکل میں شائع ہوئے۔ ۲۰۰۴ء میں طبع دوم ۴۸ صفحات کا شائع ہوا۔ اسی سال خلیل احمد شودا مستوئی کے دو کتابچے ۳۲، ۳۲ صفحات پر مشتمل شودا سرائیکی کتاب گھر فاضل پور سے جون میں ''شہادت شہزادہ علی اکبر'' اور ''اصغر دا پینگھا'' جولائی میں شائع ہوئے۔ مارچ ۱۹۹۹ء میں انیلا ناز جعفری کا ''ہائے حسینؑ'' مخدوم پبلشرز ملتان نے شائع کیا۔ صفحات ۳۲ ہیں۔

جنوری ۲۰۰۰ء میں بزمِ اکرم مانہ احمدانی سے نواز بزدار کا ''حسینؑ سب دا'' ۸ صفحے پر مشتمل شائع ہوا۔ جبکہ اِسی سال مارچ میں ۹۶ صفحات کی کتاب ''رَت ریت رِدا'' نورنگ آباد ڈیرہ غازیخان سے ارشاد ڈیروی نے شائع کی۔ اِسی سال رفیق ساحل کی ''کربل دا مسافر'' سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی ڈیرہ شمس نے شائع کی۔ ۲۰۰۰ء ہی میں سفیر لشاری کے ''سفارت'' میں مرثیہ شامل ہے۔ فروری ۲۰۰۱ء میں زید جعفری کے نوحے ''غریبِ کربلا'' کے عنوان سے قاسم عمر پبلی کیشنز ملتان نے ۸۰ صفحات پر مشتمل کتاب کی صُورت میں چھاپے۔ افضل ندیم افضل کا ''حرف حرف کربلا'' صفحات ۶۴، ۲۰۰۲ء میں کاوِش پبلشرز ڈیرہ غازی خان نے چھاپا۔ ۲۰۰۳ء میں خان گڑھ ضلع مظفرگڑھ کے زوار حسین زوار کا ''قرآن نیزے تے'' ۱۱۸ صفحات پر مشتمل چھپا تو ستمبر کے مہینے میں محمد اکرم قریشی کا کتابچہ ''حادثہ کربلا'' (۱۲ صفحات) بزمِ اکرم مانہ احمدانی نے شائع کیا۔ اکتوبر ۲۰۰۴ء میں سرور کربلائی کے ''نغمے نوکِ سنان دے'' غلام حُر کندیانوی نے ۱۲۳ صفحات کی کتابی شکل میں جھوک پبلیشرز ملتان سے شائع کرائے۔ سفیر لاشاری کی ''مَس لہُو کاغذ لہُو'' سفیر سرائیکی ادبی سنگت محراب والا، احمد پور شرقیہ نے اِس سال ۱۴۴ صفحات کی کتابی شکل میں

شائع کی۔

۲۰۰۵ء میں چھپنے والی کتب میں فیض محمد سندھڑ کی دو ''شام دے سفر'' (۱۲۴ صفحے) اور ''داستانِ کربلا'' (۱۲۴ صفحے) لیّہ سے، میانوالی کے عاصم بخاری کا ''شبیرِ کربلا وِچ'' صدق رنگ پبلی کیشنز ملتان نے ۱۱۰ صفحات کی کتابی شکل میں شائع کیے جبکہ فریدؒ سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان سے محمد رمضان طالب کا کتابچہ ''حُسینؓ ہے حسینؓ'' (صفحات ۔۱۶) اور سیّد توقیر حسین شاہ کاظمی کا ''ڈاہویں داڈینہہ'' (صفحات ۔۳۲) بھی شائع ہوئے۔۲۰۰۵ء میں تین مرتبہ کتابچے بھی سامنے آئے۔جنوری میں حسنین رضا رِضوی کا ''حسین میں تیّں ٹوں شرمسار آں'' جھوک کتاب گھر ملتان سے، خضر حیات مُون کا ''دم دَم علی علی'' جھوک پبلشرز ملتان سے جبکہ تصوّر حسین چوہان نے ''حسینی نوحے''۔۲۰۰۶ء میں صفدر کربلائی کی کتاب ''بحرین دے موتی'' مہریہ بک سنٹر لاہور سے ۱۳۶ صفحات پر مشتمل کتابی شکل میں شائع ہوئی۔جس میں حسین گوہر کا پس ورق دسمبر ۲۰۰۶ء کا لکھا ہوا ہے۔دسمبر ۲۰۰۶ء میں ہی ۳۲ صفحے کا کتابچہ جھوک پبلشرز ملتان نے چھاپا۔شاعر ظفر حسین ظفر فریدی ہیں۔۲۰۰۷ء میں فیض محمد سندھڑ کا ''منظرِ کربلا'' (صفحات ۸۰) انصاری بک سنٹر لیّہ نے شائع کیا۔جنوری ۲۰۰۶ء میں اشرف حسین باقر کی ''تتّے بال'' (۶۴ صفحات) جھوک پبلشرز ملتان نے مرثیہ اور نعت پر مشتمل مجموعہ ''کوثر کنارے'' بشیر جاوید صفحات ۱۱۲ ناصر پبلی کیشنز ڈیرہ غازی خان نے شائع کیے۔''حسین دا صبر'' جو سیّد سکندر حیات سانول اور سہیل عباس دانش کے کلام پر مشتمل ہے جھوک پبلشرز ملتان نے اور اِسی ادارے نے اکتوبر ۲۰۰۸ء میں مظلوم فریدی کا ''دردِ حسین'' (صفحات ۔۳۲) بھی شائع کیا۔

اِن کے علاوہ ۲۰۰۶ء میں ڈیرہ غازی خان کے شاعر عزیز شاہد کی کتاب ''سلسلے سلونی دے'' صفحات ۱۱۰ شائع ہوئی۔جس میں شہدائے کربلا کا ذکر نمایاں ہے۔۲۰۰۸ء میں اِسے دوسری بار شائع کیا گیا۔جنوری ۲۰۰۸ء میں مُرتب بشیر دیوانہ صادق آبادی نے لطف علی ذیشان اور رفیق ساحل کا کلام ''مسافرِ شام'' کے عنوان سے (صفحات ۔۳۲) خواجہ فریدؒ سرائیکی ادبی سنگت

Scanned with CamScanner

صادق آباد سے شائع کرایا ہے۔ اِسی طرح ۲۰۰۱ء میں غلام فرید جانی کی ''پھلو ہے'' ہمراز اُچوی کی ''ہر پھل زخمی'' اور ۲۰۰۸ء میں وارث علی وارث کی ''اَن ڈ ٹھے خواب'' جیسی کئی دیگر کُتب میں بھی مرثیے شامل ہیں۔ اس جائزے کے علاوہ بھی کئی کتابیں اور کتابچے شائع ہو چکے ہیں۔ جیسے احمد حسن پُرفیض عباسی کی کتاب ''حسین میڈا ایزید تیڈا''، خلش پیر اصحابی کی ۸۷ ڈوہڑوں پر مشتمل منظوم ''تاریخ کربلا''، ناشاد بخاری کا ''بیادِ ناشاد بخاری''، راجہ ظفر اقبال کا ''بےقدراں دے مہمان'' وغیرہ۔

اب سرائیکی مرثیے کی ہیئت، اسلوب اور مزاج کے تدریجی ارتقا کی بات کرتے ہیں۔

پہلے پہل مرثیہ کو حضرات عوام کی عقیدت مندی کی وجہ سے ادبی اور فنی کمزوریوں کی پرواہ نہیں کرتے اور مقبولیت کی سَند محض عام فہم اور جذباتی زبان تھی۔ ساتویں صدی ہجری کے جنگنامے اسلوب کے لحاظ سے فارسی مرثیوں کے منظوم سرائیکی ترجمہ لگتے ہیں۔ سکندر پنجابی کے مرثیے مسدّس کی شکل میں ہیں۔ سید زمان شیرازی کی تکنیک یہ تھی کہ مرثیے کے ہر بند کے ساتھ ایک ڈوہڑہ لکھ دیتے تھے۔ بارھویں صدی ہجری میں مرثیہ سات آٹھ مصرعوں کے ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کی مثال عاجز اور بردا کے مرثیے ہیں۔ اس صدی کے آخر پر ایک شہید کے احوال کو ''دفعہ'' کا نام دیا گیا مثلاً دفعہ شہادت حضرت عباسؓ۔ دفعہ میں مسلسل ڈوہڑے ہوتے تھے جو اندازاً سو سو ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مربع شکل میں چومصرعے مرثیے لکھنے کا رواج بھی عام تھا۔ یہ ہم قافیہ ردیف چار مصرعے ہوتے تھے۔ بعض دفعہ کے خاتمے پر نوحہ لکھا جاتا تھا۔ تیرھویں صدی ہجری میں مرثیے مجلسوں کی صورت میں لکھے جانے لگے۔ سی حرفیاں اور ڈوہڑوں کی شکل میں کربلا کے واقعات بیان کیے جاتے تھے اور رنگ ذاکرانہ اور نثر آمیز ہوتا تھا۔ اس صدی میں سرائیکی مرثیہ بام عروج پر پہنچا۔ صدی کے اختتام پر شعراء نے دفعہ مرثیہ، نوحہ اور سلام کا الگ الگ تعین کیا۔ نثر آمیز مرثیے کو تقریر کا نام دیا گیا مثلاً مولوی فیروز کی کتاب ''سفینۂ غم'' حصہ چوتھا کی فہرست میں سات دفعے، نو مرثیے اور دس تقریریں شامل ہیں۔ اس صدی میں سید علی شاہ چھینوی نے مُقفّٰی نثر کا تجربہ بھی کیا۔ خمسے لکھنے کا رواج بھی پڑا۔ خُمسے میں مخمس کی طرح پانچ مصرعے ہوتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

پہلے تین آپس میں ہم قافیہ، ہم ردیف اور اگلے دو آپس میں۔ مثلاً غلام سکندر خان غلام نے خُمسے لکھے۔ نئے نئے تجربات میں بردا نے تین تین ، چار چار ہم قافیہ ہم ردیف چھوٹے چھوٹے مصرعے اور پھر ہر بند کے آخر میں مطلع کی طرح ایک چھوٹے مصرعے کا تجربہ کیا۔ شاہ نواز خادم، فدوی اور ذوالفقار علی شیرازی نے دفعے اور ڈوہڑے ملا کر اور پھر آخر میں نوحے کو رواج دیا۔ ایسے ہی خیر الدین صابر ملتانی نے ''گلدستے'' چھاپنے شروع کیے۔ اس میں مختلف شعراء کے ایک مصرعہ طرح پر مرثیے ہوتے تھے۔ چودھویں صدی ہجری میں اردو مرثیے کی طرح رزمیہ مرثیے لکھے جانے لگے۔ مرثیے کا آغاز حمد، نعت، منقبت امامین اور قرآنی آیات کی تفاسیر سے باندھا جانے لگا۔ مثلاً سید علی شاہ چھینوی کے مرثیے۔ ان مرثیوں میں اردو مرثیے کے تمام اجزائے ترکیبی تو موجود تھے مگر یہ مرثیے آغاز سے انجام تک ایک بحر یا وزن میں نہیں۔ سید غلام حسن تائب کے ایک ایسے مرثیے میں تلوار کی تعریف اس طرح ہے:

زبان نہ اَٹکے جو تیغ لٹکے

ڈِکھائے گٹ کے ،صفاں اُلٹ کے

خدا بخش مخزون تلوار کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

مثال لشکر، سپہ بدلدی

تاں وانگ بجلی دے تیغ چلدی

او جنتے دلدی نہ مُول ٹلدی

تھیوے ہاوَلدی رسید اجل دی

غلام حیدر فدا اور ان کے شاگردوں نے عربی، فارسی لفظوں کی آمیزش سے مرثیے لکھے۔ ان کے بعض معاصرین نے بھی ان کی تقلید کی۔ سرائیکی مرثیے میں نثر کی ابتداء (۱۸۷۴ء۔

۱۸۸۹ء کے درمیان) تو مولوی محمود مولائی نے کی تھی اور تیرھویں صدی ہجری میں سید علی ... چھینوی نے مقفّی نثر استعمال کی تھی۔ پھر غلام حیدر فدا نے بھی مرثیے میں مقفّی نثر کو رواج دیا۔ پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر سرائیکی مرثیہ، غزل، نظم، آزاد نظم، قطعہ اور سرائیکو جیسی جدید اصناف کی ہیئت میں بھی لکھا جا رہا ہے۔ اب تو جدید سرائیکی شاعری میں سانحہ کربلا سے نئے استعارے، ترکیبیں اور حسینیت و یزیدیت کے حوالے سے علامتیں بھی ہیں جو تمام سرائیکی شعری اصناف میں استعمال کی جا رہی ہیں۔

سرائیکی شاعری میں واقعہ کربلا ۶۱ھ کے علاوہ بھی ذاتی مرثیے لکھنے اور ان کے کتابچوں اور کتابی شکل میں چھپنے کی روایت موجود ہے۔ نومبر ۲۰۰۸ء میں ''مُکان'' کے عنوان سے کتاب میں قسور عباس بزدار نے عاشق بزدار کے بیٹے اُشتر عباس ساغر بزدار (سرائیکی شاعر) اور بھائیوں لیاقت علی خان بزدار، خاور گل خان بزدار کی حادثے میں موت پر پچاس منظومات کو مرتب کیا ہے۔

جھوک پبلشرز ملتان کی طرف سے چھپنے والی اس کتاب کے پسِ ورق پر بے نظیر بھٹو کے ۱۰۔ اپریل ۲۰۰۴ء کو لکھے گئے تعزیتی خط کا عکس بھی شامل ہے۔ اِس سے پہلے سرائیکی شاعر عاشق بزدار خود ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں ۳۰ شعراء کی ۳۵ منظومات کو ''چار اپریل'' کے عنوان سے مرتب کر چکے ہیں۔ یہ کتاب سرائیکی لوک سانجھ راجن پور نے ۱۹۸۶ء میں شائع کی تھی۔ جبکہ خود بے نظیر پر بھی ''شہادتِ بے نظیر'' کے عنوان سے بشیر دیوانہ صادق آبادی کتابچہ چھپوا چکے ہیں۔ جیسے پاکستان پیپلز پارٹی صادق آباد نے سولہ صفحات کے کتابچے کی صورت میں جنوری ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔ جس میں سرائیکی کلام بھی موجود ہے۔ باتصویر' منظوم شہادت نامہ'' (صفحات ۳۲) بھی بشیر دیوانہ صادق آبادی کے اُردو سرائیکی کلام پر مُشتمل جنوری ۲۰۰۸ء ہی میں شائع ہوا۔ سرائیکی کلام تو اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد کی طرف سے ''شہید بے نظیر بھٹو'' (شاعری) نام کی ۲۰۰۸ء میں چھپنے والی کتاب میں بھی موجود ہے۔ جبکہ حکومتی یا سیاسی شخصیات کے حوالے سے مختلف شعراء کے سرائیکی منظوم تاثرات بعد از مرگ کے سلسلے میں ''سرائیکی ضیاء

نمبر''(صفحات ـ ۸) کا ذکر بھی ہوسکتا ہے جسے بزم اکرم مانہ احمدانی نے نومبر ۱۹۸۸ء میں شائع کیا تھا۔ جبکہ ذاتی تعلق داروں اور رشتہ داروں پر لکھے گئے مرثیے کتابچوں اور مختلف شعری مجموعوں میں انکا ذکا ملتے ہیں۔ محمد اکرم قریشی کا کتابچہ ''زندگی زیرِ زمین'' (صفحات ـ ۸) کے علاوہ ۱۹۹۸ء میں افضل ندیم افضل کی'' سِک دیاں وَنگاں'' ،نواز خوشدل کی ''ڈکھ دے پَندھ'' ۱۹۹۹ء میں سوز بلوچ (پکالاڑاں) کی کتاب ''سوز بلوچ'' صفحات ـ ۱۷۶ کے علاوہ ۲۰۰۰ء میں ساحل بزدار کی ''سولی ٹُوں سِک منصوردی'' ۲۰۰۲ء میں صوفی محمد یار بے رنگ کی'' دیوانِ بے رنگ'' وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۴۔ منقبت

سرائیکی شاعری کی ابتداء سے ہی مولود (نعت) اور نوحے (مرثیے) کی طرح قصیدہ، سلام اور منقبت'' مدح در پیرانِ پیر'' وغیرہ کی شکل میں چھپتی رہی ہیں۔ اصحابِ کبار، خانوادۂ رسول یا اولیائے عظام کی منظوم مدح سوائی سرائیکی شعری روایت کا حصہ رہی ہے۔ جملہ اصنافِ سخن مثلاً منظوم داستان، سی حرفی، مثنوی، کافی میں حمد و نعت کے بعد منقبت بھی شامل رہی ہے۔ ''فریدیات'' (حضرت خواجہ غلام فریدؒ پر کتب) کے سلسلے کی منظوم کُتب کے علاوہ کتابچوں، کتابوں میں دیگر شخصیات کو خراجِ عقیدت بھی پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اسی طرح تمام شعری مجموعوں میں بھی منقبت شامل کرنے کی روایت شروع سے چلی آرہی ہے۔ مثلاً پچھلے کچھ سالوں میں بشیر ابنِ بے رنگ (خان پور) کے کتابچے'' شانِ اولیاء'' مطبوعہ ۱۹۹۷ء اور ''اولیاءاللہ'' مطبوعہ ۲۰۰۳ء کے علاوہ محمد عرفان ہاشمی (علی پور) کا کتابچہ ''رُکن العالمؒ سرکار'' ۱۹۹۸ء اس کی مثالیں ہیں۔ ۲۰۰۶ء میں عزیز شاہد (ڈیرہ غازی خان) کی ''سلسلے سلُونی دے'' میں منقبت کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ گذشتہ دس سالوں میں ابن کلیم کی'' سچا رنگ تصوف والا'' اور نواز خوشدل کی ''ڈکھ دے پَندھ'' ۱۹۹۸ء میں علی محمد خان فخر کا'' دیوانِ فخر'' ۔ ''تیر و نشتر'' ۲۰۰۰ء میں، ہمراز سیال اُچوی کا'' ہر پھُل زخمی'' ۲۰۰۱ء میں محمد یار بے رنگ کا'' دیوانِ بے رنگ'' ۲۰۰۲ء میں ایاز سہروردی کا'' سروزِ ساربان'' ،اللہ بخش یاد کا

Scanned with CamScanner

''میڈا مِٹھا وطن'' ۲۰۰۴ء میں، وارث علی وارث کا ''اَن ڈھٹے خواب'' ۲۰۰۸ء میں چند ایے مجموعے ہیں جن میں منقبت شامل ہے۔

۵۔ دیگر موضوعات

دیگر موضوعاتی مذہبی شاعری میں بھی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ مگر طوالت سے بچنے کے لیے چند مثالیں دیکھیں۔ ''گلدستہ رمضان المبارک'' قاسم عمر پبلیکیشنز ملتان کی پیش کش ہے۔ ۳۲ صفحے کے اس کتابچے کو محمد فیاض اطہر نے مُرتّب کیا ہے۔ محمد عرفان ہاشمی نے علی پورے اپنی نظم ''میت جلّوں'' کو ۱۹۹۸ء میں کتابچے کی شکل دی۔ محمد اکرم قریشی کا کتابچہ ''آبشارِ قیامت'' (دنیا، برزخ، محشر) بزمِ اکرم مانہ احمدانی نے جنوری ۲۰۰۴ء میں آٹھ صفحات پر مشتمل شائع کیا۔ اسی طرح شیخ عبداللہ مرحوم کی ''جِندڑی پردیسی'' مارچ ۲۰۰۰ء میں طبع نو کے طور پر شائع کی۔ جبکہ اسی ادارے نے ہی خدا بخش مسافر (چاہ نائی والا جنوبی موضع باتل شمالی) کی ''مُسافر جِندڑی'' بھی شائع کی۔

Scanned with CamScanner

دیگر اصناف

ا۔ کافی

سرائیکی شعری ادب میں '' کافی'' اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ عام طور پر سرائیکی کافی کی ظاہری شکل وصورت یا ہیئت یہ رہی ہے کہ پہلے غزل کے مطلع کی طرح ایک شعر ہوتا ہے جس کے دونوں مصرعے غزل کے مطلع کی طرح ہم قافیہ وہم ردیف ہوتے ہیں پھر اس کے بعد چار، پانچ یا چھ مصرعوں کے بند شامل کیے جاتے ہیں۔ ہر بند کے شروع کے مصرعے ایک جیسے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ پھر ہر بند کے آخری مصرعے کو مطلع کے ہم قافیہ اور ہم ردیف لایا جاتا ہے۔ سرائیکی کافی کا اظہار زیادہ تر عورت کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لیے اسے اردو کی ریختی کے مماثل بھی کہا گیا ہے۔ ویسے کافی ابتداء سے مذہب، الٰہیات، وحدۃ الوجودیّت، ہمہ اُوست، تزکیۂ نفس، تطہیر قلب، پاکیزگی اخلاق اور ترکِ دنیا جیسے مضمونوں سے مخصوص رہی ہے۔ مگر اب اس کے موضوعات میں ساون کی بہار، بجلی کی چمک، محبوب کے کاجل کی دھار، ہونٹوں کی سرخی اور چولی کی مہک تک کی باتیں بھی کی جاتی ہیں۔ سرائیکی کافی کی ابتدا کے بارے میں کیفی جام پوری لکھتے ہیں:

> '' سندھی زبان میں کافی کا ابتدائی نام '' وائی '' تھا اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کی ایجاد سمجھی جاتی ہے۔ انھوں نے سرائیکی میں وائی ہی ہے۔ سرائیکی میں یہ صنف شاہ کی وائی سے پہلے رائج تھی اور کافی ہی کہلاتی تھی۔ شاہ حسین کی کافیاں اب چھپ چکی ہیں''۔ (ح۔ ۲۵)

جبکہ نصر اللہ خان ناصر کا کہنا ہے:

''ہمارے نزدیک سرائیکی زبان میں سب سے پہلے ساتویں صدی ہجری میں حضرت شاہ شمس سبزواری نے جو گنیں تحریر کیں۔ وہ سرائیکی میں کافی کی پہلی با قاعدہ مضبوط شہادت ہے۔ بندش، مزاج اور سانچے کے اعتبار سے ہر طرح سے صنف کافی کا رنگ رکھتی ہیں''۔ (ح۔۲۶)

سچل سرمست جو ۹ لاکھ چھیاسٹھ ہزار چھ سو چھ شعروں کے خالق ہیں۔ سرائیکی کافی کو زندہ جاوید بنایا اور کافی کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ تاہم سچل کے ساتھ ساتھ سرائیکی کافی نے حمل فقیر لغاری، صدیق فقیر، مولوی محمد بخش محمدن، منشی غلام حسن گامن، میاں واصل جھنگوی، بے دل فقیر سندھی، عثمان فقیر سانگی سے ہوتے ہوئے خواجہ فریدؒ تک کئی رنگ اپنائے۔ خواجہ غلام فریدؒ نے فنی لحاظ سے نئے اور کامیاب تجربے کر کے اس کی ہیئت میں کئی خوشنما اور خوشگوار تبدیلیاں کیں۔ خواجہ کے ہم عصر لوگوں میں خواجہ عاقل محمد جوگی، دیوان سید ولایت شاہ اور عمر خان شاہد کی کافیاں یادگار ہیں۔ محمد بخش نوروز کی ۱۲۶ کافیاں مولوی برخوردار وفا نے مرتب کر کے ۱۱۴۱ھ میں شائع کیں۔ اگرچہ یہ فریدؒ کے رنگ میں رنگی ہیں تاہم نوروز پہلا شاعر ہے جس نے کافی کو داخلیت اور روحانیت سے الگ کر کے خارجیت اور رومانیت کی طرف لگایا۔ بیسویں صدی میں خرم بہاولپوری، خادم مکھن بیلوی، نور محمد سائل ڈیروی، یتیم جتوئی، جانباز جتوئی، صالح الٰہ آبادی، فیض محمد دلچسپ، غلام حسین زائر، اقبال سوکڑی، سرور کربلائی اور سفیر لشاری جیسے بیسیوں شعراء نے خدمات سرانجام دیں اور اس کا مقام بلند کیا۔

اکثر قدیم کافی گو شعراء کا کلام اب دستیاب نہیں مثلاً کافی کے ایک بڑے شاعر گامن ملتانی کی صرف تین کافیاں محفوظ رہ سکی ہیں جن میں سے ایک یوں شروع ہوتی ہے:

اماں نی ہک جوگیڑا آیا
کوئی صاحب حسن جمالے

اور یہاں ختم ہوتی ہے:

گانمݨ باجھ جمال الٰہی
بھلا کون میڈے غم ٹالے

اُنیسویں صدی کے آخر میں خواجہ فریدؒ کی کافیوں کے علاوہ کمال خان کی ''کافیاں'' اور مسکین ملتانی کی ''بحر فراق'' ۱۸۸۸ء میں شائع ہوئیں۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں جن شعراء کی کافیاں شائع ہوسکیں ان میں جندن ملتانی کی ''بازارِ عشق'' (مطبوعہ ۱۳۱۷ھ) اللہ ڈتہ ڈتل کی ''مجاز الفراق''، (۱۳۲۳ھ) خواجہ محمد عاقل جوگی کی ''مجموعہ کافیاں ہندی'' (مطبوعہ ۱۳۲۳ھ طبع ثانی ۱۹۹۶ء ۸۴ کافیاں) جہان شاہ مجروح کی ''بحرالفراق'' (۱۳۳۷ھ) محمد بخش نوروز کی شعلہ دلسوز (۱۳۴۱ھ) کے علاوہ سیّد مبارک شاہ کی ''داغ جگر'' (۱۹۰۵ء) اللہ ڈیوایا پرجوش کی ''کلامِ پرجوش'' (۱۹۳۳ء) اور مولوی خیرالدین صابر ملتانی کی ''یادگارِ صابر'' (۱۹۳۵ء) قابل ذکر ہیں۔ تیسرے ربع میں مرتبہ کتب ''رَت دیاں ہنجوں،، (۱۹۶۷ء) اور ''وہندے نیر'' (۱۹۷۳ء) کے علاوہ دیگر شعری مجموعوں مثلاً خُرم بہاولپوری کے ''خیابانِ خرم'' (۱۹۶۵ء)، یتیم جتوئی کی ''دُرّ یتیم'' (۱۹۶۷ء) اور شاد گیلانی کے ''ہاں دے بیرے'' (۱۹۷۳ء) وغیرہ میں کافیاں موجود ہیں۔ دلدار بلوچ کے کافیوں کے مجموعے ''شب ہجراں'' (مطبوعہ ۱۹۶۶ء) کے علاوہ ''ڈکھاں دی کھاری'' (۱۹۶۸ء) میں بھی کافیاں موجود ہیں۔ چوتھے رُبع میں فیض محمد دلچسپ کے ''ٹھڈرے ساہ'' (۱۹۷۰ء)، بخت علی بخت کے ''دیوانِ بخت'' (۱۹۸۱ء) اور سائیں داد کلہوڑا کے ''عشق دی نویں بہار'' (۱۹۸۳ء) میں کافیاں موجود ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں خواجہ نور احمد فرید آبادی کا ''دیوان احمدی'' شائع ہوا اس میں ۱۳۴ کافیاں چھپ چکی تھیں۔ اسی طرح خواجہ علی اکبر کی ''فیوضات اکبری'' (۱۹۹۲ء) میں ۶۳ کافیاں شامل تھیں۔ اِس دوران سرائیکی شاعرات کی کافیاں بُھی چھپتی رہیں۔ مثلاً بُشریٰ رحمٰن کی والدہ بیگم نصرت (زوجہ حکیم عبدالرشید) کی کافی سہ ماہی ''سرائیکی'' جنوری ۱۹۶۹ء میں صفحہ ۳۳ پر موجود ہے۔

بیسویں صدی کے آخری ربع میں بھی کافی کی روایت موجود ہے۔ اکثر شعراء کے شعری مجموعوں میں ''کافی'' کے عنوان سے منظومات شامل کی جاتی ہیں۔ جیسے اقبال سوکڑی کے ''ہنجوں دے ہار'' (۱۹۷۶ء) میں نو اور ''ڈُکھ دی چنج'' میں بارہ کافیاں شامل ہیں۔ کرم نالپور کے ''دل دیاں داھیں'' (۱۹۹۳ء) میں ستائیس کافیاں، سردار احمد سعید کے ''ہنجوں دے موتی'' (۱۹۹۲ء) میں ۲۶ کافیاں بخت علی سُرور کے ''آساں دے پھل'' (۱۹۹۱ء) میں ۲۱ کافیاں، جانباز جتوئی کے ''ارداساں'' (۱۹۸۵ء) میں بیس کافیاں، اقبال نصرت تونسوی کے ''کلّی گونج'' (۱۹۹۳ء) میں سترہ کافیاں شامل ہیں۔ دس سے زیادہ کافیوں والے شعری مجموعوں میں نصیر سرمد کا ''سوجھلا'' (۱۹۷۸) بخت آور کریم کا ''اِٹک مٹک دیداں'' (۱۹۸۴ء) قیس فریدی کا ''نمر و'' (۱۹۹۲ء) ڈاکٹر ایاز سہروردی کا ''پتھر نال ٹکر گن شیشے'' (۱۹۹۶ء) قابل ذکر ہیں۔ پانچ پانچ سے زیادہ کافیوں والے شعری مجموعوں میں ممتاز احمد زاہد کا ''ڈُسکیاں'' (۱۹۸۰ء) فیض بلوچ کا ''غم دیاں غاشاں'' (۱۹۹۰ء صادق تھیم کا ''بھالے'' (۱۹۹۱ء) اے بی عاصم کا ''سِک ساوݨ دی'' (۱۹۹۲ء)، کاشف چوہان کا ''شیشہ'' (۱۹۹۳ء)، بشیر کھوکھر تونسوی کا ''مٹھڑے بول'' (۱۹۹۳ء) اعلم میتلا کا ''ڈُکھ سنجوک'' (۱۹۹۳ء) اہم ہیں جبکہ پانچ سے کم کافیوں والے مجموعوں میں رشید عثمانی کا ''اکھیں دے جگارے'' (۱۹۷۶ء) مہینوال منگر وٹھوی کا ''پیار دی پینگھ'' (۱۹۸۶ء) نواز جاوید کا ''تانگھاں'' (۱۹۸۷ء)، محمد رمضان طالب کا ''جھریٹاں'' (۱۹۹۱ء)، اعجاز ڈیروی کا ''کلھیا'' (۱۹۹۲ء)، خادم حسین مخفی کا ''گھپ کار'' (۱۹۹۲ء)، بہار النساء بہار کا ''چھل بل اکھیں'' (۱۹۹۴ء)، مصطفٰی خادم کا ''لُوار لہجے'' عبدالرحمٰن اختر کا ''میڈا دل آہدے'' اور عاشق حسین عاشق کا علی خالد بھٹی کا ''کنڈیاں دی سیج'' (۱۹۹۰ء) مشتاق سبقت کا ''کھیڈ قلندر دی'' (۱۹۹۵ء) اور ظفر اقبال ظفر کا ''کچ دا گھر'' (۱۹۹۶ء) وغیرہ۔ ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۸ء تک سرائیکی کافی اپنا سفر یوں طے کرتی ہے۔

۱۹۹۷ء میں جدید سرائیکی شاعر رفعت عباس کا نیا مجموعہ کلام ''سنگت وید'' شائع ہوا تو

اس میں قدیم روایتی صنف ''کافی'' کو جدید روایت کے قالب میں ڈھالنے کا تجربہ کیا گیا۔ ۲۰۰۵ء میں (۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۵ء کے درمیان لکھی گئی) ۲۴۸ کافیوں کا ایک اور مجموعہ ''عشق اللہ سکیں جا گیا'' صفحات ۲۸۸ سامنے آیا تو اس نئے انداز کو مزید بہتر کیا گیا۔ اسے اکیڈمی آف لیٹرز ایوارڈ بھی ملا۔ خالد اقبال نے بھی ۲۰۰۴ء میں ''کویلی دی کاوڑ'' میں کافی کی روایتی صنف کو نئی ہیئت دی تو وہیں ۲۰۰۸ء میں شمیم عارف قریشی ''نیل گتھا'' کے عنوان سے ۱۲۸ صفحات پر مشتمل کافیوں کا مجموعہ سامنے لائے۔ اِسی دوران ''جیون جوگ'' کتابی سلسلے کے دو شمارے ''کافی'' کے لیے مخصوص کیے گئے۔ ۲۰۰۲ء میں ۲۷ صفحات پر شبیر حسن اختر نے پانچ کافی گو شعراء کے تعارف کے ساتھ اُن کی منتخب کافیاں ترتیب دیں۔ جاوید چانڈیو کا ''کافی'' پر مضمون بھی شامل کیا تو اگلے سال ۲۰۰۳ء میں صابر چشتی نے اِس سلسلے کی اگلی کڑی ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ترتیب دی۔ یہ بھی کافی گو شعراء کا مجموعہ تھا۔ ایسے میں بزمِ ثقافت ملتان کی طرف سے ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو کی کتاب ''کافیاں'' جون ۲۰۰۳ء میں کافی کی تعریف، موضوعات، اہم سرائیکی کافی گو شعراء وغیرہ کے موضوع پر ۱۳۰ صفحات پر مشتمل شائع ہوئی۔ حفیظ خان نے کافی کے اہم نام خُرم بہاولپوری کا منتخب سرائیکی کلام صفحات ۴۰۰ شائع کرایا تو ۱۰۰ سے زیادہ صفحات میں کافیاں شامل کیں۔ ۱۹۹۹ء میں سفیر لاشاری کی ''وِپرے'' میں ۳۲ کافیاں تھیں۔ احمد خان طارق کی ''گھروں در تانڑیں'' (دسمبر ۸۹ء)، ''ہتھ جوڑی جُل'' (جولائی ۲۰۰۵ء) کے علاوہ ''متاں مال وتے'' (مارچ ۱۹۹۵ء) دس کافیاں، ''میکوں سی لگدے'' (۲۰۰۱ء) پانچ کافیاں، ''عمراں دا پورھیا'' (دسمبر ۲۰۰۷ء) میں پچیس کافیاں شامل ہیں۔ شاکر شجاع آبادی کی ''شاکر دیاں غزلاں'' (جولائی ۲۰۰۱ء) کے علاوہ ''لہو دا عرق'' (جنوری ۲۰۰۰ء) میں ایک درجن کافیاں ہیں۔ سرور کربلائی کا مجموعہ ''سجھ دا سِینہ'' (اپریل ۲۰۰۴ء) میں بھی صنف پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔ اِس دوران جن دیگر شعری مجموعوں میں صنف کافی شامل ہے۔ ایک جائزہ پیش ہے۔

Scanned with CamScanner

۱۹۹۷ء۔ اقبال حسن بھپلا کا ''کچّے دھاگے''، شہباز سیّد کا ''پلن دے سودے''۔

۱۹۹۸ء۔ ابن کلیم کا ''سچا رنگ تصوّف والا''، اقبال حسن بھپلا کا ''بیٹ چھاں دا''، افضل ندیم افضل کا ''سِک دیاں ونگاں'' جندوڈہ مغموم کا ''اَکھا پھُلا''۔

۱۹۹۹۔ ہمراز سیال اُچوی کا ''گھُنڈ کھول''، سیّد مالک اُشتر کا ''لہندی شام''، محمد افضل سومرو کا ''پتھریں دی برسات'' دیوانہ بلوچ کا ''سوچ سجن دی''، شوکت بھٹی کا ''حق دا ہوکا''۔

۲۰۰۰ء۔ حیدر بزدار کا ''میل مہانگے''، دمساز قیصرانی کا ''پیار سنیہا''، سیّد عیسن شاہ ساجد ملتانی کا ''موڑ مہار''۔

۲۰۰۱ء۔ ہمراز سیال اُچوی کا ''ہر پھُل زخمی''، ملک مجید وارن کا ''دل پُرزے پُرزے''۔

۲۰۰۲ء۔ امیر بخش دانش کا ''کلامِ دانش''، محمد یار بے رنگ کا ''دیوانِ بے رنگ''، شبیر ناز کا ''چُپ دی چِیک'' مستری محمد ارشاد کا ''ڈکھ سجن دے''، محمد امین مجنوں کا ''نَیں شکاری''۔

۲۰۰۳ء۔ صادق تھہیم کا ''چتّی'' صادق کاشف بزدار کا ''سرخاب دے پر''، ناصر جروار کا ''ڈین وکھوہے'' شمس الدین شمس کا ''سوین سنجھ''، سلیمان پردیسی کا ''بنّی داڈھولا''۔

۲۰۰۴ء۔ ایاز سہروردی کا ''دیوانِ سروزِ ساربان''، نور محمد سائل کا ''قلندر سمندر'' (صفحہ ۱۷۱ تا ۱۱۹۱)۔

۲۰۰۵ء۔ اللہ بخش یاد کا ''جذبیاں پوتے بول''، محمد رمضان سانول کا ''سانول سلوناں''، غلام مصطفیٰ دلچور کا ''ڈھک سجن دے''۔

۲۰۰۶ء۔ دلنور نور پوری کا ''متاں مل پووے''، حسرت سہوانہ کا ''مُند رہے مُنہہ''، ارشاد تونسوی کا ''ندی ناں سنجوک''۔

۲۰۰۷ء۔ محمد ریاض خاکوانی کا ''یاداں''، سلیم شہزاد کا ''پیریں ٹر دا شہر''، نذیر احمد قاصر کا ''میں چُپ راہساں''۔

Scanned with CamScanner

۲۰۰۸ء۔ اعظم سیال کا ''تیکوں یاد آساں''، صابر دیوانہ کا ''زخمی دل''، خورشید قمر لاشاری کا ''روہی ریت سمندر'' خواتین شاعرات نے بھی اِس دوران کافیاں لکھیں۔ مثلاً بہار النساء بہار کے ''سبھے خواب میڈے'' (۱۹۹۸ء) میں چودہ کافیاں، شاہینہ خان کے ''پیار دی چھاں'' (۲۰۰۶ء) میں دس کافیاں اور صابرہ شاہین کے ''خالی ٹک'' (۱۹۹۷ء) میں دو کافیاں شامل ہیں۔

سرائیکی میں کافی کے علاوہ ''وائی'' شاہ لطیف بھٹائی کے بعد بھی لکھی جاتی رہی ہے مثلا کرم ٹالپور کے ''دل دیاں دانھیں، میں ۲۷ کافیوں کے علاوہ پانچ وائیاں بھی شامل ہیں۔ اسی طرح ریاض فاروق بزدار کے ''نین نظروں نیلے'' میں نو وائیاں شامل ہیں جبکہ غلام حسین ساجد کی ۲۴ وائیوں کا مجموعہ ''پانی رِمز بھرے'' سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا ہے۔ اس میں شامل وائی نمبر ۳۷ تا ۸۴ شاعر کی ایک اور کتاب ''دنیا پھرے غمازی'' (جسے پنجابی ادبی مرکز لاہور نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا تھا) میں صفحہ ۷۵ سے ۸۶ پر بھی موجود ہیں۔

وائی کا سفر بھی جاری ہے۔ ۲۰۰۱ء میں ریاض فاروق کے شعری مجموعے ''مُو نجھے منظر'' اور ۲۰۰۶ء میں لیّہ کے امان اللہ کاظم کے مجموعے ''پپلیں ہنجھ نہ ماوے'' میں وائی کے کامیاب تجربے موجود ہیں۔ سندھی وائیوں کے منظوم سرائیکی تراجم بھی کیے گئے ہیں۔

۲۔ ڈوہڑہ

کافی کی طرح ''ڈوہڑہ'' بھی سرائیکی شاعری کی بہت پسندیدہ صنف ہے۔ خواہ چھ مصرعوں کے بھی بے شمار ڈوہڑے لکھے گئے ہیں مگر عموماً اس میں چار مصرعے یا دو بیت ہوتے ہیں۔ دراصل پہلے صرف بیت لکھے جاتے تھے۔ پھران کو ''ڈوڑا'' یعنی دگنا کیا گیا تو ڈوہڑہ بن گیا۔ سی حرفیوں میں بھی زیادہ تر حرفوں کی ترتیب سے ڈوہڑے ہی باندھے جاتے ہیں۔ پرانے ناٹکوں میں بھی ڈوہڑے مکالموں کے طور پر شامل کیے جاتے ہیں۔ سرائیکی شعری تاریخ میں شائع شدہ پہلا

Scanned with CamScanner

ڈوہڑہ تقریباً سات سو سال سے بھی زیادہ پرانا ہے۔ یہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتانی اور حضرت مخدوم حمید الدین حاکمؒ کا سوالی جوابی ڈوہڑہ ہے۔ اس کے بعد صادق آباد کے علاقے کے درویش شاعر پیارا شہید ڈوہڑے کا شاعر ہو گزرا ہے۔ پھر جھنگ کے دمودر داس کے ''قصہ ہیر رانجھا'' میں ڈوہڑے ملتے ہیں۔ حسینی ڈوہڑوں میں پرانے نام مولانا عبدی اور سکندر کے ہیں۔ حضرت سلطان باہوؒ نے ڈوہڑے کی روایت کو مضبوط کیا۔ ان کے ڈوہڑے خالص عارفانہ رنگ کے ہیں۔ علی حیدر ملتانی۔ مولوی لطف علیؒ اور حضرت سچل سرمستؒ کے نام بھی ان شعراء میں آتے ہیں جنھوں نے ڈوہڑے کو ادبی مقام دیا۔ سندھ میں ڈوہڑے کی روایت کو سچل سرمستؒ کے بعد روحل فقیر اور ان کے پیر بھائی و مریدوں نے آگے بڑھایا پھر بیدل سندھی، جمل لغاری اور خیر شاہ کا دور آتا ہے۔ خیر شاہ تونسوی کے ساتھ ہی اللہ داد تونسوی کا ذکر آتا ہے۔ آنے والے دور میں نوروز، خوشدل، مجروح، مبارک شاہ اور شاطر ڈوہڑہ گو شعراء میں آگے آگے ہیں۔ (ان شعراء میں خیر شاہ اور خوشدل کے ڈوہڑے مرتب کر کے ڈاکٹر طاہر تونسوی نے شائع کیے ہیں ''خیر شاہ دا کلام'' کے عنوان سے دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۵ء میں سامنے آیا ہے۔ اس میں ۱۹۸ ڈوہڑے شامل ہیں جبکہ بیسویں صدی کے آغاز میں سرائیکی ڈوہڑے لکھنے والے سید مبارک شاہ بخاری مرحوم کا شعری مجموعہ رحیم طلب نے ''آکھیا مبارک شاہ'' کے نام سے مئی ۹۷ء میں شائع کرایا ہے۔ اس میں ان کے ۸۰ ڈوہڑے شامل ہیں۔) اسی دور میں ڈرامہ نگار ڈوہڑہ گو پیر بخش پیرن، نورن گدائی، گامن ملتانی اور حسرت ملتانی جبکہ حسینی ڈوہڑہ گو مولوی فیروز، غلام سکندر، سید علی، عاشق ملتانی، امام علی شفیق، نبی بخش شوق نے بھی ادبی سطح پر زندہ رہنے والے ڈوہڑے لکھے۔ منظوم قصوں میں بھی ڈوہڑے ملتے ہیں۔ جیسے آڈھا خاں نطقال کا قصہ ''سسی پنوں المعروف رموز عشق'' اور غلام محمد پرویز جھمٹ کا قصہ ''ہیر رانجھا'' مکمل طور پر ڈوہڑوں کی شکل میں ہی ہیں۔

بیسویں صدی کے آخری رُبع میں ڈوہڑہ ایک بار پھر مقبول ہوا ہے۔ اس میں ایک درویش شاعر دلنور نور پوری کا بہت ہاتھ ہے۔ جس نے نہ صرف پورے سرائیکی وسیب کے ڈوہڑہ

گوشعراء کے ڈوہڑوں کے مختصر مجموعے کتابچوں کی شکل میں شائع کرنے کی روایت ڈالی بلکہ ڈوہڑہ گوشعراء کے منتخب ڈوہڑوں کے مجموعے بھی شائع کیے۔ ڈوہڑوں کے خالص مجموعوں میں ایک روایت شاعر کے تخلص کے حوالے سے مجموعوں کے عنوان کی ہے مثلاً شوکت دے ڈوہڑے (۱۹۸۹ء)، اقبال سوکڑی دے ڈوہڑے، (۱۹۹۱ء) نازش دے ڈوہڑے (۱۹۹۲ء)، طارق دے ڈوہڑے (۱۹۹۳ء)، ارشد دے ڈوہڑے (۱۹۹۳ء)، ارشاد ڈیروی دے ڈوہڑے، کاشی دے ڈوہڑے ساقی سمینوی دے ڈوہڑے، سیفل دے ڈوہڑے، دلچسپ دے ڈوہڑے، شمیم دے ڈوہڑے (مطبوعہ ۱۹۹۴ء) لیاقت دے ڈوہڑے، آصف دے ڈوہڑے (مطبوعہ ۱۹۹۶ء) شاکر شجاع آبادی کے ڈوہڑوں کے آٹھ حصے بھی ''شاکر دے ڈوہڑے'' کے عنوان سے الگ الگ اور پھر کتابی شکل میں کئی بار یکجا شائع ہوکر قبول عام حاصل کر چکے ہیں۔ اسی طرح خواجہ فریدؒ کے نام سے منسوب کردہ ڈوہڑوں کا مجموعہ ''فریدی ڈوہڑے'' کے عنوان تلے بھی بار ہا شائع ہو چکا ہے۔ آنے والے برسوں میں نام سے موسوم ڈوہڑوں کے جو مجموعے شائع ہوئے اُن میں ۱۹۹۸ء میں ''آزاد شاہ دے ڈوہڑے'' (۸۰ صفحے)، ''امداد دے ڈوہڑے'' (۹۶ صفحے)، شوکت ملک دے ڈوہڑے'' (۶۴ صفحے) اور ''نواز بزدار دے ڈوہڑے'' (۴۸ صفحے) ۲۰۰۱ء میں ''شافی دے ڈوہڑے'' (۴۸ صفحے) ''سبقت دے ڈوہڑے'' (۳۲ صفحے)، دلنور دے ڈوہڑے'' (۳۲ صفحے) ۲۰۰۲ء میں ''اصغر شاہ دے ڈوہڑے'' (۴۸ صفحے) محمد ندیم کشور دے ''کشور دے ڈوہڑے'' (۳۲ صفحے) ''شمیم دے ڈوہڑے'' (۶۴ صفحے) ۲۰۰۵ء میں ''نادر دے ڈوہڑے'' (۴۸ صفحے) ۲۰۰۷ء میں ''شوکت مہروی دے ڈوہڑے''، ''اُشتر دے ڈوہڑے''، ''عاقل دے ڈوہڑے'' ۲۰۰۸ء میں ''فیض فقیر دے ڈوہڑے'' (۳۲ صفحے) قابلِ ذکر ہیں۔

اِس عرصے میں خالص ڈوہڑوں کے مجموعے مختلف عنوانوں سے چھپ کر آنے کا رواج بھی پڑا جیسے: دلکش اماموی کا ''وِچھوڑا'' (۱۹۸۹ء) شوکت بھٹی کا ''پیار دے چَسکے'' (۱۹۹۴ء) اور احمد خان آسی کا ''ہجر داروگ'' (۱۹۹۶ء)۔ ۱۹۹۷ء میں الطاف حسین جابر کا ''بھنی وَنگ'' (۴۸

صفحے ۔ ۵۷ ڈوہڑے)۔ ۱۹۹۸ء میں خادم حسین رازی کا ''وِچھڑی کُونج'' (۱۱۲ صفحے)۔ ۲۰۰۰ء میں ''پیار دی درسال (محبت بھرے عشقیہ ڈوہڑے)'' محمد اکرم اکرام کا (صفحات ۳۲)۔ ۲۰۰۱ء میں اقبال حسن بھپلا کا ''سُندری سوچ'' دلشاد محور کا ''سوچ صنم دی'' (۳۲ صفحے) اصغر شجاع عبادی کا ''دل دی ہنج''، اللہ ڈتہ ناشاد کا ''ڈُکھاں دے پندھ'' اشرف حسین باقر کا ''درد وچھوڑے دا'' افضل ندیم افضل کا ''ڈکھیں دا سمندر'' ۲۰۰۲ء میں دیوانہ بلوچ کا ''ظالم اکھیں'' ثاقب ساہی کا ''سِک دی سنگت'' (۹۶ صفحے) محمد رزاق بزمی کا ''بے وفا صنم'' (۳۲ صفحے) اور سیفل بلوچ کا اُلر دیاں بانہیں (مقبول ڈوہڑے) ۱۲۰ صفحے۔ ۲۰۰۳ء میں ''دَھک سجن دے'' (غلام مصطفیٰ دلچور) ۲۳ صفحے، محمد رفیق راکب سہرانی کا ''اُوکوں آکھیں چا'' (۳۲ صفحے) ۲۰۰۴ء میں عبدالرشید اشتر دا ''پکھرو'' (۱۱۱ صفحے) عابد حسین عابد کا ''سِک سرمایہ''۔ ۲۰۰۵ء میں ۳۲ صفحے والے ظفر حسین مسکین کا ''یاراں نال بہاراں'' فہد قتالپوری کا ''اَنہیر جوانی دا''، مصطفیٰ عزیز کا خیر دا چندر'' اقبال عاقل عاشق طاہر آبادی کا ''ساوِل'' جبکہ گلزار احمد گلزار کا ''گول'' (۱۲۶ صفحے)۔ ۲۰۰۶ء میں ۳۲ صفحات والے ''پردیس کیوں ویندیں'' از محمد رمضان ثاقب ''مونجھ آئی ہے'' از یوسف مراد آبادی ''جھیڑا عاشق معشوق'' از اشرف حسین باقر، بلال محسن کا ''ٹھَر ٹھَر ونجاں اور'' درد وچھوڑے دا'' ملک عارف گلشن کا ''ساڈا کوئی کائنی'' جاوید شاہجمالی کا ''ہجر دی سُولی''، صادق تھہیم کا ''محبت دا تحفہ'' سیفل بلوچ کا ''ہجر دے مارئیں کیتے سُوکھڑی'' ۲۰۰۷ء میں فقیر بخش شہزاد کا ''چڑھدی جوانی'' جاوید بلوچ کا ''زندگی تاں بے وفا ہے'' عرفان حاشر کا ''لاش لہجے'' ظفر حسین مسکین کا ''اکھیں قابور کھیں''، عابد حسین ظامی اور محمد عرفان گُلنور کا ''پیار دی سانجھ'' محمد صدیق عادل سعیدی اور محمد عباس طالب کا ''ساکوں یاد رکھیں'' کے علاوہ صابر بھریوں کا ''تھل جگراتے'' (۱۵۹ صفحے)۔ ۲۰۰۸ء میں ۳۲ صفحات کے خلیل الرحمٰن سمیل اور محمد اکمل بھٹی کا ''رَت دے نیر''، ظفر حسین مسکین کا ''متاں بچ پونواں'' بلال بزمی کا ''دل دی دنیا'' فیض رسول محبوب علوی کا ''غم دا سمندر'' شوکت مہروی کا ''صدقے تھیواں'' کے علاوہ لیاقت بلوچ کا ''پہلی محبت'' (۴۸ صفحے) کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

مختلف شعراء کے منتخب ڈوہڑوں کے مجموعے شائع کرنے کا رواج بھی پچھلی دو دہائیوں میں دیکھنے کو ملا ہے۔ جیسے دلنور نور پوری نے سجناں دی پسند (۱۹۹۱ء) اور ''انگارے'' (۱۹۹۲ء) کے علاوہ ۱۹۹۹ء میں پچھتر پچھتر شعراء کے منتخب ڈوہڑوں کے چار مجموعے ''رنگ رنگ دے پھل''، ''موتیاں دی لڑی''، ''زخمی دل'' اور ''وَن وَن دامیوہ'' مرتّب کیے۔ جبکہ اعجاز ڈیروی نے ''پھل پیار دے'' (۱۹۹۱ء) اور ''سچے موتی'' (۱۹۹۵ء) آغا اقبال حسین قزلباش نے ''جدائی دے تیر'' اور مخدوم محمد مٹھا شاہ نے ''سِک سانول دی'' (۱۹۹۴ء) مُرتّب کیے۔ ۱۹۹۷ء میں احسان اعوان کا ''شاہکار ڈوہڑے'' (عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کے گائے ہوئے) ۶۴ صفحے، ۱۲۰ ڈوہڑے، ۱۹۹۸ء میں حاجی خدا بخش ڈیرہ غازی خان کا ''تیر جفا دے'' ۴۰ صفحے، امداد اللہ امداد کا ''عشق دی لذت'' ۱۹۹۹ء میں دلنور نور پوری کا ''سَدا بہار ڈوہڑے'' (۶۴ صفحے) اے بی عاصم اور سرور محسن کا ''سانجھاوَن'' محمد اسلم رستم کا ''روہی دے چَندر چہرے'' ۲۰۰۰ء میں احسان اعوان کا ''ڈوہڑے دے بادشاہ'' احمد خان طارق، شاکر شجا آبادی، مصطفٰی خادم، امان اللہ ارشد ۱۲۸ صفحے، [illegible] میں خضر حیات مُون کا ''دَھک سجن دے'' (چونڑویں شاعریں دے چونڑویں ڈوہڑے) صفحات ۱۱۲، افضل ندیم افضل کا ''دردیں دے سفید'' (اعجاز ڈیروی، عبدالرشید اُشتر، صدیق لاشاری، امیر نیازی، ناصر جروار) صفحات ۶۴، زید جعفری کا ''۱۰۰ شاعر ۱۰۰ ڈوہڑے'' (۶۴ صفحے) احسان اعوان کا ''لاجواب ڈوہڑے'' (۱۱۳ شعراء) صفحات ۹۶، افضل ندیم افضل کا ''بہاریں دے صدمے'' ۲۰۰۶ء میں محمد ظفر مُنصف کا ''روہی دے پُھل'' ۲۰۰۷ء میں شاہد دھریجہ کا ''ڈھولا چِتا چِتا'' ۳۲ صفحے، ۲۰۰۸ء میں زید جعفری کا ''زخمی جگر'' (۴۸ صفحے۔ ۹۲ ڈوہڑے) ایاز محمود دھریجہ کا ''ڈھولا لڑیا دے نِج'' محمد ارشاد کیفی کا ''سارے جھگڑے مُکا جانیاں'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ڈوہڑوں کے سینکڑوں کتابچوں کے علاوہ جن میں شعری مجموعوں میں ڈوہڑے شامل ہوئے ان میں خواجہ نور احمد فرید آبادی کے ''دیوان احمدی'' (مطبوعہ ۱۹۸۷ء) میں ایک سو ساٹھ ڈوہڑے ان کے اپنے اور ۳۷ ڈوہڑے خواجہ محمد اعظم کے شائع ہوئے۔ بیدار غازی گھانوی کے

Scanned with CamScanner

''مُو نجھے پھل'' (۱۹۹۵ء) میں ایک سوڈوہڑے شائع ہوئے۔ احمد خان طارق کے ''گھروں در تانڑیں'' (۱۹۸۹ء) میں ۸۲ ڈوہڑے اور ''متاں مال ولے'' (۱۹۹۵ء) میں ۶۵ ڈوہڑے شامل ہیں۔ اقبال سوکڑی کے ''ہنجوں دے ہار'' (مطبوعہ ۱۹۷۶ء) میں ۸۰ اور ''ڈکھدی جھج'' میں ۵۹ ڈوہڑے شائع ہوئے۔ ساقی سمینوی کی ''زلفیں دی چھاں'' (۱۹۹۰ء) میں ۵۲ اور ''خالی جام'' (۱۹۹۳ء) میں ۹۲ ڈوہڑے شامل ہیں جبکہ ''بے خواب نندراں'' (۱۹۹۷ء) میں ایک سو ایک ڈوہڑے موجود ہیں۔ مصطفیٰ خادم کی ''پارت'' (مطبوعہ ۱۹۹۳ء) میں ۲۲ اور ''کُوار لہجے'' (مطبوعہ ۱۹۹۶ء) میں ۴۰ ڈوہڑے شامل ہیں۔ صادق تھہیم کی ''بھالے'' (مطبوعہ ۱۹۹۱ء) میں ۳۹ اور ''مُونجھ'' (۱۹۹۴ء) میں ۲۸ ڈوہڑے شامل ہیں۔ شاہد شاہ شاہد کی کتاب ''غم دی شام'' (مطبوعہ ۱۹۹۶ء) میں ۷۸، اے بی عاصم کی سِک ساون دی (۱۹۹۰ء) میں ۴۷، مشتاق سبقت کی ''کھیڈ قلندردی'' (۱۹۹۵ء) میں ۷۲، امان اللہ ارشد کی ''سِک داساون'' (۱۹۹۶ء) میں ۶۸، محمد علی خالد بھٹی کی ''کنڈیاں دی سیج''، (۱۹۹۰ء) میں ۶۴، عباس غزالی (عباس شیرخیلی) کی ''مینگھ ملہار'' (۱۹۹۴ء) میں ۶۰، ایاز سہروردی کی ''پتھر نال ٹکر گن شیشے'' (۱۹۹۴ء) میں ۵۸، قیس فریدی کی نمرو'' (۱۹۹۲ء) میں ۵۷، مہینوال منگروٹھوی کی ''پیار دی پینگھ'' (۱۹۸۶ء) اور رفیق ساحل کی ''پڈ داساحل'' (۱۹۹۰ء) میں ۵۴، ۵۴ ڈوہڑے شامل ہیں۔

دیگر مجموعے جن میں پچّیس سے زیادہ ڈوہرے شامل ہیں۔ ان میں نمایاں یہ ہیں۔ کاشف چوہان کا ''شیشہ'' (مطبوعہ ۱۹۹۳ء) میں ۴۸ ڈوہڑے، ممتاز احمد زاہد کے ''ڈُسکیاں'' (مطبوعہ ۱۹۸۰ء) میں ۴۵، خادم حسین مخفی کے ''گھُپکار'' (مطبوعہ ۱۹۹۲ء) میں ۴۲، مُصطفیٰ مستو کے ''نُونج قطاراں'' (۱۹۹۶ء) میں ۴۰، اعجاز ڈیروی کے ''کلہیا'' (۱۹۹۲ء) میں ۳۹، نوراحمد نوری لالیکا کی ''راہی تھل دی'' (۱۹۸۹ء) اور عبدالرحمان اختر کے ''میڈا دل آہدے'' (۱۹۹۶ء) میں ۳۸، ۳۸، بخت علی مسرور کے ''آساں دے پھُل'' (۱۹۹۱ء) میں ۳۴، خالد حسین خالد کے ''بھناں کاسہ'' (۱۹۹۱ء) میں ۳۲، شمس الدین گیلانی کے ''ڈُکھدی ڈات، (۱۹۹۶ء) میں ۳۱، فیض

بلوچ کے "غم دیاں غاشاں" (۱۹۹۰ء) اور محمد رمضان طالب کے "جھر ٹیاں" (۱۹۹۱ء) اور جندوڈہ مغموم کے "وفا دی سُولی" (۱۹۹۵ء) میں ۳۰، ۳۰ عبدالغفار دمساز کے "روہی وس پئی اے" (۱۹۹۳ء) میں ۲۹ اور نُور وارث کے "پچھاواں" (۱۹۹۱ء) میں ۲۸ جبکہ جانباز جتوئی کی "ارداساں" ناظم ڈیروی کی "مُکان، ظفر اقبال کی "کچ دا گھر" شہزادہ آصف کی "تُھر کی مزاج" سردار احمد سعید کی "ہنجوں دے موتی" مہینوال منگروٹھوی کے "وفا دا کال" اسلم میتلا کے "ڈکھ نجوک" اور شوکت بھٹی کی "کچ دیاں ونگاں" وغیرہ میں بھی ڈوہڑے شامل ہیں۔

۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۸ء تک کا جائزہ لیں تو درج ذیل شعری مجموعوں میں ڈوہڑے مقدار میں زیادہ ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں اقبال وارث کا مجموعہ "بھانج" صفحات ۶۴ میں صفحہ ۷ سے ۴۰ پر ۹۹ ڈوہڑے ہیں۔ نمونہ دیکھیں:

کیا عرض کروں کیا پندے ہیں بھلا پنّوں کیا اساں پندھ کرنے
تیڈے رُخ انور دے وانگ سخی ہے صفا اَساں پندھ کرنے
نہ حال پریتی گھن کوئی نہ رات ٹکا اساں پندھ کرنے
ساڈا پندھ ہے خادم پیریں دا سائوں پیر چُما اساں پندھ کرنے

۱۹۹۹ء میں "پتھریں دی برسات" (محمد افضل سومرو) ۶۴ صفحے، ۲۰۰۲ء میں سیّد عیسن شاہ ساجد ملتانی کا "وِچھڑی کُونج" (۹۶ صفحات)، ۲۰۰۳ء میں غلام مُرتضیٰ اَن کھٹ کا "ہاں دے ہیرے" (۱۲۴ صفحے)، ۲۰۰۴ء میں کشور لودھراں کا "دل نئیں راہندا"، (۱۶۰) صفحے ۲۰۰۶ء میں غلام عباس مسکین کا "ہنج دا ماتم" (۱۶۰ صفحے) عیسن شاہ ساجد ملتانی کا "دل دیاں دل وِچ" (۱۱۲ صفحے)۔

ایک موضوع پر بھی ڈوہڑے لکھنے یا مرتب کر کے چھپوانے کی روایت موجود ہے۔ مثلاً "عید" کے موضوع پر مجموعے دیکھے جا سکتے ہیں۔ فروری ۹۸ء میں "ساڈی عید نہ تھئی" (صفحات ۹۶) مرتبہ سرائیکی سنگت دلچسپ جون ۲۰۰۲ء میں "عید دے ڈوہڑے" (۶۴ صفحات) ۹۷ شاعر مرتبہ احسان اعوان، ۲۰۰۵ء میں "عید پتن تے" (اکبر شاہجمالی) اکتوبر ۲۰۰۷ء میں "عید کراونج"

(شاہین ملک) دسمبر ۲۰۰۷ء میں تیئن بن عید نہ بھاوے" مرتبہ محمد اسلم ملک اور فروری ۲۰۰۸ء میں "تساں وطناں تے عید کرو" مرتبہ محمد اکمل فراز وغیرہ۔

ڈوہڑوں میں سوالیہ جوابیہ ڈوہڑوں کی روایت بھی قدیم دور سے چلی آتی ہے۔ مثلاً ۱۹۹۸ء میں محمد بخش آسی حاجی بلوچ کا مجموعہ "چھیکڑی ہنجھ" میں عزرائیل سے سوالی جوابی ڈوہڑے، ۱۹۹۹ء میں سلطان احمد سوز بلوچ کے سوز فراق (صفحات ۱۷۶) سوالی جوابی ڈوہڑے بھی ہیں۔ ۲۰۰۲ء میں محمد یار بے رنگ کے "دیوانِ بے رنگ" میں (صفحات ۲۰۸) سوالی جوابی ڈوہڑے موجود ہیں۔ مثلاً اکھیں تے دل دا جھیڑا (مطبوعہ جھوک) دیگر تجربات میں محمد رمضان طالب کے موضوعاتی ڈوہڑے "سکھ دے ساہ" ۲۰۰۲ء صفحات ۱۸۸ کا ایک ڈوہڑہ دیکھیں:

اَج تے کل   اَج دا کم نہ کل تیں چھوڑیں، اج دا کم کر اج۔ کل دی کہیں کوں گل کینی
نہ کل دے پچھوں بھج

طالب کل تاں آسی پُنی توں اَج دی رکھ گھِن لَج۔ پیرو آڈھی تھی نہ کل دا اج دا پیرا گَج

۲۰۰۳ء میں مطبوعہ "سکھ سمل" (۶۴ صفحے) میں بھی عنوان کے ساتھ ڈوہڑے موجود ہیں۔ ۲۰۰۴ء میں وَسوں رِند فقیر نے "گنج قادری" میں معرفت کے ڈوہڑے ردیف وار پیش کیے۔ ۲۰۰۵ء میں اقبال حسن بھپلا نے تصوف کے ڈوہڑے "چٹا نہوڑ" ۱۱۲ صفحے مع اُردو ترجمہ دیے۔ جولائی ۲۰۰۶ء میں محمد منشاء نادر لاشاری نے "آس ادھوری" (صفحات ۲۲۴) میں بلانقط ڈوہڑے شامل کیے۔ کسی ایک شاعر کے شعری مجموعے کے آخر میں دوسرے شاعر کے چند ڈوہڑے شامل کرنے کی روایت بھی بن رہی ہے۔ اگست ۹۷ء میں اقبال وارث کے مجموعے "اُڈردی ڈھوڑ" کے آخر میں عباس مخلص کے ہیں۔ صرف ۲۰۰۸ء میں سہیل عباس دانش کی "پیار دے گاون" (صفحات ۹۶) میں صفحہ ۷۶ سے غلام قاسم عطاء کے ڈوہڑے ہیں۔ باقر شجاعبادی کی "درد جوائی دے" (صفحات ۳۲) کے آخری ۵ ڈوہڑے عارف گلشن کے ہیں۔ ایاز کریم نصرت

کے ''دیداردی رات'' (۳۲ صفحے) کے صفحہ ۲۵ سے دلنورنور پوری کے ڈوہڑے ہیں۔

۹۷ء سے ۲۰۰۸ء کے درمیان شائع ہونے والے شعری مجموعے جن میں معقول تعداد میں صنف ''ڈوہڑہ'' موجود ہے۔سال واراس طرح سے ہیں۔

۱۹۹۷ء میں ''رَت دے نیر'' (عبداللہ ساجد عمر کوٹی) ''ڈکھ سجن دے'' (شبیر بلوچ) ''شارتاں'' (ناظر جسکانی) ''دل دے سودے'' (شہباز سیّد) ''بیٹ تے بیلا'' (فیض فریدی) ''کچے دھاگے'' (اقبال حسن بھپلا)۔

۱۹۹۸ء میں ''عشق دیاں چِنگاں'' (قلندر بلوچ) زید جعفری کے ''لالچی معشوق'' اور ''ہائے جوانی'' خالد محمود بیدار غازیگھاٹوی کا ''پریت''، خلیل احمد شودا مستوئی کا ''سچے پھُل پیار دے'' عبدالاحد حسن گورمانی کا ''پھِکی کھِل''، مومن ہاشمی کا ''احسان سجن دے'' محبوب تابش کا ''پتھریں دی واچھڑ'' نذیر شجاعبادی کا ''اکھ دا ساون'' افضل ندیم افضل کا ''سِک دیاں وَنگاں'' ساجد راہی کا ''لُکھ ڈے جھولے'' اقبال حسن بھپلا کا ''بیٹ چھاں دا''، نواز خوشدل کا ''ڈکھ دے پَندھ''، فیض بلوچ کا ''تھَل دی تَس''، اقبال قریشی کا ''عشق دی جھانجر'' جندوڈہ مغموم کا ''اکھا پھُلا''، غلام حسین عادل کا ''ڈکھاراول''۔

۱۹۹۹ء میں اعجاز ڈیروی کا ''پردیسی ول آ''، محمد حیات شہباز سیّد کا ''دردسّی دے'' دیوانہ بلوچ کا ''سوچ سجن دی'' ہمراز اُچوی کا ''گھنڈ کھول'' اور ''ہر پھل زخمی'' عبدالخالق سرمد کا ''پیار پینگھاں'' شفقت بزدار کا ''نکھیڑے''، نادر لاشاری کا ''آس ادھوری'' فدا حسین شہباز کا ''رُوح دی کُونج''، سیّد مالک اُشتری کا ''لہندی شام''۔

۲۰۰۰ء میں عبدالاحد حسن گورمانی کا ''پتھر پنج''، اعجاز سونگی کا ''میں تھگوڑی عاشق ہاں''، محمد جعفر ڈینہ کا ''غمگین مسافر'' منظور اعوان کا ''وفادے ڈیوے'' فیاض احمد زاہد کا ''وفادے پھُل''، الطاف حسین سونگی کا ''رَسمیں پکے پکے''، سیف اللہ سیفل کا ''ونج ولا سوچ گھِن'' دمساز قیصرانی

کا ''پیار سنہیا'' حیدر بزدار کا ''میل مہانگے''، فضل سوکڑی کا ''چنری چاک لوریاں'' (عنوان ڈوہڑے میں ہے)۔ سید عیسن شاہ ساجد ملتانی کا ''موڑ مہار'' اور ''وچھڑی کونج''۔

۲۰۰۱ء میں اقبال قریشی کا ''ہنگل''، سالک سودھوی کا ''سوچ سمندر'' غلام فرید جانی کا ''پھلو ہے'' ملک مجید وارن کا ''دل پُرزے پُرزے'' سیّد ساجد راہی کا ''رشتے محبتاں دے'' اسد جھلن، تحسین بخاری اور محمد ندیم کشور کا مشترکہ مجموعہ ''کھلدے پھل'' ریاض فاروق کا ''مونجھ منظر'' محمد اشرف درپن کا ''کلامِ درپن''، رانا محمد نواز نیازی کا ''آونج سانول'' کے علاوہ افضل ندیم افضل کے ''پیت دے پندھیڑو'' اور ''دردیں دے سفیر'' میں بھی ڈوہڑے ہیں۔ اسی سال فاروق روکھڑی (بابائے تھل) کا مجموعہ کاغذ دی بیڑی (صفحات ۱۸۴) چھپا۔ جس کا اختتام اس ڈوہڑے پر ہوا ہے:

توں سامنے بہہ تیڈے حُسن دی اج تصویر مکمل کرنی اے
کُجھ ہوٹاں کُجھ رُخساراں دی تفسیر مکمل کرنی اے
تیڈے مِٹھڑے پیارے لہجے دی تاثیر مکمل کرنی اے
فاروق میں پیار دے خواباں دی تعبیر مکمل کرنی اے

۲۰۰۲ء میں نذیر شجاعبادی کا ''مقدر دی ونڈ'' محمد اجمل خاموش کا ''دل دی مرضی'' محمد افضل سومرو کا ''ہاں دی ہبڑاس'' عابد حسین عابد کا ''ہنجوں دے موتی''، شبیر بلوچ کا ''میں پریشان ہاں''، سلیم یادش کا ''اَج دی رات''، نادر لاشاری اور سبحان ڈاہا کا مشترکہ ''سِک دی سانگ'' میرن بلوچ کا ''اکھیں دے پھل''، امیر بخش دانش کا ''کلامِ دانش اور ہوت حسین ہوت کا ''افق تیں لالی''۔

۲۰۰۳ء میں بشیر ملتانی کا ''دل وارڈیواں''، الطاف حسین جابر کا ''اجاں میں بے وفا

تھہیم کا ''چنی'' صادق کاشف بزدار کا '' سُرخاب دے پَر'' جانباز جتوئی کا ہاں''، صادق ''ہواڑاں''، سلیمان پردیسی کا ''بنّی داڈھولا'' رب نواز مجنوں کا ''زمانہ چندرتے پچ گئے''، ناصر جردار کا ''دین دکھوئے''، شمس الدین شمس کا ''سَتویں سَنجھ''۔

۲۰۰۴ء میں کشور لودھراں کا ''غم پلدا اپئے'' اور ''دل نئیں راہندا'' امان اللہ ارشد کا ''میڈے ساہ دی ڈورتے ٹُردا اجُل'' اور ''اکھیں خواب جگارے''، حنیف حاکی دنیاپوری کا ''تانگھ سجن دی''، سلطان قادری کا ''تانگھی تارے''، انور شاہ انور کا ''سنگھٹ''، فرید ساجد کا ''چنتے''، اقبال قریشی کا ''سوجھل''، ایاز سہروردی کا ''سروزِ ساربان'' سرور کربلائی کا ''سجھ دا سینہ'' نور محمد سائل کا ''قلندر سمندر'' (۱۹۳تا۲۲۰) حماد خان کا ''اُڈدے پکھی'' زوار حسین زوار کا ''پینگھ''۔

۲۰۰۵ء میں مصّور حسین مصّور بلوچ کا ''دل ہے کعبہ'' عدیل ارمغان الخالق کا ''جگر زخمی زخمی''، نور حسن نور کا ''سوہنے سوہنے لوک'' محمد رمضان سانول کا ''سانول سلُوناں'' غلام مصطفٰی دلچور کا ''دھک سجن دے''، ایم اشرف عظیم کا ''دردیں داحال المعروف سچ کوں مرچاں'' دلنور نور پوری کا ''بھوئیں اَمب خونی زلزلہ'' ریاض ارم کے ''قاتل نگاہ'' اور ''حیاتی دے پندھ'' غلام جعفر نادار کا ''سِکدیاں اکھّیں'' سید نصرت کنول کلچ پوری کا ''متاں یار ملے'' مرتضٰی زاہد کا ''ترنڈ'' اقبال سوکڑی کے ''اَٹھواں اسمان'' (صفحات ۱۱۶) میں ۳۴ نئی طرز کے ڈوہڑے شامل ہیں۔

۲۰۰۶ء میں محمد رمضان ثاقب کا ''پردیس کیوں ویندیں'' عابد حسین عابد شجا عبادی ''پردیس نہ ونج'' رؤفی جہان پوری کا ''نیر وہانیر''، نعیم احمد انجم کھوکھر کا ''خواب سجن دے'' ملک عارف گلشن کا ساڈا کوئی کائنی'' ریاض احمد شامل کا ''دل مونجھا راہندے'' محمد رمضان صَندر کا ''تانگھ'' دلنور نور پوری کا ''متاں مَل پووے'' قربان ازہر کا ''ہجر دی شام''، حسرت سہوانہ کا ''مندر یے منُہہ، کشور لودھراں کا ''خوف ہجر دا'' عیسن شاہ ساجد ملتانی کا ''دل دیاں دل وچ''،

واحد بخش شیراز کا ''پیلھوں'' ممتاز کامل کا ''ہنج دریا'' اور رو سولال کا ''راول''۔

۲۰۰۷ء میں محمد عباس یوسف کا ''بِک دا سیک''، جعفر حسین جعفر کا پیار نہ کریں، عرفان حاشر کا ''سنگھار۔ چاں'' عابد حسن ظامی کا ''عشق دیاں چاتاں'' نعیم احمد انجم کھوکھر کا ''میڈے اِس کائنی'' سیف اللہ سیفل کا ''نصیبیں دی ونڈ''، فیض احمد شاذم کا ''مونجھ دا موسم'' اختر عباس کا ''اساں نی بچدے'' محمد عمران عاجز بہاولپوری کا ''پیار دے پھل'' اختر عباس فہد قائپوری کا ''یاداں'' اور نور حسن نور کا ''اکھ دے وار'' حافظ گلاب فیاض کا ''گونج گرلاٹ''، ریاض تبر کا ''اجاں ثوں رُسدیں''، ساحل بزدار کا ''گیارول راول'' یعقوب ساغر کا ''تھل دے مسافر'' غلام فرید کہتر کا ''پھتریں دے صنم''، محمد مظہر نیازی کا ''سُر تے تال''، مہر محمد اجمل خاموش کا ''تانگھ'' فیض بلوچ کا ''تھل دی ذات'' جمشید احمد کمتر کا ''پھل گلاب دے''، نذیر احمد ناصر کا ''میں چُپ راہساں'' محمد عرفان گھلو راور عابد حسین ظامی کا ''پیار دی سانجھ''۔

۲۰۰۸ء میں مجید احمد ساگر دنیاپوری کا ''میکوں پینگھ جھٹا''، محمد عظیم بلوچ علی پوری کا ''مُجھ تاں سوچیں ہا'' اعظم سیال کا ''تیکوں یاد آسوں'' صفدر کربلائی کا ''ساڈی جھوک تے آ'' اشرف حسین کشور کا ''چٹی نخرے باز'' طارق نصیر ساگر کا ''گھر کوئی کائنی'' بلال احمد بلال کا ''غم دے بادل''، صابر دیوانہ جھنڈ یرواہی کا ''زخمی دل'' '' رزاق بزمی کا ''لہو دے ڈیوے''، رشید سانول کا ''ہاں دے بارے''، جعفر حسین جعفر کا ''ڈینہہ دے تارے'' بلال محسن کا ''گول بجن دی''، بہار حسین فانی کا ''پہلی رات'' محمد جہانگیر انصاری کا ''مُجھ حوصلہ کر''، سلیم سالک کا ''دل مونجھی ہے'' سیف اللہ عاطف کا ''یار دی شادی'' مجید انجم ہارون کا ''لُک چھپ'' وارث علی وارث کا ''اَن ڈٹھے خواب'' (ڈوہڑے صفحہ ۹۸ تا ۱۱۲) دیوانہ بلوچ کا ''عشق سمندر'' شبیر ناز کا ''سُجاک سوچاں'' اور سیفل بلوچ کا ''صدائے سیفل'' ڈوہڑے کے حوالے سے خصوصی طور پر شمار کی جانی چاہیں۔

سرائیکی شاعری میں ڈوہڑہ سب سے زیادہ لکھی گئی، پڑھی اور سُنی گئی صنفِ شاعری ہے۔ ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۸ء کے درمیان اب ڈوہڑے کے دو بڑے شاعروں کی مطبوعات کا الگ سے جائزہ لیا جا رہا ہے۔ محمد شفیع شاکر شجا آبادی کی پہلی کتاب ''شاکر دے ڈوہڑے'' صفحات ۹۶ پہلی بار ۸ حصے مکمل جنوری ۹۱ء میں چھپی جس کا چھٹا ایڈیشن اپریل ۱۹۹۷ء میں سامنے آیا۔ آٹھواں ۲۰۰۱ء میں چھپا۔ مخدوم پبلشرز نے اکتوبر ۹۹ء میں الگ سے شائع کیا۔ پہلا شعری مجموعہ ''پیلے پتر'' جھوک پبلشرز ملتان نے ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ستمبر ۱۹۹۶ء میں شائع کیا جبکہ دلنور سرائیکی پبلی کیشنز نے اِسے ۱۶۰ صفحات کا فروری ۹۶ء میں اور ۹۶ صفحے کا مارچ ۹۸ء میں چھاپا تھا۔ اس میں دیگر اصناف کے علاوہ ۵۴ ڈوہڑے شامل تھے۔ دوسرا مجموعہ ''پتھر موم'' جس میں ۸۴ ڈوہڑے قطعے شامل ہیں۔ ستمبر ۹۶ء میں ۱۰۴ صفحات کا جھوک پبلشرز نے شائع کیا۔ مخدوم پبلشرز نے ۹۶ء صفحات میں شائع کیا۔ تیسرا مجموعہ ''لہودا عرق'' یکم جنوری ۲۰۰۰ء کو جھوک پبلشرز نے ۹۶ء صفحات پر مشتمل شائع کیا۔ اس میں صرف چھ ڈوہڑے تھے۔ چوتھا مجموعہ ''کلامِ شاکر'' ۲۷۶ صفحات پر مشتمل وسیب سرائیکی ادبی مرکز ملتان نے مارچ ۲۰۰۲ء میں شائع کیا جس میں ڈوہڑے صفحہ ۱۲۷ سے ۱۸۴ پر ہیں تعداد ۱۶۸ ہے۔ پانچواں مجموعہ ''بلدیاں ہنجوں'' جھوک پبلشرز نے فروری ۲۰۰۶ء میں ۱۲۸ صفحات پر مشتمل شائع کیا۔ اس میں ۳۰ ڈوہڑے ہیں۔ ساتواں کتابچہ ''پتہ لگ ویندے'' جھوک پبلشرز ملتان نے اپریل ۲۰۰۶ء میں ۳۲ صفحے کا شائع کیا جو ڈوہڑوں کے ساتھ غزلوں کا مجموعہ ہے۔ (سرائیکی چونویاں غزلاں تے ڈوہڑے)۔ مرتب عبدالرشید اُشتر ۲۰۰۷ء کے حوالے سے سرائیکی میں ایسے مجموعے مُرتب کرنے کی روایت موجود ہے)۔

اِن کے علاوہ کلام کا انتخاب کر کے مُرتبہ کتابوں کی صورت میں بھی شائع ہوئے۔ شاہد دھریجہ کا مُرتبہ ''خدا جانے'' صفحات ۳۲ کا ایک ایڈیشن ستمبر ۲۰۰۱ء کا ہے۔ اس میں بھی ڈوہڑے ہیں۔ حضر حیات نون کا مرتبہ ''شاکر دیاں غزلاں'' صفحات ۳۲ میں بھی ڈوہڑے موجود ہیں۔ شاہد دھریجہ کا مُرتبہ ''اے ڈاکنی ڈاک درواں دی'' صفحات ۳۲ مطبوعہ ۲۰۰۴ء صرف ڈوہڑوں کا مجموعہ

ہے۔ ''مُنافقتاں توں خدا بچائے'' صفحات ۱۶ اُمرتبہ دلنور نور پوری جولائی ۲۰۰۵ء میں چھپا۔ اس میں بھی ڈوہڑے ہیں۔ یہ سب جھوک پبلشرز نے شائع کیے۔ ان کے علاوہ کچھ شعراء نے اپنے ڈوہڑے ملا کر بھی مجموعے مُرتب کیے۔ جیسے دیوانہ صادق آبادی کے شاکر کے ڈوہڑوں کے ساتھ ''سرائیکی ڈوہڑے'' صفحات ۳۲ خواجہ فریدؒ سرائیکی سنگت صادق آباد سے ۲۰۰۷ء میں شائع کرائے، مُرتب عرفان بشیر ہیں۔

احمد خان طارق، ڈوہڑے کے ڈوسرے مقبول شاعر کے'' طارق دے ڈوہڑے'' صفحات ۶۴: ڈوہڑے ایک سو، پہلے دلنور سرائیکی پبلکیشنز نے جنوری ۹۳ء میں شائع کیا۔ سوچ سنجان سرائیکی سنگت شاہ صدر دین نے بھی اور دبستانِ سحر ڈیرہ غازی خان نے بھی۔ ۴۰ صفحے ۱۰۸ ڈوہڑے، ۴۸ صفحے میں ۱۳۲ ڈوہڑے۔ (کچھ مجموعوں کے آخر میں شاکر مہروی کے ۱۴ ڈوہڑے بھی شامل کیے گئے)۔ ڈوہڑوں کے دو اور کتابچے ''بیٹ دی خوشبو'' ستمبر ۲۰۰۲ء میں ۵۵ ڈوہڑے اور ''میڈا پیر فریدؒ'' ، ''آپھل لِکھ ڈے'' جنوری ۲۰۰۵ء میں ۵۰ ڈوہڑے شائع کیے گئے۔ دونوں ۳۲ صفحات کے ہیں۔ شعری مجموعوں میں پہلا دسمبر ۱۹۹۹ء میں '' گھروں در تانڑیں'' میں ۸۵ ڈوہڑے شامل تھے۔ ۲۰۰۱ء میں ''میکوں سی لگدے'' صفحات ۱۵۲ چھپا۔ ۵۳ ڈوہڑے شامل تھے۔ اگلا مجموعہ ''ہتھ جوڑی جُل'' جولائی ۲۰۰۵ء میں صفحات ۱۱۲ چھپا۔ اس میں سے ٹائیٹل ڈوہڑے کا نمونہ ملاحظہ کریں۔

اے مسجد نئیں میخانہ ہے ذرا نوڑ کے ڑُہتھ جوڑی جُل۔ سئیں ساقی ساقی آہدا جُل لا سُر تیں سُر ہتھ جوڑی جُل ہے خاص تقاضا زندگی دا اَتے پنن دا گر ہتھ جوڑی جُل۔ اج طارق رَج رَج پیندے پیئن ہِن مٹکے پُر ہتھ جوڑی جُل آخری مجموعہ ''عمراں دا پورھیا'' دسمبر ۲۰۰۳ء صفحات ۳۸۴ میں ۲۶۲ ڈوہڑے شامل ہیں۔

سرائیکی کی مقبول اور قدیم صنف ڈوہڑہ لکھنے میں خواتین بھی پیچھے نہیں رہیں۔ بخت آور کریم کی ''اِٹک مٹک دیداں'' (۸۴ء) میں دس ڈوہڑے نومبر ۸۹ء میں مس نگہت شمسی کا شعری

کتابچہ ''کنڈے تے پھُل'' میں ۳۵ ڈوہڑے ہیں۔ فروری ۱۹۹۸ء میں رضوانہ تبسّم دُرانی کے مجموعے ''چیناں چیناں ونگ'' میں ۲۷ ڈوہڑے شامل ہیں۔ صابرہ شاہین (ڈیروی) کے مجموعے ''خالی تک'' مطبوعہ ۲۰۰۷ء میں ۵ ڈوہڑے شامل کیے گئے ہیں۔ گلزار لالی کے مُرتبہ ''لالی دیاں دھاڑاں'' (صفحات ۶۴) میں چالیس کے قریب ڈوہڑے ہیں۔ یہ اس کے گائے ہوئے ۹۴ء سے ۹۸ء کی آڈیو کیسٹوں سے اُس نے خود مرتب کیے ہیں۔

۳۔ قطعہ

قطعہ کے لُغوی معنی ٹکڑے کے ہیں اور اصطلاحی معنوں میں یہ ایک شعری صنف ہے جس میں قوافی کی ترتیب قصیدے یا غزل کے مطابق ہوتی ہے مگر ان کے برعکس مطلع نہیں ہوتا اور مقطع ضروری نہیں ہوتا۔ اس کے لیے کم از کم دو مصرعے ہونے ضروری ہیں زیادہ پر کوئی پابندی نہیں۔ عام طور پر ردیف سے کام نہیں لیا جاتا۔ اچھے قطعے میں شروع سے آخر تک معنوی ارتقا ہوتا ہے۔ اس کے موضوعات میں تعریف و توصیف، گلے شکوے، طنز و مزاح، قصے کہانی، اخلاق و دانائی، وعظ و نصیحت وغیرہ سب کے لیے گنجائش رہتی ہے رُباعی اور قطعے میں فرق ہے۔ رباعی کے چوبیس اوزان مخصوص ہیں۔ قطعے کی ایک شکل چار مصرعوں کی ہوتی ہے اور روایت ہے کہ اس میں دُوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے۔ سرائیکی شعراء نے ڈوہڑے کے علاوہ قطعے اور رُباعیاں بھی لکھی ہیں جو بیسویں صدی کے تقریباً تمام شعری مجموعوں میں شامل رہے ہیں۔ یہاں تک کہ تنویر سحر نے ۱۹۹۲ء میں چار سو اکیس سرائیکی قطعوں کا ایک مجموعہ ''تاریں بھریا اسمان'' شائع کیا۔ جبکہ نواز جاوید نے ایک سو باون منتخب سرائیکی قطعوں کا مجموعہ ''اکھراں دی خوشبو'' کے نام سے ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔ ہر دو کتب سے پہلے بھی یہ روایت ملتی ہے مثلاً تنویر سے پہلے سیف اللہ سیفل کے سو قطعوں کا مجموعہ ''چُوں آتیاں'' ۱۹۹۱ء میں شائع ہو چکا تھا جبکہ نواز کی کتاب کے ساتھ ہی ۱۹۹۵ء میں آغا اقبال حسین قزلباش نے بھی ''دردجگیراں'' کے عنوان تلے اٹھائیس شعراء کے ڈوہڑے اور قطعے ایک ساتھ مُرتب کیے۔ کئی شعراء کے صرف ڈوہڑوں اور قطعوں کے مجموعے بھی

شائع ہوئے ہیں۔ جیسے شوکت بھٹی کی ''کچ دیاں ونگاں'' (مطبوعہ ۱۹۹۴ء) میں ۱۸ ڈوہڑوں کے علاوہ ۶۲ قطعے ہیں جبکہ لیاقت بلوچ کی ''نمانیاں اکھیں'' (مطبوعہ ۱۹۹۶ء) میں ۳۸ ڈوہڑوں کے علاوہ ۲۰ قطعے بھی شامل ہیں۔ شعری مجموعوں میں قطعات شامل کرنے کی روایت کافی طویل ہے۔ ایک مثال قاصر احمد پوری کی دی جا سکتی ہے جن کے مجموعے ''ٹو بھے تار متاراں'' (مطبوعہ ۱۹۸۷ء) میں ۶۴ قطعے اور ''ڈھٹری روہی'' (مطبوعہ ۱۹۸۹ء) میں ۳۰ قطعے شامل ہیں۔

۱۹۹۶ء کے دیگر مجموعے جن میں قطعے شامل ہیں شہزادہ آصف گیلانی کا ''تھر کی مراج'' عبداللہ ساجد عمر کوٹی کا ''رت دے نیر''، ناظر جسکانی کا ''شارتاں'' شہباز سید کا ''دل دے سودے'' نمایاں ہیں۔ ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۸ء میں قطعے کے سفر کا جائزہ لیتے ہیں۔

مرید حسین انصاف کے ''دیوانِ انصاف'' میں قطعے میں بھی طبع آزمائی کی گئی ہے۔

میڈی سیت میں ٹوں اِتجھی گئی ہے رُٹھی ۔ مریداں ہاں سِدھی تے پمد ہے پٹھی

ہن معافی منگداں انصاف رب ٹوں ۔ میکوں ڈکھیں دردیں ٹوں ڈیویں چا چھٹی

قاصر احمد پوری کے پانچ شعری مجموعے ایک ساتھ آئے۔ ۱۹۹۷ء میں ''ٹو بھے تار متاراں''، ''ڈھٹری روہی اور واٹ نہاراں'' جبکہ ۱۹۹۸ء میں ''پیلھوں پکیاں'' ۹۹ء میں ''ڈھلدا اچھاواں''، ''پیلھوں پکیاں'' آخری مجموعے میں غزلیں اور قطعے شامل ہیں۔ ایک قطعہ دیکھیں:

توں پار اَتے اُرواراہاں میں۔ کیویں قاصر آپاں مِل سکدوں

ہے غم دا دریا تار بھوں ۔ دِن بیڑی کیویں ٹھل سکدوں

مصطفیٰ خادم کا ''بھانج'' ڈوہڑوں اور قطعوں کا مجموعہ ہے۔ ۶۴ صفحے میں ۴۷ تا ۶۴ پر ۶۹ قطعے ہیں۔ ۲۰۰۰ء میں ساحل بزدار کی ''سولی ٹوں سِک منصوروی'' (صفحات ۱۳۲) مزاحمتی شاعری کی مثال ہے۔ ایک قطعہ دیکھیں:

مُنصف دا قلم خونی دے ہتھ ڈیکھ کے وِکدا۔ بہتر ہے جو انصاف دا در چھوڑ ڈوییجے

بے جُرم دی سُولی بناں جتھ رسم نہ ہووے ۔ اوہ وَسبہ تاں وَسبہ اونگر چھوڑ ڈوییجے

فقیر بخت علی بخت سائیں کا دیوان بخت ۲۰۰۱ء میں دُوسری بار چھپا۔ قدیم قطعے کا رنگ دیکھیں:

عدل کریں تاں میں لکھ وی نمی۔ جے فضل کریں تاں پار ہاں میں

بن فضل دے بختاہاں بے بختی ۔ ہووے فضل تاں خُود سرکار ہاں میں

۲۰۰۳ء میں محمد رمضان طالب کے ''سُکھ سَمل'، میں موضوعاتی ڈوہڑوں کے ساتھ موضوعاتی قطعے ہیں۔ قطعہ ''فرضی تے مرضی'' دیکھیں:

گالھیں ساریاں فرضی چھوڑوں ۔ مخلص بن خُود غرضی چھوڑوں

گندھ دے نال صلاح ہے چنگی ۔ طالب مَن دی مرضی چھوڑوں

۲۰۰۴ء میں معروف غزل گو عزیز شاہد کے والد استاد نُور محمد سائل کا مجموعہ'' قلندر سمندر''، صفحات ۲۲۰ بھی طالب نے مُرتّب کیا۔ عنوان ایک قطعے میں ہے۔ ۲۰۰۴ء ہی میں زوار حسین زوار کا مجموعہ ''پینگھ'' چھپا۔ دعائیہ قطعہ کا رنگ دیکھیں:

دُشمن پھر نہ سگی شالا۔ ڈھیر جوانی تگی شالا

اج تاں بہوں پیا سونہڑاں لگدیں۔ دلبر نظر نہ لگی شالا

نادر لاشاری نے ۹۹ء میں ۴۸ صفحوں کا بغیر نقط کلام پیش کیا۔ اِس دوران ۲۰۰۵ء میں بے زر شجاع عبادی نے ۱۱۲ صفحات کا ''سِک دے سلوک'' کے نام سے بے نقط قطعے سرائیکی پیش کر دیے۔ لہٰذا نادر لشاری نے ۲۰۰۶ء میں ''آس ادھوری'' کو جس کا عنوان قطعے میں ہی ہے۔ ۲۲۴

Scanned with CamScanner

صفحات کی بے نُقط شاعری کی صورت میں پیش کیا۔ ۲۰۰۴ء میں حفیظ خان نے خُرم بہاولپوری کے منتخب سرائیکی کلام پر کتاب ۴۰۰ صفحات کی شائع کی جس کے آخر میں قطعات شامل ہیں۔ اب اس دوران ''قطعات'' پر ہی مشتمل مجموعوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

۲۰۰۵ء میں تونسہ کے فریاد ہیروی کا مجموعہ ''گذری شام'' صفحات ۷۲ قطعوں کا مجموعہ ہے۔ قطعات کے مُرتّب شُدہ مجموعوں میں احسان اعوان کا ۲۰۰۳ء میں ''پیت دے پاندھی'' اور ۲۰۰۸ء میں محمد ارشاد کیفی کا ''سارے جھگڑے مُکا جانیاں'' کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ کئی کُتب ڈوہڑوں اور قطعوں کے مُشترکہ مجموعے ہیں۔ جیسے ۱۹۹۷ء میں الطاف حسین جابر کا ''بھنی ونگ'' (''پیت دے پاندھی'' میں اقبال سوکڑی۔ عزیز شاہد۔ مُصطفٰی خادم اور امان اللہ ارشد کے قطعے ہیں)۔ کئی شعری مجموعوں میں صنف قطعہ نمایاں ہے۔ جیسے ۲۰۰۳ء میں غلام مُرتضٰی اَن کھُٹ کا ''ہاں دے بیرے'' صفحات ۱۲۴۔ اب سال وار اُن شعری مجموعوں کا جائزہ لیتے ہیں جن میں قطعات شامل ہیں۔

۱۹۹۷ء ساقی سمینوی کا ''بے خواب نندراں''، شہباز سیّد کا ''دل دے سودے''۔ ۱۹۹۸ء۔ ساجد راہی کا ''ڈکھ دے جھولے'' (۱۴۴ صفحات) جمشید احمد کمتر احمدانی کا ''اُبھر دا ہنجھ'' اقبال حسن بھپلا کا ''بیٹ چنھاں دا''، نواز خوشدل کا ''ڈکھ دے پندھ''، فیض بلوچ کا ''تھل دی ہرتس''، خالد محمود بیدار غازیگھاٹوی کا ''پریت''، خلیل احمد شودا مستوئی کا ''سچے پھل پیار دے'' عبدالاحد حسن گورمانی کا ''پھکی کھِل''، محبوب تابش کا ''پتھریں دی واچھڑ''، زید جعفری کے ''ہائے جوانی اور'' واہ بجن تیڈے وعدے''۔ جندوڈہ مغموم کا ''اکھا پکھلا'' اقبال قریشی کا ''عشق دی جھانجر''۔ حاجی بلوچ کا ''جھکیروی ہنجھ''۔ ۱۹۹۹ء میں ہمراز اُچوی کا ''گھنڈ کھول''، احمد خان آسی کا ''سِک دی سنگت'' شفقت بزدار کا ''نکھیڑے'' اعجاز ڈیروی کا ''پردیسی دل آ'' آصف گیلانی کا ''عاشق مزاج'' سلطان احمد سوز بلوچ کا ''سوز فراق'' شوکت بھٹی کا ''حق دا ہوکا'' عبداللہ یزدانی کا ''آسماناں توں لتھے پھل'' شہباز سیّد کی ''دردسی دے''۔ ۲۰۰۰ء میں سفیر

شاری کا ''پارت'' اور ۲۰۰۱ء میں ''اساں خیرات نئیں منگدے''، ۲۰۰۰ء میں سید عیسن شاہ ساجد ملتانی کا ''موڑ مہار''، محمد اکرم اکرم کا ''پیار دی درسال''، حیدر بزدار کا ''میل مہانگے''۔

۲۰۰۱ء ریاض فاروق کا ''مونجھے منظر''، ساجد راہی کا ''رشتے محبتاں دے''، ہمراز سیال کا ''ہر پھل زخمی''، محمد اشرف درپن کا ''کلامِ درپن''، رانا محمد نواز نیازی کا ''آونج سانول''، شہزادہ آصف گیلانی کا ''ٹائم کا یہنی''، محمد اقبال قریشی کا ''ہگل''، غلام فرید جانی کا ''پھلو ہے'' ہے۔ نذیر شجاع آبادی کا ''مقدر دی وَنڈ''۔ ۲۰۰۲ء میں ہوت حسین ہوت کا ''اُفق تیں لالی''، منیرن بلوچ کا ''اکھیں دے پھل''، نُور وارث کا ''اُدھوری چھپ''، شبیر ناز کا ''چُپ دی چیک''، محمد ندیم کشور کا ''کشور دے ڈوہڑے''، مستری محمد ارشاد کا ''ڈکھ سجن دے''، سلیم یادش کا ''اج دی رات''۔ ۲۰۰۳ء میں صادق تھہیم کا ''چُنّی''، شبیر ملتانی کا ''دل وار ڈیواں''، جانباز جتوئی کا ''ہواڑاں''، رب نواز کا ''زمانہ چَندر تے پُج گئے''، شمس الدین شمسو کا ''سویں سَنجھ''، سلیمان پردیسی کا ''بنی دا ڈھولا''۔ ۲۰۰۴ء میں حماد خان کا ''اُڈدے پکھی''، امان اللہ ارشد کا ''اکھیں خواب جگارے''، کشور لودھراں کا ''دل نئیں راہندا'' اور ''غم پلدا اے''، انور شاہ انور کا ''سنگھٹ''، ریاض اِرم کا ''حیاتی دے پندھ''، حنیف خاکی دین پوری کا ''تانگھ سجن دی''، کوٹ مٹھن کے جام عابد حسین عابد کا ''سِک سرمایہ''۔

۲۰۰۵ء میں اکبر شاہجمالی کا ''عید پتن تے''، عدیل ارمغان الخالق کا ''جگر زخمی زخمی''، نور حسن نور کا ''سوہنے سوہنے لوگ''، محمد رمضان سانول کا ''سانول سلوناں''، غلام جعفر نادار کا ''سِکدیاں اکھیں''، سید نصرت کنول کلچ پوری کا ''متاں یار ولے''، دلنور نور پوری کا ''بھوئیں اَمب''۔

۲۰۰۶ء میں دلنور نور پوری کا ''متاں مِل پووے''، قُربان ازہر کا ''ہجر دی شام''، کشور لودھراں کا ''خوف ہجر دا''، صفدر کربلائی کا ''شام تُوں پہلے''، غلام عباس غمگین کا ''ہنج دا ماتم''، عزیز شاہد کا ''جوگ''، رؤفی جہان پوری کا ''نیر وہانیر''، محمد رمضان مندر کا ''تانگھ''، عیسن شاہ ساجد ملتانی کا ''دل دیاں دل وچ''، ۲۰۰۷ء میں جمشید کمتر احمدانی کا ''پھل غلاب دے''، نذیر احمد قاصر کا ''میں چُپ راساں''، کریم بخش شعیب کا ''کچا گھڑا''، سیفل بلوچ کا ''نصیبیں دی ونڈ''، ساحل بزدار کا

''گیارول راول''، یعقوب ساغر کا ''تھل دے مسافر''، مظہر نیازی کا ''سُر تے تال'' مہر محمد اجمل خاموش کا ''تانگھ''، فیض بلوچ کا ''تھل دی ذات''، غلام عباس باشو کا ''دل اُو کھے ملدن'' نعیم احمد انجم کھوکھر کا ''میڈے وَس کائنی''۔

۲۰۰۸ء میں خورشید قمر لاشاری کا ''روہی ریت سمندر''، سیفل بلوچ کا ''صدائے سیفل''، سہیل عباس دانش کا ''پیار دے گاون'' (صفحہ ۲۶ سے غلام قاسم عطاء کے قطعے بھی ہیں)۔ ملک عارف گلشن اور اللہ بچایا نیاز کا ''یار بہار دے پھُل ہوندن''، طارق نصیر ساگر کا ''گھر کوئی کائنی''، بلال احمد بلال کا ''غم دے بادل''، صابر دیوانہ جھنڈیر واہی کا ''زخمی دل''، جعفر حسین جعفر کا ''ڈینہہ دے تارے''، بلال محسن کا ''گول سجن دی''، بہار حسین مانی کا ''پہلی رات''، ایاز کریم نصرت کا ''دیدار دی رات''، سیف اللہ عاطف کا ''یار دی شادی'' مجید انجم باروی کا ''لُک چھپ''۔

صنف قطعہ میں خواتین شاعرات نے بھی طبع آزمائی کی ہے۔ نومبر ۱۹۸۹ء میں کہروڑ پکّا کی شاعرہ مس نگہت شمسی کا شعری کتابچہ ''گنڈے دے پھُل'' چھپا تو اس میں دس قطعات بھی شامل تھے۔ اپریل ۲۰۰۶ء میں شاہینہ خان کا شعری مجموعہ ''پیار دی چھاں'' سامنے آیا تو اس میں نو عدد موضوعاتی قطعے بھی شامل تھے۔ اسی ماہ وسال میں شبنم شاکر شجاعبادی کے شعری کتابچے میں بھی دو قطعے شامل تھے جبکہ گلزار لالی کے مُرتبہ کتابچے ''لالی دیاں دھاڑاں'' میں دس قطعے شامل کیے گئے۔

ڈوہڑے کے بڑے شاعر شاکر شجاعبادی کے شعری مجموعوں میں بھی قطعات شامل رہے ہیں۔ ''پیلے پتر'' ستمبر ۹۶ء میں (۱۱۲ صفحات) میں ۱۶ قطعے۔ پتھر موم (۱۰۴ صفحات) میں بھی قطعے شامل جبکہ ''کلامِ شاکر (۲۷۶ صفحے) مارچ ۲۰۰۲ء میں ۲۵ قطعے اور فروری ۲۰۰۶ء میں ''بلدیاں ہنجوں'' میں نو قطعے شامل تھے۔

Scanned with CamScanner

۴۔ہائیکو

آج سرائیکی میں آزاد نظم، نثری نظم، غزل اور ہائیکو جیسی جدید اصناف میں نہ صرف لکھا جارہا ہے بلکہ ان کے الگ سے مجموعے بھی چھپ کر سامنے آچکے ہیں۔ اردو میں اس جاپانی صنف کو لانے والے ڈاکٹر پرویز پروازی، عبدالعزیز خالد اور ڈاکٹر محمد امین ہیں۔ ڈاکٹر محمد امین کا تعلق ملتان سے ہے اور ملتان ہی کے ایک سرائیکی شاعر حیدر گردیزی ۱۹۸۴ء میں ''ساہ دی بُگل'' کے عنوان سے سرائیکی میں ہائیکو کا پہلا مجموعہ لائے جس میں ۱۰۷ ہائیکو شامل ہیں۔ ہائیکو کا دوسرا مجموعہ ''پندھ'' کے نام سے اصغر عابد ۱۹۹۲ء میں لائے۔ ان کا تعلق بھی ملتان سے ہے۔ اس میں ۲۵۳ ہائیکو شامل کیے گئے ہیں۔ اصغر عابد ہی کے ایک اور مجموعے ''برف دا سیک'' (مطبوعہ ۱۹۹۶ء) میں کشمیر کے موضوع پر ۱۳۰ ہائیکو شامل کیے گئے ہیں۔ ہائیکو لکھنے والے دیگر شعراء میں ممتاز حیدر ڈاہر، نیاز حسین لکھویرا، عباس ملک اور ظہور دھریجہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ حیدر گردیزی کا ایک ہائیکو دیکھیے:

رات آسی تاں یاد آسیں توں
تارے گیڑدیں میڈی گزر ویسی
اکھیں ہنجواں دا چا کفن پیسن

۱۹۹۹ء شفقت بزدار کا شعری مجموعہ ''نکھیڑے'' (صفحات۔ ۱۶۰) شائع ہوا تو اِس میں ہائیکو شامل ہیں۔

دِل رُسّے تاں روہی رُسّے ۔ روہ دی رُت نئیں رُوح وِندلیندی
پیٹ دَمان دے پُسے لگدن

۲۰۰۱ء میں کئی شعری مجموعوں، سالک سودھوی کا ''سوچ سمندر''، محمد اقبال قریشی کا

Scanned with CamScanner

''ھنگل''، میانوالی کے انور شاہ انور کی ''عشق دی مالا'' میں ہائیکو شامل ہیں۔انور کا ہائیکو ''نمونہ''
ملاحظہ ہو:

شاہ وارث دا کوئی ڈوہڑہ گا ۔ سئیں تجلؔ دی کوئی کافی چھیڑ

ہجر دا بار ہلکا تاں تھیسی

۲۰۰۴ء میں امان اللہ رشد کا شعری مجموعہ ''اکھیں خواب جگارے'' شائع ہوا تو اس
میں بھی ''ہائیکو'' شامل کی گئیں۔

۵۔ سرائیکو

ڈاکٹر طاہر تونسوی اپنے مضمون ''سرائیکی اِچ ہائیکو'' میں لکھتے ہیں کہ:

''بعض سرائیکی شعراء نے ہائیکو کا یہ نام قبول نہیں کیا۔اس لیے انھوں نے
اسے ہائیکو کی بجائے سرائیکو کا نام دیا ہے''۔(ح۔۲۷)

یہ درست نہیں کیونکہ ہائیکو میں تین مصرعے ہوتے ہیں جبکہ سرائیکو میں اڑھائی۔
''سرائیکو'' عزیز شاہد کی اختراع ہے۔انھوں نے پہلی بار ۱۶ جنوری ۱۹۸۶ء کو محراب والا (احمد پور شرقیہ) کے ''جشنِ فرید'' میں اسے متعارف کرایا تھا اور ایک سرائیکو میں خواجہ فرید کو خراج عقیدت
یوں پیش کیا تھا:

''پیلھوں

آہڑ دی دُھپ لو آر تتی کنڈورانیں ریت

وَین کریندے جھنڈ جالیں دے جالیں پیلھواں تار

آچنوں رَل یار''(ح۔۲۸)

۱۹۹۰ء میں یہ سرائیکی صنفِ سخن کے طور پر مرّوج ہو کر قبولِ عام حاصل کر چکی تھی۔

مثلاً روز نامہ ''جھوک'' میں ۱۱۔ جولائی ۹۰ء کو عزیز شاہد کے چار سرائیکو، یکم اگست کو ذوالفقار رسولپوری اور ۱۹۔ اگست کو اخلاق مزاری کے سرائیکو شائع ہوئے۔ عزیز شاہد کا ایک سرائیکو دیکھیں:

چھیڑو ہک وستی سجھ لاٹ پلاٹی روہ توں لاہندی شام
چنکے گھنگھر وگھنڈیاں گلیاں گھر دوو لداما ل

چھیڑو کلہایال

اب جدید شعراء کے کئی شعری مجموعوں میں سرائیکو بھی شامل ہوتے ہیں جیسے اعجاز ڈیروی کے ''کلہیپا'' (۱۹۹۲ء) اور سحر سیال کے ''ترامے دا شہر'' (۱۹۹۴ء) جاپانی لوک گیت جو اُردو کے راستے ''ہائیکو'' بن کر ڈاکٹر محمد امین کے ذریعے ملتان کے سرائیکی شعراء نے قبول کیا تھا۔ بہت جلد سرائیکی شعراء نے اُسے ترک کر کے اپنے مجموعوں میں سرائیکو کو جگہ دینا شروع کر دی۔

۱۹۹۷ء میں شکیل پتافی کی ''اکھ بے خواب عذاب'' جو ایک ہی سال میں دو بار کوٹ مٹھن سے شائع ہوئی۔ دیگر اصناف کے علاوہ سرائیکو بھی شامل ہیں۔ مزاحمت کے حوالے سے ایک دیکھیں:

چپ راتیں دے گُنگے منظر ، گُنگ تاریں دی چھاں
وِسمی شام دیاں تریڈھیاں اکھیں ،تریڈھے دل دے گندر
ساڈی اُکھ نہ مُندر

اسی سال سُجوک پبلی کیشنز ملتان کی طرف سے ریاض فاروق بزدار کا دوسرا مجموعہ ''ڈُکھ تعبیراں'' میں شامل سرائیکو کا منفرد رنگ دیکھیں:

بنی ،بیٹ ،بمبا ڈھن جاہیں جنتے دید کریجے
کُرتیں ساری رہن گذر گئی نال کُریہہ دے گانڈھا
سَک گئے ون ہُن ڈھانڈھا

۱۹۹۸ء میں خلیل احمد شودا کے ''سچے پھل پیار دے''، ابن کلیم کے ''سچا رنگ تھوڑ والا''، ۱۹۹۹ء میں شفقت بزدار کے ''نکھیڑے'' شوکت بھٹی کے ''حق دا ہوکا''، ۲۰۰۱ء میں سالک سودھوی کا سوچ سمندر، ریاض فاروق کا ''مو نجھے منظر''، سفیر لاشاری کا ''لساں خیرات نمیں منگدے''، ہمراز سیال اُچوی کا''، ''ہر پھل زخمی'' میں سرائیکو شامل ہیں۔ ۲۰۰۳ء میں رب نواز مخمور کا ''زمانہ چندر تے پج گئے'' (صفحات ۱۱۲) سے نمونہ دیکھیں:

تَسے روہ دے تَسے واسی تَسے دھن دھنوال

پاڻی دی ہک پھینگ ، کیتے سکدن بال نشوم

ترجمہ ساڈا مقصوم

۲۰۰۴ء میں امان اللہ ارشد کی ''اکھیں خواب جگارے'' اور محمد اقبال قریشی کی ''سوجھل'' میں بھی سرائیکو شامل ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں بے زر شجاع آبادی نے ''سک دا سلوک'' (صفحات ۱۱۲) میں نقطوں کے بغیر سرائیکو لکھ کر ایک نیا تجربہ کیا۔ اسی سال اکبر شاہجمالی کی ''عید چمن تے'' میں بھی سرائیکو شامل ہیں۔ نادر لاشاری کی '' آس ادھوری'' ۲۰۰۶ء میں آئی تو اِس میں بھی بغیر نقط سرائیکو شامل ہیں۔ ۲۰۰۷ء میں فیض بلوچ نے ''تھل دی ڈات'' میں اور ۲۰۰۸ء میں دیوانہ بلوچ نے ''عشق سمندر'' میں سرائیکو شامل کی ہیں۔

رُباعیات ڈوہڑہ اور قطعہ سے ہٹ کر فارسی کی صنف سخن (مخصوص اوزان کے ساتھ) سرائیکی میں شروع سے لکھی جاتی رہیں۔ رُباعیات عمر خیام کے سرائیکی منظوم تراجم ڈاکٹر مہر عبدالحق (مئے گلفام) اور عزیز نشتر غوری (شہکار) نے یہ راہ اور بھی ہموار کی۔ خرّم بہاولپوری مرحوم کی رُباعیات حفیظ خان کی ۲۰۰۷ء میں مُرتبہ کتاب ''خرّم بہاولپوری شخصیت فن اور منتخب سرائیکی کلام'' میں شامل ہیں۔ جدید شاعروں کے شعری مجموعوں میں غلام فرید ساجد بلوچ کی ''چلتے'' (۲۰۰۴ء) اور صفدر کربلائی کی ''شام ٹوں پہلے'' (۲۰۰۶ء)۔ خواتین کے شعری مجموعوں

میں بخت آور کریم کی ''اِٹک مِٹک دیداں'' (۱۹۸۴ء) اِس کی مثالیں ہیں۔

فردیات بابا فریدؒ کے اِشلوک یا ابیات ہوں یا ایک شعر پر مشتمل ''فردیات'' آج بھی سرائیکی شعری مجموعوں میں شامل ہیں: مثلاً خواتین شاعرات سحر سیال نے ''ترامے دا شہر'' (۱۹۹۳ء) اور شاہینہ خان نے ''پیار دی چھاں'' (۲۰۰۶ء) میں شامل کیا ہے۔ مسدّس سرائیکی شاعری میں مُسدّس، بحر، بارھاں ماسہ وغیرہ کئی اصناف اور بھی ہیں۔ مثلاً مُسدّس کی مثال دیوانہ بلوچ کا شعری مجموعہ ''عشق سمندر'' ۲۰۰۸ء ہے۔

۶۔ گیت

لوک شاعری کے بعد کے دور میں گیت کو بطور تخلیقی صنف کے لیا گیا۔ اکثر سرائیکی شعری مجموعوں میں قابلِ ذکر مقدار میں گیت شامل کیے جاتے رہے۔ ویسے تو ۱۹۹۷ء سے پہلے بھی گیت شعری مجموعوں میں موجود ہیں مثلاً ۱۹۹۶ء۔ میں شائع ہونے والے امان اللہ ارشد کے مجموعے ''سِک دا ساون'' میں گیت شامل تھے۔ مگر پچھلے پندرہ سالوں میں گیتوں کے باقاعدہ اور مُرتبہ مجموعے بھی سامنے آنے لگے ہیں اور شعری تحقیقات میں گیت اور لوک گیتوں کی مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی جارہی ہے۔

گیتوں کے مجموعے کی مثال ۲۰۰۱ء میں طفیل بلوچ کا ''ہنجو تھئے سمندر'' ہے ۱۲۶ صفحات کے اس مجموعے کے علاوہ ۲۰۰۴ء میں اللہ بخش یاد کا ''جذبیاں پوتے بول'' صفحات ۱۴۴ بھی اِس زُمرے میں آتا ہے۔ ۲۰۰۷ء میں ایک کتابچہ ''کنڈیں اِچ گلاب'' (صفحات ۳۲) بھی محمد سلیم فریدی کے گیتوں کا مجموعہ ہے۔ خوشاب کے شاعر محمد اقبال قریشی کے شعری مجموعوں میں دیگر اصناف کے ساتھ گیت بطور خاص شامل کیے جاتے ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں ''مِٹھیاں سنگتاں'' کے ایک گیت کے بول دیکھیں۔

Scanned with CamScanner

پیا ٹھاندا ہے جوڑ اغلابی - وے ماہی تیڈڑی خیر ہووے

لنگی جھنگ دی کھسہ خوشابی۔ وے ماہی تیڈڑی خیر ہووے

۱۹۹۸ء کا مجموعہ ''عشق دی جھانجھر'' کا تو عنوان بھی ایک گیت میں ہے۔ ۲۰۰۱ء میں ''ہنگل'' صفحات ۱۲۰ چھپا۔ چوتھا مجموعہ ''سوجھل'' ۲۰۰۳ء میں سرگودھا سے شائع ہوا۔ ان سب گیتوں میں تھل کا حوالہ ہے اور انھیں گلوکاروں نے گایا بھی ہے۔ کئی شعری مجموعوں میں صنف گیت نسبتاً زیادہ ہے۔ جیسے ۲۰۰۶ء میں کشور لودھراں کے ''دل نئیں راہندا'' صفحات ۱۲۰ میں یا ''خوف ہجردا'' مطبوعہ ۲۰۰۶ء میں، جس میں ملی نغمے زیادہ ہیں۔

مُرتبہ کتابوں میں گیتوں کی روایت بھی موجود ہے۔ جیسے ۲۰۰۱ء میں شاہد دھریجہ کا مُرتبہ ''رسیمیں پکّے پکّے'' عطاءاللہ عیسیٰ خیلوی کے گائے مقبول گیتوں کا مجموعہ ہے۔ اسی سال افضل ندیم افضل کا ''دردیں دے سفیر'' صفحات ۶۴ میں اعجاز ڈیروی، عبدالرشید اُشتر، صدیق لاشاری، امیر نیازی، ناصر جروار کے گیت شامل ہیں۔ شاہد دھریجہ کا ۲۰۰۶ء میں مُرتبہ ''تیڈے نال وَدّے رہوں ہا'' اور محمد ظفر مُنصف کا مُرتبہ ''روہی دے پھُل'' ۲۰۰۷ء میں شاہد دھریجہ کا ''ڈھولا چِناچِنا''، ۲۰۰۸ء میں ایاز محمود دھریجہ کا ''ڈھولا لڑیاو نجّ'' محمد اکمل فراز کا ''تُساں وطناں تے عیداں کرو'' اور محمد ارشاد کیفی کا ''سارے جھگڑے مُکا جانیاں'' میں بھی گیت مُرتب کیے گئے ہیں۔ ۱۹۹۷ء سے پہلے شعری کتابوں میں تخلیقی گیتوں کی ایک اور مثال راقم الحروف کا ''تِل پھُل'' (۱۹۹۲ء) اور ''دل کونج وانگوں کُرلاندا'' (دسمبر ۱۹۹۶ء) ہیں۔ جن میں ریڈیو ٹی وی سے گائے گئے چار گیت ہیں۔ تاہم ایک مختصر جائزہ ۹۷ء سے ۲۰۰۸ء تک یوں ہے۔

۱۹۹۷ء میں محمد اسلم مبتلا کا ''پیت اَولڑی'' شکیل پتافی کا ''اکھ بے خواب عذاب'' شہباز سیّد کا ''دل دے سودے'' عبداللہ ساجد عمر کوٹی کا ''رت دے نیر'' شبیر بلوچ کا ''ڈکھ بجن دے''۔

۱۹۹۸ء۔ میں ابنِ کلیم کا ''سچا رنگ تصوّف والا''، اقبال حسن بھپلا کا ''بیٹ چھاں دا''، نواز خوشدل کا ''ڈکھ دے پندھ'' فیض بلوچ کا ''تھل دی تس''، خلیل احمد شودا کا ''سچے پھل پیار دے''، زید جعفری کے ''ہائے جوانی'' اور ''واہ سجن تیڈے وعدے'' مومن ہاشمی کا ''احسان سجن دے''، نذیر شجاعبادی کا ''اکھ دا ساون''۔

۱۹۹۹ء۔ میں سفیر لشاری کی ''وِ پرے'' میں ۱۴ گیت شامل ہیں۔ شہزادہ آصف گیلانی کے ''عاشق مزاج'' اعجاز ڈیروی کے ''پردیسی ول آ''، محمد افضل سومرو کا ''پتھریں دی برسات''، شوکت بھٹی کا ''حق دا ہوکا''، ہمراز اُچوی کا ''گھنڈ کھول''، عبدالخالق سرمد کا ''پیار پینگھاں''، نادر لاشاری کا ''آس ادھوری''، فدا حسین شہباز کا ''رُوح دی کُونج''، عبداللہ یزدانی کا ''اسماناں تُوں لتھے پھُل''، سیّد مالک اُشتر کا ''لہندی شام''۔

۲۰۰۰ء۔ میں عبدالاحد حسن گورمانی کا ''پتھر ہنج''، محمد اکرم اکرام کا ''پیار دی درسال''، ریحان سولنگی کا ''میں ٹھگوری عاشق ہاں''، محمد جعفر ڈینہ کا ''غمگین مسافر''، منظور اعوان کا ''وفا دے ڈیوے''، محمد افضل سومرو کا ''پتھر دل صنم'' الطاف سولنگی کا ''رُسیمیں پکے پکے''، سیّد عیسن شاہ ساجد ملتانی کا ''موڑ مہار''، حیدر بزدار کا ''میل مہانگے''۔

۲۰۰۱ء۔ میں احمد خان طارق کا ''میکوں سی لگدے''، مظہر علی تابش کا ٹھیڑیاں''، سالک سودھوی کا ''سوچ سمندر''، رانا محمد نواز نیازی کا ''آونج سانول''، فاروق روکھڑی کا ''کاغذ دی بیڑی''، لیاقت خان شافی دا ''شافی دے ڈوہڑے''، غلام فرید جانی کا ''پھلو ہے'' سیّد ساجد راہی کا ''رشتے محبتاں دے''۔

۲۰۰۲ء۔ میں منیرن بلوچ کا ''اکھریں دے پھُل''، شبیر ناز دا ''چُپ دی چیک''، نذیر شجاعبادی دی ''مقدراں دی وَنڈ''، محمد ندیم کشور کا ''کشور دے ڈوہڑے''، محمد اجمل خاموش کا ''دل دی مرضی''، محمد افضل سومرو کا ''ہاں دی ہمراس''، محمد امین مجنوں کا ''نین شکاری''، بشیر بلوچ

کا ''میں پریشان ہاں'' اور سلیم یادش کا ''اَج دی رات'' ۔

۲۰۰۳ء میں بشیر ملتانی کا ''دل وارڈیواں''، سلیمان پردیسی کا ''بنی داڈھولا''، صادق تھہیم کا ''چُنی'' اور صادق کاشف بزدار کا ''سرخاب دے پَر'' ۔

۲۰۰۴ء میں کشور لودھراں کا ''دل نئیں راہندا'' اور ''غم پلدا ایٔے''، حنیف خاکی دنیا پوری کا ''تانگھ بجن دی''، عبداللطیف بھٹی کا ''بیڑی دا جگ سارا پُورا''، سلطان قادری کا ''تانگھی تارے''، انور شاہ انور کا ''سنگھٹ''، ایاز سہروردی کا ''سروزِ ساربان''، نجیب اللہ نازش کا ''پتہ نئیں تُوں کیا ہئیں''، زوار حسین زوار کا ''پینگھ''، عارف فریدی کا ''عشق وِچ رُل گئے ہیں'' ۔

۲۰۰۵ء میں مُصَور حسین مُصَور بلوچ کا ''دل ہے کعبہ'' عدیل ارمغان الحق کا ''جگر زخمی زخمی''، نُور حسن نور کا ''سوہنے سوہنے لوگ''، محمد رمضان سانول کا ''سانول سُلوناں''، ریاض ارم کا ''قاتل نگاہ'' ۔

۲۰۰۶ء میں لیہ کے امان اللہ کاظم کا ''پپلیں ہنجو نہ ماوے''، ریاض احمد شامل کا ''دل مُو نجھا راہندے''، رئیس حفیظ کا ''تیڈیاں یاداں''، دلنور نوری پوری کا ''متاں مل پووے''، قربان ازہر کا ''ہجر دی شام''، غلام عباس غمگین دا ''ہنج دا ماتم'' ۔

۲۰۰۷ء۔ میں شاہین ملک کا ''عِید کراوَنج''، جعفر حسین جعفر کا ''پیار نہ کریں''، غلام عباس باشو کا ''دل اَوکھے ملدن''، اختر حسین فہد قتالپوری کا ''یاداں''، نور حسن نور کا ''اکھ دے وار''، ریاض عنبر کا ''اَجاں تُوں رُسدیں''، ساحل بزدار کا ''گیارول راول'' یعقوب ساغر کا ''تھل دے مسافر''، غلام فرید کہتر کا ''بھتریں اے صنم''، مہر محمد اجمل خاموش کا ''تانگھ''، فیض بلوچ کا ''تھل دی ذات''، نذیر احمد قاصر کا ''میں چُپ راسیاں''، کریم بخش شعیب کا ''کچا گھڑا'' ۔

۲۰۰۸ء۔ میں خورشید قمر لاشاری کا ''روہی ریت سمندر''، شبیر ناز کا ''سچا ک سوچاں''، سہیل عباس دانش کا ''پیار دے گاون''، مجید احمد ساگر دنیاپوری کا ''میکوں پینگھ جھٹا''، ملک

عارف گلشن اور اللہ بچایا مہناز کا ''یار بہار دے پھل ہوندن''، اعظم عیال کا ''تیکوں یاد آسوں''، اشرف حسین کشور کا ''وچتی نخرے باز'' باقر شجا عبادی کا ''درد جدائی دے''، صابر دیوانہ جھنڈیر واہی کا ''زخمی دل''، رزاق بزمی کا ''لہو دے ڈیوے''، رشید سانول کا ''ہاں دے بارے''، جعفر حسین جعفر کا ''ڈینہہ دے تارے''، بہار حسین فانی کا ''پہلی رات'' سیف اللہ عاطف کا ''یار دی شادی''، مجید انجم باروی کا ''لک چھپ''۔

خواتین شاعرات کے مجموعوں میں بھی گیت شامل رہے ہیں۔ بہار النساء بہار کے شعری مجموعے ''چھل بَل اکھیں'' مطبوعہ ۱۹۹۴ء صفحات ۱۲۸ میں دو ملّی گیت سمیت کُل پانچ گیت، ڈوسرے مجموعے ''سبھے خواب میڈے'' مطبوعہ ۱۹۹۸ء میں نو گیت شامل ہیں۔ جبکہ نومبر ۱۹۹۹ء میں ملّی شاعری پر مبنی مجموعہ ''میرا دیس دلبر'' صفحات ۱۱۲ میں تقریباً ۲۰ ملّی گیت شامل ہیں

صابرہ شاہین ڈیروی کے مجموعے ''خالی بُک'' مطبوعہ ۲۰۰۷ء صفحات ۱۷۳ میں دو گیت ہیں۔ گلزار لالی کے مُرتبہ ''لالی دیاں دھاڑاں'' میں تیرہ گیت شامل ہیں۔

گیت کی دیگر اقسام

ماہیا

لوک گیتوں کی اصناف کو تخلیقی طور پر جاری رکھنے کی روایت میں جہاں گیت لکھے گئے۔ وہاں ماہیے، چھلّے، بولیاں، ڈھولے اور لوریاں بھی لکھی گئی ہیں۔ اِس دوران ''ماہیے'' کو کافی پذیرائی ملی۔ خواتین شاعرات کے ہاں بھی یہ صنف ملتی ہے۔ شاہینہ خان کے اپریل ۲۰۰۶ء میں چھپنے والے ''پیار دی چھاں'' (صفحات ۳۲) میں ایک درجن ماہیے شامل ہیں۔ جبکہ گلزار لالی کے مُرتبہ کتابچے ''لالی دیاں دھاڑاں'' (صفحات ۶۴) میں کئی درجن ماہیوں کا انتخاب ہے۔ مرد حضرات کے شعری مجموعوں میں شامل ماہیوں کا ایک جائزہ پیش ہے۔

شہزادہ آصف گیلانی کے ''تھر کی مزاج'' کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ اِن کے علاوہ ۱۹۹۸ء میں افضل ندیم افضل کا ''سِک دیاں ونگاں'' احمد بخش آسی کا ''سِک دی سانگ''، اقبال حسن بھپلا کا ''بیٹ چھاں دا''، محمد اقبال قریشی کا ''عشق دی جھانجر''، مومن ہاشمی کا ''احسان سجن دے'' ۲۰۰۱ء میں شہزادہ آصف گیلانی کا ''ٹائم کا ئینی''، سالک سودھوی کا ''سوچ سمندر''، ۲۰۰۲ء میں سلیم یادش کی ''اَج دی رات''، ۲۰۰۴ء میں اقبال قریشی کا ''سوجھل'' ۲۰۰۵ء میں ریاض اِرم کا ''قاتل نگاہ''، ۲۰۰۶ء میں محمد منشا نادر لاشاری کا ''آس اَدھوری''، ملک عارف گلشن کا ''ساڈا کوئی کائنی'' ریاض احمد شاغل کا ''دل مونجھا راہندے''۔ اِس کے علاوہ اِس سال شاہد دھریجہ کے مُرتبہ ''تیڈے نال وَدّے رہوں ہا''، میں ماہیے بھی شامل ہیں۔ ۲۰۰۷ء میں ساحل بزدار کا ''گیارول راول''، جعفر حسین جعفر کا ''پیار نہ کریں''، ۲۰۰۸ء میں ملک عارف گلشن اور اللہ بچایا مہناز کا ''یار بہاراں دے پھُل ہوندن'' کے علاوہ محمد ارشاد کیفی کے مُرتبہ ''سارے جھگڑے منگا جانیاں'' میں

بھی ماہیے شامل کیے گئے ہیں۔

چھلے مثلاً اقبال حسن بھپلا کا ''بیٹ چھاں دا'' مطبوعہ ۱۹۹۸ء

بولیاں سیّد ساجد راہی کا ''رشتے محبتاں دے'' مطبوعہ ۲۰۰۱ء

ڈھولا مثلاً محمد منشاء نادر لاشاری کا ''آس ادھوری'' ۲۰۰۶ء

لوری مثلاً سالک سودھوی کا ''سوچ سمندر'' ۲۰۰۱ء۔

حوالہ جات (حصہ دوم)

ح۔۱ پرکھ، صفحہ ۸

ح۔۲ ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان، جون ۱۹۷۴ء

ح۔۳ ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان، جولائی ۱۹۷۶ء

ح۔۴ اکھیں دے جگارے، صفحہ ۶

ح۔۵ دریا سندھ کنارے، صفحہ ۱۲

ح۔۶ سرائیکی شاعری دے کجھ مہاندرے شاعر، صفحہ ۱۰۲ تا ۱۰۳

ح۔۷ سرائیکی وچ مزاحمتی شاعری، صفحہ ۴۵

ح۔۸ سرائیکی ادب ریت تے روایت، صفحہ ۲۶۱

ح۔۹ "چل سرمست"، صفحہ ۱۲۵

ح۔۱۰ سرائیکی شاعری دا ارتقاء، صفحہ ۲۰۵

ح۔۱۱ قدیم سرائیکی شاعر تے ادیب، صفحہ ۷۶

ح۔۱۲ خیابانِ خُرم (طبع ۱۹۸۶ء)، صفحہ ۹

ح۔۱۳ سرائیکی ادب، صفحہ ۳۳۶

ح۔۱۴ سرائیکی ادب، صفحہ ۳۰۳

ح۔۱۵ تُرکہ، صفحہ ۳۷

ح۔۱۶ چھل بل اکھیں (دیباچہ)، صفحہ ۱۳ تا ۱۴

ح۔۱۷ سرائیکی ادب، صفحہ ۳۴۰

ح۔۱۸ کونین دا سنہڑپ، صفحہ ۵

ح۔۱۹ مدنی سئیں سلطان، صفحہ۸

ح۔۲۰ مدنی سئیں سلطان، صفحہ۴

ح۔۲۱ ضلع مظفر گڑھ تاریخ ثقافت تے ادب، صفحہ۴۰۵

ح۔۲۲ ہفت روزہ ''بشارت'' مظفر گڑھ، ۷ جون ۱۹۷۲ء

ح۔۲۳ گلشنِ سرکارؒ، صفحہ۸

ح۔۲۴ نقیبان کربلا، صفحہ۲۱

ح۔۲۵ سرائیکی شاعری، صفحہ۱۲۵

ح۔۲۶ سرائیکی شاعری دا ارتقاء، صفحہ۱۷۴

ح۔۲۷ سرائیکی ادب رِیت تے روایت، صفحہ۱۹۳

ح۔۲۸ ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان جنوری ۱۹۸۶ء، صفحہ۳۴

☆ تفصیلی کوائف ''کتابیات'' میں ملاحظہ فرمائیں

افسانہ

ڈاکٹر انعام الحق جاوید کی مرتبہ ''پنجابی زبان وادب کی مختصر تاریخ'' میں حنیف چوہدری لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۸ء میں اُچ شریف کے آصف علی اُچوی نے ''جھارو دا تیلا'' کے عنوان سے سرائیکی جبکہ جھنگ کے نورن نے ''دھروئی خدادی'' کے عنوان سے جھنگوی میں افسانہ لکھا۔ اسی طرح ۱۹۵۰ء میں ہارون آباد کے وحید خاں واحد نے ''کنواری چھوہیر'' کے عنوان سے سرائیکی اور چنی گوٹھ کے محمد اشرف راہی نے ''سوالاں دی وِس'' کے عنوان سے بہاولپوری میں افسانہ لکھا۔ (ح۔۱)

دراصل سرائیکی ادب میں افسانہ کہانی کے رستے داخل ہوا جس کی مثالیں اقبال سوکڑی کا ''شاداں'' (مطبوعہ ہفتہ روزہ ''اختر'' ملتان ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۶۶ء) اور نعیم اربیلا مرحوم کی ''پھُل دی کہانی'' (مطبوعہ سہ ماہی ''سرائیکی'' بہاولپور اکتوبر ۱۹۶۹ء) کی دی جاسکتی ہیں۔ کہانی کو افسانے کا رُوپ دینے والوں میں محمد اقبال تحسین سبائے والوی مرحوم (۱۹۴۳۔۱۹۸۹ء) کا ''شہید'' (مطبوعہ سہ ماہی ''سرائیکی'' جولائی ۱۹۶۷ء)، اختر علی خان بلوچ مرحوم (۱۹۳۵۔ ۱۹۹۶ء) کا ''سودا'' (مطبوعہ ''اختر'' ۲۴ اکتوبر ۱۹۶۸ء)، غلام حسین حیدرانی مرحوم (۱۹۲۲۔۱۹۷۵ء) کا ''کیری دی مُٹھ'' (مطبوعہ ''اختر'' یکم اپریل ۱۹۶۹ء) دلشاد کلانچوی مرحوم (۱۹۱۶ء۔۱۹۹۷ء) کا ''روہی دا ہک خواب'' (مطبوعہ ''سرائیکی'' اپریل ۱۹۶۹ء)، کیفی جامپوری مرحوم (۱۹۰۵ء۔۱۹۷۱ء) کا ''چاندنی رات دے اولوں'' (مطبوعہ ''اختر'' ۱۱۴ اکتوبر ۱۹۶۹ء)، محمد اسماعیل احمدانی (پیدائش ۱۹۳۰ء) کا ''ترلے'' (مطبوعہ ''اختر'' ۱۱۴ اکتوبر ۱۹۶۹ء) وغیرہ جیسی تحریریں شامل ہیں۔ ۱۹۶۹ء کا سال سرائیکی افسانے کے حوالے سے یادگار سال ثابت ہوا۔ اس سال افسانے کا باقاعدہ دور شروع ہو گیا مثلاً اکیلے ظفر لشاری کے سہ ماہی ''سرائیکی'' کے ایک شمارے مطبوعہ اکتوبر میں تین افسانے ''تاج محل''، ''دردیں گُٹھی'' اور ''بے غیرت'' شائع ہوئے۔

اسی سال پہلا ترجمہ شدہ افسانہ ''ہیرے دا ہار'' ''اختر'' نے یکم فروری کو شائع کیا (موپاساں کے اس افسانے کا ترجمہ اکرم فریدی نے کیا تھا)۔

اس دوران خواتین قلمکاروں کو سرائیکی افسانے کی طرف راغب کرنے کی کوششیں بھی کی گئیں۔ نجمہ کوکب نامی خاتون کے افسانے ''اختر'' نے شائع کیے مثلاً ''منگلا'' ۲۴ جولائی ۱۹۶۸ء کو اور ''روٹی مُفت نہیں ملدی'' ۱۱۴ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو۔ ایم اے سرائیکی کے لیے ۱۹۹۱ء میں مقالہ لکھنے والے فرحت محمود نے اپنے مقالے میں اختر علی خان بلوچ کے انٹرویو ۱۱۵ اکتوبر ۱۹۹۱ء کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

''نجمہ کوکب کے نام سے جناب حیدرانی کے قلم سے بہت میٹھی رسیلی پر لُطف تحریریں نکلیں''۔ (ح۔۲)

مگر یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ خود اختر علی بلوچ مرحوم کا ان کے ہاتھ کا تحریر کردہ خط محررہ ۵ نومبر ۱۹۹۳ء میرے پاس محفوظ ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

''اختر۔ سرائیکی ملتان کے قلمکاروں میں نجمہ کوکب میرا اپنا گھڑا ہوا کردار تھا۔ خالص فرضی اور خود ساختہ قسم کا۔ اس کی تصویر بھی ''شمع'' دہلی سے حاصل کی گئی۔ مدھم نقوش کی کوئی تصویر تھی اور نجمہ کوکب کے نام سے میں خود افسانے لکھتا تھا۔''

یہ بات اس لیے بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ حیدرانی مرحوم کی وفات ۱۹۷۵ء کے بعد بھی ''دُلاری'' نام کا طبع زاد افسانہ نجمہ کوکب کے نام سے نومبر ۱۹۷۷ء کے ''سرائیکی ادب'' میں شائع ہوا۔ تاہم یہ بات طے ہے کہ اس طرح خواتین افسانہ نگاروں کی ایک کھیپ پیدا ہوگئی جنھوں نے سرائیکی افسانے کو مالا مال کر دیا۔ مثلاً ۱۹۷۶ء تک افسانہ لکھنے کا آغاز کرنے والی خواتین کا ایک جائزہ دیکھیے۔

تسنیم رشید غوری، ''ایکوں ما آکھاں یا ڈائن'' مطبوعہ ''سرائیکی'' اپریل ۱۹۷۱ء، مُسرت کلانچوی ''نفرت دی لَمبی'' مطبوعہ ''سرائیکی'' جنوری ۱۹۷۳ء، رفعت عائشہ ''ڈاج تے حق مہر'' مطبوعہ ''سرائیکی ادب'' جولائی ۱۹۷۳ء، زبیدہ سلہری، ''شادی کنوں پہلے'' مطبوعہ سورج لاہور، مارچ ۱۹۷۵ء نیلم فیروز ''توں جتّی میں ہاری'' مطبوعہ ہفت روزہ تمدن ڈیرہ اسماعیل خان ۱۹۷۵ء، رفیعہ عباسی ''اپنا خون'' مطبوعہ ''سرائیکی ادب'' دسمبر ۱۹۷۵ء، سائرہ سرمدی ''اوہ کون ہائی'' مطبوعہ ''سرائیکی ادب'' دسمبر ۱۹۷۵ء، بنت بلوچ، ''اندھاریں دی راہی'' اور ''ڈسکوڈانسر'' مطبوعہ ''سرائیکی ادب'' دسمبر ۱۹۷۵ء، شیما سیال ''مہمان'' مطبوعہ ''سرائیکی ادب'' دسمبر ۱۹۷۵ء، بتول رحمانی ''روہی روپ'' مطبوعہ ''سرائیکی ادب'' جنوری ۱۹۷۶ء ،صبیحہ قریشی ''قربانی'' مطبوعہ ''سرائیکی ادب'' جنوری ۱۹۷۶ء، شاہدہ رحمان مغل ''ماہ مترائی پیو قصائی'' مطبوعہ ''سرائیکی ادب'' جون ۱۹۷۶ء نجمہ سلطانہ ''بدلہ'' مطبوعہ ''سرائیکی ادب'' جولائی ۱۹۷۶ء ،فوزیہ گُل ''اندھی نگری تے ظالم لوگ'' مطبوعہ ''سرائیکی ادب'' اگست ۱۹۷۶ء ،وغیرہ۔ اگرچہ قاسم جلال کی متفرق نثری صنفوں کا مجموعہ ''ہنجوں تے ہیرے'' اگست ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا جس میں ایک افسانہ بھی شامل تھا تاہم سرائیکی افسانوں کا پہلا مجموعہ ''اُچّی دھرتی جھکّا اسمان'' مطبوعہ دسمبر ۱۹۷۶ء، ایک خاتون افسانہ نگارہ مسرت کلانچوی ہی کی کاوش کا نتیجہ تھا۔

سرائیکی افسانے کے فروغ اور ارتقاء میں خان برادری کے رسالوں نے اہم کردار ادا کیا۔ جس کا نکتہ آغاز تو اختر علی خان بلوچ کے ماہنامہ ''اختر'' ملتان کا افسانہ نمبر مطبوعہ اگست ستمبر ۱۹۶۹ء ثابت ہوا تو اسے ایک وقار عمر علی خان بلوچ کے ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان کے خصوصی شمارے ''سرائیکی افسانے'' مطبوعہ اکتوبر ۱۹۸۲ء نے بخشا (سرائیکی افسانوں کے اردو تراجم کے حوالے سے سہ ماہی ''ادبیات'' کا بہار ۱۹۹۳ء کا شمارہ بھی قابلِ ذکر ہے جس میں راقم الحروف کے مضمون کے علاوہ ایک درجن تراجم بھی شامل ہیں)۔ اب جبکہ سرائیکی میں مطبوعہ افسانوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے، ابن الامام شفتر (۱۲۔ افسانے) اسماعیل احمدانی (۱۱۔ افسانے)، شاہدہ

رحمان مغل (۲۱۔افسانے)، صبیحہ قریشی (۱۳۔افسانے)، شیما سیال (۱۸۔افسانے)، رحیم طلب (۱۲۔افسانے) جیسے کئی افسانہ نگار موجود ہیں جن کے افسانوں کے مجموعے بوجوہ تا حال شائع نہیں ہوئے۔ اسی طرح دیگر نمایاں افسانہ نگاروں میں ارشاد احمد ملک، اقبال بانو، اللہ بچایا عزر، بشیر بلوچ، بنت احمدانی، پروین عزیز، حبیب فائق، حیات قریشی، سعید خاور، صادق جنید ہوت، طارق جامی (مرحوم)، عابدہ کلانچوی، عبدالباسط بھٹی، عمر علی خان بلوچ، کلیم جتوئی، مظہر مسعود، منیر احمد علوی، نذیر لغاری، ولی محمد انجم وغیرہ کے نام بھی لیے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح ممتاز حیدر ڈاہر مرحوم نے سندھی کے کئی شاہکار افسانوں کے سرائیکی زبان میں ترجمے کر کے شائع کروائے۔

علاوہ ازیں سرائیکی افسانوی مجموعے، افسانوں کی کتب یا کتابچے تا حال شائع ہو چکے ہیں ان کا جائزہ کچھ یوں ہے:

گوشوارہ

۱۔	''ہنجوں دے ہیرے''	قاسم جلال (جزوی)	۸۰ صفحے	فنکار اکیڈمی بہاولپور	اگست ۱۹۷۶ء	ایک افسانہ
۲۔	''اُچی دھرتی جھکا اسمان''	مسرت کلانچوی	۱۲۰ صفحے	سرائیکی لائبریری بہاولپور	دسمبر ۱۹۷۶ء	۸۔افسانے
۳۔	''جاگدی اکھ دا خواب''	عامر فہیم	۸۰ صفحے	الکمال اشاعتی ادارہ ڈیرہ غازی خان	نومبر ۱۹۷۸ء	۱۰۔افسانے
۴۔	''سانولی دھپ''	اسلم قریشی (جزوی)	۹۶ صفحے	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	۱۹۷۹ء	۹۔افسانے
۵۔	''تھل کرن دریا''	احسن واگھا	۱۴۴ صفحے	سوجھل پبلیکیشنز تونسہ	اگست ۱۹۸۰ء	۱۴۔افسانے
۶۔	''سوجھلا اندھاری رات دا''	سجاد حیدر پرویز	۸۰ صفحے	سرائیکی رائٹرز فورم ملتان	۱۹۸۰ء	۱۲۔افسانے
۷۔	''منزلاں تے پندھیڑے''	فرحت نواز (ترجمے)	۱۶۰ صفحے	جدید ادب پبلیکیشنز خان پور	۱۹۸۰ء	۲۲۔افسانے
۸۔	''پیار دیاں ٹنگاں''	محمد علی احمدانی	۲۴ صفحے	گدائی ڈیرہ غازی خان	۱۹۸۳ء	ایک افسانہ
۹۔	''تتیاں چھاواں''	ظفر لشاری	۱۲۰ صفحے	سرائیکی ادبی تحریک محراب والا احمد پور شرقیہ	اگست ۱۹۸۱ء	۱۰۔افسانے
۱۰۔	''سوچاں دے دیورے''	سجاد حیدر پرویز	۹۶ صفحے	س۔سرائیکی پبلیکیشنز مظفر گڑھ	جون ۱۹۸۵ء	۱۸۔افسانے
۱۱۔	''سدھر''	مہر کاچیلوی (جزوی)	۸۰ صفحے	سرائیکی ادبی تحریک ملتان	۱۹۸۵ء	۱۲۔افسانے
۱۲۔	''ڈکھن کنیں دیاں والیاں''	مسرت کلانچوی	۱۴۷ صفحے	اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور	ستمبر ۱۹۸۶ء	۱۲۔افسانے
۱۳۔	''فکر دے پھل''	سید نصیر شاہ	۲۱۹ صفحے	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور	جنوری ۱۹۸۷ء	۲۱۔افسانے

Scanned with CamScanner

۱۴۔	''رات دی کندھ''	دلشاد کلانچوی (جزوی)	۸۰ صفحے	اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور	جولائی ۱۹۸۸ء	۹۔افسانے
۱۵۔	''میڈے افسانے''	سجاد حیدر پرویز (انتخاب)	۱۱۲ صفحے	مجلس سرائیکی مصنفین پاکستان مظفر گڑھ	۱۹۸۸ء	۱۹۔افسانے
۱۶۔	''وسیندی رُت دی شام''	حفیظ خان	۱۰۴ صفحے	پاکستان سرائیکی رائٹرز گلڈ ملتان	فروری ۱۹۹۰ء	۹۔افسانے
۱۷۔	''پتلر پانی''	میاں نذیر احمد	۱۴۴ صفحے	پاکستان سرائیکی رائٹرز گلڈ ملتان	جون ۱۹۹۰ء	۱۷۔افسانے
۱۸۔	''جگروے پھٹ''	غلام حسن راہی گبول	۱۴۹ صفحے	سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی ڈیرہ شمس رحیم یار خان	۲۵ جون ۱۹۹۰ء	۱۶۔افسانے
۱۹۔	''ان کو نہیں وک''	منظور احمد اعوان	۱۲۸ صفحے	سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی ڈیرہ شمس رحیم یار خان	مئی ۱۹۹۲ء	۱۶۔افسانے
۲۰۔	''منھوے تیر''	راہی گبول (جزوی)	۱۴۲ صفحے	سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی ڈیرہ شمس رحیم یار خان	مئی ۱۹۹۲ء	۲۔افسانے
۲۱	''ہک افساناں ست زبان''	سجاد حیدر پرویز (ترجمے)	۴۸ صفحے	مجلس سرائیکی مصنفین پاکستان مظفر گڑھ	۱۹۹۲ء	ایک افسانہ
۲۲۔	''سنجھے دھک''	منظور احمد اعوان (جزوی)	۹۶ صفحے	سنجوک سرائیکی ادبی سنگت رحیم یار خان	مارچ ۱۹۹۳ء	۶۔افسانے
۲۳۔	''غلام حسن حیدرانی دے افسانے''	غلام حسن حیدرانی	۱۲ صفحے	مجلس ایوانِ تعلیم ملتان	اپریل ۱۹۹۴ء	۱۰۔افسانے
۲۴۔	''سانجھ''	بتول رحمانی	۱۶۰ صفحے	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	جون ۱۹۹۴ء	۲۰۔افسانے
۲۵۔	''آدم جایا''	فیاض حسین قاصر فریدی	۱۶۰ صفحے	سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی ڈیرہ شمس رحیم یار خان	جولائی ۱۹۹۴ء	۱۰۔افسانے
۲۶	''بالیں دا اغوا''	راہی گبول	۱۶ صفحے	سنجوک سرائیکی ادبی سنگت رحیم یار خان	۱۹۹۴ء	ایک افسانہ
۲۷	''نشائی''	راہی گبول	۱۶ صفحے	سنجوک سرائیکی ادبی سنگت رحیم یار خان	۱۹۹۴ء	ایک افسانہ
۲۸۔	''اک دے لمب''	انیل چوہان	۸۳ صفحے	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور	اگست ۱۹۹۴ء	۱۸۔افسانے
۲۹۔	''بنجیری''	ڈاکٹر محسن منگھیانہ	۱۵۳ صفحے	جہانگیر بکڈپو لاہور	مئی ۱۹۹۵ء	۱۱۔افسانے
۳۰۔	''بجھ دا سنیہا''	ڈاکٹر عاصم عزیز درّانی	۱۲۸ صفحے	کتاب سرائے جام پور	۱۹۹۵ء	۱۲۔افسانے
۳۱۔	''مٹھلپوٹ''	ابن کلیم (جزوی)	۱۱۵۰ صفحے	کلیم پبلشرز ملتان	مارچ ۱۹۹۶ء	۲۔افسانے
۳۲۔	''غم دی شام''	شاہد شاہ شاہد (جزوی)	۹۱ صفحے	دلنور سرائیکی پبلیکیشنز نور پور نورنگا بہاولپور	ستمبر ۱۹۹۶ء	ایک افسانہ
۳۳۔	''ریت کریت''	انجینئر مدثر احمد (ترجمے)	۸۳ صفحے	سلیمان اکیڈمی ڈیرہ غازی خان	اکتوبر ۱۹۹۶ء	۸۔افسانے
۳۴۔	''ریت پریت''	بُشریٰ قریشی	۹۶ صفحے	سلیمان اکیڈمی ڈیرہ غازی خان	مارچ ۱۹۹۷ء	۱۱۔افسانے
۳۵۔	ڈکھیں وات	راہی گبول	۱۲۰ صفحے	سرائیکی ادبی اکیڈمی۔بھونگ	۱۹۹۷ء	۱۱افسانے
۳۶۔	چیوھیاں گندھیں	حبیب فائق	۱۲۸ صفحے	سرائیکی ادبی بورڈ ملتان	۱۹۹۸ء	(۲۱)افسانے
۳۷۔	ٹسا کوں مان وطناں دا	منظور اعوان	۱۱۲ صفحے	سنجوک سرائیکی ادبی سنگت رحیم یار خان	۱۹۹۸ء	(۸)افسانے
۳۸۔	سرائیکی دے چوڑویں افسانے (انتخاب)	طاہر تونسی ۔ (مرتب)	۲۲۴ صفحے	سرائیکی ادبی بورڈ۔ملتان	۱۹۹۸ء	(۴۲)افسانے
۳۹۔	پارت	محمد سعید احمد شیخ۔	۱۹۰ صفحے	یوتھ ویلفیئر آرگنائزیشن لودھراں	۱۹۹۸ء	(۷)افسانے

۴۰۔ اُنیندرے ڈاکٹر محسن منگھیانہ ۱۰۴ صفحے پاکستان پنجابی ادبی بورڈ۔لاہور ۱۹۹۹ء (۱۰) افسانے

۴۱۔ جگردے پھٹ (طبع دوم) راہی گبول ۱۴۹ صفحے بھوتگ صادق آباد۔ جون ۲۰۰۰ء (۶) افسانے

۴۲۔ اَج دی ماروی ڈاکٹر غزالہ احمدانی ۷۲ صفحے جھوک پبلشر ملتان ۲۰۰۰ء (۱۲) افسانے

۴۳۔ ڈوجھی کندھی تحسین سبائے والوی ۷۵ صفحے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان ۲۰۰۱ء (۱۰) افسانے

مُرتب غلام جیلانی چاچڑ

۴۴۔ ہنجوں بُٹ بُٹ ڈاکٹر محمد صدیق شاکر۔ ۲۲۴ صفحے سرائیکی سُدھ سُراں ملتان ۲۰۰۱ء

۴۵۔ ہنجوں تے ہیرے (طبع دوم) قاسم جلال ۱۲۸ صفحے مجلس سرائیکی مصنفین مظفر گڑھ ۲۰۰۱ء (۷) افسانے

۴۶۔ بالو (جزوی) ملک اقبال حسن بھپلا ۸۰ صفحے شوکت بھپلا اکیڈمی ملتان ۲۰۰۱ء (۱۰) افسانے

مُرتب سالک سادھوی

۴۷۔ آدی واس ڈاکٹر احسن واگھا ۱۴۰ صفحے سوشل ڈائیورسٹی کنزرویشن وِنگ پریتے والا تونسہ ۲۰۰۲ء

۴۸۔ کگرانڈ محمد اسلم قریشی ۱۹۲ صفحے سرائیکی ادبی مجلس۔بہاولپور ۲۰۰۲ء (۱۳) افسانے

۴۹۔ بیڑی (انتخاب) مرتب اشولال۔شاں ۲۲۴ صفحے چوپال۔کہروڑ لعل عیسن لیہ اپریل ۲۰۰۲ء (۲۵) افسانے

۵۰۔ اندر لیکھ دا سیک حفیظ خان ۱۴۲ صفحے الحمد پبلیکیشنز۔لاہور ۲۰۰۴ء (۹) افسانے

۵۱۔ وِکاؤ چھانورا عبدالباسط بھٹی ۱۷۱ صفحے سَمّل پبلی کیشنز احمد پور شرقیہ ۲۰۰۴ء (۱۵) افسانے

۵۲۔ وَلدی ڈھلدی چھاں فیض بلوچ ۱۲۸ صفحے جھوک پبلشرز۔ملتان ۲۰۰۴ء (۱۹) افسانے

۵۳۔ تھل مارُو دا پینڈا مُسرت کلانچوی ۱۴۴ صفحے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان ۲۰۰۵ء (۱۵) افسانے

۵۴۔ مظلوم دی فریاد (جزوی) مظلوم فریدی ۱۶ صفحے دلنور سرائیکی ادبی سنگت نور پور نورنگا مارچ ۲۰۰۵ء (۱) افسانہ

۵۵۔ پیر فریدؒ دا دُس اے ڈاکٹر ایاز احمد سہروردی ۱۴۰ صفحے ایاز اکادمی مہر آباد۔حسن ابدال ۲۰۰۵ء

۵۶۔ ساہویں سُول بسیرا رابعہ خان ۹۶ صفحے جھوک پبلشرز ملتان ۲۰۰۷ء (۱۱) افسانے

۵۷۔ چھوپے (انتخاب۔جزوی) مُرتب رابعہ رسالو ۱۸۸ صفحے پاکستان پنجابی ادبی بورڈ۔لاہور ۲۰۰۸ء (۳) افسانے

مسرت کلانچوی (پیدائش ۱۹۵۹ء) کا پہلا مجموعہ شائع ہوا تو اس کی عمر محض سترہ برس تھی۔ اسی طرح دوسرا افسانوی مجموعہ ستائیس برس کی عمر میں سامنے آیا۔ اس مجموعے میں معاشرے میں ہونے والے ظلم، استحصال، جبر، غربت اور بھوک پیاس کو موضوع بنایا گیا ہے۔

یوں چھوٹے لوگوں اور عورتوں کے مسائل پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ موضوعاتی تنوع تو نہیں ہے البتہ دوسرے مجموعے کا موضوعاتی کینوس وسیع ہے اور فنی اعتبار سے بھی یہ ایک نمایاں بلکہ منفرد مقام رکھتا ہے۔ ''نقاب دے اودھڑ'' اور ''پینتالیسواں سال'' اس مجموعے کے نمائندہ افسانے ہیں۔

عامر فہیم (پیدائش ۱۹۵۰ء) افرادیت پسندی کے شوق میں علامت نگاری سے آگے

ھے تو تجرید کا شکار ہوئے۔ اگر چہ یہ سرائیکی نثر اور افسانوی ادب کی ترقی کی طرف ایک قدم تھا
ہم کئی جگہوں پر ابلاغ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قُدسیہ نیّر نے ایم اے سرائیکی کے مقالے ''سرائیکی
سانے دافنی دیورا'' میں عامر فہیم کے افسانہ ''بشارت'' کی تختیوں کو قرآنی آیات کے مماثل قرار
ے دیا ہے تاہم کچھ افسانے سمجھ میں آ بھی جاتے ہیں۔ جیسے ''اسم اعظم''۔ عامر نے انسان کے
ندر کی خواہشات، مجبوریوں اور توڑ پھوڑ کو گہرائی سے دیکھا ہے۔

اسلم قریشی (پیدائش ۱۹۴۷ء) کے مجموعہ کو افسانوں اور انشائیوں کا مجموعہ کہا گیا ہے مگر
یہ طے ہے کہ ان افسانوں میں مناظر کی تصویر کشی اپنے کمال کو چھوتی دکھائی دیتی ہے۔ افسانہ نگار کو
لفظوں کے انتخاب سے تحریر کو پُر لطف بنانے کا گُر آتا ہے۔ یوں تحریر پر گرفت ڈھیلی نہیں
ہوئی۔ ''مینگھ ملہاراں''، ''پھل تارا''، ''کرن'' اور ''سانولی دُھپ'' اچھے افسانے ہیں۔

احسن واگھا (پیدائش ۱۹۴۹ء) نے جہاں سرائیکی افسانے کے مزاج کو معاشرتی
مسئلوں سے آشنا کیا ہے وہاں بے باکی اور بے رحمی سے سماجی برائیوں کو بھی بے نقاب کیا ہے مثلاً
''ماس دے مُل'' میں مرد کی نفسیات کے حوالے سے جنس کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ مجموعہ ایک
نوجوان اور ترقی پسند سوچ رکھنے والے قلمکار کے عمیق مشاہدے کا آئینہ دار ہے۔

ظفر لشاری (پیدائش ۱۹۴۸ء) کے اب تک اڑھائی درجن سے زیادہ افسانے چھپ
چکے ہیں۔ افسانوں کی زبان اور بیان کرنے کا طریقہ دونوں عمدہ ہیں۔ تاہم کچھ افسانے نسبتاً
کمزور بھی ہیں جیسے ''طوفان''، فلمی انداز کی کہانی لیے ہوئے ہے۔ بہر حال ظفر نے واقعات اور
کرداروں کے باہمی ربط سے فن اور موضوع کے رشتے جوڑ کر سرائیکی نثر کو ایک نیا موضوعاتی
آہنگ دیا ہے۔ اس کی باتیں اس لیے بھی دل کی دھڑکنوں میں بس جاتی ہیں کہ وہ سچائیوں کا دامن
ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔

مہر کاچیلوی مرحوم (۱۹۳۵ء۔۱۹۹۷ء) نے درِ زنداں کے اس پارے جو افسانے

لکھے ہیں ترقی پسند انقلابی سوچ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان میں زندگی کے مشاہدے اور تجربے کے ساتھ لہجے کی کاٹ نمایاں ہے۔

بزرگ افسانہ نگار سیّد نصیر شاہ کے افسانوی مجموعے ''کگر دے پھل'' میں ڈاکٹر اجمل نیازی لکھتے ہیں:

''میانوالی میں بولی جانے والی زبان پر سرائیکی کا بہت اثر ہے''۔(ح۔۳)

اس سے پہلے وہ ''جھکڑ جھولے'' کے تاثرات میں لکھ چکے تھے کہ:

''میانوالی کی زبان کا کوئی نام نہ تھا۔ سلیم احسن کی شاعری نے اسے سرائیکی منوالیا ہے''۔

یہی بات پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور کی طرف سے شائع ہونے والے دوسرے سرائیکی افسانوی مجموعے ''اک دے امب'' پر صادق آتی ہے۔ بھکّر کے نوجوان افسانہ نگار انیل چوہان کی ان کہانیوں میں بقول پروفیسر محمد آصف خان ''افسانہ نگار کا برتاؤ کسی پر چارک کا نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسے قلمکار کا ہوتا ہے جو اپنے لوگوں کی سانسوں میں ان کی دھرتی کی خوشبو ملا دیتا ہے''۔ افسانوں کی تیسری کتاب جس کی زبان یا زبان کا لہجہ متنازعہ ہوسکتا ہے جھنگ کے ڈاکٹر محسن مگھیانہ کی ''بھنبھیری'' ہے۔ افسانہ نگار نے کتاب میں لکھا ہے:

''جس طرح ہیر کی زبان تو بہت سے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ صرف جھنگ میں ہی تو نہیں۔ خاص طور پر دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ بلکہ رحیم یار خان، راجن پور، بہاولپور، بہاولنگر سے شروع ہو کر اوپر چلے جائیں تو مظفر گڑھ، ملتان، خانیوال، کبیر والا، لیہ، بھکر، میانوالی، ڈیرہ غازی خان بلکہ ڈیرہ اسماعیل خان اور راجن پور تک آپ کو اس لہندے کی زبان (حصہ اول میں بحث ہو چکی ہے) بولنے والے مل جائیں گے۔ ملتان،

بہاولپور، میانوالی میں سرائیکی کا رنگ آ جاتا ہے مگر خالص سرائیکی زیادہ تر ملتان میں ہے''۔

پس مندرجہ بالا حوالوں کی بنیاد پر متذکرہ بالا تینوں افسانوی مجموعوں کو سرائیکی افسانوی مجموعے تسلیم کیا جانا چاہیے۔

حفیظ خان (پیدائش ۱۹۵۶ء) کے افسانوی مجموعے کو اکادمی ادبیات سے ایوارڈ مل چکا ہے مگر ان کے افسانوں کا مزاج روایتی سا ہے۔ البتہ کہانی کہنے کا سلیقہ انھیں آتا ہے۔ یوں حفیظ خان نے بہت حساس اور سنجیدہ موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے مگر انھوں نے تحریر کو بے جا سنجیدہ نہیں بنایا۔

میاں نذیر احمد (پیدائش ۱۹۵۸ء) زبان کے رموز و علائم سے واقف ہیں۔ ان کی انفرادیت چولستان کی ٹھیٹھ سرائیکی زبان کا استعمال ہے۔ داناؤں کی نصیحتوں سے لے کر نوجوان مرد و خواتین کے میل جول تک کی باتیں ان کے افسانوں میں مل جاتی ہیں۔

غلام حسین راہی گبول (پیدائش ۱۹۵۲ء) باصلاحیت نثر نگار ہیں۔ مگر ادبی مراکز سے دُور ہونے اور مضافاتی اثرات کی وجہ سے انھیں رہنمائی، مطالعے اور اصلاح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تاہم ''جگر دے پھٹ'' کے افسانوں میں چاشنی موجود ہے۔ ''مٹھڑے تیر'' میں ''تعویز گھول'' اور ''پریت دے پندھ'' جیسے افسانے موجود ہیں جن کا اسلوب طنزیہ و مزاحیہ ہے۔

نوجوان افسانہ نگار منظور احمد اعوان (پیدائش ۱۹۶۶ء) کا مجموعہ سرائیکی علاقے میں موجود شہری اور دیہاتی زندگی کے نمائندہ مختلف کرداروں کی کہانیاں لیے ہوئے ہے۔ موضوعات کا تنوع اس کی ایک خوبی ہے جبکہ ''گِھبے دھک'' میں شامل پانچ افسانے طنز و مزاح کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔

ابتدائی سرائیکی افسانہ نگاروں میں غلام حسن حیدرانی مرحوم کا نام اہم ہے۔ ان کا افسانوی مجموعہ ''رَتّے بیر'' غیر مطبوعہ تھا جسے مہر گل محمد نے مرتب کر کے اور مجموعی تبصرے دہر

افسانے پر الگ سے تنقید کے ساتھ شائع کیا ہے۔حیدرانی کا پہلا افسانہ ''کیری دی مُٹھ'' بقول اختر بلوچ محض دس منٹ میں لکھا گیا تھا۔اگر چہ حیدرانی نے دیہاتی ماحول کے ساتھ شہری ماحول کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے۔تاہم موضوعات کی مماثلت کے علاوہ اولیت ، حقیقت پسندی اور فطرت نگاری کی غالب خصوصیات کی وجہ سے انھیں سرائیکی کا پریم چند مانا جاتا ہے۔ان کے دو افسانے ''خدا'' اور ''پیو یا بھرا'' انسانی نفسیات اور جنس کے حوالے سے قابل ذکر ہیں۔ بلکہ جولائی ۱۹۷۵ میں جب ''پیو یا بھرا'' (باپ یا بھائی) شائع ہوا تو ایڈیٹر کو اس کے ساتھ خصوصی وضاحتی نوٹ دینا پڑا۔

بتول رحمانی (پیدائش ۱۹۵۵ء) اپنے افسانوں میں شہری زندگی کی مُنافقتوں سے پردہ اٹھاتی ہیں۔

قاصر فریدی (پیدائش ۱۹۵۷ء) کے افسانوں کی نمایاں خوبی معاشرتی المیوں کے درد کو میٹھی ماں بولی کی مٹھاس میں ڈبو کر لکھنا ہے۔افسانہ نگار کی زبان سرائیکی ریجن اور سندھ کے سنگم کی ملی جلی زبان ہے جسے رواں اسلوب نے انفرادیت بخش دی ہے۔

ڈاکٹر اسلم عزیز دُرّانی (پیدائش ۱۹۴۹ء) کے افسانوی مجموعہ ''سنجھ دا سنیہا'' میں اعظم خورشید لکھتے ہیں:

''یہ سرائیکی افسانوی ادب کے لیے سمت نما ہے۔'' (ح۔۴)

خود افسانہ نگار کا بھی کہنا ہے کہ:

''شاید میری کوئی کہانی سرائیکی افسانے کی جلتی بجھتی ویرانی کو جھلملاتا تارہ دے جائے''۔

انجینئر مدثر احمد (پیدائش ۱۹۶۲ء) نے محترمہ پروفیسر منور رؤف کے اردو افسانوں کا سرائیکی میں ترجمہ کر کے اسے کتابی شکل دی ہے جبکہ اس سے پہلے فرحت نواز (پیدائش ۱۹۵۸ء)

اپنے مجموعے ''منزلاں تے پندھیڑے'' میں کرشن چندر سے عذرا اصغر اور پھر روشن آراء نزہت تک کے اردو افسانہ نگاروں کے افسانوں کا سرائیکی ترجمہ کر چکی تھیں۔ تاحال چھپنے والے افسانوی مجموعوں میں آخری مجموعہ بھی ایک خاتون کا ہے۔ بشریٰ قریشی (پیدائش ۱۹۷۲ء) نے اپنی زندگی میں جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا اسے کاغذی پیکر دے کر ہمارے سامنے رکھ دیا۔ مسرت کلانچوی کی طرح اس کے زیادہ تر افسانے عورت کے گرد گھومتے ہیں۔ ''سوجھلا'' اور ''منبر دے وارث'' یادگار افسانے ہیں۔ اتفاق سے راقم الحروف (پیدائش ۱۹۶۱ء) واحد سرائیکی افسانہ نگار ہے جس کے تین افسانوی مجموعے اور ایک افسانہ سات زبانوں میں کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ کتاب ''میڈے افسانے'' مسعود کھدر پوش ٹرسٹ کی طرف سے سال کی بہترین تحلیقی نثر کا ایوارڈ بھی لے چکی ہے۔ ان افسانوں پر دو مطبوعہ آراء ملاحظہ کیجیے:

۱۔ پروفیسر شاہین ملک مرحوم

''سجاد کی علامتی کہانیاں فطرت کے مناظر سے لی گئی ہیں۔ زبان نئی اور لطف دینے والی ہے۔ سیدھی کہانیوں میں جنس کا مزہ بھی کچھ گہرا ہے''۔

(ح۔۵)

۲۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید

''سجاد حیدر پرویز کی کتابیں ''سوجھلا اندھاری رات دا'' (۱۹۸۰ء) تے ''سوچاں دے دیورے'' (۱۹۸۵ء) بھی نیم علامتی انداز کے ایسے افسانوں پر مبنی ہیں جن میں جھوٹ اور سچ کا نتارا کرتے ہوئے انسانی محبت کا درس دیا گیا ہے۔ کہیں کہیں جنس کو بھی برتنے سے دریغ نہیں کیا گیا''۔ (ح۔۶)

''مصنف کی سوچ اُڑان بھر کر پوری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی

ہے اور حال کو ماضی میں ملا کر ایک نئی بات سامنے لانے کا جتن کرتی ہے۔ اس طرح ایک خاص چیز ان کا اسلوب ہے جسے شاعرانہ بھی کہا جا سکتا ہے"۔ (ح۔۶)

معروف نقاد ڈاکٹر انوار احمد نے سرائیکی افسانے کے حوالے سے لکھا تھا:

"فِکشن کی بستی اُجڑی پڑی ہے (اسماعیل احمدانی اور احسن واگھا کا کنٹری بیوشن اپنی جگہ پر) کیونکہ فِکشن کے لکھنے والے کم (دلشاد کلانچوی اور سجاد حیدر پرویز کی تاریخوں کے باوجود میں کہوں گا) اور پڑھنے والے بہت کم ہیں"۔ (ح۔۷)

ان کا یہ خیال ۱۹۹۰ء میں درست ہوتو ہو مگر اب ایسی صورتحال نہیں ہے۔ افسانے کی متذکرہ بالا ۳۴ کتب کے علاوہ اخبارات ورسائل میں سب سے زیادہ چھپنے والی نثری صنف افسانہ ہی ہے اور شعری مجموعوں کے بعد سب سے زیادہ پڑھی جانے والی صنف بھی افسانہ ہی ہے۔ اس کا ایک ثبوت راہی گبول کے افسانوں کے کتابچوں کی اشاعت اور شاہد شاہ شاہد کے شعری مجموعے میں افسانے کا شامل کیا جانا ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو عامر فہیم، بتول رحمانی، بنت احمدانی، حبیب فائق، اللہ بخش یاد اور دوسرے کئی افسانہ نگاروں نے ایک متحرک اور جدید زندگی کو اپنا موضوع بنایا ہے تو غلام حسن حیدرانی، مسرت کلانچوی، ظفر لشاری، حفیظ خان، قاصر فریدی اور بشریٰ قریشی نے اپنی کہانیوں کا خمیر اپنی تہذیبی روایات سے لیا ہے اور یوں غلام حسن حیدرانی، عامر فہیم، مسرت کلانچوی اور احسن واگھا جیسے کئی افسانہ نگار سرائیکی افسانے کا قصرِ عظیم تعمیر کر چکے ہیں۔

"اَج دی ماروی" ۱۹۷۹ء سے ۱۹۹۰ء تک کے افسانے ہیں جبکہ "اندر لیکھ دا سیک" کے افسانے ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۳ء تک کے تحریر کردہ ہیں۔ افسانوں کے انتخاب پر مشتمل مجموعہ

''سرائیکی دے چونڑویں افسانے'' ایک سنگِ میل ہے۔ جبکہ پنجابی خواتین افسانہ نگاروں کے افسانوں کا انتخاب ''چھوپے'' میں بُشریٰ رحمٰن، زہرہ انجم، مُسرت کلانچوی جیسی سرائیکی خواتین افسانہ نگاروں کے سرائیکی افسانے بھی شامل کیے گئے ہیں۔

گزشتہ سالوں میں سرائیکی سے دیگر زبانوں اور دیگر زبانوں سے سرائیکی میں ترجمہ شُدہ افسانوں کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی روایت بھی مستحکم ہوئی۔ سرائیکی سے اُردو میں تراجم کے حوالے سے جہاں اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد نے اپنے سہ ماہی ''ادبیات'' کی بہار ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں ''سرائیکی افسانے کا مطالعہ''۔ راقم الحروف کا تحریر کردہ شامل کیا وہاں ایک درجن سرائیکی افسانہ نگاروں کی تخلیقات کا اُردو رُوپ بھی شامل کیا۔ ۲۰۰۰ء میں اصغر عابد نے اُردو افسانہ نگار حمید شاہد کے ایک درجن افسانوں کے سرائیکی تراجم کا مجموعہ ''پارو'' (صفحات۔۱۷۶) ترتیب دیا جسے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے شائع کیا تو وہاں اُمراؤ طارق نے ''سرائیکی کے شاہکار افسانے'' کے عُنوان سے ''سارنگ'' لاہور سے ۲۰۰۱ء میں بائیس سرائیکی افسانوں کے مُختلف مُترجمین کے تراجم پر مشتمل کتاب مُرتّب کی جو ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ملک عبداللہ عرفان نے ۱۹۹۳ء میں اپنی کہانیوں کے تراجم مکمل کیے تھے۔ یہ سرائیکی تراجم ''گالھے دی پوتھی'' کے نام سے کتابی شکل میں ۲۰۰۲ء میں پاکستان سرائیکی ادبی بورڈ بہاولپور نے شائع کی۔ عالمی زبانوں کے افسانوں کے تراجم ''عالمی افسانے'' کے عنوان سے اپنے انتخاب اور ترجمے کے ساتھ ڈاکٹر اسلم عزیز دُرّانی نے ۱۶۰ صفحات کی کتابی شکل میں ۲۰۰۵ء میں شائع کرائی۔ ۲۰ افسانوں کے سرائیکی تراجم کا یہ مجموعہ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے شائع کیا۔ پنجابی سے سرائیکی ترجمے کی مثال پروفیسر میاں ظفر مقبول کی مرتبہ کتاب ''ہفت اقلیم'' ہے جو فقیر اثر انصاری فیض پوری کی پنجابی کہانی کے سات زبانوں میں تراجم پر مشتمل ہے جسے اگست ۲۰۰۴ء میں ۱۲۸ صفحات کی کتابی صورت میں سیٹھ آدم جی تاجر کتب لاہور نے شائع کیا۔ سرائیکی ترجمہ سجاد حیدر پرویز کی کاوش ہے۔ حفیظ خان کی کہانیاں۔ ''وادیٔ سندھ کی عورت کا مقدمہ'' عُنوان کی کتاب ۲۰۰۷ء میں ملتان انسٹی ٹیوٹ

آف پالیسی اینڈ ریسرچ ملتان نے ۱۵۹ صفحات پر مشتمل شائع کی۔ جس میں حفیظ خان کی ایک درجن سرائیکی کہانیوں کو شمیم عارف قریشی نے اُردو کا لبادہ پہنایا ہے۔ ''پھلکاری'' حسین سحر کے تراجم پر مُشتمل مجموعے کا نام ہے۔ سحر سنز ملتان نے ۲۰۰۸ء میں یہ کتاب شائع کی ہے۔ اِس میں مترجم نے دس سرائیکی افسانوں کا اُردو ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔

غم دی شام (۱۹۹۶ء) اور ''مظلوم دی فریاد'' (۲۰۰۵ء) شعری کتابیں ہیں۔ مگران میں ایک ایک سرائیکی افسانہ شاملِ اشاعت کرنا ایک نئی روایت کو جنم دے رہا ہے۔ جس طرح ''پیار دیاں ٹنگاں'' (۱۹۸۳ء)، ''بالیں دا اغوا'' (۱۹۹۴ء) اور ''نشائی'' (۱۹۹۴ء) بھی ایک ایک افسانے پر مُشتمل کتابچوں کی صُورت میں شائع ہوئے۔

''خواتین کی سرائیکی تخلیقات میں عورت'' مُرتبہ ڈاکٹر طاہر تونسوی سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۲۰۰۶ء میں ۱۴۰ صفحات کی کتابی شکل میں شائع کی۔ انتخاب میں (صفحہ ۲۲ تا ۸۲) مُسرت کلانچوی، بتول رحمانی، بنت احمدانی اور شیما سیال کے چار افسانے شامل کیے گئے ہیں۔

Scanned with CamScanner

ناول

سرائیکی نثر میں ایک بڑا حصہ ناولوں کا ہے۔غلام حسین حیدرانی مرحوم نے ۱۹۶۸ء میں ایک ناول ''گلّو'' لکھا جسے پنجند ویلی پروڈکشنز نے سرائیکی زبان میں فلمانے کا فیصلہ بھی کیا۔ جولائی ۱۹۶۹ء میں ماہوار رسالے ''اختر'' ملتان نے اس کا اشتہار شائع کیا اور ستمبر کے شمارے میں اسے سرائیکی زبان کا پہلا ناول بھی قرار دیا۔مگر اس ناولٹ کی محض تلخیص بہت بعد میں مئی ۱۹۷۳ء میں ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان میں شائع ہو سکی۔ یہ ایک جاسوسی ناولٹ تھا جس میں آسودگی، تجسس، تفریح، معاشرتی عکاسی اور اس پر تنقید سب کچھ ہے۔ یہ ناولٹ تین بڑے کرداروں گلّو (ہیروئین)، اسلم (ہیرو)، جمعہ (ولن) اور چھوٹے کرداروں مائی بخت (اسلم کی ماں) کریمن (ماموں)، صفدر (دوست)، قمردین (تھانیدار) اور سگو (گلّو کی پھوپھی) پر محیط ہے۔

ناول ''نازو'' جو شائع شدہ صورت میں پہلے سامنے آیا، ظفر لشاری کی تحریر ہے جو ۱۹۷۱ء میں پہلی بار شائع ہوا۔سرائیکی ناول نگاری میں ''نازو'' سے اب تک شائع ہونے والے ناولوں کا جائزہ کچھ یوں ہے:

۱۔	نازو	ظفر لاشاری	سرائیکی ادبی مجلس۔بہاولپور	اپریل ۱۹۷۱ء	۳۶۸ صفحات
۲۔	نازو (طبع دوم)	ظفر لشاری	سرائیکی ادبی مجلس۔بہاولپور	۱۹۸۶ء	۳۶۸ صفحات
۳۔	اُڄڑیں رت جو بانڑیں تھئی	ڈاکٹر منیر احمد علوی	بہاولپور	۱۹۷۱ء	
۴۔	توبہ زاری (ترجمہ)	مترجم دلشاد کلانچوی	سرائیکی ادبی مجلس۔بہاولپور	۱۹۷۷ء	۳۰۴ صفحات
۵۔	فردوس ٹھگالی	مترجم نذیر علی شاہ	سرائیکی ادبی مجلس۔بہاولپور	۱۹۷۹ء	۲۴۲ صفحات
۶۔	چھولیاں	محمد اسمٰعیل احمدانی	سرائیکی سنگت۔لاہور	۱۹۸۳ء	۲۲۴ صفحات

Scanned with CamScanner

۷۔	پہاج	ظفر لشاری	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور	دسمبر ۱۹۸۳ء	۳۶۷ صفحات
۸۔	پہاج (طبع دوم)	ظفر لشاری	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور	جون ۲۰۰۲ء	۳۶۸ صفحات
۹۔	عشق دے ونج انوکھڑے (ترجمہ)	مترجم سجاد حیدر پرویز	سرائیکی ادبی تحریک، ملتان	اگست ۱۹۸۵ء	۸۰ صفحے
۱۰۔	امر کہانی	محمد اسمٰعیل احمدانی	سرائیکی پبلیکیشنز۔رسولپور	۱۹۸۸ء	۱۴۴ صفحے
۱۱۔	سانول	فیاض حسین قاصر فریدی	سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی ڈیرہ شمس	جولائی ۱۹۸۹ء	۳۵۲ صفحات
۱۲۔	سارے سکن سہاگڑے	دلشاد کلانچوی	اکادمی سرائیکی ادب۔بہاولپور	۱۹۹۱ء	۳۰۳ صفحات
۱۳۔	بھاگ سہاگ	غلام حسین راہی گبول	سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی بھونگ	۱۹۹۴ء	۲۵۶ صفحات
۱۴۔	سانول موڑ مہاراں	اقبال بانو	لنگڑیال پبلشرز ٹبہ دہاڑی	جنوری ۱۹۹۷ء	۲۹۲ صفحات
۱۵۔	جھوکاں تھیسن آباد ول	جمشید کلانچوی اعوان	اکادمی سرائیکی ادب۔بہاولپور	جنوری ۲۰۰۰ء	۲۲۸ صفحات
۱۶۔	کونج	راہی گبول	احقر پبلشرز۔ملتان	۲۰۰۲ء	۱۶۱ صفحات
۱۷۔	مہرو	اقبال حسن بھپلا	شوکت بھپلا اکیڈمی۔ملتان	نومبر ۲۰۰۲ء	۱۰۲ صفحات
۱۸۔	بیڑی وچ دریا	ڈاکٹر اسلم انصاری	لوک ریت پبلشرز۔ملتان	۲۰۰۲ء	۲۲۴ صفحات
۱۹۔	ہیرا	اقبال حسن بھپلا	شوکت بھپلا اکیڈمی۔ملتان	جولائی ۲۰۰۴ء	۹۸ صفحے
۲۰۔	بجن دشمن	راہی گبول	گبول سرائیکی تعلیمی ادارہ۔بھونگ	اکتوبر ۲۰۰۵ء	۱۱۶ صفحے
۲۱۔	پھوگ	کاشف بلوچ	کتاب نگر۔ملتان	۲۰۰۶ء	۴۸۰ صفحے
۲۲۔	بسنتی	اقبال حسن بھپلا	سرائیکی ریسرچ سنٹر۔ملتان	۲۰۰۶ء	۹۶ صفحے
۲۳۔	پردیس نہ ونج	راہی گبول	گبول سرائیکی تعلیمی ادارہ۔بھونگ	ستمبر ۲۰۰۸ء	۱۶۰ صفحے
۲۴۔	مانک لعل	اقبال حسن بھپلا	ملتان	۲۰۰۹ء	

ناول ''نازو'' جو پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے پنجابی کے نصاب میں شامل رہا ہے، مگر شعبہ کے استاد اور نقاد ڈاکٹر اسلم رانا مرحوم نے اپنی کتاب ''رنگ سنگ'' مطبوعہ ۱۹۸۴ء میں اس ناول پر سخت تنقید کی ہے اور دس صفحات پر ظفر کو پھٹکل سوچوں کا لکھاری ثابت کرنے کی کوشش کی

Scanned with CamScanner

ہے جبکہ اکادمی ادبیات پاکستان اولین سرائیکی ناول کے طور پر حمید الفت ملغانی کا اردو میں کیا ہوا ترجمہ ۱۹۹۵ء میں شائع کر چکی ہے۔ لفظ ''نازو'' سرائیکی میں ''دوشیزہ'' کا مترادف ہے۔ یہ ایک معصوم ہندو لڑکی کی کہانی ہے اختر ناول کا ہیرو ہے جو ایک ٹھنڈے مزاج کا نوجوان ہے۔ گانمن نازو کو گود لے کر پالنے والا کردار ہے۔

قادر بخش اختر کا باپ اور گانمن کا بھائی ہے۔ روبینہ، ہیروئین کی سہیلی اور ڈاکٹر یوسف رحمانی روبینہ کا باپ ہے۔ مس نجمہ ہیرو کے دفتر کی ایک لڑکی ہے۔ ناول ''نازو'' کا پلاٹ دلچسپ ہے اور فنی لحاظ سے مربوط بھی۔ جہاں تک ناول ''پہاج'' کی بات ہے، اسے ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان نے پہلے نومبر ۱۹۷۶ء سے دسمبر ۱۹۷۹ء کے دوران قسط وار شائع کیا تھا مگر کتابی شکل میں اشاعت کے وقت اس پر نظر ثانی کر کے اس کی زبان کو پہلے سے بھی خالص بنا دیا گیا۔ اس ناول میں کردار جیتے جاگتے، خود مختیار اور آزاد نظر آتے ہیں۔ نذر اس ناول کا ہیرو ہے۔ اس کی جوانی محبت سے سرشار ہے۔ رحیماں ناول کی ہیروئین ہے جو ایک درمیانے درجے کے زمیندار کی بیٹی ہے۔ سانول نذر کا رحیماں کے بطن سے بیٹا ہے۔ اسے سیکنڈ ہیرو کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح غزالہ سیکنڈ ہیروئین ہے۔ زرینہ نذر کے بھائی افضل کی بیوی ہے مگر بعد میں اسے زہر دے کر نذر سے شادی کر کے رحیماں کی پہاج ''سوکن'' بن جاتی ہے۔ یہ طے ہے کہ پہلے ناول کی نسبت ظفر لاشاری کا دوسرا ناول کردار نگاری، جذبات نگاری اور منظر نگاری کے لحاظ سے بہتر ہے۔

ناولٹ ''آپنی رَت جو پانڑیں تھئی'' کا ہیرو غلام نبی ہے۔ خدا بخش اس کا بڑا بھائی ہے۔ جس نے ہیرو کو باپ کی وفات کے بعد پالا پوسا اور پڑھایا لکھایا۔ اللہ دتہ ہیرو کا ماموں اور ہیرو کی منگیتر جیول کا باپ ہے۔ رضیہ اصل ہیروئین ہے جو غلام نبی کی کلاس فیلو اور محبوبہ ہے جو بعد میں اس کی بیوی بنتی ہے۔ کردار معیاری اور ارتقاء پذیر ہیں۔ دیہاتی شہری زندگی کا فرق مکالموں میں واضح کیا گیا ہے۔ اسلوب سادہ اور زبان خالص ہے۔

Scanned with CamScanner

محمد اسماعیل احمدانی کے ناول ''چھولیاں'' نے سرائیکی ناول نگاری کو ایک ہی جست میں عالمِ شباب میں پہنچا دیا۔ اگرچہ بعض حلقوں میں اس کی صنف اور اسلوب کو زیرِ بحث لا کر تنقید کی گئی۔ مگر یہ بھی طے ہے کہ اس ناول میں ایک منفرد اسلوب بیان کے ذریعے سرائیکی معاشرے کے ثقافتی، تہذیبی اور فکری ورثے کو محفوظ کیا گیا ہے۔ ناول میں خود کلامی سرائیکی ادب میں پہلا کامیاب تجربہ ہے۔ علامتیں بھی تخلیق کی گئیں ہیں، وجودیت کے تانے کو سرائیکیت کے بانے میں فنی مہارت سے بُنا گیا ہے۔ ملک محمد اقبال گھلّو نے ۱۹۸۳ء میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ایم اے اردو کے لیے مقالہ لکھتے ہوئے اس کا اردو ترجمہ ''لہریں'' کے عنوان سے کیا۔ اس ناول پر فرخندہ لودھی کی رائے ملاحظہ کیجیے:

> ''یہ ایک فنٹاسی ہے جس میں احمدانی صاحب نے صوفی دانشوروں، ادیبوں، فلاسفروں اور سائنس دانوں کو علامتوں کے ذریعے، ان کی فکر کے حوالے سے پیش کیا ہے.......... اپنی دھرتی کے تہذیبی پس منظر کو رمزیّت، علامت اور تجرید کے ذریعے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ناول کا بہت سا حصہ مونولاگ کی تکنیک میں ہے۔''(ح۔۸)

محمد اسماعیل احمدانی کا دوسرا ناول ''امر کہانی'' سرائیکی فکر و ادب کے صدیوں پر محیط ارتقائی عمل کی ورق ورق داستان اور فکری و ادبی تاریخ کی دستاویز ہے۔ اس کی نمایاں خوبی اس کا نظریہ سرائیکیت ہے۔ مصنف نے سرائیکی تحریک کے احیاء اور ارتقاء کی کہانی بیان کی ہے اور اس مقصدی ناول کا مقصد شعورِ سرائیکیت کی رفتار کو تیز کرنا ہے۔

قاصر فریدی کے ناول ''سانول'' میں بتایا گیا ہے کہ قیامِ پاکستان کے وقت ہجرت کر کے آنے والوں کے ساتھ سرائیکی لوگوں نے انصارِ مدینہ کا سا برتاؤ کیا۔ راہی گبول کی یہ بات صحیح ہے کہ ناول نگار نے دیہاتی ثقافت کو اجاگر کرنے کے لیے کوئی رسم ایسی نہیں چھوڑی جو پیش نہ کی

ہو۔ یہ ایک زمیندار سردار بہرام خان، اس کی بیوی مائی پٹھانی، بیٹی خان زادی، بیٹے سانول، یتیم بھتیجے اور داماد بھورل، مہاجر منشی محمد بوٹا اور اس کے بیٹے معراج دین کی کہانی ہے۔

''سارے سکن سہاگڑے'' میں دلشاد کلانچوی نے سرائیکی علاقے کی ایک بستی کلانچ والا کی ایک لڑکی فوزیہ کی کہانی پیش کی ہے۔ ناول کی ہیروئین یہ لڑکی سرائیکی وسیب کی ایک نمائندہ عورت ہے جس کی حوصلہ مندی مثالی ہے۔ اس کے کردار میں ایک جیتے جاگتے اور اپنے وجود میں دھڑکتا دل رکھنے والے گوشت پوست کے انسان کی زندگی کا ارتقائی سفر دکھا کر کردار نگاری کی معراج پر پہنچا دیا ہے۔ فوزیہ شہر سے گریجویشن کر کے دیہات میں لوٹتی ہے تو نمبردار کا بیٹا اس پر عاشق ہو جاتا ہے مگر وہ اپنے بچپن کے منگیتر ان پڑھ چچازاد سے شادی کر کے اسے پڑھا لکھا کر نمبردار کے مقابلے میں الیکشن جتواتی ہے۔

راہی گبول کا ناول ''بھاگ سہاگ'' رومانی ہونے کے ساتھ اصلاحی بھی ہے۔ مگر ناول نگار کی پلاٹ پر گرفت نہیں۔ لگتا ہے کہ ریاست روہستان کی کہانی دراصل چولستان یا پھر ریاست بہاولپور کی کہانی ہے۔ فیصل کے علاوہ ناہید، محمود اور شمع ناول کے بڑے کردار ہیں۔

''سانول موڑ مہاراں'' جسے ''سرائیکی ادب'' ملتان نے ۸۶۔۱۹۸۵ء میں قسط وار شائع کیا تھا کسی خاتون ناول نگارہ کا پہلا مطبوعہ ناول ہے۔ اس میں زمینداروں کے درمیان رشتہ داری کے جھگڑے، سوکنوں کے جلاپے اور سوتیلیوں کے ظلم و ستم کو بیان کیا گیا ہے۔ ناول کا ہیرو ایک زمیندار ملک رب نواز ہے جس کی پہلی بیوی ملکانی سکینہ سے چار بیٹیاں، دوسری بیوی منظوراں سے دو بیٹیاں، تیسری بیوی حلیمہ سے دو بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک مجذوب کے کہنے پر کہ پہلی نظر آنے والی کنواری لڑکی سے شادی کرنے پر جائیداد کا وارث ملے گا۔ چوتھی شادی مزارع کی تیرہ سالہ بیٹی صغراں سے ہوتی ہے جو علی نواز کو ایک بیٹا دے کر مر جاتی ہے۔ ناول قسط وار لکھے جانے کی وجہ سے غیر مربوط ہو گیا ہے۔ پلاٹ گسا ہوا نہیں بلکہ پھیلا ہوا ہے اور کرداروں کی بھرمار بھی ہے۔ تاہم خواتین کے جذبات کی عکاسی اور مختلف مقامات پر منظر نگاری خوب ہے۔ علامہ اقبال اوپن

Scanned with CamScanner

یونیورسٹی اسلام آباد کی طرف سے ایم۔ ایس سی ویمن سٹڈیز کے پراجیکٹ کے بارے میں ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش کی مرتب کردہ کتاب ''پاکستانی ادبیات میں خواتین کا کردار'' یونٹ نمبر ۸ میں اس ناول کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

ان ناولوں کے علاوہ اقبال بانو ہی کا ایک اور ناول ''ایویں کوئی رُل ڈیکھے'' بھی ''سرائیکی ادب'' ملتان نے ۹۰۔۱۹۸۹ء میں قسط وار شائع کیا ہے۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق انورسن رائے کے غیر مطبوعہ سرائیکی ناول ''چیک'' (چیخ) کا اردو ترجمہ ۱۹۸۷ء میں اور کوشلیا اشک کا کیا ہوا ہندی ترجمہ ۱۹۹۱ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ حیرت ہے کہ اصلی ناول ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

طبع زاد ناولوں کے علاوہ ترجمہ شدہ ناولوں میں اردو کے کلاسیکل ادب سے ''باغ و بہار'' اور ''توبتہ النصوح'' کے علاوہ ''فردوس بریں'' کے سرائیکی تراجم کتابی شکل میں چھپ چکے ہیں جبکہ بشریٰ رحمان کے ناول ''لالہ صحرائی'' مطبوعہ ۱۹۸۵ء کا راقم الحروف کا کیا ہوا سرائیکی ترجمہ ''رُٹھے یار ڈاڈھے اَوکھے منیندے'' کے عنوان سے ''سرائیکی ادب'' نے دسمبر ۱۹۹۳ء سے اپریل ۱۹۹۴ء میں قسط وار شائع کیا ہے۔ انگریزی سے بھی دو ناول ترجمہ ہوئے ہیں۔ یہ دونوں تراجم بھی راقم الحروف نے کیے ہیں۔ مس جان کونکولیسٹ کا ناول ''این ایسٹرن لَور'' سرائیکی میں ''عشق دے ونڑج انوکھڑے'' کے نام سے ۱۹۸۰ء میں روزنامہ ''آفتاب'' ملتان نے اور جولائی ۱۹۸۲ء سے جون ۱۹۸۳ء تک ''سرائیکی ادب'' ملتان نے قسط وار شائع کیا جو بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ آزاد ترجمے کے ساتھ جاپان کے ماحول اور اشیا کو بھی سرائیکی وسیب کا رنگ دیا گیا ہے۔ دوسرا ناول ایرچ سیگل کے ''لَو سٹوری'' کا ترجمہ ''پیار کہانی'' ہے جسے ''آفتاب'' نے ۱۹۸۳ء میں شائع کرنا شروع کیا تھا۔ اسے بھی سرائیکی رنگ میں رنگا گیا ہے۔ متذکرہ بالا تراجم قریبی زبانوں میں ترجمہ ہوئے۔ اس لیے زبان تو تقریباً ایک ہی ہے، ہاں مترجمین کی انفرادی جھلک ضرور نظر آتی ہے۔ جہاں یہ تراجم سرائیکی نثر میں اضافے کا باعث ہیں

وہاں سرائیکی کو علمی، ادبی، معیاری اور سائنٹیفک زبان کا مقام دلوانے کی کوششوں کا ایک حصہ بھی ہیں۔ کتابی شکل میں راہی گبول کے اور، اقبال حسن بھپلا کے چار، چار، محمد اسمٰعیل احمدانی اور ظفر لشاری کے دو دو ناول شائع ہوئے ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر اسلم عزیز درانی کی تحقیقی تنقید کتاب ''سرائیکی ناول نگاری'' سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۲۰۰۸ء میں شائع کی ہے۔ اس کے ۱۹۲ صفحے ہیں۔

ڈرامہ

برصغیر کی پہلی کتاب جس میں ڈرامے کے نقش ملتے ہیں، ''رگ وید'' ہے۔ علامہ عتیق فکری مرحوم نے اپنی کتاب ''نقشِ ملتان'' اور مرزا ابن حنیف نے ''سات دریاؤں کی سرزمین'' میں لکھا ہے کہ یہ ملتان کے گردونواح میں لکھی گئی۔

کسی بھی زبان کے ادب میں نثر، نظم کے بعد داخل ہوتی ہے۔ سرائیکی میں پہلے مذہبی کتابیں، قصے، مثنویاں اور پھر ڈرامہ لکھا گیا۔ ڈرامہ نگاری میں بھی پہلے نظم اور پھر نثر کا آغاز ہوا۔ یہ ڈرامے ''ہیر رانجھا''، ''سسّی پنّوں''، ''سوہنی مہینوال''، لیلیٰ مجنوں'' اور ''مرزا صاحباں'' جیسے ہوتے تھے جو سٹیج کیے جاتے تھے۔ یہ ناٹک بستی بستی شادی، خوشی کے موقع پر دکھائے جاتے تھے۔ پاکستان بننے سے پہلے صرف ملتان میں ہی سرائیکی ڈرامے سٹیج کرنے والے تیرہ کلب موجود تھے جن میں '' خدا دوست، سخی بادشاہ، پورن بھگت'' وغیرہ سٹیج کیے جاتے تھے (یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے مثلاً ۱۹۸۷ء میں سرائیکی لوک تماشا ملتان نے سانول کا ڈرامہ ''سُجاک'' سٹیج کیا۔ کراچی میں مختلف آرٹ پروڈکشنوں نے ظہور ملک کے لکھے ہوئے ڈرامے مثلاً ۱۹۹۲ء میں ''پٹ انگریزی تھانے''، ۱۹۹۳ء میں '' آؤ گوڑ کڑوں'' اور عبداللہ افغان کے ''جھوکاں تھیسن آباد ول'' اور ''بختاور'' سٹیج کیے۔ یہ سلسلہ ۱۹۹۶ء میں ''ظلم دی بھاہ'' اور ۱۹۹۷ء میں ''گوڑے خاب'' سٹیج کرنے کی شکل میں جاری ہے۔ ان ڈراموں کو بھی ظہور ملک نے تحریر کیا ہے۔ ایک عرصے سے سرائیکی فلمیں بھی بننا شروع ہو چکی ہیں۔ ''دھیاں نمانیاں'' رب دا روپ''، ''سانجھ اساڈے پیار دی''، ''حیدر دلیر''، '' حاتو جٹ'' اور پھر رنگین فلمیں ''خان بلوچ'' اور ''تھیوا'' نمائش کے لیے پیش ہو چکی ہیں)۔

مطبوعہ سرائیکی ڈرامے کی ابتدائی تاریخ دیکھیں تو پہلے بڑے ڈرامہ نگار منشی غلام حسن گامن شہید ملتانی (۱۷۹۱ء۔۱۸۴۸ء) دکھائی دیتے ہیں۔ان کا ڈرامہ ''سخی بادشاہ'' جو نظم میں ہے اور دوسرا ڈرامہ ''قمرالزماں وشہزادی حسینہ'' جو نظم ونثر میں ہے ۲۴،۲۴ صفحے کے چھپے ہوئے موجود ہیں۔دوسرے نمبر پر غلام سکندر خان غلام لشاری بلوچ (۱۸۱۸ء۔۱۹۰۸ء) ہیں۔ان کا پہلا ناٹک جو کتابی شکل میں شائع ہوا ''یوسف زلیخا علام والا'' تھا۔اس کی ۷۶ سطروں میں ۵۵ سطریں نثر میں اور باقی نظم میں ہیں۔تیسرا ڈرامہ نگار جس کے ڈرامے شائع شدہ صورت میں ملتے ہیں سلطان الشعراء مولوی خلیفہ پیر بخش پیرن ملتانی ہیں۔منظوم ڈرامہ ''روشن ضمیر'' کتابی سائز کے ۳۲ صفحوں میں اور نظم ونثر پر اور ''سوہنٹریں مہینوال'' پچاس صفحوں پر مشتمل ہیں۔منشی کریم بخش واصل مظفر گڑھی (۱۹۰۲ء۔۱۹۷۶ء) چوتھے بڑے ڈرامہ نگار ہیں۔منظوم ڈرامہ ''خونی ماں'' ۳۲ صفحوں اور نظم ونثر پر مشتمل ''روشن ضمیر'' ۴۸ صفحات کا ہے۔ان کا ڈرامہ ''ہیر رانجھا'' سرائیکی ڈرامہ نگاری کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

اس دوران پانچ دیگر ڈرامہ نگار اپنے ڈراموں سے سرائیکی ڈرامہ نگاری کی تاریخ میں اہم تبدیلیاں لاتے دکھائی دیتے ہیں۔ان میں پہلے نمبر پر اللہ یار پُر جوش ہیں جن کا منظوم ڈرامہ ''دُلا بھٹی نُوراں شہزادی'' ہے۔دوسرے نمبر پر عبدالرشید آتے ہیں جن کے ڈرامے ''اسلامی ڈاکو عرف شیر دل مجاہد'' ، ''حاتم'' اور ''سخی لوہار'' تینوں منظوم ہیں۔تیسرا ڈرامہ نگار مولوی قادر بخش گلزار ہے جس کے منظوم ڈرامے ''پُورن بھگت'' اور ''سخی بادشاہ'' یادگار ڈرامے ہیں۔ڈرامہ ''شیریں فرہاد'' نظم ونثر میں موجود ہے۔چوتھے نمبر پر منشی نور محمد نورن گدائی (۱۸۷۰ء۔۱۹۲۶ء) آف رحیم یار خان ہیں۔ان کا منظوم ڈرامہ ''لیلیٰ مجنوں'' ہے۔پانچویں نمبر پر قدیم سرائیکی ڈرامے کے سرخیل غلام رسول حسرت ملتانی ہیں جنھوں نے باقاعدہ ڈرامہ نگاری کا آغاز کیا اور ڈراموں میں نظم کے ساتھ ساتھ باقاعدگی سے نثر کو متعارف کرایا۔یہ بات اس لیے بھی کہی جا سکتی ہے کہ ان کے ڈراموں میں نثر کی مقدار ان سے پہلے کے ڈرامہ نگاروں سے زیادہ ہے۔ان کے

Scanned with CamScanner

ڈراموں میں ''سخی رنگ رنگیلا''، ''شان بسم اللہ فتح اسلام''، ''ظالم حسینہ''، عالم آراء''، ''عرب دا مسافر''، ''قیدی حور'' اور ''نور اسلام'' مطبوعہ دستیاب ہیں۔ ان کے علاوہ ڈرامہ ''سسی پنوں'' اور ''خودسر شہزادہ عرف قاتل بھائی'' بھی یادگار ہیں۔

ان ڈرامہ نگاروں کے متذکرہ بالا ڈراموں کے بعد دورِ جدید تک سرائیکی ڈرامے کا سفر کیسے طے ہوا، اس پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ تاہم یہ طے ہے کہ موجودہ دور تک آتے آتے سرائیکی نثری ڈرامہ اپنی ساری ادبی صفات کے ساتھ سامنے آچکا تھا۔ سرائیکی ڈرامے کا جدید دور ریڈیو ملتان کے قیام (آغاز نشریات ۲۱ نومبر ۱۹۷۰ء) سے شروع ہوتا ہے جبکہ ریڈیو بہاولپور کے قیام آغاز نشریات (۱۸ اگست ۱۹۷۵ء) کے بعد پاکستان ٹیلی ویژن سنٹر لاہور کے سرائیکی پروگرام ''رُت رنگیلڑی'' (آغاز نشریات ۱۹۹۰ء) سے مزید مستحکم ہوتا ہے۔ پی ٹی وی لاہور سے سرائیکی پروگرام ۳۔ اپریل ۱۹۹۰ء سے شروع کیا گیا۔ ہفتہ وار پروگرام میں مہینہ وار ڈرامہ کی آغاز نشریات ۱۱۔ اپریل ۱۹۹۰ء سے یہ مزید مستحکم ہوا ہے۔ پہلا ڈرامہ اصغر ندیم سیّد کا ''نویں پیڑھی دا سچ'' ۲۔ مئی ۹۰ء کو ٹیلی کاسٹ ہوا۔ جبکہ پہلا سرائیکی سیریل ''پارت'' (مسّرت کلانچوی) ۹ فروری ۹۵ء کو ٹیلی کاسٹ ہوا۔ اس وقت تین سرائیکی tv چینل ''وسیب''، ''روہی''، اور ''کوک'' اپنی باقاعدہ نشریات میں ڈرامے کو ترویج دے رہے ہیں۔ ریڈیو پر سرائیکی ڈرامے براڈ کاسٹ اور ٹیلی ویژن پر ٹیلی کاسٹ ہونا شروع ہوئے تو کئی خوبصورت ادبی ڈرامے بھی لکھے گئے اور پھر ان ڈراموں کی اشاعت کا سلسلہ اخبارات ورسائل کے علاوہ کتابی شکل میں بھی شروع ہوا۔

موجودہ دور میں کتابی شکل میں اشاعت پانے والی ڈرامے کی کتابوں کی تفصیل اس طرح ہے۔

گوشوارہ

۱	روشن ضمیر	(نظم ونثر)	کریم بخش واصل	قاضی نورالدین تاجر کتب مظفرگڑھ	---
۲	روشن ضمیر	(طبع نو)	کریم بخش واصل	عرفان خان پبلشرز ڈیرہ غازی خان	۱۹۹۶ء
۳	عرب دا مسافر	(نظم ونثر)	منشی غلام رسول حسرت ملتانی	مولوی فیض بخش، محمد ذوالفقار حافظ محمد رحیم نواز ملتان	۱۹۶۷ء
۴	عرب دا مسافر	(طبع نو)	منشی غلام رسول حسرت ملتانی	عرفان خان پبلشرز، ڈیرہ غازی خان	۱۹۹۶ء
۵	ہنجوں دے ہیرے	(جزوی)	قاسم جلال	فنکار اکیڈمی بہاولپور	اگست ۱۹۷۱ء (دو ڈرامے)
۶	انارکلی تے اقتدار دی ہوس	(ترجمہ)	دلشاد کلانچوی	سرائیکی لائبریری، بہاولپور	فروری ۱۹۷۸ء (دو ڈرامے)
۷	لجپال	(پہلا حصہ)	سید نذیر علی شاہ	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	۱۹۸۰ء
۸	لعل بادشاہ	(منظوم ناٹک)	کریم بخش بودانہ	قریشی بک ڈپو، ملتان	۱۹۸۰ء
۹	کوڑا خواب	(ترجمہ)	فدائے اطہر	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	۱۹۸۱ء
۱۰	رستم تے سہراب	(ترجمہ)	اسلم قریشی	سرائیکی ادبی مجلس، بہاولپور	۱۹۸۱ء
۱۱	سیج ڈکھاں دی سیج پھلاں دی	(ترجمہ)	دلشاد کلانچوی	سرائیکی ادبی مجلس، بہاولپور	۱۹۸۱ء
۱۲	سدھر	(جزوی)	مہر کاچیلوی	سرائیکی ادبی تحریک، ملتان	۱۹۸۵ء (ایک ڈرامہ)

۱۳	رات دی کندھ	(جزوی)	دلشاد کلانچوی	اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور	جولائی ۱۹۸۸ء (دو ڈرامے)
۱۴	بجھ صباحیں	....	مُسرت کلانچوی	سرائیکی ادبی مجلس، بہاولپور	مئی ۱۹۸۹ء (گیارہ ڈرامے)
۱۵	کچ دیاں ماڑیاں	....	حفیظ خان	سرائیکی اکیڈمی، ملتان	جون ۱۹۸۹ء (۲ ڈرامے)
۱۶	ماماں جمال خان	....	حفیظ خان	پاکستان سرائیکی رائٹرز گلڈ، ملتان	۱۹۸۱ء (۳ ڈرامے)
۱۷	چندر تارے	....	مقبول عباس کاشر	جمال پبلشرز، ملتان	اپریل ۱۹۹۱ء (۷ ڈرامے)
۱۸	مٹھڑے تیر	(جزوی)	راہی گبول	سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی، بھونگ	مئی ۱۹۹۲ء (ایک ڈرامہ)
۱۹	رُت رنگیلڑی	....	قاسم جلال	مجلس سرائیکی مصنفین پاکستان، مظفر گڑھ	جون ۱۹۹۲ء (دو ڈرامے)
۲۰	گل گلانوں ریت دا	(ترجمہ)	حمید الفت ملغانی	تھل دماں سرائیکی سنگت لیہ	اکتوبر ۱۹۹۲ء
۲۱	کچھے دھک	(جزوی)	منظور احمد اعوان	سنجوک سرائیکی ادبی سنگت رحیم یار خان	مارچ ۱۹۹۳ء (ایک ڈرامہ)
۲۲	زمین اسمان	....	رحیم طلب	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	مئی ۱۹۹۶ء (۶ ڈرامے)
۲۳	خلیل یہودی	(نظم ونثر) طبع نو	غلام رسول حسرت ملتانی	عرفان پبلشرز ڈیرہ غازی خان	۱۹۹۶ء
۲۴	گونگیاں کندھاں داشور		مقبول عباس کاشر		
۲۵	چاچا الف خالی		مقبول عباس کاشر	رُوبی پبلیکیشنز۔ملتان	۱۹۹۸ء ۵ ڈرامے
۲۶	ونیس دا تاجر (ترجمہ)		مترجم اقبال نسیم صحرائی	رُوبیلیکیشنز۔ملتان	۱۹۹۸ء ۹ ڈرامے
۲۷	خواب گلاب		حفیظ خان	جھوک پبلیشرز۔ملتان	۲۰۰۱ و ۱ ڈرامہ
۲۸	گنوار		رضا گیلانی	سرائیکی ادبی مجلس۔بہاولپور	مئی ۲۰۰۳ء ۷ ڈرامے
۲۹	ڈھڑے پندھ		حفیظ خان	سرائیکی ادبی بورڈ۔ملتان	اپریل ۲۰۰۴ء ۶ ڈرامے
				ملتان انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ۔ملتان	دسمبر ۲۰۰۵ء ۷ ڈرامے

۳۰	سرائیکی ریڈیائی ڈرامے (انتخاب)	مرتب خالد اقبال	جھوک، پبلشرز ملتان	اکتوبر ۲۰۰۷ء ۳ ڈرامے
۳۱	کوئی شہریں جنگل ٹوکدا (ٹیلی سیریل)	حفیظ خان	ملتان انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ ملتان	مئی ۲۰۰۸ء اڈرامہ

''ہنجوں تے ہیرے'' میں ایک ڈرامہ ''ہوس دے شعلے'' اور ایک فیچر ''ڈُو عورتاں'' شامل ہیں۔ ''سَدھر'' میں ایک ڈرامہ ''قیدی دا پرناں'' جبکہ ''رات دی کندھ'' میں دو ڈرامے ''نرس'' اور ''جنس دی تبدیلی'' شامل ہیں۔ اسی طرح ''مٹھڑے تیر'' میں ڈرامہ ''صاحب بہادر'' اور ''کُجھے دھک'' میں ''محبت دا جنازہ'' شامل ہیں۔ دونوں ڈرامے طنزیہ و مزاحیہ ہیں۔ ''انارکلی'' کو ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے امتیاز علی تاج کے اردو ڈرامے سے ترجمہ کہا ہے مگر یہ ماخوذ ہے جبکہ ''اقتدار دی ہوس'' میکبتھ (جو شیکسپیئر کی تخلیق ہے) کا تلخیص شدہ ترجمہ ہے۔ آغا حشر کے تین اردو ڈرامے ''خواب ہستی'' کا ''کوڑا خواب''، ''رستم و سہراب'' کا ''رستم تے سہراب''، ''خوبصورت بلا'' کا ''سیج ڈکھاندی سیج پھُلاں دی'' کے علاوہ ممتاز مفتی کے ڈرامے ''لوک ریت'' کا سرائیکی ترجمہ ''گل گلانواں ریت دا'' کے عنوان سے ہو چکا ہے۔

۱۹۸۹ء کا سال سرائیکی ڈرامے کی تاریخ کا اہم سال ہے۔ پہلے حفیظ خان کے ریڈیائی ڈراموں کا مجموعہ ''کچ دیاں ماڑیاں'' سامنے آیا۔ یہ کتاب جدید تخلیقی ڈراموں کے پہلے مجموعے کے حوالے سے سرائیکی ادب میں ایک اہم موڑ ثابت ہوئی ہے۔ ''سنجھ صباحیں'' عملاً اس کتاب کے بعد شائع ہوئی۔ مُسَرت نے صفحہ ٦ پر لکھا ہے کہ ان گیارہ ڈراموں میں دو ڈرامے ٹیلی ویژن پر اردو میں دکھائے گئے ان کے دو اردو ڈراموں کا ترجمہ ہیں۔ خبر نامہ ''سرائیکی زبان'' بہاولپور جنوری فروری ۱۹۹۰ء کے مطابق ان میں سے ایک ڈرامہ ''ہک منٹ'' ہے۔

''ماماں جمال خان'' حفیظ خان کا دوسرا مجموعہ ہے جو ریڈیو ملتان سے نشر ہونے والے بچوں کی ڈرامہ سیریز میں نشر ہوئے تین ڈراموں کا مجموعہ ہے۔ مقبول عباس کا شر کا ''چندر تارے''

Scanned with CamScanner

بھی ریڈیو ملتان سے بچوں کے لیے نشر کیے گئے ڈراموں کا مجموعہ ہے۔

''رُت رنگیلڑی'' کو سرائیکی ٹی وی ڈراموں کے پہلے مجموعے کا اعزاز ملتا ہے، جس میں دو ڈرامے ''سنجوک'' اور ''سانگھے'' شامل ہیں۔ (راقم الحروف نے اس کتاب میں سرائیکی ڈرامے کی تاریخ اور فن ڈرامہ وغیرہ کے حوالے سے ۳۹ صفحے کا طویل دیباچہ لکھا ہے۔)

''کچ دیاں ماڑیاں'' کو اکیڈمی آف لیٹرز ایوارڈ مل چکا ہے۔ اس میں شامل ڈراموں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ محبت اِن کا خاص موضوع ہے۔ تقریباً ہر ڈرامے میں کوئی نہ کوئی اخلاقی نکتہ پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ ڈرامہ نگار خیر اور شر کی جنگ میں خیر کی محبت کا قائل دکھائی دیتا ہے۔ اس کے موضوعات عام زندگی سے ہی لیے گئے ہیں مگر وہ ان میں رومانی رنگ بھر کر دلچسپی قائم کرتے ہیں۔ فنی گرفت بھی مضبوط ہے۔

''رُت رنگیلڑی'' کے دونوں ڈراموں میں کچھ قدریں مشترک ہیں جیسے دونوں ڈرامے شادی کے مسئلے پر ہیں۔ دونوں میں یونیورسٹی کا ماحول اور یونیورسٹی گراؤنڈز میں ہیرو، ہیروئین کی ملاقاتیں دکھائی گئی ہیں۔ مگر ایک ڈرامہ طربیہ ہے اور دوسرا المیہ۔ ایک سیدھا سادھا واقعاتی ڈرامہ ہے تو دوسرا اُلجھا ہوا نفسیاتی ڈرامہ ہے۔ ایک دیہاتی زندگی کی نمائندگی کرتا ہے تو دوسرا شہری زندگی کی عکاسی۔ اس تناظر میں ہم ڈرامہ نگار کے مزاج اور فنی تنوع کو ڈھونڈ سکتے ہیں۔

''زمین آسمان'' کے پسِ ورق پر حفیظ خان اور ممتاز زاہد اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ یہ ڈرامے اپنے وسیب کے مناظر اور آج کے مسائل پر مبنی ہیں جبکہ اسلم قریشی کا خیال ہے کہ ان ڈراموں میں جوانی کی باتیں کی گئی ہیں۔ حمید الفت ملغانی کا تجزیہ اس طرح ہے کہ:

> ''اوترک'' ہمارے وسیب کے دیہاتی معاشرے کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح ''عیدی'' اور ''ڈاج'' بھی ہمارے وسیب کے رسم ورواج کو پیش کرتے ہیں''۔ (ح۔۹)

البتہ انھیں شکوہ ہے کہ پہلے چار ڈراموں کے مناظر کے حوالے، آخری ڈراموں کی طرح اردو کی بجائے سرائیکی میں ہونا چاہیے تھے۔ سرائیکی ڈراموں میں تاریخ کے عنصر پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر انعام الحق جاوید لکھتے ہیں:

''سرائیکی میں لکھا گیا بریگیڈئر نذیر علی شاہ کا ڈرامہ ''لجپال'' بھی ایک تاریخی ڈرامہ ہے جس میں اسلامی تاریخ کے ایک باب کو بنیاد بنا کر سندھ پر محمد بن قاسم کے حملے کا پسِ منظر بیان کیا گیا ہے۔'' (ح۔۱۰)

حفیظ خان کے ''ماماں جمال خان'' اور مقبول عباس کاشر کے ''چندر تارے'' کے بعد مقبول عباس کاشر کا ''چاچا الف خالی'' (صفحات۔۱۰۴) اور حفیظ خان کا ''خواب گلاب'' صفحات۔۱۴۴) بچوں کے ریڈیائی ڈراموں پر مشتمل ہیں جبکہ ''وینس دا تاجر'' شیکسپیئر کے ڈرامے کی ۱۲۸ صفحات پر مشتمل سرائیکی کتابی صورت ہے۔ خالد اقبال نے پہلی بار مختلف ڈرامہ نگاروں کے سرائیکی ڈراموں کا انتخاب مرتب کیا۔ ''کنوار'' (صفحات۔۱۲۷) ٹی۔وی ڈراموں کا مجموعہ ہے ''رُٹھڑے پندھ'' میں بھی پانچ ریڈیو اور دو ٹی وی ڈرامے ہیں جبکہ حفیظ خان کی ''کوئی شہریں جنگل کُوکدا'' صفحات ۲۵۶ سرائیکی میں پہلی ٹی وی ڈرامہ سیریل پر مبنی کتاب ہے۔

۲۰۰۲ء میں تونسہ کے قریب دمان نام کی ایک این جی اوز نے اپنی سالانہ رپورٹ ۲۰۰۱-۰۲ء شائع کی تو اس میں ڈاکٹر احسن واگھا کا لکھا ہوا سرائیکی ڈرامہ ''ونا پراسّھا'' درخت دوست لوگوں کے لیے پیش کیا۔ جون ۲۰۰۳ء میں کتاب لڑی ''سُنجان'' اسلام آباد کے شمارے میں بھی احسن واگھا کا ایک اسٹیج ڈرامے ''نگوساواں تھل'' شائع کیا گیا جس میں گریٹر تھل کے منصوبے کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ۲۰۰۲ء کے سہ ماہی ''سرائیکی'' بہاولپور میں ڈاکٹر نصر اللہ خان ناصر کا ڈرامہ ''دریانویں دا اَنت صحرا'' اور ڈاکٹر محمد سلیم ملک کا ڈرامہ ''آچُوں رَل یار'' شائع ہوئے۔ ان میں روہی کا رنگ واضح نظر آتا ہے۔

Scanned with CamScanner

''خواتین کی سرائیکی تخلیقات میں عورت'' کے عنوان سے مرتبہ کتاب میں دو ڈرامے بھی انتخاب میں شامل کیے گئے ہیں۔ یہ صبیحہ قریشی اور شبانہ کریم کے ہیں۔

سرائیکی رسائل و اخبارات میں چھپنے والے ڈراموں کی ایک فہرست اس طرح ہے۔ اختر جعفری کا ''جھوکاں تھیاں آباد'' (ماہنامہ سرائیکی ادب ملتان جون ۱۹۷۷ء) اطہر قریشی کا ''مقسوماں دے لیکھے،، (سرائیکی ادب دسمبر ۱۹۷۶ء)، اکرم شاد کے ''صلاح الدین ایوبی'' (دسمبر ۱۹۷۶ء)، ''فیصلے'' (جولائی ۱۹۷۷ء) اور ''دینو چاچا'' (جون ۱۹۸۷ء) بھی ''سرائیکی ادب'' نے شائع کیے۔ اے آر ندیم کا ''مانگواں پتر'' (مارچ ۱۹۷۲ء)، بتول رحمانی کے ''وٹہ سٹہ (اپریل ۱۹۷۶ء) ''سکھ دے ساہ'' (فروری ۱۹۸۴ء) بشیر حسین انصاری کا ''پنجیری'' (دسمبر ۱۹۷۶ء)، تحسین سبائے والوی مرحوم کا ''قرضہ'' (نومبر ۱۹۷۹ء) بھی ''سرائیکی ادب'' نے ہی شائع کیے۔ حسن رضا گردیزی کے ''چار درویش'' (سرائیکی ادب۔ اکتوبر ۱۹۷۲ء)، ''پرائے لوک'' (سہ ماہی ''سرائیکی'' بہاولپور۔ جولائی ۱۹۷۲ء) میں چھپے جبکہ حفیظ خان کے ''ٹنگل پیسہ'' (نومبر ۱۹۷۷ء) ''رٹھڑے پندھ'' (مارچ ۱۹۷۹ء)، ''ماسی سیانی'' (اکتوبر ۱۹۸۷ء) ''سنگھار'' (دسمبر ۱۹۸۸ء) آزادی دا سجھ'' (دسمبر ۱۹۸۹ء)، دلشاد کلانچوی کا ''نرس'' (مارچ ۱۹۸۴ء) رحیم طلب کے ''ڈاج'' (اکتوبر ۱۹۸۸ء) ''اوترک'' (دسمبر ۱۹۸۸ء) ''سرائیکی ادب'' نے شائع کیے۔ سجاد حیدر پرویز کے ''شریف تربیت'' (ماخوذ) روزنامہ ''آفتاب'' ملتان (۴ نومبر ۱۹۷۹ء) نے جبکہ ٹی وی ڈرامہ ''باکاں'' (نومبر ۱۹۹۲ء) اور ریڈیو ڈرامہ ''منشیات داز ہر'' (ستمبر ۱۹۹۴ء) ''سرائیکی ادب'' نے شائع کیے۔ جبکہ ''آرام تے سکون'' (ترجمہ) ''فرید رنگ'' ڈیرہ غازی خان (نومبر ۱۹۸۹ء) نے شائع کیا۔ شبانہ کریم کا ''کھڑا و نے'' (مئی ۱۹۷۶ء) سرائیکی ادب نے صبیحہ قریشی کا ''گھر میڈا گھر'' (۲۱ دسمبر ۱۹۸۰ء) ''آفتاب'' ملتان نے شائع کیے۔ صدیق طاہر مرحوم کا ''کاٹکو'' (۱۹۷۰ء) سہ ماہی ''سرائیکی'' نے شائع کیا۔ (یہ حوالہ اقبال صلاح الدین (ح۔۱۱) اور دلشاد کلانچوی (ح۔۱۲) سے لیا گیا ہے۔ اس کی تصدیق نہیں ہو سکی)۔ عرفان جمیل کا ''عید

دیاں خوشیاں'' (ستمبر ۱۹۸۵ء) ''سرائیکی ادب'' نے شائع کیا۔ غلام حسین حیدرانی مرحوم کے ''چوڑا'' (ستمبر ۱۹۷۱ء) مجلہ ''وسدیاں جھوکاں'' ملتان اور ''گواہی'' (جنوری فروری ۱۹۷۲ء) ''سرائیکی ادب'' نے چھاپے۔ فیض احمد جن پوری کا چھ قسطوں میں ''اندر دی روہی'' (اپریل تا اگست ۱۹۸۸ء) بھی ''سرائیکی ادب'' نے چھاپا۔ فقیر نور جعفری مرحوم کا ''بہادر شہزادہ'' (۷ انومبر ۱۹۸۰ء) ''آفتاب'' ملتان نے جبکہ قاسم سیال کا ''چاچا الف خالی'' (اگست ۱۹۷۶ء) اور محمد اسلم رسولپوری کا ''کوڑے خواب'' (مارچ ۱۹۸۲ء) ''سرائیکی ادب'' میں چھپے۔ محمد اسماعیل احمدانی کے ''ہاں دی بھا'' (۱۱۴ اکتوبر ۱۹۶۹ء) ہفت روزہ ''اختر'' ملتان میں اور ''ہاکڑہ ول واسے'' (روہی رنگ۔ خان پور شمارہ نمبر ۱) جبکہ ''وادیٔ ہاکڑہ'' (شمارہ نمبر ۲) میں چھپے۔ محمد اقبال جھلن کا ''زمیندار'' (جنوری ۱۹۶۹ء) سہ ماہی ''سرائیکی'' نے چھاپا۔ مسرت کلانچوی کے ''پیکیاں دی نوکرانی'' (اگست ۱۹۷۵ء) ''وٹہ سٹہ'' (جنوری ۱۹۷۶ء) ''بے جوڑ شادی'' (جون ۱۹۷۶ء) ''گاہناں'' (اپریل ۱۹۷۸ء) ''سرائیکی ادب'' نے چھاپے۔ اس کے بعد ''وسیب'' احمد پور شرقیہ نے ''سچے سانگے'' (مارچ ۱۹۸۰ء) چھاپا۔ ان کے بعد ''سکھ سہاگ'' (جنوری ۱۹۸۲ء) ''سوجھلے دا پندہ'' (مارچ ۱۹۹۱ء) سرائیکی ادب نے چھاپے۔ مرید حسین راز جتوئی کا ''بھلیکا'' (نومبر ۱۹۷۸ء) مصدق اقبال مصدق کا ''کھوتے دی پٹائی'' (ستمبر ۱۹۷۷ء) منیر ملک کا ''ڈاج'' (جنوری ۱۹۷۴ء) مہر کا چیلوی کا ''قیدی دا پرنا'' (جون ۱۹۸۲ء) ''سرائیکی ادب'' نے چھاپے، نذیر علی شاہ کا ''چوئیں سور'' (اکتوبر ۱۹۶۷ء) ''سرائیکی ادب'' نے اور نور احمد خان فریدی کے ''چاکر اعظم'' باب دوم کا ترجمہ ع۔ ص۔ بلوچ کا کیا ہوا ''سرائیکی ادب'' نے جولائی ستمبر ۱۹۷۵ء میں شائع کیے۔ مندرجہ بالا ڈراموں پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر انعام الحق جاوید اپنی کتاب ''پنجابی ڈرامہ'' میں لکھتے ہیں:

ریڈیو پاکستان بہاولپور سے نشر ہونے والا سرائیکی کا پہلا ڈرامہ مسرت کلانچوی کا ''پیکیاں دی نوکرانی'' تھا۔ مسرت کلانچوی کے ڈراموں میں عام طور پر غربت، جہالت اور دیہاتی

عورتوں میں پائی جانے والی بے جا رسومات کو موضوع بنا کر انھیں تعلیم کے فوائد سے آگاہ کیا گیا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حفیظ خان کے ڈرامہ ''ٹنگل پیسہ'' کی طرح ان کے ڈرامے ''گاہناں'' میں عام زیور کی بجائے تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ ''وٹہ سٹہ'' اور ''بے جوڑ شادی'' بھی اپنے موضوعات کے حوالے سے اسی نوعیت کے ڈرامے ہیں۔

منیر ملک کے ڈرامے ''ڈاج'' اکرم شاد کے ''فیصلے'' اور اختر جعفری کے ''جھوکاں تھیاں آباد'' میں سماجی قسم کے مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں۔ غلام حسین حیدررانی کے ڈرامہ ''چوڑا'' میں زن و شوہر کے درمیان ہونے والے لڑائی جھگڑے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ تین مناظر پر مشتمل اس ڈرامے کے موضوع کو فاضل مصنف نے اس قطعیت کے ساتھ گرفت میں لیا ہے کہ ہر واقعہ دوسرے کے ساتھ گندھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس کا اختتام بھی ایک خوشگوار تحیر پر ہوتا ہے۔ یعنی ایک فقرے کے ذریعے پورا المیہ، طربیہ میں بدل جاتا ہے۔''

''تحسین سبائے والوی کا ''قرضہ'' ایک مختصر سا ڈرامہ ہے جو کالو کی بدمعاشی سے شروع ہو کر اس کے شریف ہو جانے پر ختم ہو جاتا ہے۔ مرید حسین خان (راز جتوئی) کے ''بھلیکا'' میں ایک تعلیم یافتہ خاتون کی شادی ایک ایسے بدوضع اور کالے سیاہ کلرک سے کر دی جاتی ہے جس کے ساتھ نباہ ممکن دکھائی نہیں دیتا لیکن والد کے سمجھانے پر بالآخر لڑکی مشرقی روایات کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے شوہر کے ساتھ صلح کر لیتی ہے۔''

غلام حسن حیدررانی کے ڈرامہ ''گواہی'' میں قاضی اور حاکم کے مراتب کو متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈرامہ ''چوڑا'' تین مناظر کا ایک ایکٹ کا ڈرامہ ہے۔ ایک کنجوس شخص کی بیوی کسی طرح چوڑا پہن لیتی ہے جس پر اس کا خاوند سخت ناراض ہوتا ہے۔

سید حسن رضا گردیزی کا ڈرامہ ''پرائے لوک'' پانچ مناظر اور سات کرداروں پر مشتمل ہے۔ ایک عورت دو بھائیوں میں نفاق ڈلواتی ہے۔ مگر بہت سی خرابیوں کے بعد دونوں بھائیوں

Scanned with CamScanner

میں صلح ہو جاتی ہے۔ڈرامہ ''چار درویش'' میں کھاد کا ایجنٹ ،محکمہ مال کا افسر،ایک یونانی طبیب اور ایک شاعر کے کردار پیش کیے گئے ہیں۔

حفیظ خان کے ''رُٹھڑے پندھ'' میں چھ کردار اور آٹھ مناظر ہیں۔اس کا موضوع یہ ہے کہ ساس اور بہو کے جھگڑے گھروں کی بربادی کا باعث بنتے ہیں۔لہٰذا خاوند کو ایسے حالات میں شکوک وشبہات سے بچنا چاہیے۔اسی طرح ایک پڑھی لکھی بیوی گھر کو جنت بنا سکتی ہے۔''ٹنگل پیسہ'' میں منگنی کے مسائل چھیڑے گئے ہیں۔مناسب رشتہ کی وکالت کی گئی ہے۔

اسماعیل احمدانی کا ڈرامہ ''ہاں دی بھا'' چار مناظر میں پیش کیا گیا ہے۔اسلوب اور موضوع منفرد ہے۔ڈرامے کا کینوس یہودیوں کی تاریخی سازش اور موجودہ عالمی سیاست تک پھیلا ہوا ہے۔ایمائی علامتی کرداروں سے کام لیا گیا ہے تاہم ڈرامے میں ان کی کچھ وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

اختر جعفری کا ڈرامہ ''جھوکاں تھیاں آباد'' دیہاتی زندگی کے گرد گھومتا ہے۔ساس بہو کے تعلقات کی جھلک دکھائی گئی ہے۔صدیق طاہر کا ڈرامہ ''کاٹکو'' مزاحیہ ڈرامہ ہے جو سٹیج کے تقاضوں پر پورا اترتا ہے۔تحسین سبائے والوی کا ''قرضہ'' اسم بامسمّیٰ ہے یعنی قرضہ کے لین دین کے مسائل پر مبنی ہے۔جام محمد اقبال جھلن کا ڈرامہ ''زمیندار'' زیادہ تر دیہاتی ثقافت وتمدن سے متعلق ہے۔اے آر ندیم کے ڈرامے ''مانگواں پُتر'' میں بھی دیہاتی ماحول کی عکاسی کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ پرائے بیٹے اپنے نہیں بن سکتے۔منیر ملک ملتانی کا ''ڈاج'' بھی عنوان کی طرح جہیز کے مسئلے سلجھانے کی کوشش ہے۔

بتول رحمانی کا ''وٹہ سٹہ'' ایک ایکٹ کا سوشل ڈرامہ ہے اور بدلے کے بیاہ کے حوالے سے ہے۔مسرت کلانچوی کا ''پیکیاں دی نوکرانی'' کا موضوع میکے اور سسرال میں فساد ڈالنے والی نوکرانی ہے۔مسرت کے ڈرامہ ''وٹہ سٹہ'' کا موضوع بھی بتول کے ڈرامے کی طرح بدلے کی

Scanned with CamScanner

شادی کی بُرائیاں ہے۔ گھریلو حالات پر ایسی شادی کے بُرے اثرات ہوتے ہیں'' گاہناں'' کا موضوع یہ ہے کہ تعلیم عورتوں کا زیور ہے اور کالج سطح تک عورتوں کو تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔

مسز شبانہ کریم کا'' کھڈاونڑیں'' اکرم شاد کا'' فیصلے'' مصدق اقبال مصدق کا'' کھوتے دی پٹائی'' اور قاسم سیال کا'' چاچا الف خالی'' بچوں کے لیے لکھے گئے ڈراموں کی مثالیں ہیں۔

سفرنامہ

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے شعبہ سرائیکی کے تحقیقی مقالے برائے ایم اے بعنوان "سرائیکی پندھ وہانیاں دا فکری تے فنی ویورا" (۹۳-۱۹۹۲ء) میں مقالہ نگار ساجدہ بتول علوی نے حضرت خواجہ غلام فریدؒ (۱۸۴۵ء-۱۹۰۱ء) کی "حج دیاں کافیاں" کے عنوان سے بیس صفحات لکھے ہیں جبکہ صفحہ ۹۴ پر مولوی اللہ بخش خادم مکھن بیلوی (۱۸۶۰ء-۱۹۳۱ء) کی شاعری میں سفر نامے کے عناصر کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۱۷۲ پر واحد بخش واحد، مولوی عاشق محمد عاشق اور صدیق شاہ کے منظوم سفر ناموں کا ذکر کیا ہے۔ متفرق نثری سفر ناموں میں بھی "اپنے سئیں دا آخری سفر" (مولانا نور احمد خان فریدی) "یاداں" (بریگیڈئر سید نذیر علی شاہ) "بھٹ شاہ کنوں سکھر" (محمد نواز فریدی) جیسے مضامین کو جو سفر نامے کی تعریف اور فنی تقاضوں پر پورے نہیں اترتے، گنوا دیا ہے۔ میری دانست میں سرائیکی زبان کے سفر ناموں کی صحیح تاریخ اس طرح سے مرتب کی جا سکتی ہے۔

(الف) منظوم سفر نامے

حبیب فائق کے مضمون "سرائیکی دا پہلا منظوم سفر نامہ" (مطبوعہ "سرائیکی ادب" ملتان نومبر ۱۹۸۴ء) اور ڈاکٹر مہر عبدالحق کی کتاب "سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں" (مطبوعہ ۱۹۸۵ء) میں شامل مضمون "سرائیکی دا پہلا منظوم سفر نامہ حج" (صفحہ ۳۷۵ تا ۴۲۰) کے مطابق لال سونہارا (بہاولپور) کے شمال مغرب میں واقع بستی بونگا رمضان کے باسی فقیر محمد عارف کا سفر نامہ ارض مقدس "کوہ غم" کے نام سے سرائیکی کا پہلا منظوم سفر نامہ ہے جو ۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۴ء کے درمیان ۳۰ ماہ کے سفر پر محیط ہے اور جو ۱۲۹۸ھ میں لکھا گیا۔ مکمل سفر نامہ تا حال غیر مطبوعہ ہے اور

قلمی نسخہ حبیب فائق (ملتان) کے پاس موجود ہے: نمونہ کلام ملاحظہ کریں:

جو قسمت سفر بیت اللہ اندر قسمت سیر کرایا

اوہ بھی اِس وچ درج کیتا جو نظر مناسب آیا

قصّہ کوتاہ میر پور وچ قصہ آن مکایا

عارف بونگے شہر ونجوں ، نہیں لازم پھِرَن اجایا

ڈاکٹر روبینہ ترین لکھتی ہیں کہ ''سرائیکی سفرنامے'' ''کوہِ غم'' کی قلمی کتاب کے ۷۳ اوراق اور ۱۴۶ صفحات ہیں (ح ۔۱۴)۔

دوسرا سفر نامہ سید غلام حسین فائز کربلائی کا ۴۸ صفحات پر مشتمل ''سفر نامہ عراق و ایران'' ہے جس میں بیان یا تقریر اردو نثر میں مگر مصائب کا بیان سرائیکی نظم میں ہے۔ یہ سفر ۱۳۵۴ھ میں کیا گیا۔ اسی طرح غلام حسین فائز کا ہی ایک اور سفرنامہ ''سفرنامہ زائرین'' بھی موجود ہے جو ایران، عراق، شام، بیت المقدس، مکہ، مدینہ وغیرہ کے سفر پر مشتمل ہے جو وفات قائداعظم کے کچھ عرصہ بعد شروع کیا گیا۔ اس میں بھی بیان اردو نثر میں اور اشعار سرائیکی میں ہیں۔

اگلا سفر نامہ ''تحفہ حرم'' ہے جسے اسد ملتانی (۱۹۰۲ء۔۱۹۵۹ء) نے ۱۹۵۴ء میں کیے گئے سفر حج بیت اللہ کو ''تحفہ حرم'' کے نام سے اردو کتاب میں درج کیا مگر جس کے آخری پانچ صفحات پر تیرہ بندوں پر مشتمل سرائیکی نظم میں بھی یہ سفرنامہ بیان کیا گیا ہے۔

''سفرنامہ امام رضاؒ'' کربلائے معلی، ایران و عراق کی زیارتوں پر مشتمل ہے۔ سید امام علی شاہ شفیق (۱۹۰۱ء تا ۱۹۶۲ء) کے اس سفرنامے میں سرائیکی نظم کے ساتھ ساتھ سرائیکی نثر بھی موجود ہے۔

دیگر منظوم سفرناموں میں دو حج کے سفرنامے شامل ہیں۔ پہلا ''سفرنامہ حج سرائیکی'' صوفی فیض محمد دلچسپ مرحوم (۱۹۳۴ء تا۱۹۸۲ء) کی ۱۹۸۱ء کی تخلیق ہے جسے ان کے بیٹے صوفی احمد دین نے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ سولہ صفحات کے اس کتابچے میں نظم کے انچاس (۴۹) بند ہیں۔

منظوم سفرناموں میں آخری سفرنامہ خان محمد ہمراز کا ''حج دا سفر'' ہے جسے بزم فیض سرائی خانقاہ شریف نے سولہ صفحات کے کتابچے کی شکل میں ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔ ۲۰۰۶ء میں محمد رمضان طالب نے مکہ اور مدینہ کے سفر کی یادوں کو ''ستواں عُمرہ۔ سوجھل یاداں'' کے عنوان سے منظوم کیا ہے۔ جسے فریدؒ سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان نے ۴۸ صفحات پر مشتمل شائع کیا ہے۔

(ب) منثور سفرنامے

علامہ محمد اعظم سعیدی کی کتاب ''وادیٔ پنجند اِچ صحافت'' کے مطابق سرائیکی نثر میں پہلا سفرنامہ مولانا نور احمد مرحوم کا ہے جو اجمیر شریف عرس پر جانے کے سلسلے میں لکھا گیا۔ مولانا مرحوم ہر مہینے ''اخبارِ حق'' نکالتے تھے۔ یہ سفرنامہ اسی اخبار میں ۱۹۰۲ء کے لگ بھگ شائع ہوا (ح۔۱۵)۔

کیفی جام پوری کی کتاب ''سرائیکی شاعری'' میں مولوی محمد رمضان بہار ملتانی مرحوم (۱۹۰۴ء۔۱۹۶۶ء) کے بارے میں لکھا گیا ہے:

> ''۱۹۴۷ء میں فریضہ حج ادا کر کے عتباتِ عالیہ کی زیارت سے مشرف ہوئے دورانِ سفر میں سفرنامہ عراق سرائیکی نثر میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ سفرنامہ ۲۳۶ صفحات پر مشتمل ہے جو ابھی تک شائع نہیں ہو سکا''۔ (ح۔۱۶)

متذکرہ سفرنامے کا قلمی مسودہ بہار ملتانی کے صاحبزادے ڈاکٹر غضنفر مہدی کے پاس موجود ہے۔

سرائیکی میں اخبارات و رسائل کی اشاعت نے نثر میں مختصر سفر ناموں کی راہ کھول دی۔ لہٰذا فداء الاحمدانی کا سفر نامہ ''ریاض بزمِ خویش وچ''، ''اختر'' ملتان کی اشاعت ۱۴ جنوری ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔ اسی سال ۱۴ اکتوبر کو ''اختر'' نے شاہ بانو فرح دیبا ملکہ ایران کے سفر نامے کا ترجمہ ''میں تے میڈا بال'' بھی شائع کیا جو ترجمہ شدہ سفر نامے کی پہلی مثال تھا۔ خود رسالے کے ایڈیٹر اختر علی خان بلوچ کا سفر نامہ سندھ ''سفر دیاں گالہیں''، ''ولایت سندھ دیاں گالہیں'' اور ''کجھ ڈینہہ کراچی وچ'' کے عنوانات سے ''اختر'' کے شماروں یکم جون، ۱۴ جولائی اور ۱۴/۱۱ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اسی طرح بریگیڈئر نذیر علی شاہ مرحوم کا سفر نامہ ''سجناں دے وطناں دی سیر'' ''پندھ'' کے عنوان سے سہ ماہی ''سرائیکی'' کے شمارہ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں اور صوفی احمد جان فریدی کا ''صوفی احمد جان دا سفر نامہ'' ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' اکتوبر ۱۹۷۴ء کے شمارے میں شائع ہوئے۔ طارق جامی کا ''اوکاڑیوں ترے میل دور''، ''امروز'' میں ۲۳ ستمبر ۱۹۷۷ء اور ۱۰ مارچ ۱۹۷۸ء کو شائع ہوا۔ محمد اسماعیل احمدانی کا سانگھڑ سے کراچی تک کا سفر ''ڈائری'' کے عنوان سے رسالہ سنگت لاہور کے شمارہ نمبر ۳ مطبوعہ ۱۹۸۲ء اور پھر ''پرچول'' میانوالی کے شمارہ نمبر ۳ میں شائع ہوا۔ ارشاد احمد امین کا تخی سرور اور فورٹ منرو وغیرہ کا سفر نامہ بھی ''سنگت'' لاہور شمارہ نمبر ۳ میں ہی شائع ہوا۔ غلام حسین راہی گبول کا سفر نامہ چنی گوٹھ و بہاولپور ''اے ریڈیو بہاولپور اے'' کے عنوان سے ''جھوک'' خان پور میں ۵ جنوری ۱۹۹۳ء کو شائع ہوا۔ اسی طرح ننھی طالبہ انیلا اعجاز کا ''بچے توں اسلام آباد دا سفر'' اسی اخبار نے اسی سال شائع کیا۔ خاتون سفر نامہ نگاروں کے حوالے سے ہی پروفیسر آنسہ صابرہ شاہین ڈیروی کا اسلام آباد اور مری کا سفر نامہ ''سِک دا پندھ'' کی تین قسطیں ''سرائیکی ادب'' ملتان نے ۱۹۹۵ء میں شائع کیں۔

سرائیکی میں مختصر سفر نامے سب سے زیادہ روزنامہ ''جھوک'' نے ہی شائع کیے۔ متذکرہ بالا سفر ناموں کے علاوہ ۹۱-۱۹۹۰ء میں شائع ہونے والے سفر ناموں کا ایک جائزہ دیکھیے۔ ظہور احمد دھریجہ کا ''ہک ڈینہہ گڈ دوچ'' ۱۹۹۰ء میں، غلام حسین راہی گبول کا خان پور،

بہاولپور، ملتان اور مظفر گڑھ کے سفر پر مشتمل سفر نامہ ''سرائیکی پنڈ ھیرو'' یکم فروری ۱۹۹۱ء کو، اسی عنوان سے منظور احمد اعوان کا بھونگ اور رحیم آباد وغیرہ کا سفر نامہ ۲۳ اپریل ۱۹۹۱ء کو شائع ہوا۔ محمد اسلم سانول فریدی کا رحیم یار خان اور صادق آباد کے قصبات کے سفر پر مبنی سفر نامہ ''سرائیکی پندھیڑو دا پندھ'' ۵ مئی ۱۹۹۱ء کو، محمد نواز فریدی کا سفر نامہ ''الہ آباد کنوں سیون شریف'' ۲۰ مئی ۱۹۹۱ء کو، بشیر احمد دیوانہ کا بھونگ اور رحیم آباد وغیرہ کا سفر نامہ ''سرائیکی پندھیڑو تے لیلے باک'' ۲۲ مئی ۱۹۹۱ء کو شائع ہوئے۔ مجاہد جتوئی کا سفر نامہ سندھ ''سَچل سارا سچ'' پانچ قسطوں میں ۲۰، ۲۷، ۲۸، ۳۰ مئی ۱۹۹۱ء کو، راہی گبول کا ایک اور سفر نامہ بھونگ سے محمد پور، رحیم آباد وغیرہ کے سفر پر مبنی ''جھوک دے پندھیڑو'' کے عنوان سے ۴ جون ۱۹۹۱ء کو شائع ہوا۔

اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے دیگر اہم سفر ناموں میں ممتاز حیدر ڈاہر کے سفر نامہ بھارت ''پکھی واس'' کے کچھ حصے جیسے روز نامہ ''امروز'' ملتان کی اشاعت ''روہی روپ'' میں ''جے پور گلابی شہر'' چار قسطوں میں ۲۳ اگست، ۳۰ اگست، ۲۱ اکتوبر، ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۳ء کے علاوہ ''سنگِ مرمر وِچ خواب'' روہی رنگ خان پور شمارہ نمبر ۲، راقم الحروف کی کتاب ''ویندیں وگدیں'' کے دو سفر نامے ماہنامہ سرائیکی ادب ملتان نے جون ۱۹۸۵ء اور نومبر ۱۹۸۵ء میں جبکہ ایک مزید سفر نامہ ''ڈُوراتیں مری دیاں'' اکتوبر ۱۹۹۶ء میں شائع کیے۔ اسی طرح جہانگیر مخلص کے سفر نامے ''پندھیڑو'' کا ایک حصہ ''سویل'' بہاولپور نے دسمبر ۱۹۹۵ء میں شائع کیا جبکہ سیٹھ محمد عبید الرحمان کے دو طویل سفر نامے قسط وار ان کے ہفت روزہ ''سرائیکی وسیب'' بہاولپور نے شائع کیے۔ پہلا سفر نامہ لندن ''حال لندن وَنجن آلے ہِک مریض دا'' کے عنوان سے جنوری تا مئی ۱۹۹۲ء کے تیرہ شماروں میں شائع ہوا جبکہ بسلسلہ انٹرنیشنل سرائیکی کانفرنس دِلّی ''سفر نامہ بھارت'' بعنوان ''بھارت وِچ سرائیکی دے چرچے'' ابو نوید کے قلمی نام سے نومبر ۱۹۹۲ء میں پانچ اور جنوری ۱۹۹۳ء میں تین قسطوں میں شائع ہوا۔

اب سرائیکی نثر میں مطبوعہ سفر ناموں کے چند نام درج ذیل ہیں:

Scanned with CamScanner

۱۔ پیت دے پندھ	محمد اسماعیل احمدانی	سرائیکی پبلیکیشنز، جام پور	۱۹۸۰ء
۲۔ ویندئیں وگدیں	سجاد حیدر پرویز	س۔سرائیکی پبلیکیشنز، مظفر گڑھ	فروری ۱۹۸۶ء
۳۔ پکھی واس	ممتاز حیدر ڈاہر	سوجھلا اشاعتی ادارہ، رحیم یار خان	۱۹۸۶ء
۴۔ روہی لیر کتیر	محمد اعظم سعیدی	سرائیکی ادبی سنگت کراچی	۱۹۸۹ء
۵۔ ٹوکدے پندھ گرلاندے پاندھی	عبدالباسط بھٹی	جھوک پبلشرز خان پور	جولائی ۱۹۹۲ء
۶۔ پندھیڑو	جہانگیر مخلص	بیکن بکس ملتان	۱۹۹۷ء
۷۔ پاندھی پنچھاں ٹیس ٹکاں	حمید اُلفت ملغانی	نجوک پبلی کیشنز۔ملتان	۱۹۹۸ء
۸۔ سینے جھوکاں دیدیں دیرے	نذیر لغاری	کراچی	۲۰۰۱ء
۹۔ سفر سوہنے دیس دا	محمد رمضان طالب	فریدؒ سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان	۲۰۰۴ء
۱۰۔ لکھ دی کہانی	مزار خان	سانجھ پبلی کیشنز۔لاہور	۲۰۰۷ء
۱۱۔ رول گایا	محبوب تابش	سرائیکی ادبی بورڈ۔ملتان	۲۰۰۷ء
۱۲ پندھ پندھیڑو دے	قاسم سیال	سرائیکی ادبی بورڈ۔ملتان	۲۰۰۸ء

''پیت دے پندھ'' جدید دور میں سفرنامے کی پہلی کتاب ہے۔ یہ ٹریولاگ رپورتاژ نما سفرنامہ ہے۔ کتاب بنیادی طور پر مصنف کے ذہن اور جسم کے مشترک سفر کی کہانی ہے۔ یوں یہ ماں بولی اور دھرتی ماتا کے ماضی، حال اور مستقبل کی پہچان کے لیے کیے ہوئے ایک سفر کی داستان بھی ہے۔ اسے اکادمی ادبیات پاکستان کی طرف سے سرائیکی زبان کا پہلا خواجہ فریدؒ ایوارڈ دیا گیا۔

''ویندئیں وگدیں'' تین تاثراتی سفرناموں کا مجموعہ ہے۔ ایک پاکستان کے صوبہ پنجاب کے دور اُفتادہ قبائلی علاقہ ''درّہ سوڑا'' دوسرا ترقی یافتہ شہر کراچی اور تیسرا ملک سے باہر جاپان کا سفرنامہ ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید لکھتے ہیں:

Scanned with CamScanner

''یہ ایک ایسے آدمی کا سفر نامہ ہے جس کا ذہن محققوں والا ہے، آنکھ مصور والی ہے، سوچ مزاح نگاروں والی ہے اور اسلوب افسانہ نگاروں والا ہے۔ سفر نامے کے تقاضے کے حوالے سے دیکھا جائے تو اسے سرائیکی کا پہلا تاثراتی سفر نامہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں جدید سفر نامے کا پورا پورا لُطف موجود ہے'' (ح۔۱۷)۔

بھارت کے سفر نامہ ''پکھی واس'' میں سفر نامہ نگار کھلے دماغ، کھلے ذہن اور کھلی آنکھوں سے چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ وہ اپنی اور بیگانی ثقافت، فطرت اور عادات کا موازنہ کرتا ہے۔ اس کا تاریخی مطالعہ وسیع ہے۔ وہ ماضی کو حال کے ساتھ ملا کر دیکھتا ہے، کہیں کہیں مزاح کی چاشنی سے تحریر کو پُر لُطف بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ آنکھوں دیکھے واقعات کو بیانیہ انداز میں اور تجسس میں لپیٹ کے لکھا ہے۔ اسلوب دلکش اور پُر کشش ہے۔

روہی (چولستان) کے سفر پر دو سفر نامے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے اعظم سعیدی کے روحانی سفر پر مشتمل ''روہی لیر کتیر'' پھر عبدالباسط بھٹی کا ''کُوکدے پندھ کرلاندے پاندھی''۔ یہ سفر جسمانی طور پر ایک دن اور ایک رات کا سفر ہے جو احمد پور شرقیہ سے چنن پیر تک (چالیس پچاس میل) کا سفر ہے مگر اس سفر کے باطن میں تہذیب و ثقافت کا سفر ہے۔ اس سفر نامے میں کھوئی ہوئی تہذیب و ثقافت کا المیّہ چیخوں اور آہ و فغاں کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔

''پندھیڑو'' شمالی علاقہ جات کی سیر پر مبنی سفر نامہ ہے جس میں ایک مصور کے ساتھ مل کر ایک شاعر فنکارانہ انداز میں قلم چلاتا دکھائی دیتا ہے۔ ''بھارت وچ سرائیکی دے چرچے'' رواں اور سادہ اسلوب لیے ہوئے ہے جس میں سفر نامہ نگار کے ذہنی سفر کے مرحلے سے گزرنے اور داخلیت کا اظہار بھی ملتا ہے۔ حمید اُلفت ملغانی نے ۳۰۴ صفحات کی کتاب میں روہی، تھل، دمان کی تاریخ و ثقافت پیش کی ہے۔ نذیر لغاری نے سعودی عرب، مصر اور لندن کا حال بیان

Scanned with CamScanner

کیا ہے۔ سفرنامے کا عنوان خواجہ فریدؒ کی کافی نمبر ۲۴۹ کا مصرعہ ہے۔ محمد رمضان طالب نے منظوم سفرنامے کی طرح نثر میں ۱۴۴ صفحات پر حج اور عمرہ کا سفرنامہ پیش کیا ہے۔ اِسے تحقیقی اور معلوماتی کتاب کے طور پر لکھا گیا ہے۔ مزار خان کا ۱۲۱ صفحات پر مشتمل سفرنامہ بھارت ہے۔ محبوب تابش نے ۲۵۶ صفحات میں پاکستان کے شمالی علاقوں اور سرائیکی وسیب کی سَیر کا دلچسپ بیان، دلچسپ زبان میں کیا ہے۔ نذیر لغاری اور محبوب تابش کے سفرنامے رنگین تصاویر سے بھی مزیّن ہیں۔ قاسم سیال نے مزاحیہ اُسلوب میں ایران، تھائی لینڈ اور سری لنکا کے سفروں کا حال سُنایا ہے۔ کتاب ۲۲۲ صفحات پر اور خُوبصورت انداز میں چھپی ہے۔

اِن کے علاوہ اُردو سفرناموں میں بھی سرائیکی علاقے کا دورانِ سفر ذکر اور نمائندگی کی جاتی رہی ہے۔ ایسے سفرناموں میں اُردو اکیڈمی بہاولپور کے ۱۹۹۹ء میں شائع کردہ سیّد شریف احمد شرافت نوشاہی (۱۹۰۷ء تا ۱۹۸۳ء) کے ۱۹۳۴ء کے ''سفرنامہ اُوچ'' کا ذکر ضروری ہے جو ڈائری کی شکل میں ہے۔ سرائیکی کلام بھی ہے۔ ''حجِ صادق'' دبیر الملک مولوی عزیز الرحمٰن عزیز بہاولپوری کا تحریر کردہ ہے جس میں نواب سر صادق محمد عباسی۔ ریاست بہاولپور کے مکہ اور مدینہ کے سفر کے واقعات و حالات مع تصاویر و نقشہ جات مطبوعہ ۱۹۳۷ء ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں یہ سفر انجام پایا۔ اِسے ملتان انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ ملتان نے طبع نو عکسی صورت میں ۳۵۴ صفحات کا فروری ۲۰۰۸ء میں شائع کیا ہے۔

جدید سفرناموں میں روہی کی رنگین تصاویر سے مزیّن ڈاکٹر کریم بخش چنگوانی کا 'بلتستان سے چولستان'' مطبوعہ ۲۰۰۰ء ہے۔ ۲۳۶ صفحات میں چولستان کے حوالے سے معلومات ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں ڈاکٹر عباس برمانی کا ۳۳۲ صفحات کا ''میرا سندھو سائیں''، جس میں سکردو سے جھنجھور تک میں ڈیرہ اسمٰعیل خان سے غازی گھاٹ تک سرائیکی علاقے کی ثقافت کو پیش کیا گیا ہے۔ ۲۰۰۶ء میں سرائیکی شاعر شاد گیلانی (محمد رمضان) کے شائع ہونے والے ''ملتان سے ماتریال'' میں کینیڈا کا سفر ہے مگر ۲۴۳ صفحے کی اس کتاب میں اپنے وسیب ملتان کی بات بھی کی گئی ہے۔

Scanned with CamScanner

انشائیہ

سرائیکی میں ''انشائیہ نگاری'' کا جائزہ لیں تو سب سے پہلے سہ ماہی ''سرائیکی'' بہاولپور میں چھپنے والے ہلکے پھلکے مضامین ہیں جن میں انشائی عناصر دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً بریگیڈئر نذیر علی شاہ مرحوم کے مضامین جن کا سلسلہ جنوری ۱۹۶۷ء سے شروع ہوتا ہے اور جولائی ۱۹۷۳ء تک پھیلا ہوا ہے۔ طاہر تونسوی کا ''نویں سجھ دی بشارت'' جدید تعریف پر پورا اترنے والا انشائیہ ہے جسے ''امروز'' نے ۱۵ دسمبر ۱۹۷۸ء کو شائع کیا تھا۔ اس کے بعد ''سرائیکی ادب'' نے شیما سیال کا ''سفر وسیلہ حشر'' ستمبر ۱۹۷۹ء میں اور ''کولیاں دی دلالی'' اپریل ۱۹۸۱ء میں شائع کیے تھے۔ سرائیکی انشائیے کے فروغ میں اس رسالے کا بڑا ہاتھ ہے مثلاً ۸۵۔۱۹۸۴ء کے دو سالوں میں اللہ بچایا خان عنبر کا ''پتلون''، انجم لشاری مرحوم کا ''سچ''، جاوید احسن کا ''کرسی'' حبیب فائق کے ''اندھیاں اگوں رونا'' اور ''کوڑی سچ دھج''، حفیظ الرحمان کا ''کوڑے پیر'' زبیر رانا کے ''تھڈے''، ''رولے''، ''کالا رنگ'' طاہر تونسوی کا ''میں سوچیندا رہ گیاں'' اور عامر فہیم کا ''پنکا'' جیسے انشائیے شائع کیے۔ ''وسیب'' کے دوسرے شمارے میں سعید خاور کا ''سفری دوست'' بھی ایک مثال ہے۔ بالخصوص مذکورہ بالا لوگ وہ انشائیہ نگار ہیں جن کے مجموعے تا حال شائع نہیں ہو سکے۔ اخبارات و رسائل میں چھپنے والے انشائیوں کا سلسلہ طویل ہے۔ مثلاً حمید الفت ملغانی کے سالانہ ادبی جائزوں پر مشتمل کتابچوں سے دو سال ۱۹۹۷ء اور ۱۹۹۹ء کے کوائف ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ''انشائیے کی صنف میں اِس سال (۹۷ء) بہت کم لکھا گیا ہے۔ نمونے کے طور پر روزنامہ ''جھوک'' ملتان میں محمد اسلم میتلا کے انشائیے الیکشن، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، کار اور کرایہ کے علاوہ حفیظ طاہر گھوٹیہ کے دو انشائیے ''نک'' اور ''پانی'' دیکھنے میں آئے''۔ (سرائیکی ادبی دگ ۱۹۹۷ء۔ صفحہ۔ ۳۵)۔

''انشائیہ کی صنف میں کئی قلمکاروں کی تحریریں سامنے آئیں۔ روزنامہ ''جھوک'' ملتان میں
۲۔ عمر علی خان بلوچ کا انشائیہ ''مہمان'' اور حمید اُلفت ملتانی کا انشائیہ ''عید'' دیکھنے میں آئے۔ سہ ماہی ''سرائیکی'' بہاولپور میں ریاض بھٹی کے انشائیے ''کمپنی دی مشہوری واسطے''، ''میں دانشور بن سنگداں'' اور ''پروفیسر وائٹ ہیڈ، شائع ہوئے۔ رسالہ ''سنجان'' رحیم یار خان میں اسلم بھٹی کا انشائیہ ''اپنا گھر اپنی جنت'' اور باسط بھٹی کا ''اکھیں'' بھی اشاعت کے مرحلے سے گذرے''۔ (سرائیکی ادبی اُڈار ۱۹۹۹ء صفحہ۔ ۲۷) خالص انشائیے کا ٹائیٹل لے کر جو کتاب سب سے پہلے شائع ہوئی وہ محمد اسلم میتلا کی ''سرائیکی انشائیے'' تھی۔ اب تک انشائیے کے حوالے سے سرائیکی میں مندرجہ ذیل کتب شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ سرائیکی انشائیے	محمد اسلم میتلا	س۔ سرائیکی پبلیکیشنز مظفر گڑھ	ستمبر ۱۹۸۶ء
۲۔ سرائیکی نشائیے (طبع دوم)	محمد اسلم میتلا	میتلا پبلی کیشنز نعمت والا، جہانیاں	اگست ۱۹۹۱ء
۳۔ بُھ پیا ادسونا (جزوی)	دلشاد کلانچوی	اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور	اگست ۱۹۸۷ء
۴۔ ''وسیب رنگ''	محمد اسلم میتلا	میتلا پبلی کیشنز نعمت والا، جہانیاں	۱۹۹۱ء
۵۔ مٹھڑے تیر (جزوی)	راہی گبول	سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی، ڈیرہ شمس	مئی ۱۹۹۲ء
۶۔ تل وسیب	رانا سردار احمد سعید	رانا پبلیکیشنز درا، جلال پور پیر والا	جولائی ۱۹۹۲ء
۷۔ ٻکھ دا مخول	ابوالبشر شاہ جیلانی	سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی، ڈیرہ شمس	اکتوبر ۱۹۹۲ء
۸۔ جُھلار	ڈاکٹر محمد سلیم ملک	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	۸ فروری ۱۹۹۳ء
۹۔ گُجھے دھک	منظور احمد اعوان	نجوک سرائیکی ادبی سنگت، رحیم یار خان	مارچ ۱۹۹۳ء
۱۰۔ آتُوں پاسوں	رانا سردار احمد سعید	داراب پور۔ جلالپور پیر والا، ملتان	۱۹۹۴ء
۱۱۔ بالو	ملک اقبال حسن بھپلا	جھوک پبلشرز۔ ملتان	نومبر ۲۰۰۱ء
۱۲۔ ڈسکارے تے ڈھنڈکارے	ابن الامام شفتر	جھوک پبلشرز ملتان	۲۰۰۹ء

اسلم میتلا کے انشائیوں کا ہماری روزمرہ زندگی سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ موضوع کے انتخاب میں ایک بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ موضوع ایک لفظی ہو کیونکہ انشائیے کا اختصار سے خاص تعلق ہے۔ انشائیہ نگار کے موضوعات زیادہ تر استعمال کی اشیاء ہیں جن کے ذریعے

Scanned with CamScanner

معاشرے میں موجود خامیوں اور برائیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ دوسرے مجموعے "وسیب رنگ" میں بھی زبان شعوری طور پر اردو آمیز برتی گئی ہے۔ اسلم میتلا کے بعد دو مجموعے دینے والے بزرگ انشائیہ نگار حاجی رانا سردار احمد سعید مرحوم کے انشائیے بھی اردو آمیز ہیں اور لگتا ہے کہ انھوں نے اسلم میتلا سے متاثر ہو کر ہی انشائیے لکھے ہیں۔ تاہم اسلم میتلا چیزوں کی ناقدری پر جلتے کڑھتے نظر آتے ہیں اور یوں ادب برائے زندگی کے قائل دکھائی دیتے ہیں۔ وہ سرائیکی کہاوتوں اور ضرب الامثال کا استعمال بھی کرتے ہیں اور طنز کی کاٹ بھی ان کی تحریروں میں موجود ہے۔ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک موضوع پر معروف لطیفوں کو اکھٹا کر دیا گیا ہے جس سے انشائیہ کی لطافت متاثر ہوتی ہے۔

فنی لحاظ سے ڈاکٹر محمد سلیم ملک کے انشائیے نمایاں ہیں۔ ان کی کتاب پر اکادمی ادبیات کی طرف سے ایوارڈ بھی دیا گیا ہے۔ تحریر کی خُوبیوں میں مُقفّٰی نثر رعایتِ لفظ تضاد اور تشبیہ کا استعمال، جزئیاتی تفصیل نمایاں ہیں۔ انشائیہ نگار اپنے چاروں طرف کھلی آنکھ سے دیکھتا اور حالات حاضرہ سے لُطف اندوز ہوتا ہے اور پڑھنے والے کے لیے بھی لطف کا سامان ڈھونڈ نکالتا ہے۔ البتہ لفظوں، ترکیبوں اور فقروں کی تکرار کھٹکتی ہے۔ کئی انشائیوں کے حصے یا پیراگراف بھی ایسے ہیں کہ ایک دوسرے میں ملا دیے جائیں تو فرق نہیں پڑے گا۔ البتہ نُمایاں خوبی یہ ہے کہ کئی فقرے ایسے ہیں کہ پڑھتے ہوئے خود بخود مسکراہٹ ہونٹوں پر آ جاتی ہے۔

"مٹھڑے تیر" اور "گُجھے دھک" دونوں طنزیہ و مزاحیہ نثری تحریروں کے مجموعے ہیں۔ ان میں کچھ مضامین انشائیہ کا خاص اسلوب لیے ہوئے ہیں۔ نوجوان انشائیہ نگاروں میں سیّد ابوالبشر شاہ جیلانی باصلاحیت انشائیہ نگار ہیں مگر بقول دلشاد کلانچوی مرحوم ان کی زبان میں سندھی لفظ کثرت سے ملتے ہیں۔ اسی طرح کئی لفظوں کی املاء بھی بگاڑ دی گئی ہے۔ "بٹھ پیا اوسونا" میں جس کے سرِ ورق پر "سرائیکی کے انشائیے، طنزیہ اور مزاحیہ مضمونوں کا مجموعہ" لکھا گیا ہے، خود دلشاد کلانچوی لکھتے ہیں:

Scanned with CamScanner

"ہلکے پھلکے مضمون پہلے بھی لکھے جاتے رہے ہیں اور اب بھی لکھے جا رہے ہیں۔ بس نیا زمانہ اور نئی باتیں ضرور ہیں جو مضمون پہلے ہلکے پھلکے مضمون کہلاتے تھے، آج وہ انشائیے کہلاتے ہیں مگر گلاب کا جو نام رکھ دیں خوشبو اور رنگ تو وہی رہیں گے جو گلاب کے ہوتے ہیں۔ یہ مختصر مجموعہ ہے تو میرے ہلکے پھلکے مضمونوں کا، مگر آپ اِن کو انشائیے کہہ سکتے ہیں"۔

تاہم اس کتابچے میں "ہڈ حرامی" اور "سفارش" ایسے مضمون ہیں جو انشائیے کہلانے کے واقعی حقدار ہیں۔ نثری تحریروں کے مجموعے "بالو" کو سالک سودھوی نے مُرتّب کیا ہے۔ ۸۰ صفحات کی یہ کتاب دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ عباس ملک کی کھاوڑ نے "نویکلا سوچاں دا پاندھی" کے عُنوان سے لکھا ہے۔

"ایسے لگتا ہے کہ "بالو" ایک نئی سرائیکی صنف کے طور پر شعوری کوشش ہے جو افسانے اور انشائیے سے بالکُل مختلف ہے"۔ (صفحہ۔۸) حالانکہ حصہ دوم کو "اضافہ" کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے۔ پہلے حصّے میں جو صفحہ ۱۰ سے ۵۱ پر مشتمل ہے۔ تیس تحریروں میں سے ایک کا عنوان "بالو" بھی ہے۔ یوُں میرے خیال میں پہلے حصّے کی یہ تحریریں انشائیہ کی ذیل میں آتی ہیں۔ جسے کتاب کے خالق اور مُرتّب نے صنفی عُنوان نہیں دیا۔

ابن الامام شفتر کے افسانوں اور انشائیوں کا مجموعہ "ڈسکارے تے ڈھنڈکارے" ۲۰۰۹ء میں چھپا ہے۔ جبکہ نذیر علی شاہ مرحوم، فاروق آتش، رحیم طلب، اللہ بخش یاد اور امین سہیل ملتانی کے انشائیوں کے مجموعے بھی چھپ جانے چاہئیں۔

خاکہ

سرائیکی نثر میں خاکہ بطور صنف کے متعارف ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ ہاں قدیم منظوم و منثور تحریروں میں اس کے ابتدائی نقوش ڈھونڈے جا سکتے ہیں جیسے حضرت مولوی لطف علی بہاولپوری (۱۷۱۵ء۔۱۷۹۶ء) کے یہ اشعار:

ہئی بدحال ہتھانی کانی زنگانی مُنہ کالی
سِر بد ڈول قد آور کُنا وات عظیم کُنالی
بینی گرم دوکان ڈسے، ہَس ہر ہک ناس کُھٹالی
ڈیکھ ڈراکلِ ڈند اَوندے خود تھیوے تجل ڈندالی

(ترجمہ) ''سیاہ زنگی عورت بڑی بدشکل ہتھنی کی طرح بے ڈھنگی، کانی اور کالی تھی اور اس کا بے ڈھنگا سر سیاہ رنگ کی بڑی ہنڈیا کی طرح تھا اور اُس کے منہ کا دہانہ بڑی کُنالی کی طرح تھا اور اُس کے منہ کا دہانہ بڑی کُنالی کی طرح فراغ تھا۔ اس کی ناک دھاتیں پگھلانے والے کی گرم دکان معلوم ہوتی تھی اور اس کے نتھنے پگھلی ہوئی دھات سے پُر دو کُھٹالیاں تھے۔ اس کے میلے کچیلے دانت دیکھ کر گوبر اور کُوڑا کرکٹ کھینچنے والی ڈندالی بھی شرمندہ ہوتی تھی''۔(ح۔۱۸)

تاہم مطبوعہ شکل میں دستیاب نثری مواد کی روشنی میں سہ ماہی ''سرائیکی'' بہاولپور کے شمارہ جنوری ۱۹۷۵ء میں ظفر لشاری کی تحریر ''نانی ٹونڑیاں والی'' کے بعد ''سنیہا'' ستمبر ۱۹۷۸ء میں جاوید ملک کا خاکہ ''ماسی بختو'' قابلِ ذکر ہیں۔ اپریل ۱۹۷۸ء کے ''سرائیکی ادب'' میں زنانہ

Scanned with CamScanner

کرداروں کے خاکے کی ایک اور مثال باسط بھٹی کا ''نانی سہاگن'' بھی ہے۔ دوماہی ''وسیب'' احمد پورشرقیہ نے ظفر لشاری کے سلسلہ ''اولڑواں'' میں بطور صنف پہلی بار خاکے کو متعارف کرایا گیا۔ ظفر کے لکھے ہوئے دو خاکے مظہر مسعود کا سیریز نمبرا (مطبوعہ مارچ ۱۹۸۰ء) میں اور عاصم اُچوی (مرحوم) کا سیریز نمبر۲ میں شائع ہوئے۔ جبکہ اقبال سوکڑی کی کتاب لڑی ''سلیھا'' کے اپنے طنزیہ ومزاحیہ کالم ''شرارتی شیشہ'' میں بھی خاکہ نگاری کرتے رہے ہیں۔

اس سلسلے میں چھپنے والے طاہر تونسوی کے خاکے سے نمونہ ملاحظہ کریں۔

''قد تقریباً پانچ فٹ دو انچ، چھاتی چھتیس اڑتیس انچ، چہرہ گول، آنکھیں چھوٹی موٹی، سر کے بال بالکل سر کے بالوں کی طرح، ہاتھ پیر موٹے موٹے مگر چھوٹے، رفتار وقت کی رفتار سے بھی تیز، آواز جیسے مٹکے سے نکلتی ہوئی۔ یہ ہے ہمارے ایک دوست طاہر تونسوی کا جسمانی حدودِ اربعہ''۔ (ح۔۱۹)

کتابی شکل میں سرائیکی خاکے چھپنے سے پہلے رسائل میں اپنا ارتقائی سفر کرتے رہے۔ فروری ۱۹۸۰ء کے ''سرائیکی ادب'' میں درویش کے ''کھِل خاکے'' (کیری کیچرز) اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوئے کہ ''اِن خاکوں کے واقعات تو بالکل سچے ہیں مگر ہتکِ عزت کے ڈر سے بچنے کے لیے ان کو فرضی سمجھا جائے''۔ صفدر بلوچ کا اپنے دوست مظہر حسین محسن کے بارے میں لکھا ہوا خاکہ ''چاچا صاحب'' کچھ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

''ایک عدد چاچا گھریلو نام شاید کوئی بخش وغیرہ کی ٹائپ سے تھا۔ مثلاً خدا بخش، اللہ بخش۔ آپ نے پسماندہ قسم کے نام کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اپنے نام میں قطعاً غیر قانونی طور پر ترمیم فرمائی اور مظہر حسین بن گئے''۔ (ح۔۲۰)

اسی خاکے کے ساتھ ''سنگت'' لاہور کے دوسرے شمارے میں ہی اسماعیل احمدانی کا سوانحی خاکہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک الگ مثال ہے۔ ''سنگت'' ہی کے تیسرے شمارے میں صفدر بلوچ ہی کا روشن ملک کے بارے میں خاکہ ''گہاڑا'' شائع ہوا۔ دوسری زبانوں کے خاکے بھی سرائیکی میں ترجمہ ہو کر شائع ہوئے۔ جیسے ڈاکٹر طاہر تونسوی کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر کے خاکے ''گرم لہو کی دھمال'' (مطبوعہ ''ماہِ نو'' لاہور) کا راقم الحروف کا کیا ہوا ترجمہ روزنامہ ''جھوک'' کی ۱۹۹۳ء کی اشاعتوں میں دو تین بار شائع ہوا۔

جہاں تک کتابی شکل میں خاکوں کے مجموعے کی بات ہے تو ہوا یوں کہ دو مجموعے ایک ساتھ سامنے آئے اور یوں اوّلیت ایک متنازعہ امر بن کر رہ گئی۔ تاہم حقائق وشواہد کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ''مہاندرا ڈیکھس'' کے خاکے پہلے لکھے گئے اور مطبوعہ شکل میں ''جوان تاں ڈیکھ'' پہلے سامنے آئی۔ اب تک خاکوں کے چار مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ ''جوان تاں ڈیکھ'' سرائیکی نثر میں شخصی خاکوں کی پہلی کتاب ہے جسے فیاض حسین قاصر فریدی نے تحریر کیا ہے۔ اس کتاب کو سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی ڈیرہ شمس رحیم یار خان نے شائع کیا ہے۔ اس میں نو خاکے شامل ہیں جن میں انیس شاہ جیلانی، ممتاز حیدر ڈاہر مرحوم، سجاد حیدر پرویز اور رفیق ساحل جیسے سرائیکی ادیب شاعر بھی شامل ہیں۔

''مُہاندرا ڈیکھس'' بارہ خاکوں کا مجموعہ ہے جنھیں سیّد انیس شاہ جیلانی نے تحریر کیا ہے۔ اسے بھی سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی ڈیرہ شمس، رحیم یار خان نے ۱۹۹۰ء میں شائع کیا ہے۔ اس کے صفحات ۱۴۱ ہیں۔ اس میں فیض محمد دلچسپ مرحوم، ظامی بہاولپوری مرحوم، فقیر بخت علی، رفیق ساحل اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ جیسی سرائیکی ادبی شخصیات پر لکھے گئے خاکے شامل ہیں۔

جاوید احسن لکھتے ہیں:

''فنی اعتبار سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے خاکے کے نام پر اچھے بھلے مضمون لکھ دیے ہیں۔ مولانا مودودی کے بارے میں ۲۱ صفحوں

کے مضمون کو بھلا کون خاکہ کہے گا؟'' (ح۔۲۱)۔

تیسرا مجموعہ ''ڈکھ ڈول'' عبدالباسط بھٹی کے تحریر کردہ چودہ خاکوں پر مشتمل ہے۔ سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۹۵ میں اسے شائع کیا۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف سرائیکی ادبی شخصیات کے خاکوں پر مشتمل ہے جن میں دلشاد کلانچوی (مرحوم)، انیس شاہ جیلانی، نقوی احمد پوری (مرحوم)، قیس فریدی، نصر اللہ خان ناصر، مظہر مسعود، ظفر لشاری، نذیر پنوار، سجاد حیدر پرویز، رفیق احمد پوری، ممتاز عاصم، جہانگیر مخلص، رحیم طلب اور سرور قریشی شامل ہیں۔

پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور کے جولائی ۱۹۹۷ء میں شائع کردہ غلام حسین ساجد، جو کبیر والا کے لہجے میں لکھتے ہیں، کے خاکوں کے مجموعے ''مُہاندرے'' میں سرائیکی لکھاری غلام حیدر مستانہ، عامر فہیم، طاہر تونسوی اور شوکت مغل کے خاکے بھی شامل ہیں۔ غلام حسین ساجد کے بعد بھی خاکہ نگاری کا سفر جاری ہے۔ مثلاً تونسہ سے ابن قیصر کی ۲۰۰۱ء میں چھپنے والی کتاب ''گذری وہانی'' میں ''شاہ دی آمدن'' کو خاکے کی ایک قسم شمار کیا جا سکتا ہے، جبکہ وارث ملک کی نثری کتاب ''دردو چھوڑے دا'' جسے جھوک پبلشرز ملتان نے اگست ۲۰۰۶ء میں شائع کیا۔ ''مُنشی صاحب'' ایک اسکول کے اُستاد کا فرضی خاکہ ہے مگر یہ کوئی بھی حقیقی کردار ہو سکتا ہے۔ نمونہ دیکھیں

> ''اسکول سے اُن کا گھر صرف چار ایکڑ کے فاصلے پر تھا مگر وہ روزانہ دو، دو گھنٹے، تاخیر سے پہنچتے تھے۔ یہاں بھی اُن کا لباس وہی کُرتا چادر تھا۔ مگر جب اسکول کے معائنے کی خبر گرم ہوتی تھی۔ اُستاد سفید شلوار قمیص اور جناح کیپ سجا کر آ جاتے تھے''۔ (ترجمہ)

انفرادی خاکوں یا خاکوں کے تراجم کی ایک مثال تو ۲۲۔ اپریل ۱۹۹۳ء کے روزنامہ ''جھوک'' خان پور میں ڈاکٹر سلیم اختر کے ڈاکٹر طاہر تونسوی پر لکھے اُردو خاکے کا راقم الحروف کا سرائیکی ترجمہ ''گرم لہو دی دھمال'' ہے۔ خاکے کے جاری سفر کے بارے میں حمید اُلفت ملتانی کے

سالانہ جائزہ ۱۹۹۹ء سے اقتباس دیکھیں:

''روزنامہ جھوک'' ملتان میں لیاقت علی حسین بخاری کی مزاحیہ تحریر ''شیطان نال انٹرویو'' چھپی تو ڈاکٹر سلیم ملک کے عیدالفطر کی مناسبت سے مزاحیہ خاکے سہ ماہی ''سرائیکی'' بہاولپور میں چھپے۔ اسی رسالے میں عبدالباسط بھٹی کا جہانگیر مخلص کے بارے میں بھی ایک خاکہ چھپا۔''

(سرائیکی ادبی اُڈار ۱۹۹۹ء۔ صفحہ ۲۷)

اُردو خاکوں کے کئی مجموعوں میں بھی سرائیکی ادیبوں شاعروں پر بڑے خوبصورت خاکے چھپتے رہتے ہیں۔ مثلاً ۲۰۰۸ء میں دوبار شائع ہونے والے خاکوں کے مجموعے ''یادگارِ زمانہ ہیں جو لوگ'' جسے ۲۱۷ صفحات کی کتابی صورت میں مثال پبلشرز فیصل آباد نے شائع کیا۔ ڈاکٹر انواراحمد نے ۲۴ خاکوں میں سرائیکی ادیب شاعر حسن رضا گردیزی، مُحسن نقوی، ارشد ملتانی، مہر گل محمد، شبیّر حسن اختر، اصغر ندیم سیّد وغیرہ پر خوبصورت خاکے لکھے ہیں۔

چوتھا مجموعہ ''مَڑدنگ''، سید انیس شاہ جیلانی کے خاکوں کا دوسرا مجموعہ ہے۔ پہلے مجموعے کی طرح اس میں بھی غیر سرائیکی شخصیات شامل ہیں یعنی نو خاکوں میں سے صرف چار خاکے شاغل صدیقی مرحوم، دلشاد کلانچوی مرحوم، ممتاز حیدر ڈاہر مرحوم اور قاسم جلال سرائیکی ادبی شخصیات ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی ہے۔

''جوان تاں ڈیکھ''، ''مہان درا ڈیکھس'' اور ''مڑدنگ'' کی زبان ضلع رحیم یار خان میں بولی جانے والی زبان ہے۔ جس پر سندھی زبان کے اثرات بھی موجود ہیں جبکہ ''ڈکھ ڈول'' بھی اسی ڈویژن اور سابقہ ریاست بہاولپور میں بولی جانے والی زبان میں لکھی گئی ہے۔ لہٰذا چاروں مجموعوں کی مشترکہ خوبی ان کی خالص سرائیکی زبان ٹھہرتی ہے۔ تاہم قاصر فریدی کے خاکوں میں مزاح کا اور باسط بھٹی کے خاکوں میں طنز کا عنصر غالب ہے، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ باسط بھٹی

Scanned with CamScanner

نے خاکے لکھے نہیں بلکہ خاکے اُڑائے ہیں۔ قاصر فریدی کے خاکوں کی ایک خوبی یہ ہے کہ اُس کے موضوعات اس کے قریبی لوگ ہیں جن کے طور اطوار اور معمولات کا اُسے قریبی مشاہدہ ہے۔ وہ ان کی خوبیوں، خامیوں سے اچھی طرح آگاہ ہے جبکہ انیس شاہ جیلانی کے موضوعات زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جن سے یا تو اُن کی ملاقات نہیں ہوئی یا پھر وہ ان کے دور کے ہی نہیں جیسے محمد علی جناح، لیاقت علی خان، غلام محمد، ذوالفقار علی بھٹو، بابائے اردو مولوی عبدالحق، فیض احمد فیض وغیرہ۔ اس لیے ان کی معلومات اور تاثرات کے ماخذ زیادہ تر کتب اور دیگر دستاویزی حوالے ہیں۔ البتہ باسط بھٹی کو بے رحم خاکہ نگار کہا جا سکتا ہے۔ تاہم بعض جگہوں پر اعتدال قائم نہیں رکھا گیا پھر بھی زبان اور اسلوب نے ان خاکوں کو گوارا بنا دیا ہے۔

خاکوں کے ان چار مجموعوں کے علاوہ بھی کئی مطبوعہ سرائیکی نثری کتب میں خاکے موجود ہیں۔ دو مثالیں دیکھیے:

غلام حسین راہی گبول کی کتاب ''منٹھڑے تیر'' (مطبوعہ مئی ۱۹۹۲ء) میں فیاض حسین قاصر فریدی کا خاکہ صفحہ ۱۲۹ سے ۱۴۲ پر ہے۔ جس میں انھوں نے قاصر فریدی کے علاوہ بھی کئی ضمنی خاکے لکھ ڈالے ہیں مثلاً قاصر کے دوستوں کے ذکر میں لکھتے ہیں:

> ''قاصر جتنا جلدی اور فوراً سجاد حیدر پرویز کا پگڑی بدل بھائی بن بیٹھا۔ میرا مُنہ کھلا رہ گیا۔ سجاد حیدر قد و قامت والا جوان ہے۔ بڑی جان رکھنے والا پروفیسر ہے۔ آنکھ مستانی ہے جسے مارتا ہے وہی شادی کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ بیس کتابیں لکھ چکا ہے اور بیس لکھنے کے لیے کمر کس چکا ہے''۔
> (ح۔۲۲)

دوسری مثال منظور احمد اعوان کی کتاب '' گُجھے دھک،، (مطبوعہ مارچ ۱۹۹۳ء) ہے جس میں سات صفحے کا ایک جاندار مگر فرضی خاکہ ''ماسٹر صیب'' (ماسٹر صاحب) بھی شامل ہے۔

تحریر مزاحیہ ہے۔ اقتباس دیکھیے:

''کسی بھلے زمانے میں پانچ جماعتیں پڑھ کر سکول میں اَن ٹرینڈ ٹیچر لگ گئے تھے۔ جب ہم اُن سے آٹھویں میں پڑھتے تھے تب میٹرک کا امتحان پرائیویٹ دے رہے تھے اور تو سب مضمون پاس کر لیے تھے مگر انگریزی، اُردو، سوکس'' اسلامیات، مطالعہ پاکستان، جنرل سائنس اور جنرل ریاضی اُن کے گھٹنوں ٹخنوں میں بیٹھ گئے تھے۔ میٹرک کے بعد پی ٹی سی کا ارادہ رکھتے تھے......''

مکتوب نگاری

سرائیکی زبان میں جب سے اخبارات ورسائل چھپنا شروع ہوئے۔ اُن میں چھپنے والے مواد پر تنقید، تبصرہ یا آراء کی صُورت میں مدیر کے نام لکھے گئے خطوط کی اشاعت سے سرائیکی نثر میں مکتُوب نگاری کا آغاز بھی ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان کی اشاعت جولائی ۷۷ء میں مُسرت کلانچوی، شیما سیال، فرحت نواز، بتول رحمانی مرحومہ، ممتاز حیدر ڈاہر مرحوم سمیت تقریباً ایک درجن خطوط نگاروں کی تحریروں کی اشاعت ہے جبکہ ایک اور ثبوت محمد اسلم میتلا کی کتاب ''خطاں بھری چنگیر'' میں شامل سرائیکی دانشوروں کے رسالوں میں چھپنے والے خطوط کا حصہ ہے۔

مکتوب نگاری کی ایک مطبوعہ قسم مختلف کُتب کے مُرتّب کرنے اور آراء حاصل کرنے کے لیے لکھے گئے خطوط اور جوابی خطوط کی کُتب میں اشاعت ہے۔ مثلاً تحسین سبائے والوی مرحوم کے افسانوی مجموعے کے مُرتّب کی افسانوں اور افسانہ نگار کے حوالے سے ابتدائیے میں شامل خط وکتابت یا پھر شوکت مغل کی اپنی کتاب ''سرائیکی دیاں خاص آوازاں دی کہانی'' کے سلسلے میں ہونے والی خط وکتابت، جو کتاب کا حصہ بنی۔

مکتوب نگاری کی ایک اور قسم سرائیکی شخصیات پر لکھی جانے والی کتب یا اُن پر اخبارات ورسائل کی خصوصی اشاعتوں میں خطوط کا شامل ہونا ہے۔ کتاب کی مثال حمید اُلفت ملتانی کی ''جانباز جیندا اتاں ہے'' میں صفحات ۱۷۱ سے ۱۷۷ پر جانباز جتوئی کے خطوط یا پھر دوسری مثال ماہنامہ ''سہرا'' واہی حسین (بہاولپور) کی تین خصوصی اشاعتیں ''دلنور نُور پوری نمبر'' مارچ ۹۱ء میں سرائیکی ادیبوں شاعروں کے پیغامات بشکل خطوط، ''دلشاد کلانچوی نمبر'' جنوری ۱۹۹۳ء میں خطوط صفحہ ۲۰۲ تا ۲۴۴ یا ''پھر قاسم جلال'' نمبر اکتوبر ۱۹۹۸ء میں صفحہ ۴۱۱ تا ۴۵۰ میں شامل سرائیکی خطوط۔ بلکہ اُردو ماہنامے ''رشحات'' لاہور کے ''ڈاکٹر سیّد قاسم جلال'' نمبر جولائی ۲۰۰۵ء میں بھی شامل سرائیکی خط۔

سرائیکی نثر میں مکتوب نگاری کو کتابی شکل دینے کی ابتداء تو مہر کا چیلوی نے کی جن کا پہلا مُرتبہ مجموعہ ''چٹھی میرے ڈھول دی'' ۱۹۸۹ء میں مہر پبلیکیشنز میر پُور خاص سندھ سے ۱۱۲ صفحات کی کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس میں سرائیکی حصہ صفحہ ۷۵ تا ۸۸ پر ہے۔ اس میں تیرہ خط شامل کیے گئے ہیں۔ اِسی عنوان سے دُوسرا حصہ اِسی ادارے نے کتابی شکل میں ۱۹۹۵ء میں شائع کیا جس میں صفحہ ۲۷ تا ۲۹ پر چار سرائیکی خط بھی شامل ہیں۔ اب محمد اسلم میتلا نے ۲۰۰۷ء میں ''خطاں بھری چنگیر'' مُرتب کر کے اِسے باقاعدہ صنف کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ''سرائیکی وِچ خطاں دا پہلا مجموعہ'' کا ذیلی عنوان دے کر ۱۷۶ صفحات کی کتابی شکل میں چھاپا ہے۔ سرائیکی دانشوروں کے رسالوں میں چھپے ۲۴ خط، سرائیکی دانشوروں کے غیر مطبوعہ سرائیکی میں ۷۶ خط اور سرائیکی دانشوروں کے نام اُردو میں ۲۰ خط کے علاوہ مرحوم دانشوروں کے ۱۰ خطوط کے عکس بھی شامل کیے گئے ہیں۔

سرائیکی میں منظوم خط و کتابت کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً نصیر سرمد اور جمال الدین کی خط و کتابت ۸ صفحے کے کتابچے میں ۱۹۸۲ء میں پاکستانی ٹیلنٹ بک ڈیرہ اسمٰیل خان نے ''سوال تیڈا جواب میڈا'' کے عنوان سے شائع کی۔

آپ بیتی

اپنے آپ سے انٹرویو، اپنے بارے میں لکھے گئے سوانحی خاکے، اپنے سفروں کا احوال (سفرنامے) بھی ایک طرح سے آپ بیتی ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ دُوسروں کے خاکوں میں بھی لکھنے والا اپنی آپ بیتی کے عناصر بھی شامل کر دیتا ہے۔ یُوں دیکھا جائے تو سرائیکی میں آپ بیتی ایک طویل عرصے سے لکھی جا رہی ہے۔ محمد اسمٰعیل احمدانی مرحوم کی آپ بیتی ''یادیں دے کامحل'' کے کئی حصّے مختلف رسالوں اور اخباروں میں چھپتے رہے ہیں جبکہ رسالہ ''نواں سرائیکی ادب'' لاہور شمارہ ۱۰۔ اپریل ۱۹۸۱ء میں محمد اسمٰعیل احمدانی (یکم جنوری ۱۹۳۰ء تا ۲۰۰۷ء) کا سوانحی خاکہ جو اُن کی اپنی تحریر ہے، اقتباس دیکھیں:

> ''ماں بولی سرائیکی۔ جس جذبے کو اگلی نسل کو منتقل کرنے کا اعزاز حاصل کیا ہے جیسے کہ بنتِ بلوچ سرائیکی قلمکار ہے اور بنتِ احمدانی عظیم سرائیکی شعراء کے شعروں کو بڑے خُوبصورت رُوپ میں مُصوّر کرتی ہے۔''
>
> ترجمہ (صفحہ۔۲۰)

سرائیکی ادب کی دو خواتین بنتِ بلوچ اور بنتِ احمدانی کے بارے میں عام قاری مُتعارف نہ تھا۔ مگر اِس تحریر نے اسے آئینہ کر دیا ہے جبکہ اگلے سال ۱۹۸۲ء کے رسالہ ''سنگت'' لاہور کا جو شُمارہ چھپا تو اُس کے سرِ ورق پر بنت احمدانی کی بنائی ہوئی اکتوبر ۸۱ء کی بنائی ہوئی تصویر ایک شعر پر مشتمل ہے۔

روونڑ نال جے یار ملے تاں حیدر جی۔ رَت دی ہِک ہِک بُوند کُوں اَکھ دا نیر کراں (ممتاز حیدر ڈاہر)

اِسی شمارے میں محمد اسمٰعیل احمدانی کی ۲۱ جون ۱۹۸۲ء کی دوپہر کو لکھی گئی تحری ''ڈائری''

کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

''سانگھڑ سے کراچی پہنچا ہوں۔ بہت تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے۔ بَس نے ہلا دیا ہے جسم کو اور دماغ کو۔ دل تو ویسے ہی ہل گیا ہے اسے پرواہ ہی نہیں۔ جسم کی تھکاوٹ بھی گھنٹے بھر میں اُتر جائے گی۔ مگر سوچوں کا زلزلہ تو دُکھتا (سُلگتا) رہتا ہے۔'' صفحہ۔۴۱ (ترجمہ)

میں کافی عرصے سے منصوبہ بندی کر رہا تھا کہ اپنی زندگی کے پچاس سال پورے کر لوں تو نصف صدی کی سرگذشت ''مَیں'' کے عنوان سے سامنے لاؤں مگر سُوئے اتفاق محمد رمضان طالب (پ۔ ۱۹۔ اپریل ۱۹۳۵ء) اگست ۲۰۰۶ء میں ۳۲۰ صفحے کی آپ بیتی ''میں کون'' کے عنوان سے چھاپ بھی چکے۔ فریدؒ سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان کی اِس کاوش میں ۹۲ عُنوانات شامل ہیں۔ طالب کا یہ شعر لُبِ لُباب ہے۔

ذہن تیں زور ڈے کے لکھیا ہے حال میں اپنا۔ جے پڑھسو تاں پسند آسی تہاکوں داستاں میڈی

مگر کتاب کا ایک حصہ ''میڈا اچونواں کلام'' صفحہ ۲۱۴ تا ۲۶۸ اور ''سجناں دے ناں منظوم تاثرات'' صفحہ ۲۶۹ تا ۲۸۷ اِسے نثری کتاب نہیں رہنے دیتے جبکہ نثر میں سفرنامے اور خاکہ نگاری کا عنصر بھی غالب ہے۔

دیگر اصناف

مکالمہ نگاری (اَلایول)

سرائیکی شاعری میں تو مکالمہ نگاری کی روایت پرانی ہے۔ صنف ''ڈوہڑہ'' میں سوالی جوابی ڈوہڑے لکھے جاتے رہے۔ منظوم ناٹکوں اور داستانوں میں بھی منظوم مکالمہ موجود ہے۔ اخبارات و رسائل میں بے شمار مطبوعہ مثالیں موجود ہیں۔

Scanned with CamScanner

مثلاً روزنامہ ''جھوک'' میں محمد یار بے رنگ کا متعدد بار شائع ہونے والا ''اکھیں دے دل دا جھیڑا'' کتابی شکل میں دیکھیں تو جانباز جتوئی کی کتاب ''ہواڑاں'' میں اقبال کی شکوہ، جواب شکوہ، کی طرز پر ''گستاخی تے معافی'' (صفحہ ۱۶۳ تا ۱۸۰) جیسی نظمیں ہیں۔ حاجی بلوچ (محمد بخش آسی) کے مجموعے ''چھیکڑی ہنج'' میں ''عزرائیل سے سوالی جوابی ڈوہڑے'' شامل ہیں۔ سفیر لشاری کی کتاب ''انساں خیرات نئیں منگدے'' میں ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر کی نظم ''بھین دا سوال'' (صفحہ ۸۱ تا ۸۴) کا جواب سفیر لشاری کا ''بھین کوں جواب'' (صفحہ ۸۵ تا ۸۹) منظوم مکالمے کی ایک نئی شکل ہے۔ قدیم شعراء، علی محمد خان فخر مرحوم کے دیوان ''تیرونشتر'' میں بھی منظوم مکالمے کی مثال موجود ہے۔

مگر اب نثر میں رحیم یار خان کے تین افسانہ نگار نثر نگاروں نے ''الابول'' یعنی مکالمہ نگاری کی صنف کو با قاعدہ متعارف کرایا ہے۔ سب سے پہلے قاصر فریدی نے مئی ۱۹۹۲ء میں سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی ڈیرہ شمس خان نے اسی صفحات پر مشتمل کتاب ''کوجھے مور'' میں گیارہ مکالمے شامل کیے جو سرائیکی وسیب کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے رالے کرداروں کی سوچ، گفتگو اور زباندانی کا اظہار کرتے ہیں۔ اِس کی تقلید میں راہی گبول نے ''مٹھڑے تیر'' میں ایک مکالمہ ''جتی چورنال گالھ مہاڑ'' شامل کیا۔ یہ کتاب بھی ۱۹۹۲ء میں ہی سانول سرائیکی اکیڈمی بھونگ نے شائع کی۔ ان کی دیکھا دیکھی منظور احمد اعوان نے اپنی کتاب ''گُجھے دَھک'' میں ''ہک طالب علم نال گالہہ مہاڑ'' شامل کی۔ یہ کتاب مارچ ۱۹۹۳ء میں سنجوک سرائیکی ادبی سنگت رحیم یار خان نے شائع کی ہے۔

ان کے بعد تو ''جھوک'' اخبار سے کئی قلمکاروں نے مکالمے شائع کرائے۔ اکیسویں صدی میں ایک اور کتاب حاجی بلوچ کی ستمبر ۲۰۰۱ء میں چھپنے والی ''کفنی والڑ'' صفحات ۸۰ ناشر تعمیر ادب لاہور میں ''تشریح آبدی آبدی'' کے حوالے سے ضمیر شاہ اور لغور دو کرداروں کے درمیان مکالمے کے ذریعے بات کی گئی ہے۔

Scanned with CamScanner

جدید لوک اصناف

لوک نثری ادب میں کہاوتوں، اَمثال سے لے کر لوک قصّے تک کا ذکر تو لوک ادب کے عنوان میں ہی ہے مگر اب تخلیقی شاعری میں لوک اصناف کی طرح (ذکر ہو چکا ہے) لوک ادب کی نئی شعری اصناف پر بھی کتب شائع ہو رہی ہیں۔ چنیوٹ ضلع جھنگ کے رہنے والے سابق جج مہر مظفر علی خان کی کتاب ''وین'' مکتبہ عالیہ لاہور نے ۱۹۹۶ء میں شائع کی تھی۔ جس میں وسیب میں کسی مرگ پر عورتوں کے بَین ہیں (یہ پیشہ ور بَین کرنے والی ہندو خواتین ''رُدالی'' سے الگ ہیں۔ جس طرح لوک ادب پر کام کرنے والے شوکت مُغل نے دعائیں، بددعائیں (پُلوتے) اکھٹے کیے ہیں۔ مہر مظفر نے عالمی تناظر میں ''وین'' کے فلسفہ اور تاریخ پر بات کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف رشتہ دار عورتوں کے اپنے رشتہ داروں کی وفات پر کیے جانے والے وینوں کا انتخاب مُرتب کیا ہے۔ سرحد کا جرگہ اور پنجاب کی پنچائیت کو سرائیکی میں ''پرنحو یا سَتھ'' کہا جاتا ہے ''سَتھ'' کے عنوان سے ملک اقبال حسن بھپلا نے اپنا موضوع اصطلاحات کی وضاحت اور مختلف مثالوں کے ذریعے واضح کیا ہے۔ ۴۸ صفحے کی یہ کتاب ۱۹۹۷ء میں بھپلا اکیڈمی ملتان نے شائع کی ہے۔

سائنسی، ہنری اور فنی ادب

آج کے مشینی دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ تبھی سرائیکی میں بھی ایک عرصے سے اخبارات و رسائل میں شعری فنون (شعری فنون پر محمد اکرم قریشی اور دیگر کی کتب اور کتابچوں کا ذکر عنوان ''تنقید'' میں موجود ہے) کے بعد سائنسی، ہنری، اور فنی علوم پر بھی مضمون نگاری شروع کی۔ مثلاً ۱۹۹۶ء میں روز نامہ ''جھوک'' ملتان نے انجینئر مدثر احمد کی کمپیوٹر پر تین سرائیکی تحریریں ''کمپیوٹر وائرس''، ''کمپیوٹر'' اور ''کمپیوٹر دی کہانی'' شائع کیے۔ محبوب ٹھنگوی کی دو تحریریں ''کمپیوٹر کیا ہے۔؟'' اور نورت واحا (tv) بھی اس سلسلے کی کڑی ہیں۔

محبوب جھنگوی نے باقاعدہ طور پر دو ہنری اور فنی کُتب چھپوائیں۔ ۱۹۹۵ء میں ۹۶ صفحات کی ''موٹر کار'' جس میں ۲۴ عنوانات پر موٹر مکینکی کے لیے آسانی سے سمجھ میں آنے والی زبان میں لکھی اور انگریزی اصطلاحات کا ترجمہ بھی عام فہم کیا۔ اِسے عمر پبلی کیشنز بہاولپور نے شائع کیا۔ ڈوسری کتاب ۱۹۹۶ء میں سرائیکی سائنس بورڈ ڈیرہ غازی خان کی طرف سے ۱۵۸ صفحات پر دفتری معاملات کی وضاحت کے لیے ''کلرکی'' کے عنوان سے گیارہ عنوانات پر تقسیم کر کے شائع کرائی۔

سرائیکی میں طِب پرِ تدیم ۔ ۔ ۔ میں بھی نظم ونثر میں لکھا گیا۔ جدید دور میں ڈاکٹر خورشید محمد ملک اور دیگر نے ماہنامہ ''دگا'' وغیرہ میں مضامین لکھے۔ پھر ڈاکٹر خورشید کی ہومیو پیتھک پر کتاب ''نادر ہومیو پیتھک۔ تجرباتی وتجزیاتی یاداشتیں حصہ اول'' نومبر ۲۰۰۱ء اردو میں شائع ہوئی تو صفحہ ۲۰۵ سے ''سرائیکی وَسیب کی دوائیاں'' کا عُنوان شروع ہوتا ہے۔ جڑی بوٹیوں کے ذکر میں مثلاً ''پیلھوں'' صفحہ ۲۰۹ تا ۲۱۰ سرائیکی نثر میں ہے۔ اِسی طرح سرائیکی علاقے کی وہ جُڑی بُوٹیاں جو دیسی اور انگریزی ادویات میں مستعمل ہیں اُن پر حکیم محمد الیاس قیصر خیر پور ٹامیوالی نے سرائیکی قصر الادب سے ۲۰۰۷ء میں ۳۸۴ صفحات کی مکمل کتاب ''روہی کی جڑی بوٹیاں'' کے عُنوان سے شائع کرائی ہے۔

نصابی ادب

پہلے تو سکول سے کالج سطح کے پنجابی نصاب میں سرائیکی ادب کو بھی شامل کیا جاتا رہا جیسے ۱۹۶۵ء سے ۱۹۹۲ء تک پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور کی انٹر کی کتاب ''پھلواڑی'' جسے مہر عبدالحق اور شریف کنجاہی نے مُرتّب کیا تھا۔ اس میں بابا فرید شکر گنجؒ ، سلطان باہو، علی حیدر ملتانیؒ ، اور خواجہ غلام فریدؒ وغیرہ کے کلام کے ساتھ ڈاکٹر مہر عبدالحق کا مضمون '' حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی'' بھی شامل تھا۔ جنوری ۱۹۹۳ء سے گیارہویں کے لیے ادب خزینے ، ڈاکٹر سیّد اختر

جعفری، ڈاکٹر محمد اسلم رانا اور ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد نے مُرتب کی تو تب بھی ڈاکٹر مہر عبدالحق کا مضمون بہاءالدین زکریا ملتانیؒ، شعراء میں بابا فریدؒ، سلطان باہوؒ، علی حیدر ملتانیؒ اور خواجہ غلام فریدؒ اسی طرح شامل رکھے۔ سالِ دوم (انٹر) کی کتاب ''ادب خزینے'' جس کے ڈاکٹر سرفراز حسین قاضی اور نائلہ صدف مدیر ہیں، اِس میں ڈاکٹر انعام الحق جاوید کے مضمون ''پنجابی نثر'' کے اندر ''سفرنامہ'' میں محمد اسمٰعیل احمدانی، سجاد حیدر پرویز اور ممتاز حیدر ڈاہر کے سفرنامے، ''انشائیہ'' میں اسلم قریشی جبکہ ''طنز و مزاح'' میں اسلم قریشی، ابن قیصر اور سجاد حیدر پرویز کو سرائیکی کی جگہ پنجابی نثر نگار بتایا گیا ہے۔ جب میٹرک کی ٹیکسٹ بک چھپ کر آئی جسے ڈاکٹر سیّد اختر جعفری، ڈاکٹر سیّد اختر حسین اور ڈاکٹر ناہید شاہد نے مُرتب کیا تھا تو اُس میں بھی خواجہ غلام فریدؒ کی دو کافیاں شامل کی گئیں جبکہ موجودہ کتاب میں مُسرت کلانچوی کا ڈرامہ ''تھیڈا'' تو واقعی پنجابی میں ہے مگر سلطان باہوؒ کے ابیات، خواجہ غلام فریدؒ کی کافی اور اقبال سوکڑی کی غزل اب بھی سرائیکی میں ہیں۔

زکریا یونیورسٹی ملتان کی بی۔ اے اختیاری کی کتاب جسے ملتان کتاب گھر نے ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ۲۰۰۲ء میں شائع کیا تو بابا فریدؒ، سلطان باہوؒ، علی حیدر ملتانیؒ، سچل سرمست، خواجہ فریدؒ کے علاوہ اقبال سوکڑی، سلیم احسن، حسن رضا گردیزی کا سرائیکی کلام جبکہ غلام حسن حیدرانی اور سیّد نصیر شاہ کے سرائیکی افسانوں کے ساتھ ڈاکٹر طاہر تونسوی کا سرائیکی مضمون بھی شامل کیے گئے ہیں۔ اِسی طرح اِس ادارے کی شائع کردہ بی۔ اے آپشنل کی کتاب میں بابا فریدؒ، سلطان باہوؒ، خواجہ غلام فریدؒ، رشید عثمانی، جانباز جتوئی اور قیس فریدی کا سرائیکی کلام جبکہ مسرت کلانچوی کا افسانہ شامل کیا گیا ہے۔

ابتدائی کلاسوں میں بھی یہی صُورت ہے۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور کی ۲۰۰۲ء میں چھپی ساتویں جماعت کی کتاب میں ظفر لشاری اور سجاد حیدر پرویز کے سرائیکی مضمون اور جاوید احسن کی سرائیکی نظم جبکہ آٹھویں جماعت کی کتاب میں سجاد حیدر پرویز کا سرائیکی مضمون شامل کیا گیا ہے۔ اب جب کہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے بعد بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں

بی۔اے الیکٹو اور آپشنل سرائیکی شروع ہو چکے ہیں تو یہ دورنگی قطعی نامناسب ہے۔لہٰذا سرائیکی نصابی کتب و معاون کتب کا جائزہ دیا جارہا ہے۔۲۰۰۰ء میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی بی۔اے سرائیکی اختیاری کی کتاب ''کرینہہ دے پھل'' (۲۶۶ صفحے) سیّد دین محمد شاہ نے مُرتب کر کے سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور سے چھپوائی جبکہ بی۔اے سرائیکی (انتخابی) کی کتاب بھی اس مُرتب نے ۲۰۰۲ء میں ۶۴ صفحات پر مشتمل شائع کی تھی مگر اُسی سال نصاب میں تبدیلی کی وجہ سے حفیظ الرحمٰن کی مُرتبہ ۵۶ صفحات کی کتاب سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کر دی۔ زکریا یونیورسٹی ملتان کی بی۔اے سرائیکی انتخابی کی کتاب ملتان کتاب گھر ملتان نے ۱۱۰ صفحے کی شائع کی۔ طبع دوم ۲۰۰۵ء صفحات ۱۱۱ کے مُرتّبین ڈاکٹر اسلم انصاری، پرویز شوکت مُغل اور ڈاکٹر قاضی عابد جبکہ نظر ثانی ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز، محمد اجمل مہار اور مختار علی شاہ کی ہے جبکہ سرائیکی اختیاری کی کتاب ۴۸ صفحات پر مشتمل اسی ناشر نے ۲۰۰۶ء میں شائع کی، مُرتّب محمد اجمل مہار ہیں۔ بی۔اے (انتخابی) کی امدادی کتاب جھوک پبلشرز ملتان نے پرچہ ''الف'' کے لیے ''ٹھڈیاں ڈِیلاں'' صفحات ۲۵۶ جنوری ۲۰۰۶ء میں اور پرچہ ''ب'' کے لیے ''سُوکھے پندھ'' صفحات ۳۳۶ دسمبر ۲۰۰۶ء میں شائع کیں۔ مختار علی شاہ کی معاونت میں اِنھیں پروفیسر شوکت مغل اور پروفیسر مقبول گیلانی نے ترتیب دیا ہے۔ زکریا یونیورسٹی نے ''سرائیکی ریسرچ سنٹر ایک تعارف مع نصاب سرائیکی'' (۲۰۰۰ء تا ۲۰۰۳ء) ۴۸ صفحات کا، ۲۰۰۳ء میں جبکہ ''تعارف شعبہ سرائیکی'' صفحات آٹھ ۲۰۰۷ء میں شائع کیے۔

۲۰۰۴ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبے ''پاکستانی زبانیں'' نے ایم فل کا مطالعاتی رہنما ''سندھی سرائیکی کشمیری زبان وادب'' ۳۵۶ صفحات پر مشتمل شائع کیا تو اِس میں ''سرائیکی زبان وادب'' پر صفحہ ۲۲۱ تا ۳۰۵ تین یونٹ (۱)۔ ''سرائیکی زبان'' ۔ تحریر ڈاکٹر طاہر تونسوی نظر ثانی و اضافہ پروفیسر شوکت مغل، یونٹ (۲)۔ ''قدیم سرائیکی ادب'' تحریر ڈاکٹر طاہر تونسوی۔ نظر ثانی و اضافہ ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز جبکہ یونٹ (۳)۔ ''جدید سرائیکی ادب''، تحریر ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز اور نظر ثانی ڈاکٹر انعام الحق جاوید شامل ہیں۔

متفرق موضوعاتی کتب

سرائیکی نثر میں آئے دنوں ایسی کُتب بھی چھپتی رہتی ہیں جنھیں قدیم وجدید مُرّوجہ یا مَتذکرہ بالا اصنافی تقسیم میں شامل کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ نمونے کے طور پر چند کُتب کا تذکرہ دیکھیں۔

۲۰۰۳ء میں ڈاکٹر ایاز سہروردی کی کتاب ''شہرِ نثر'' چھپی ہے۔ ۳۱۸ صفحات پر مشتمل اِس کتاب کو ایاز اکادمی مہر آباد، حسن ابدال ضلع اٹک نے شائع کیا ہے۔ یہ دو حصّوں اُردو اور سرائیکی تحریروں پر مشتمل ہے جس میں مذہب، لوک ادب، '' اُردو۔ فارسی۔ ہندی۔ سندھی شخصیات اور اِن کے ادب کے علاوہ تاریخی مقام، افسانہ اور سیرت کے حوالے سے الگ الگ تحریریں اکٹھی کردی گئی ہیں۔

۲۰۰۵ء میں ''اسلام آباد جھوک سرائیکی ٹیلی فون ڈائریکٹری'' کے عنوان سے دوصد صفحات سے زیادہ پر باتصویر کتاب مجاہد بھٹی نے مرتب کی، جسے جھوک پرنٹرز ملتان نے شائع کیا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری تو اسلام آباد میں مقیم سرائیکی لوگوں کے ٹیلی فون نمبروں پر مشتمل ہے جبکہ صفحہ ۱۰ سے ۳۵ کے درمیان '' سرائیکی قدیم تہذیب'' ، ''سرائیکی زبان'' ، ''سرائیکی کا پرانا رسم الخط'' جب کہ صفحہ ۱۵۱ سے ''سرائیکی ویب کے بارے میں معلومات'' سرائیکی زبان دا قدیم ادب'' صفحہ ۱۵۶ تک ہیں۔ جبکہ صفحہ ۱۵۷ سے ''منتخب سرائیکی کلام'' ہے۔ تیرہ شعراء کا یہ منتخب کلام صفحہ ۱۷۶ تک ہے۔ یوں یہ کتاب بیک وقت لسانی، ثقافتی، ادبی تاریخ اور شعری انتخاب کا مجموعہ ہے۔

اگست ۲۰۰۶ء میں وارث ملک نے ''درد وچھوڑے دا'' کے عنوان سے کتاب پیش کی۔ جھوک پبلشرز نے اِسے دُوسری بار بھی ۱۰۴ صفحات کی کتابی صُورت میں اگلے سال جنوری ۲۰۰۷ء میں شائع کر دیا۔ موضوع سیاست، تاریخ، اور مذہب ہے مگر اُسلوب افسانوی ہے۔ مصنف نے انھیں اُردو کتابوں، رسالوں سے اَخذ کیے گئے مضمون کہا ہے۔ دسمبر ۲۰۰۶ء میں عبدالمالک شجراء فیضی بہاولپوری کی کتاب ''سرائیکی خزانہ'' شائع ہوئی ہے۔ ۱۷۶ صفحات پر ۱۸ سو

ـ یدہ علمی، ادبی، ثقافتی اور جغرافیائی و تاریخی معلومات کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ اسے سرائیکی علاقے
ـ ختف شہروں کے حوالے سے مُرتّب کیا گیا ہے۔ یُوں یہ ۲۶ شہروں کی من جملہ معلومات ہیں
۔ سی بھی لحاظ سے نہ اختصار ہے نہ اجمال۔

حوالہ جات (حصہ سوم)

ح۔۱	پنجابی زبان و ادب کی مختصر تاریخ	صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳
ح۔۲	غلام حسن حیدرانی فن تے شخصیت	صفحہ ۲۴
ح۔۳	ککر دے پھُل	صفحہ ۱۲
ح۔۴	ہجھ دا سفینہا	صفحہ ۸
ح۔۵	آزادی مگروں پنجابی ادب	صفحہ ۱۸۰
ح۔۶	پنجابی ادب دا ارتقاء	صفحہ ۳۲، ۱۲۴
ح۔۷	پکھر پانی	صفحہ ۱۳
ح۔۸	آزادی مگروں پنجابی ادب	صفحہ ۲۱۲
ح۔۹	روزنامہ ''جھوک'' ملتان	۴ فروری ۱۹۹۷ء
ح۔۱۰	آزادی مگروں پنجابی ادب	صفحہ ۲۷۵
ح۔۱۱	فہرست پنجابی نثری تحلیقات مصنف وار	صفحہ ۲۷۶
ح۔۱۲	سرائیکی اور اس کی نثر	صفحہ ۱۲۵
ح۔۱۳	پنجابی ڈرامہ	صفحہ ۱۱۲، ۱۱۳
ح۔۱۴	ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ	صفحہ ۵۴۷
ح۔۱۵	وادیٔ پنجند اچ صحافت	صفحہ ۸۱
ح۔۱۶	سرائیکی شاعری	صفحہ ۳۰۲
ح۔۱۷	پنجابی ادب دا ارتقاء	صفحہ ۲۶۲
ح۔۱۸	سیف الملوک (مطبوعہ ۱۹۶۴ء)	صفحہ ۳۹
ح۔۱۹	''سنیہا'' کتاب لڑی مئی ۱۹۷۹ء	صفحہ ۵۲
ح۔۲۰	''سنگت'' لاہور	شمارہ نمبر ۲
ح۔۲۱	ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان ستمبر ۱۹۹۳ء	صفحہ ۱۳
ح۔۲۲	بھکھڑے تیر	صفحہ ۱۳۶

☆ تفصیلی کوائف ''کتابیات'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

Scanned with CamScanner

حصہ چہارم

سیرت نگاری

ا۔ منظوم

سرائیکی زبان میں مذہبی شاعری کی پُرانی محفوظ کتاب حضرت مُلّا کا ''نُور نامہ'' ہے۔ اس کے اشعار کی تعداد ۱۵۰ ہے اور مثنوی کی طرز پر لکھا گیا ہے۔ اس میں حضورﷺ پُر نور کی پیدائش اور افزائش کی باتیں ہیں۔ ''نُور نامہ'' ایک ایسی مذہبی نظم ہے جس میں تخلیقِ کائنات کا اسلامی فلسفہ بیان کیا گیا ہے اور حضرتِ لولاکؐ کی تشریح کی گئی ہے۔ قدامت کے لحاظ سے اِسے اوّلیت حاصل ہے۔ یہ پانچ سو ہجری کی تصفیف بتائی جاتی ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے ''پنجاب میں اردو'' (مطبوعہ انجمن ترقی اردو لاہور) میں اسے ۱۰۵۴ (۷۵۲ھ) کی تصنیف تسلیم کیا ہے مگر ڈاکٹر مہر عبدالحق اسے شاعر کے سنِ تصنیف خود بتانے کے حوالے سے ۵۰۰ھ کی تصنیف ہی مانتے ہیں:

پنج سَے سال جو گزرے آہے ہجرت بعد رسولوں

مُلّاں کہے غریب وِیچارا کم علماواں کولوں

(ح۔۱)

میر حسان الحیدری بھی اسے ۱۱۰۷ء تا ۱۱۱۱ء (بمطابق ۵۰۱ھ تا ۵۰۵ھ) کے درمیان کی تصنیف مانتے ہیں۔ (ح۔۲)

اس کے شاعر حضرت مُلّا تھے۔ اس تصنیف کے حوالے سے وہ سرائیکی کے قادر الکلام شاعر نظر آتے ہیں۔ ''نور نامہ ملتانی'' یا ''نُور نامہ بزبان ملتانی'' کے نام سے ۳۲ صفحے کی یہ نظم تقریباً

بیس بار شائع ہو چکی ہے۔(ح۔۳)

دلشاد کلانچوی مرحوم نے بھی اِس کے متن کی تصحیح کر کے ۱۹۷۵ء میں اسے ۳۲ صفحے کا ہی مکتبہ سرائیکی لائبریری بہاولپور سے شائع کیا ہے۔نصر اللہ خان ناصر لکھتے ہیں۔

''حضرت مُلّا کے نُورنامے کے علاوہ مُراد نابینا بھکری اور امام الدین بھکری کا ''نُورنامہ محمدی'' مِدحتِ رسول مقبول ﷺ میں تصنیف کیے گئے''۔(ح۔۴)

دلشاد کلانچوی کے بعد شوکت مغل نے ''نُورنامہ'' پر کام کیا ہے۔اُن کے مطابق:

''اس طویل نظم میں ۲۹ بار نُور کا لفظ آیا ہے۔اس لیے اسے نُورنامہ کہا گیا''۔

زمانہ قدیم سے ''نُورنامہ مُلتانی'' مختلف نسخوں میں ۲۸۰ سے ۳۰۷ مصرعوں پر مشتمل رہا ہے۔کہا جاتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے اس کے پنجابی، سندھی، بلوچی، پشتو اور اُردو میں تراجم کرائے۔سردار پور جھنڈیر لائبریری کے ایک قلمی نسخے میں اُسے میاں برخوردار نے اپنی تصنیف بتایا ہے۔''

شوکت مغل نے ''نُورنامہ'' (نُسخہ مُلّا) کی تصحیح و ترتیب کی اور مارچ ۲۰۰۱ء میں شائع کرایا جبکہ نظر ثانی شدہ دُوسرا ایڈیشن جس میں ۲۹۲ مصرعے ہیں ۳۲ صفحات پر مشتمل جھوک پبلشرز ملتان سے مارچ ۲۰۰۳ء میں شائع کرایا اسی طرح حافظ مراد نابینا کا ''نُورنامہ سرائیکی'' نُسخہ مُراد بھی تصحیح اور ترتیب کے بعد ۳۲ صفحات پر مشتمل جھوک پبلشرز سے ہی مارچ ۲۰۰۴ء میں شائع کرایا۔راقم الحروف کے پاس ''نُورنامہ مع لوری'' دین محمد تاجران کتب لاہور کا دینِ محمدی پریس لاہور سے چھپا ہوا اور ''نُورنامہ'' چراغ الدین تاجران کتب لاہور کا گلزارِ مدینہ لاہور سے چھپا ہوا ۸، ۸ صفحات پر مشتمل موجود ہیں جبکہ ایک جدید ایڈیشن ''مثنوی نُورنامہ مُلّاں'' جدید سرائیکی ترجمہ جو

۱۵۰ اشعروں پر مشتمل ہے محمد اکرم قریشی کا بزم اکرم مانہ احمدانی سے منظرِ عام پر آیا ہے۔

''پیغمبرِ اسلام سے عقیدت ومحبت کا اظہار سرائیکی شعراء نے ''معراج نامہ'' کے عنوان تلے بھی کیا ہے۔ اب تک کئی معراج نامے چھپ چکے ہیں۔ ۱۔ میر حسان الحیدری کے بقول بھونگ، تحصیل صادق آباد کے حضرت میاں مقبول فقیر چانڈیہ بلوچ خلیفہ خاص حضرت موسیٰ نوابؒ کا ''معراج نامہ'' چھٹی صدی ہجری (بمطابق بارھویں صدی عیسوی) کی سرائیکی شاعری کا نادر نمونہ ہے اور قدیم نُور نامہ کی نسبت زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ ۲۔ بھونگ کے ہی ایک اور درویش پیارے خان چانڈیہ بلوچ سہروردی عرف پیارا شہید بھی ۱۵۸۶ء میں معراج نامہ تصنیف فرما چکے تھے۔ ۳۔ میر حسان الحیدری کے مطابق حافظ محمد نے معراج پر جو طویل مخمس (معراج نامہ) کے عنوان سے لکھا وہ مقبول چانڈیہ اور حضرت پیارا شہید کے بعد سرائیکی زبان کا تیسرا مقبول معراج نامہ ہے۔ حافظ محمد شاعر نے رسول کریم ﷺ کا عرش پر جانا اور اللہ سے ملاقات کرنا سولہ صفحے کی نظم کی شکل میں بیان کیا ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی عمدہ تصنیف ہے۔ اس معراج نامے کے اٹھارہ مطبوعہ ایڈیشن دستیاب ہیں۔ ح۔ ۵۔ حافظ محمد کی اس تصنیف ''معراج نامہ بزبانِ ملتانی'' کا ایک نسخہ ۱۲۹۴ھ میں مطبع محمدی لاہور نے شیخ لعل محمد تاجر کتب ملتانی کی فرمائش پر شائع کیا جبکہ ایک اور ایڈیشن حافظ شمس الدین، منورالدین، حمیدالدین نے آریہ سٹیم پریس سے ۱۳۲۹ھ میں شائع کرایا۔ یہ معراج نامہ خالص ملتانی (سرائیکی) زبان میں ہے۔ حافظ محمد شاعر کا (معراج نامہ) دلشاد کلانچوی نے سرائیکی لائبریری بہاولپور سے ۱۹۷۵ء میں بھی شائع کیا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اپنی کتاب ''ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق''

میں اس کا زمانہ ۱۱۰۰ھ متعین کیا ہے۔ ح۔ ۶۔ اب حافظ محمد کے بعد لکھے جانے والے معراج ناموں پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ ۴۔ میر حسان الحیدری نے غلام قادر ملتانی (پیدائش ۱۸۳۶ء) کے (معراج نامے) کا ذکر کیا ہے۔ ۵۔ اسی طرح قادر یار سندھو (انیسویں صدی کے نصف آخر میں پیدائش) کے معراج نامے کا ذکر بھی کیا ہے۔ ح۔ ۷۔ نصر اللہ خان ناصر لکھتے ہیں۔

میاں قادر یار کا معراج نامہ ۱۲۴۲ھ میں لکھا گیا۔ حافظ محمد یار کا معراج نامہ مخمس کے انداز میں ہے۔اس کے کل ۲۶ بند ہیں۔ ہر بند کا آخری مصرعہ ایک ہی ہے۔

" تُوں اگے فریاد میڈی یا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

(ح۔۸)

۶۔''معراج نامہ بطرزِ چٹھی'' ۸ صفحے پر مشتمل ہے اسے مولوی غلام اصغر ملتان نے کریمی پریس لاہور سے شائع کیا ہے۔ منشی نبی بخش شوق (۱۹۰۵ء۔۱۹۷۰ء) کی تصنیف ہے۔

۷۔مولوی نبی بخش کے نام سے ''معراج نامہ جدید'' بھی شائع ہوتا رہا ہے۔ایک ایڈیشن مولوی فیض بخش اینڈ سنز ملتان نے مطبع الہیٰ آگرہ سے اور دوسری بار حمیدیہ پریس ملتان سے شائع کیا۔

۸۔خُرم بہاولپوری (۱۸۵۸ء۔۱۹۵۱ء) کا یہ شعر ''معراج نامے'' کا تسلسل ہے۔

ڈھی کھڑھی جاتے پہنتا۔ اُڈرن ڈیکھ اُڈراک دا

ستمبر ۲۰۰۳ء میں ''معراج نامہ سرائیکی'' کے عُنوان سے شوکت مغل نے ۱۶ صفحات پر مشتمل جھوک پبلشرز ملتان سے شائع کرایا ہے ان کے مطابق:

''واقعہ معراج منظوم غزنوی عہد ۴۰۱ھ/۱۰۱۰ء میں فتحِ ملتان واُچ کے بعد کا ہے۔''

۱۱۰۰ھ کے اوائل اور سترھویں صدی عیسوی کے اواخر شاعر حافظ محمد کے معراج نامہ کو پہلے ۱۹۷۵ء میں دلشاد کلانچوی نے بعد تصیح شائع کیا۔ جبکہ درج ذیل معراج نامے بھی لکھے گئے ہیں:

معراج نامہ	میاں مقبول فقیر چانڈیہ	صادق آباد	(چھٹی صدی ہجری / بارھویں صدی عیسوی
معجزۂ معراج	دودے شاہ	صادق آباد	(چھٹی صدی ہجری / بارھویں صدی عیسوی)
معراج نامہ	پیارے خاں پیارا شہید چانڈیہ	صادق آباد	(۹۹۵ھ/۱۵۸۰ء)
معراج نامہ	حافظ محمد	ملتان	(۱۱۰۰ھ/۱۶۸۸ء)

معراج نامہ　قادر یار سندھو　ملتان　(۱۸۵۰ء، انیسویں صدی)

معراج نامہ　غلام قادر ملتانی　(پ۔۱۸۳۶ء)

محمد اکرم قریشی نے ''واقعہ معراج'' کے عنوان سے چھ صفحات پر مشتمل نظم عربی قصیدہ بُردہ کی بحر میں بزمِ اکرم مانہ احمدانی سے دسمبر ۲۰۰۳ء میں شائع کرایا۔

نور نامے اور معراج نامے کے بعد ایک کتاب ''حُلیہ مبارک'' ہے۔ اسے بھی کئی شاعروں نے لکھا:

۱۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق، غلام حسین کے حُلیہ مبارک کو ۹۰۰ ہجری کی پہلی نصف صدی کی تصنیف بتاتے ہیں۔ ح۔۹۔ انھوں نے اپنی کتاب ''سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں،، میں اسے صفحہ ۱۰۱ سے ۱۰۹ پر نقل کیا ہے اس کے پچپن اشعار ہیں:

شوق کنوں میں حُلیہ جوڑیا ہندوی بولی سَوکھا

کائی رنج نہ ڈیکھے ہرگز مُول نہ تھیوے اَوکھا

۲۔ میر حسان الحیدری نے بھونگ صادق آباد کے اعظم چانڈیہ (جو حضرت سخی پیر موسیٰ نواب کے مرید تھے جو حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ ملتانی کے عَم زاد تھے اور ملتان سے خرقہ خلافت لے کر بھونگ (سابقہ پرگنہ چانڈکو) کے قریب تاریخی قلعے سیوراہی میں تشریف لا چکے تھے) کے ''حُلیہ مبارک'' کی تصنیف کا دَور بارھویں صدی عیسوی کا نصف آخر متعین کرتے ہیں۔ اعظم کا حُلیہ مبارک نوے، اکیانوے اشعار پر مشتمل ہے۔ نمونہ دیکھیں:

دیکھ جمال نبی سرورؐ دا سجھ تے چَن شرماون

حُور ملائک صدقے جاون پریاں گھول گھماون

(ح۔۱۰)

۳۔ ''حلیۃ النبی ﷺ'' کے نام سے مولوی محمد اعظم بہاولپوری نے نظم میں ۳۲ صفحے کا ''حلیہ مبارک'' لکھا۔ جسے ۱۲۹۶ھ میں مطبع صادق الانوار بہاولپور نے شائع کیا۔

۴۔ مولوی عزیز الرحمان عزیز بہاولپوری کا ''حلیہ مبارک'' ۱۳۳۹ھ میں لکھا گیا۔ ان کے صاحبزادے محمد حفیظ الرحمان نے ۱۳۷۱ھ میں پانچویں بار عزیز المطابع بہاولپور سے شائع کیا:

پتلے نازک ہوٹھ نبیؐ دے سُرخ تے نرم کپاہوں
پھُل غلاب دے ہن ڈسیجن رنگ بھرے درگاہوں
نُور مجسم سارا پنڈا کیا کیا شان سزاواں
نور دی خاطر پوندا نہ ہا دھرتی اُتے پچھاواں

۵۔ آخری دستیاب حلیہ مبارک مولوی نور محمد کا ہے۔ ۳۲ صفحے کی یہ نظم ۱۹۳۱ء میں صادق الانوار سٹیم پریس بہاولپور سے شائع ہوئی۔

میرے پاس ایک ''حلیہ شریف۔ ''شعلہ رحمت والا'' میاں حیات چکوال کا موجود ہے۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل اِسے وزیر سنگھ تاجر کتب چکوال نے نامی پریس لاہور سے شائع کرایا ہے۔

اس سلسلے کی ایک اور کتاب ''تولد نامہ'' ہے۔ غلام قادر ملتانی (پیدائش ۱۸۳۶ء) کا ''تولد نامہ'' مثنوی کی شکل میں ہے۔ ۱۸۹۲ء میں مکمل ہوا۔ اس یادگار طویل نظم میں ولادت سے نبوت تک کے حالات تفصیل سے اور صحیح روایات کے ساتھ نظم کیے گئے ہیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کے حوالے سے شعر دیکھیے:

آکھیم اے حبیب خدا
محمدؐ ابن عبداللہ دا

ڈاڈا عبدالمطلب اُس دا

باعث کون و مکان ہے جسدا

نصراللہ ناصر لکھتے ہیں:

''سرائیکی زبان میں مولوی غلام قادر قریشی کا تولد بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ ۱۰۷۲ اشعار پر مبنی ہے۔ مولوی صاحب بہت بڑے عالمِ دین تھے۔ سیرتِ طیبہ اور تاریخ کا گہرا مطالعہ اس تولد نامے میں اُن کے بہت کام آیا'' (ح۔۱۱)۔

سیرتِ رسولؐ کی منظوم کتابوں میں ایک ''گھڑولی لعل'' یا ''گھڑولی نامہ'' بھی ہے۔ یہ سی حرفی کی طرح قدیم صنف ہے۔ تین مصرعے ہم قافیہ، چوتھا صرف گھڑولی لعل۔ اس کے شاعر کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ ''سرائیکی کتابیں'' میں اس کے دس ایڈیشن گنوائے گئے ہیں۔ (ح۔۱۲)۔ صرف ۱۹۵۵ء میں ۱۶ صفحے کی یہ کتاب اقبال بک ڈپو لاہور اور حاجی مولا بخش اینڈ سنز ملتان سے دوبار شائع ہوئی جبکہ ان سے قدیم ایک ایڈیشن ۱۹۱۷ء کا ہے جسے حافظ فیض رسول نے ملتان سے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر شہباز ملک نے اس کا حوالہ سیرتِ رسولؐ کے حوالے سے ہی دیا ہے۔ (ح۔۱۳)

دیگر قدیم نسخوں میں ابوالعلائی سٹیم پریس آگرہ، اسلامیہ سٹیم پریس لاہور، آریہ سٹیم پریس لاہور، کرشنا سٹیم پریس کے شائع کردہ نسخے ہیں۔ میر حسان الحیدری لکھتے ہیں کہ ''سچل سرمستؒ'' کے بعد ہمیں پورے سندھ میں سے دوسرا ''گھڑولی نامہ'' محض ہمت علی شاہ رضوی آف روہڑی (۱۷۴۰ء۔۱۸۱۰ء) کا ملا ہے۔

اللہ ہے صاحب ستاری ۔۔۔ صدقے نبی تُوں جان پیاری

علی دی تے ہے لاج ہمارے۔۔۔ گولی ہاں میں تہیں دردی

دو مولیٰ گھڑولی بھردی آہیاں، میں تاں گھڑولی

(ح۔۱۴)

سرائیکی نظم میں ''طوطا نامہ'' بھی ملتے ہیں، مثلاً مولوی نُورالدین مسکین (۱۸۴۵ء۔ ۱۹۱۵ء) کا مطبوعہ ''کافی طوطا'' نمونہ کلام دیکھیں:

نام اللہ دے نال یقینے۔۔۔ جاویں طوطا شہر مدینے

روضے پاک رسولؐ حقانے

(ح۔۱۵)

سیرتِ رسول ﷺ کے حوالے سے ایک کتاب ''قصہ ہرنی'' (معجزہ رسولِ خدا) ہے جس میں آنحضور ﷺ کے معجزہ کو منظوم کیا گیا ہے۔ اللہ ڈِتہ ڈتل ملتانی (پیدائش ۱۸۴۰ء) نے ۱۸۹۲ء میں قصہ معجزہ ہرنی لکھا۔ نور محمد نورن گدائی (۱۸۷۰ء تا ۱۹۲۶ء) کا ''مجموعہ بے نظیر'' کے نام سے معجزہ ہرنی اور قصہ روزہ پر مشتمل ہے۔ سولہ صفحے کا ہے، اسے مولوی فیض بخش ملتان نے شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ محمد شاہ سیری نو بہار کے ''قصہ ہرنی بزبان ملتانی'' چھپے ہوئے موجود ہیں۔ ''سرائیکی کتابیں'' میں اس کے سات ایڈیشنوں کے کوائف درج ہیں (ح۔۱۶)۔

میرے پاس ۱۹۱۰ء (۱۳۲۸ھ) کا مطبع مُفیدِ عام لاہور سے چھ صفحات پر چھپا ''معجزہ رسالہ ہرنی'' موجود ہے۔

علامہ بوصیریؒ (۶۰۸۔۶۹۴ھ) کا عربی قصیدہ ''قصیدہ بُردہ'' جو انھوں نے خوابِ صادق میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدح میں آپؐ کے حضور کہا۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے اسے منظوم سیرت النبی ﷺ میں شمار کیا ہے۔(ح۔۱۷)۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کے بقول یہ قصیدہ اور اس کا ترجمہ فوراً بعد ہی سندھ کے راستے ملتان پہنچ گیا۔ جہاں اس کے سرائیکی زبان میں منظوم

ترجمے ہوئے۔

ا۔ خود ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب ''سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں'' میں صفحہ ۷۷تا ۱۰۰ پر ایک نامعلوم شاعر کا منظوم ترجمہ دیا ہے جو ۱۶۲ اشعروں پر مشتمل ہے۔ گو اسے لطف اللہ مہندس کے فارسی ترجمے سے ماخوذ بتایا ہے تاہم ساتھ ہی اسے تخلیق کے قریب تر کہا ہے اور تیسرا شعر حوالہ کے طور پر دیا ہے، ملاحظہ کریں:

بس کہیاں سوز اکھیں کوں ایو جھر دیاں جھرن جھرانے

دل کوں درد فراق چکھیوئی تھڑ کے تاب نہ آنے

لکھتے ہیں کہ کوئی بھی نقاد اسے ترجمہ نہ کہے گا۔

۲۔ دوسرا ترجمہ محمد عزیز الدین (وفات ۱۹۰۵ء) کی ''نظم الورع'' ہے جو ۱۸ شعبان ۱۲۹۷ھ بروز جمعہ مکمل ہوئی اور ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۵ء) میں ۱۱۶ صفحے کی کتابی شکل میں مطبع حسنی بمبئی سے شائع ہوئی۔ یہ قصیدہ بُردہ شریف کی عربی، فارسی اور اردو کے ساتھ ساتھ سرائیکی میں تضمین ہے اور مخمس نظم میں ہے۔

قصیدہ بُردہ شریف از امام محمد شرف الدین البوصیریؒ (۱۲۱۲ء۔ ۱۲۹۵ء) کا محمد عزیز الدین عزیز کا ترجمہ دوبار مزید چھپ چکا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ پیکیجز لمیٹڈ لاہور نے ۲۰۰۲ء میں اِسے شائع کیا جسے اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد کے اکادمی کتاب گھر نے ۲۷۲ صفحات کی کتابی شکل میں ۲۰۰۷ء میں ایک بار پھر شائع کیا۔ یہ سیّد سبط الحسن ضیغم کی مُرتبہ کاوش ہے۔ اس کے ہر صفحہ پر پہلے عربی متن پھر مُترجم کا پنجابی نثری ترجمہ اور اس کے بعد سیّد وارث شاہ، حافظ برخوردار، غلام مرتضیٰ کے پنجابی منظوم ترجمے پھر محمد عزیز الدین کا سرائیکی ترجمہ ہے۔ اس کے بعد بھی سیّد محمد نیک عالم کا پنجابی، محمد فیاض الدین کا اُردو، عبدالرحمٰن جامی کا فارسی اور عبدالرحیم محمد زرق

کا انگریزی ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔ کتاب میں محمد عزیز الدین عزیز متوطن بہاولپور کا تعارف صفحہ ۷۹ سے ۸۲ پر ہے۔ جس کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ترجمہ ۲۸ شعبان ۱۲۹۷ھ/۵۔ اگست ۱۸۸۱ء ختم ہوا اور ''صادق الاخبار'' فروری ۱۸۸۴ء میں ''نظم الورع'' کے عُنوان سے اشتہار شائع ہوا۔ ۱۳۰۱ھ میں مطبع حسنی بمبئی سے شائع ترجمے کے سرِورق کا عکس بھی کتاب کے صفحہ ۲۷۲ پر شامل کیا گیا ہے۔

۳۔ تیسرا ترجمہ عربی سے انگریزی، فارسی، اُردو کے ساتھ ساتھ سرائیکی میں ڈاکٹر مہر عبدالحق نے کیا۔ ۲۰۷ صفحے کی یہ کتاب ''قصیدہ بُردہ'' ۱۹۷۸ء میں پہلی بار سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے اور دوسری بار ۱۹۸۰ء میں فاروقیہ کتب خانہ ملتان نے شائع کی۔

۴۔ چوتھا ترجمہ بھی منظوم ہے۔ ۱۶۵ سرائیکی اشعار پر ''قصیدہ بُردہ سرائیکی'' کے عنوان سے اکرم قریشی نے بزمِ اکرم مانہ احمدانی سے ۱۶ صفحات پر مُشتمل اِسے جون ۲۰۰۲ء میں شائع کیا ہے۔

سرائیکی منظوم سیرت نگاری میں اب دیگر اصناف کا مطالعہ کرتے ہیں:

''سرائیکی زبان'' کے شعراء نے آنحضور کی حضرت خدیجہؓ سے شادی مبارک کو بھی موضوع بنایا اور ''بارات نامے'' لکھے۔ سیرتِ طیبہ کے دوسرے پہلوؤں پر کی گئی شاعری میں ''دُرود نامے''، ''تاج نامے'' اور ''وصال نامے'' بھی شامل ہیں۔ ''تورا'' بھی سرائیکی شاعری کی ایک خالص مقامی قدیم صنف ہے۔ نعتیہ تورے معجزہ معراج کے بیان میں ملتے ہیں جیسے محمد شاہ نوبہار سیری حقانی کا نعتیہ تورا دستیاب ہے۔

سرائیکی زبان میں ایک اور قدیم صنف ''جوگی نامہ'' مدتوں تک برتی گئی۔ نعتیہ جوگی ناموں میں باغ شاہ کے جوگی نامے کو خاص شہرت ملی ہے۔ ایک اور قدیم جوگی نامہ مولوی نبی بخش بخشا کا ملتا ہے۔ بخشا اور سیّد مبارک شاہ نے کافی کے انداز میں نعتیہ جوگی نامے لکھے ہیں۔

Scanned with CamScanner

ایک اور صنف ''طوطے نامے'' کی ہے جس میں طوطے کو مخاطب کر کے دل کے احوال دربارِ نبویؐ میں پہنچانے کی درخواست ہوتی ہے۔ نورالدین مسکین کا ''طوطا نامہ'' مشہور ہے۔ طوطے نامے کی طرح ''ہُد ہُد نامے'' بھی لکھے جا رہے ہیں۔ احمد یار کے ''ہُد ہُد نامے'' کا نمونہ بھی دستیاب ہے۔

نعتیہ ڈھولے میں عربی ڈھول کی ثنا کی جاتی ہے۔ خادم مکھن بیلوی کا نعتیہ ڈھولا اونچا مقام رکھتا ہے۔ اس میں الف سے ی تک ساری تختی یثرب کے دولہا کی تعریف میں لکھی گئی ہے۔ ناطق کے ''ڈھولا ناطق'' کو بھی خاصی شہرت حاصل ہے۔ یہ سی حرفی کی طرز پر ہے۔ بزمِ اکرم مانہ احمدانی نے مولوی ناطق ملتانی مرحوم کے ''ڈھولا ناطق'' کا نیا ایڈیشن مئی ۱۹۹۹ء میں اور سہ حرفی ''ڈھولا خادم'' از مولوی اللہ بخش خادم کا نیا ایڈیشن دسمبر ۲۰۰۸ء میں شائع کیا ہے۔ مولانا شائق کی کتاب ''گلدستہ عشق'' مطبوعہ ۱۹۱۹ء آگرہ میں بھی نعتیہ ڈھولا موجود ہے۔ جان محمد گداز اور مولوی نبی بخش بخشا کے نعتیہ ڈھولے بھی مشہور ہیں۔ نعتیہ سی حرفیوں میں عہدِ جہانگیری کے شاعر سید امیر حیدر میرن، علی حیدر ملتانی، حافظ جمال، حمل خان لغاری، حضرت سچل سرمست، فائق، شائق، سید مبارک شاہ، محمد بخش بخشا، سید شیر محمد گیلانی اور میاں رحیم بخش کے نام قابل ذکر ہیں۔

سرائیکی زبان میں کئی ''محمدی بارہ ماسے'' بھی ملتے ہیں۔ میاں رحیم بخش کا بارہ ماہ اس کی مثال ہے۔ سرائیکی زبان کے شعری ادب میں بے شمار ''نعتیہ سہرے'' بھی ملتے ہیں جن میں معراج اور وصال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مولانا شوق، محمد شاہ حقانی، نوبہار سیرانی، کے معراج کے سہرے قابل ذکر ہیں۔ احمد یار کا ''سہرا معراج شریف'' بھی موجود ہے۔

شیخ امام الدین امام ہزاروی (پیدائش ۱۸۳۰ء) مہری پور کے نزدیک تلوکڑ میں پیدا ہوئے۔ حضورؐ کے معجزات منظوم قصوں میں ۱۸۶۶ء میں بیان کیے۔ میر حسان الحیدری لکھتے ہیں:

''امام الدین سرائیکی زبان کے پوٹھوہاری سکول سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان

کے دو منظوم رسالے مل سکے ہیں جو معجزات نبویؐ پر مشتمل ہیں۔ان میں سے ایک یمن کے یہودی بادشاہ ولید کے مسلمان ہونے کا واقعہ ہے اور دوسرا ایک جنگل کی ہرنی کو حضور ﷺ کی ضمانت پر جال سے خلاصی ملنے پر مشتمل ہے'' (ح۔۱۸)۔

۲۔نثر

سرائیکی نثر میں سیرت نگاری کے حوالے سے اخبارات ورسائل میں شائع ہونے والی تحریریں اتنی ہیں کہ ان کا احاطہ مشکل ہے مثلاً ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان میں مولانا نور احمد خان فریدی کے دو مضمون ''انجیل وِچ رسول اللہ ﷺ دی پیشین گوئی'' (فروری ۱۹۷۲ء) اور ''وَمَا اَرسلنٰک اِلّا رَحمۃ للعالمین''۔

(اپریل ۱۹۷۳ء) کے علاوہ ''حلیمہ دا لعل'' (جون ۱۹۸۱ء) ابن کلیم کی تحریر اس کی مثالیں ہیں۔خواتین میں دو بھنوں شیما سیال کا ''ہادیٔ برحق دی سیرت'' (مارچ ۱۹۷۸ء) اور طاہرہ سیال کا ''ہادیٔ اعظم'' (جنوری ۱۹۸۲ء) شائع ہوئے۔لہٰذا نثر میں صرف سیرت کی کتابوں کا جائزہ پیش ہے۔

''نُور نامہ'' جو سرائیکی میں منظوم سیرت نگاری کی ایک قدیم مثال ہے۔نثر میں ایک ایڈیشن ''نُور ناواں'' کے عنوان سے بھی شائع ہوا۔یہ نثری ایڈیشن (منظوم ایڈیشن صفحات ۳۲ کے برعکس) سولہ صفحے کا ہے۔اسے عبدالعزیز محمد عبدالرشید لاہور نے مطبع گلزار محمدی لاہور سے ۱۳۱۴ھ میں شائع کیا۔

جدید سرائیکی نثر کا آغاز زیادہ تر عزاداری کی محفلوں اور ذاکرین کے طفیل ہوا۔چنانچہ ذاکرین کی تصنیفات وتالیفات میں بے شمار تقاریر نثر میں موجود ہیں جن کی تاریخی ادوار بندی کر

کے سرائیکی نثر کے ارتقائی سفر کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ابتدائی دور کے مرثیہ، مناقب اور مدحت کے منظوم مجموعوں میں نثر کے جو نمونے ملتے ہیں ان میں آنحضورﷺ کی تعریف اور سیرت کے پہلوؤں کا بیان بھی موجود ہے مثلاً غلام سکندر غلام (۱۶۱۹ء۔ ۱۷۰۷ء بمطابق ۱۰۲۸ھ۔ ۱۱۱۹ھ) کی کتاب ''روضہ ماتم'' سے نمونہ دیکھیں:

''اُوں خالق دا کیڈا احسان اے، بھیجیس اساں دو رسول امین کوں، رحمت العالمین کوں''

اِن کتابوں کے لکھنے والوں میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جس نے سرائیکی نثر میں شعری خوبیاں پیدا کر دیں۔ انھوں نے نہ صرف نثر میں ردیف قافیے کی پابندی کی بلکہ نثری جملوں میں بھی وزن لے آئے اور صنعت گری کی خوبیاں بھی دکھائیں مثلاً منشی محمد رمضان بہار ملتانی (۱۹۰۴ء۔ ۱۹۶۸ء بمطابق ۱۳۲۱ھ۔ ۱۳۸۶ھ) کی تصنیف ''مجلس چہاردہ'' کے شروع میں رسول کریمؐ سے عقیدت و عشق کا اظہار غیر منقوط عبارت میں کیا گیا ہے۔

''سرکارِ دو عالم، معلّمِ دو سَرا ، مدرسِ ولا ، عالمِ اسرار، عاملِ کامگار، صدر العلا، محا صیدِ الورا، محمد و آلِ محمد دا سِکّہ مدام ڈُٹھا، صلوٰعلیٰ محمد و آلِ محمد دوام ڈُٹھا۔

بہار ملتانی ہی کی کتاب ''ہاشمی دربار عرف جذباتِ بہار'' مطبوعہ ۱۹۳۶ء بمطابق ۱۳۵۵ھ سے ایک نمونہ دیکھیں:

''حمد و ثنا، صبح و مسائق تے زیبا ہے واسطے رب العلا دے، جیں قِسم قِسم دے سامان مہیا کیتے، واسطے حضور پُرنُور حضرت سید مدنی محمد مصطفیٰ دے، کیڈے مدارج ہِن شفیع یوم جزا دے، کہیں ویلے اللہ تعالیٰ تمغۂ ڈیندے طٰہٰ دے، کہیں ویلے ارشاد ہوندن لولاک لماد ے، تمام نعمتاں عطا کیتیاں گیاں اُتے سرتاجِ انبیا دے''۔

''ذاکری کی پہلی کتاب،، حصہ اول طبع دوم ۲۰۰۰ء مُرتّب نذر حسین قطبی ٹوانہ کُل صفحات ۹۰ ناشر الاسد ویلفیئر سوسائٹی کالرہ اسٹیٹ سرگودھا جو تین حصّوں پر مشتمل ہے، آخری حصہ

۲۴صفحات پر مشتمل ''رسولِ اکرمؐ۔ مختصر حالاتِ زندگی'' کے عنوان سے ہے۔

تاہم اب تک سرائیکی نثر میں سیرتِ نبویؐ پر نثر میں جس پہلی کتاب کا حوالہ ملتا ہے، وہ تاحال غیر مطبوعہ ہے۔ یہ حاجی نبی بخش شوق کربلائی (۱۹۰۰ء۔۱۹۷۹ء) کی سیرت رسولؐ ہے۔
میر حسان الحیدری لکھتے ہیں کہ:

''آپ نے سیرتؐ لکھنا شروع کی ہے اور سن پانچ ہجری تک کے واقعات پانسو صفحات میں قلم بند کیے ہیں'' (ح۔۱۹)۔

کیفی جامپوری نے بھی اِس کا ذکر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ:

''سرائیکی نثر میں سیرتِ رسول مقبولؐ لکھ رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ۵ھ تک کے واقعات پانسو صفحات میں لکھے ہیں'' (ح۔۲۰)۔

جدید ادب میں مطبوعہ نثری کتب کے حوالے سے سب سے پہلے سامنے آنے والی کتاب دراصل دلشاد کلانچوی مرحوم کی تین کتابوں کی سیریز ہے۔ پہلا حصہ ''جڈاں رسول کریمؐ بال ہن'' ۱۹۷۵ء، دوسرا حصہ ''جڈاں رسول کریمؐ ننگر ہن'' مطبوعہ ۱۹۷۶ء، تیسرا حصہ ''جڈاں رسول کریمؐ کوں نبوت ملی'' مطبوعہ ۱۹۷۹ء۔ ان میں آسان سرائیکی نثر میں آنحضورﷺ کی زندگی کے منتخب واقعات، سیرت کی خوبیوں کی نشاندہی کے حوالے سے بیان کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق کی کتاب ''کونین دا والی'' میں حضورؐ کی زندگی، سیرت، کردار، مثالی شخصیت، انسانیت کے جوہر کی تکمیل کا عکس اور منصب رسالت کے اختتام کا ذکر کیا گیا ہے۔ مئی ۱۹۸۲ء میں اٹھارہ عنوانات کے تحت لکھی گئی اس کتاب کے آخری تین باب ''حضورﷺ کی گھریلو زندگی، حضورﷺ کی طبعی زندگی اور نورالہدیٰ خیر البشر'' کے حوالے سے خالص سیرت پر مبنی ہیں۔

محمد شفیع احمدانی کی کتاب ''آمنہ دا لعل'' ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ اس سے پہلے وقار

عنایت اللہ کی کتاب ''سیرت النبیؐ'' ۱۹۸۳ء میں چھپ چکی تھی۔ حفیظ تائب نے اس کا ذکر سرائیکی زبان کے حوالے سے کیا ہے'' (ح۔۲۱)۔

سجاد حیدر پرویز کی کتاب ''مدنی مٹھا من ٹھار'' ۱۱۔ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ کو شائع ہوئی۔ اس کتاب کو ۱۹۸۷ء کا وفاقی وزارتِ مذہبی امور حکومت پاکستان کا سیرت کے حوالے سے صدارتی ہجرہ ایوارڈ بھی ملا۔ اس کتاب میں پہلی بار اسوۂ حسنہ میں شکل، عادات، رہن سہن کی اچھائی، بہادری، سپہ سالارانہ بڑائی کے علاوہ حضورؐ کے سیاسی، قانونی اور معاشی نظام کے علاوہ حضورؐ کی اخلاقی، سماجی اور معاشرتی اصلاحات کے بارے میں سرائیکی نثر میں لکھا گیا۔

محمد رمضان طالب کی کتاب ''محبوبؐ رب دا'' ۲۷ رمضان ۱۴۱۴ھ کو شائع ہوئی۔ اس کتاب میں حضورؐ کی سیرت کے پہلو اور رسول کریمؐ کے اوصاف، معاشرے کی اصلاح کرنے والی شخصیت، قوم کا محافظ و رہنما، نبوی تعلیمات وغیرہ جیسے عنوان کے تحت بھی لکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر کی سرائیکی نثر میں سیرت نبویؐ کے حوالے سے تین ضخیم کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ طالب صاحب کی متذکرہ بالا کتاب اور آئندہ ذکر کی جانے والی کوثر ثمرین کی کتاب کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی تینوں کتابوں پر مسعود کھدر پوش ایوارڈ مل چکا ہے۔ طرہ امتیاز یہ کہ ڈاکٹر صاحب کی تینوں کتابوں کو مسلسل تین سال ہجرہ ایوارڈ حاصل ہوا ہے۔ پہلی کتاب ''سئیں سوہنڑھیںؐ دی سیرت'' ہے جو ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور مئی ۱۹۹۴ء کی تاریخ اشاعت کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ اس میں آنحضورؐ کی منفرد زندگی اور اس کے اوصاف گنوائے گئے ہیں۔ شمائل نبویؐ اور سیرت کا صفحہ ۴۲۷ سے شروع ہوتا ہے جس میں گھریلو، معاشرتی، سیاسی اور عسکری زندگی پر بھی بحث کی گئی ہے۔ دوسری کتاب ''ذکر نبیؐ اپنڑیں تے اوپریں وچ'' ہے جو ۱۹۹۵ء میں شائع کی گئی اس کے دو حصے ہیں پہلے حصے ''ذکر نبیؐ اپنے میں آنحضورؐ کے برتاؤ اور خُلق کے بارے میں، رشتہ داروں، احباب، صحابہ کرامؓ اور غلاموں کے مشاہدے کا حال بیان ہوا ہے

جبکہ دوسرے حصے ''ذکر نبیؐ تے او پرے'' میں اُن لوگوں کی باتیں ہیں جنھوں نے عقل مندی سے آپؐ کی زندگی کا مطالعہ کیا اور اپنی فکر کو لفظوں کا رنگ دیا۔ تیسری کتاب ''سئیں سوہنڑیںؐ دا خُلق'' ہے جو ۱۹۹۶ء میں سامنے آئی۔ ساڑھے پانچ سو صفحے کی اس کتاب کے پانچ حصے معمولاتِ پیغمبر، معاملاتِ رسول، فضائلِ پیغمبر، رذائل پیغمبر اور زندگی کے عنوانات سے لکھے گئے ہیں۔ یہ تینوں کتابیں خالص اور میٹھی سرائیکی زبان میں لکھی گئی ہیں۔

مئی ۱۹۹۷ء میں ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کی ''سئیں سوہنے دا ذکر'' (ذکرِ نبیؐ رسولاں وِچ) کے عنوان سے سرائیکی سُدھ سَراں ملتان نے شائع کی۔ صفحات ۲۸۸ ہیں۔ اِسی مصنّف کی اِس ادارے سے مزید یہ کتب چھپیں۔

۱۹۹۸ء میں ''سئیں سونڑھیںؐ دا کمال'' صفحات۔ ۴۸۰

۱۹۹۹ء میں ''سئیں سونڑھیںؐ دا جلال'' صفحات۔ ۵۴۴

جبکہ ساتویں اور آخری کتاب ۲۰۰۰ء میں ''سئیں سونڑھیں دا جمال'' صفحات۔ ۵۹۲

سیرتِ نبویؐ پر ایک نئے حوالے سے لکھی گئی کتاب کوثر ثمرین کی ''خوشبو بھریاں چھاواں'' ہے۔ اگرچہ کتاب بنیادی طور پر امہات المومنین کی حیات مبارکہ اور فضائل پر ہے مگر جیسے کہ ضرورت تھی کہ ہم آنحضورؐ کی پاک زندگی کے مختلف حوالوں سے لکھیں تو ایک بہت ہی اہم اور قابلِ ذکر پہلو عائلی زندگی کے حوالے سے بنتا تھا۔ ہمارے سامنے آنحضورؐ کی زندگی ہی سب سے بڑا معیار ہے۔ حضورؐ نے عورتوں کے بارے میں کیا فرمایا؟ حضورؐ نے اپنی پاک ازواج کے ساتھ کیسے نباہ کیا؟ کوثر ثمرین خود لکھتی ہیں:

''ضرورت اس بات کی ہے کہ حضور کی قربت میں رہ کے زندگی کی حقیقت کا بہترین مقصد حاصل کرنے اور اِکتسابِ علم و فیض کرنے والی ان خواتین کی حیاتِ طیبہ کا گہرا مطالعہ کیا جائے کیونکہ ازواجِ مطہرات کی زندگی سے ہی ہمیں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا صحیح عکس ملتا ہے جو صحیح

معنوں میں ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو روشنی عطا کر سکتا ہے''۔

اکتوبر ۱۹۹۷ء میں محمد رمضان طالب کی شائع ہونے والی ۴۷ صفحات کی کتاب ''سوہنے سئیں دے سوہنے سنیہے'' بھی سیرت نبویؐ کے سلسلے کی کتاب ہے۔ ۵۵ خطوط کے اس مجموعے کے علاوہ محمد رمضان طالب کی دیگر کتب میں ''مدنی سئیں دے سوہنے سنیہے'' جو ۶۳ عنوانات اور ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے، ۱۹۹۹ء میں ''سوجھل خبراں'' صفحات ۴۸۔ اِس میں صحابہؓ کے دین کے بارے میں سوالات اور نبی کریمؐ کے جواب سرائیکی ترجمے کے ساتھ شامل کیے گئے ہیں، اپریل ۲۰۰۵ء میں، جبکہ ''سوجھل سیرت'' حضرت محمدؐ کی حیاتِ طیبہ پر ۶۲ عنوانات اور ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ۲۰۰۷ء میں فریدؒ سرائیکی سنگت ڈیرہ غازیخان نے شائع کیں۔

سرائیکی نثر میں سیرت کے حوالے سے اردو زبان کی دو کتابوں کے تراجم بھی شائع کیے گئے ہیں۔ پہلی کتاب علامہ شبلی نعمانی کی کتاب ''سیرۃ النبیؐ'' حصہ دوم کے باب ''اخلاق نبوی'' کا ترجمہ ہے جسے فدائے اطہر نے ''سوہنے دا خلق'' کے عنوان سے کیا ہے۔ ۱۴۵ صفحے کی یہ کتاب ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔ دوسری کتاب مولانا احمد سعید دہلوی کی کتاب ''معجزاتِ رسولؐ'' کا ترجمہ ''رسول کریمؐ دے معجزے'' ہے جسے دلشاد کلانچوی نے ترجمہ کیا ہے۔ ۲۱۶ صفحے کی یہ کتاب مئی ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ دونوں کتابیں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کی ہیں۔

اب اُن سرائیکی نثری کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں جزوی طور پر سیرتِ نبویؐ پر لکھا گیا ہے۔ یکم جنوری ۱۹۸۸ء کو دلشاد کلانچوی کی بچوں کے لیے کہانیوں اور مضمونوں کا مجموعہ ''ماء مترائی تے مٹھو طوطا'' شائع ہوئی تو اس میں ایک مضمون ''بختاور ڈاچی'' موجود ہے ، جس میں آنحضورﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے سفر کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب ۱۹۸۹ء میں نذرات اشاعت ربوہ کی طرف سے خان محمد لسکانی کی ترجمہ شدہ کتاب ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانی جماعت احمدیہ دے کتابیں وچوں چونڑویں حصے'' شائع ہوئی تو اس میں صفحہ ۹ تا ۱۶ پر آنحضرت

ﷺ کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ مئی ۱۹۹۲ء میں دلشاد کلانچوی کے مضمونوں کا مجموعہ ''سرائیکی گل پھل'' شائع ہوا تو اس میں ''فضائلِ نبوی'' کے عنوان سے ایک مضمون شامل کیا گیا ہے۔ یکم مارچ ۱۹۹۳ء کو اخلاق احمد سعید مرحوم کی کتاب ''ڈاہ نبی'' فریدؒ سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان نے شائع کی جس میں حضرت محمد ﷺ پر بھی ایک مضمون شامل کیا گیا ہے۔ ۲۹ جولائی ۱۹۹۶ء کو پاکستان سوشل ایسوسی ایشن صادق گڑھ پیلس بہاولپور نے جاد حیدر پرویز کا ترجمہ شدہ کتابچہ ''خلقت دی داری'' شائع کیا، جس میں ''آنحضورؐ تے خلقت دی داری'' کے عنوان سے بھی لکھا گیا ہے۔ اکتوبر ۱۹۹۶ء میں منظور اعوان کی مرتبہ اور ترجمہ شدہ کتاب ''وڈّے لوک وڈیاں گالھیں'' شائع ہوئی جس میں انبیاء، صحابہؓ، اولیاء اور مشہور لوگوں کے اقوال اور ان کی زندگی کے سبق آموز واقعات شامل ہیں۔ آنحضورؐ کے حوالے سے ''محنت دی عظمت، عشق رسولؐ، اولاد دی تربیت، مفلس کون ہے، میکوں گناہ دی موکل ڈیو، رحمتِ عالم، صدقہ کیا ہے؟ صبر کیا ہے؟ چنگا اخلاق تے بہترین سلوک، سفارش دی نامنظوری اور نماز دی فضیلت'' شامل ہیں۔

دیگر کتب میں ۱۹۹۷ء میں فاصل پور کے سرائیکی شاعر خلیل احمد شودا مستوئی کی ''میلادِ محمد مصطفیٰ'' چھپی۔ اس میں میلاد شریف کے حوالے سے کچھ صفحے نثر میں بھی لکھے گئے ہیں۔ اکتوبر ۲۰۰۳ء میں مُسرت کلانچوی کی ''مکّی مدنیؐ'' صفحات ۲۳۲ کو اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے شائع کیا۔ ۳۹ عنوانات پر مشتمل سیرت کی اِس کتاب کو اکادمی ادبیات پاکستان نے خلافِ معمول تحقیقی ادبی نثر شُمار کر کے خواجہ فریدؒ ایوارڈ دیا۔ ۲۰۰۵ء میں قصبہ گجرات ضلع مظفر گڑھ کے بزرگ مُدرّس احمد بخش ملانہ کی ۳۲ عنوانات پر مشتمل ''عربی ڈھولا'' صفحات ۱۴۶ کو سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان نے شائع کیا۔ اِس کے علاوہ محبوب تابش کی ضخیم کتاب ''عیبوں خالی'' نومبر ۲۰۰۶ء میں برائٹ بکس لاہور نے ۸۱۰ صفحات پر مشتمل شائع کی۔ پیش لفظ ۲۸ فروری ۲۰۰۶ء کا تحریر کردہ ہے۔

Scanned with CamScanner

واریں

لُغوی اعتبار سے وارنا کا مطلب ہے قربان کرنا یا نچھاور کرنا مگر اصطلاحی مفہوم میں اس سے مراد وہ لمبی نظم ہے جس میں کسی لڑائی کی واردات بیان کر کے لڑنے والوں کی بہادری کے گیت گائے گئے ہوں یا وہ رزمیہ نظم جس میں کسی لڑائی کے مسلسل واقعات ہوں جن کے پڑھنے یا سننے سے جوش پیدا ہو۔ وار کی ایک اور تعریف کسی بہادر کی بہادری کا قصہ کہتے ہوئے صدقے وارے جانے کے حوالے سے ہے۔ مختصر یہ کہ وار مختصر کہانی والی وہ بیانیہ نظم ہے جسے گایا جاسکتا ہے:

شاہ عظیم ائیں جنگ دیاں لوک گاسن واراں

وار کسی ایک واقعے پر زور دیتی ہے اور جذباتی فضا میں کسی کردار پر خاص توجہ دیتی ہے یا کسی اہم بات یا صورتِ حال کا تصوّر اُبھارتی ہے۔ بعض دفعہ بیرونی حملہ آوروں کے آنے اور مقامی بہادروں کے مقابلے یا مزاحمت کرنے پر بھی نظمیں لکھی جاتی ہیں۔ یہ بھی وار کے ضمن میں آتی ہیں۔

سرائیکی میں وار کی ایک شکل پوڑی کے نام سے متعارف ہے۔ اس کی تعریف بھی وہی کی جاتی ہے جو پوڑی کی کی جاتی ہے۔ نصر اللہ خان ناصر اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے ''سرائیکی شاعری دا ارتقاء'' جون ۱۹۸۸ء میں صفحہ ۲۰۱ پر لکھتے ہیں:

''پوڑی وہ رزمیہ نظم ہے جس میں کسی جنگ کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں''۔

سعید بھٹہ ''کلیاتِ شاہ عظیم'' میں لکھتے ہیں:

''لہندی کے علاقے میں وار کی جگہ اِس صنف کو پوڑی کہا گیا ہے''۔ (ح۔۲۲)

مگر شوکت مغل اِس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ وار مکمل نظم ہوتی ہے اور پوڑی اِس کا ہر بند''۔(ح۔۲۳)

یہ بات نواب سیال نے بھی کہی ہے۔لکھتے ہیں:

''اصل میں وار میں آئے بندوں کو پَوڑی کہا جاتا ہے''۔(ح۔۲۴)

بہرحال سرائیکی زبان میں واریں یا پوڑیوں کی تاریخ دیکھنی ہو تو پہلے سرائیکی کے رزمیہ ادب پر نگاہ ڈالنی ہوگی۔اس سلسلے میں ارشد ملتانی کے مضمون ''سرائیکی دا رزمیہ ادب'' (مطبوعہ ''سرائیکی'' جنوری ۱۹۷۲ء) سے لے کر میر حسان الحیدری کے مقالے ''سرائیکی ادب'' کا یہ فقرہ ہماری رہنمائی کرسکتا ہے کہ:

''سرائیکی میں مذکورہ بالا دتوں کے کبتوں کے علاوہ ایک ترجمہ قرآن اور بہت سی طویل رزمیہ نظموں کا بھی سراغ ملتا ہے''۔(ح۔۲۵)

''ماہِ نو'' کراچی کے شمارہ جون ۱۹۵۲ء میں اختر وحید نے اپنے مضمون ''ملتانی زبان کی تاریخ'' میں دَت قوم (جو حسینی بھی کہلاتے ہیں) کا ایک قدیم ملتانی کبت درج کیا ہے۔اسے سرائیکی کے قدیم رزمیہ ادب کے ساتھ ساتھ وار کی ابتدائی شکل قرار دیا جاسکتا ہے۔اس سلسلے میں مظہر عارف کا یہ بیان کافی دلچسپ ہے:

''لوک ادب اور لوک تاریخ روایتی طور پر شعروں میں لکھی گئی ہے۔لوک شاعری زیادہ تر جذبوں کی ترجمان ہے جبکہ واریں سماجی اور سیاسی حالات کا آئینہ ہیں۔جہاں بھی قومی حقوق کی تحریکیں چلی ہیں وہاں کے قوم پرستوں نے تاریخی ورثے کی تلاش کی ہے۔تعمیرِ تاریخ کے اس کام میں واریں اہم ترین ذریعے بنتی ہیں۔آج سرائیکی واریں اکٹھا کرنا درحقیقت سرائیکی تاریخ لکھنا ہے''۔(ح۔۲۶)

سرائیکی میں سب سے زیادہ واریں ملتان کی تاریخ اور تاریخی شخصیات کے حوالے سے سامنے آئی ہیں۔ ایسی واریں مندرجہ ذیل کتابوں میں موجود ہیں:

نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد	عمر کمال خان	فاروقیہ کتب خانہ ملتان	۱۹۷۸ء
لہندی شعریت	پروفیسر شاہین ملک	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور	۱۹۸۷ء
ملتانی واراں	عمر کمال خان	بزم ثقافت ملتان	اپریل ۱۹۹۱ء
کلیات شاہ عظیم	سعید بھٹہ	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور	اگست ۱۹۹۱ء
ملتان دیاں واراں	شوکت مغل	سرائیکی ادبی بورڈ۔ملتان	مئی ۱۹۹۴ء (طبع دوم ۲۰۰۴ء)
ویٖن	مہر مظفر علی خان	طاہر چنز ایڈووکیٹ جھنگ	۱۹۹۷ء
ملوہیاںدا اسہاگن	شبیر حسن اختر	سرائیکی ریسرچ سن BZU ملتان	۲۰۰۴ء

جبکہ ''نادر شاہ دی وار'' دو کتابوں میں موجود ہے

نادر شاہ دی وار	نواب سیال	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور	ستمبر ۱۹۸۹ء
سرائیکی تاریخی واراں	م۔ی قیصرانی	ریپبلکن بکس لاہور	مارچ ۱۹۹۴ء

سرائیکی زبان میں تاریخی واروں پر تحقیقی کام کرنے والا اہم نام م۔ی قیصرانی کا ہے جن کی مرتبہ چار واریں ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' میں شائع ہوئیں۔

۱۔ صوبھے دی وار (اکتوبر ۱۹۸۴ء)۔

۲۔ لائل پور دی وار (جولائی اگست ۱۹۸۸ء)

۳۔ رابرٹ سنڈیمن دی وار (مئی ۱۹۹۲ء) اور

۴۔ شملے دی وار (فروری ۱۹۹۶ء)۔

''صوبھے دی وار'' کو عمر کمال خان نے ''ملتانی واراں'' میں اور شوکت مغل نے ''ملتان دیاں واراں'' میں شامل کیا ہے۔

م۔ی قیصرانی کا تحقیقی کام بالآخر ''سرائیکی تاریخی واراں'' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہوا تو ''سرائیکی ادب'' ہی میں دو فاضل نقادوں نے ان کے کام کی تعریف کی۔ اسماعیل احمدانی کا تبصرہ مئی ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا جبکہ ڈاکٹر اسلم عزیز درانی اپنے تبصرے میں لکھتے ہیں:

''اس (م ی قیصرانی) کے ادبی ذوق نرالے، منفرد، انوکھے اور مشکل ہیں۔ یعنی تحقیق و تفتیش خصوصاً سرائیکی کی تہذیب اور ثقافت کا کھوج اور اس کی بازیافت''۔ (ح۔۲۸)

اس بات کی تصدیق اس طرح بھی ہوتی ہے کہ خود م۔ ی قیصرانی نے اپنی کتاب مطبوعہ مارچ ۱۹۹۴ء میں لکھا تھا کہ ''مشہور شملہ شاہ دی وار باوجود تلاش کے نہیں مل سکی'' (ح۔۲۹) مگر یہ ان کی جستجو ہی کا نتیجہ ہے کہ تقریباً دو سال بعد (سرائیکی ادب فروری (۱۹۹۶ء) وہ مکمل وار تلاش کر کے چھپوا چکے ہیں۔

سرائیکی میں تاریخی واروں کے بعد دوسری بڑی قسم روحانی واروں کی ہے۔ مذہبی ماحول میں لکھی گئی وار کو ہم روحانی وار کہہ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے ایک قدیم پوڑی (جو گیارھویں بارھویں صدی کے درمیان لکھی گئی) کا ذکر کیا ہے جس کے آٹھ بندوں میں سے چار بندوں میں ملتان، اوچ اور پاکپتن کے بزرگوں کے حوالے اور ان سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ (ح۔۳۰) اسی طرح نجم حسین سیّد (پیدائش ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء) کی ''ملتان شہر دی وار'' شائع ہوئی۔ (ح۔۳۱) یہ ایک طویل بیانیہ نظم ہے جس میں حضرت شاہ شمس ملتانی کو علامتی طور پر ان قدروں کے خلاف لڑتے ہوئے دکھایا گیا ہے جو سماج پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے حاکموں، سرمایہ داروں اور ان کے گماشتوں کی قائم کی ہوئی تھیں۔ م۔ ی قیصرانی نے بھی اپنی کتاب میں (صفحہ ۴۳ تا ۵۴) سمینہ کے بزرگ سید عبداللہ کی وار شامل کی ہے۔ قیصرانی ''عبداللہ شہ آف سمینہ دی وار'' کی تفصیل بتاتے ہیں کہ مرانی جنھوں نے پندرھویں صدی عیسوی سے اٹھارہویں صدی عیسوی کے تقریباً ۳۰۰ سال تک ڈیرہ غازی خان پر حکومت کی، ان کا ایک سردار سلیمان خان سمیسن تھا جسے نواب غازی خان نے موجودہ ڈیرہ غازی خان سے سات میل شرقی جنوب میں دریائے سندھ کے مغربی کنارے کا علاقہ جاگیر کے طور پر دیا (یوں یہ علاقہ سمیسن سے سمینہ بن گیا) کچھ عرصہ بعد سمیسن قبیلے کے پیر سید عبداللہ شاہ شامی اٹھارویں صدی عیسوی میں

یہاں آ کر آباد ہوئے۔ (یہ حافظ جمال اللہ ملتانیؒ ۱۸۰۸ء کے ہم عصر تھے)۔ پیر عبداللہ شاہ کی صوفیانہ کرامات سے متعلق کیپٹن آر سی ٹمپل نے ''دی لیجنڈ آف دی پنجاب'' جلد دوم مطبوعہ ۱۸۸۵ء میں ایک قصہ بھی مسٹر لانگ ورتھ ڈیمز کے حوالے سے شامل کیا ہے جو اسے روجھان کے غلام محمد بالا چانی مزاری بلوچ نے سنایا تھا۔ یہ وار اسی قصے سے متعلق ہے۔ وار کے واقعات ۱۷۳۹ء۔ ۱۷۶۹ء کے درمیان کے ہیں۔ (یہ دور محمود خان گجر کا دور ہے جسے ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے ڈیرہ غازی خان میں اپنا نائب تسلیم کیا تھا اور جو عملاً ۱۷۶۹ء تک گورنر رہا)۔

اسی طرح ایک قسم وہ ہے جس میں تہذیب کی تباہی و بربادی پر بھی واریں لکھی جاتی ہیں اور جو شہر آشوب کہلائی جا سکتی ہیں۔ شوکت مغل اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''سقوطِ ملتان کو شاعروں نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ نواب سرفراز خان، منشی غلام حسن شہید، لالہ سوہن لال، گنیش داس پنگل، دلپت رائے لاہوری، نظام، شاہ عظیم، سوبھا شجاع آبادی، میر ساجد علی فنائی اور اس کے علاوہ بہت سے دیگر شعراء نے مظفر خاں کی بہادری، ملتان کی بربادی اور زمانے کی تبدیلی پر نظمیں، واریں وغیرہ لکھیں۔ ملتان کا زوال بڑے عرصے تک شعراء کا موضوع رہ گیا۔۔۔ نظام نے ایک سہ حرفی میں مظفر خان کی بہادری کی تعریف اور ملتان کی بربادی کا نوحہ لکھا۔ ملتان کی تباہی والا حصہ شہر آشوب ہے''۔

میر حسان الحیدری لکھتے ہیں:

''غلام سکندر غلام آف قصبہ بھکر (ڈیرہ اسماعیل خان) پیدائش ۱۸۱۸ء کی مشہور عالم شہر آشوب نظم کا نام ''وار تھل'' ہے''۔ (ح۔۳۳)

دلشاد کلانچوی اس وار کے متعلق لکھتے ہیں:

''انھوں نے تھل کی قحط سالی کے عبرت ناک واقعہ کو وار کی شکل میں لکھا۔
ان کی یہ وار سرائیکی شعری ادب میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ اگر چہ یہ
وار محض ۵۷ شعروں میں ختم کر دی گئی ہے مگر اس کا تاثر دیکھنے کے قابل
ہے''۔(ح۔۳۴)

شہر آشوب کی ایک اور مثال بھی ہے جس میں وار کے عناصر تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ ''سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں'' میں ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اسے ''سرائیکی کی پہلی شہر آشوب نظم'' کا نام دیا ہے۔ ساٹھ بند پر مشتمل یہ نظم محمد بخش فائق ملتانی (۱۸۳۹ء۔۱۹۰۸ء) کی ہے۔ جس میں روحانی وار کے حوالے سے:

ایھو ڈا فقیراں دا حشر توں تریں رہے جگدا

جیسے مصرعے اور انگریزی نظامِ عدل پر تنقید کے حوالے سے صفحہ نمبر ۳۶۳ پر دیے گئے چار اور ۳۶۴ پر تین یعنی سات بند شامل ہیں۔ خیال رہے کہ وار کا تعین موضوع سے کیا جاتا ہے، ہیئت سے نہیں۔ مگر کچھ طویل نظموں کو وار کے متعینہ موضوعات سے ہٹ کر بھی وار کہا گیا ہے جن میں ایک بڑا حصہ طنزیہ و مزاحیہ واروں کا ہے جیسے مشتاق دلیوالوی نے عاشق راں کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''ہمارے لوک گیتوں سے مختلف شاعری کی ایک قسم وار بھی ہے۔ عاشق
راں کی لکھی ہوئی واروں میں ان کی ایک وار ''بنو رانی'' ہے۔ جس میں
ماں بیٹی کو سبق دیتی ہے کہ تمھیں سسرال جا کر کیا کرنا ہے''۔(ح۔۳۵)

یہاں تک کہ م۔ ی۔ قیصرانی نے بھی ''سرائیکی تاریخی واراں'' میں ''بوڑ ۱۹۷۳ء'' پر محمد یار بیرنگ کی طنزیہ و مزاحیہ وار شامل کی ہے۔

سرائیکی میں وار کی ایک اور قسم بھی ملتی ہے جسے سماجی وار کہہ سکتے ہیں۔ شوکت مغل

کا کہنا ہے:

''جدید سرائیکی واریں لکھنے والوں میں نور محمد تونسوی کا نام نمایاں ہے۔
اُس نے سماجی نظموں کو وار کی شکل میں لکھا ہے۔ اس کی واروں میں
''سنگھڑ ئیں دی وار'' اور ''الیکشن دی وار'' بہت مشہور ہیں''۔(ح۔۳۶)

سرائیکی میں واریں لکھنے کا رواج تقریباً دو صدی سے عام ہے۔ مثلاً اللہ داد کلاچی (وفات ۱۸۵۹ء) کی ''شعر دی وار'' بہت مشہور ہوئی ہے۔ لیہ کے اماموں مکڑ نے، ڈیرہ غازی خان کے رحیم لاشاری نے اور میانوالی کے مرحوم اکبر شاعر نے بھی سرائیکی واریں لکھی ہیں۔ سیٹھ محمد عبیدالرحمٰن لکھتے ہیں:

''بہاولپور کے نوابوں نے اپنے وزیر اعظم نصیر گو گیج اور احمد خان ملیزئی کو قتل کیا۔ یہ دونوں دردناک واقعے ہیں اور اس وقت کے شاعروں نے ان کو منظوم کیا اور یہ واریں وقت کے حکمرانوں کی مخالفوں سے دردناک جنگوں اور قتل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے لوگ اِن کو چھپ چھپ کر سنتے تھے اور یہ واریں محفوظ نہ رہ سکیں۔ ''احمد خان ملے زئی دی وار'' جو ڈیڑھ سو سال پرانی ہے، کا کچھ حصہ سن کر میں نے لکھ لیا ہے''۔
(ح۔۳۷)

نصر اللہ خاں ناصر لکھتے ہیں:

''سوبھا فقیر شجاع آبادی نے بھی گور گیج بلوچوں کی امیر آف بہاولپور سے جنگ اور احمد خاں پٹھان کی نواب آف بہاولپور سے جنگ کے واقعات پر دو پوڑیاں لکھیں''۔(ح۔۳۸)

ناصر نے دوسری پوڑی جس کا سیٹھ عبیدالرحمان نے ذکر کیا ہے، نمونہ بھی درج کیا ہے۔

سعید بھٹہ نے ''کلیات شاہ عظیم'' میں مظفر خاں دی وار کے علاوہ عظیم کی دو اور پوڑیاں ''ساہیوال (ملتان ڈویژن) دی پوڑی'' اور ''پوڑی احمد خاں سیال'' بھی شامل کی ہیں۔ اسی طرح شوکت مغل نے اپنی کتاب میں صفحہ ۳۶۔۳۷ پر پچیس مصرعوں کی ایک غیر مطبوعہ ادھوری وار نقل کی ہے جبکہ م۔ی۔ قیصرانی نے دور حاضر کے شاعر صوفی محمد یار بیرنگ (پیدائش ۱۹۴۰ء) آف ماڑی اچھے شاہ، نواں کوٹ، تحصیل خان پور کی دو واریں ''بوڑ ۱۹۷۳ء دے حوالے نال وار'' صفحہ ۹۷ تا ۱۰۲ پر (اس میں اگست ۱۹۷۳ء کے سیلاب میں حکومت کی امداد اور نگرانی کے باوجود لوگوں کی ہاتھ کی صفائی کو ۸۷ مصرعوں میں کہ ''جن میں ۱۷ ٹیپ کے مصرعے ہیں'' بیان کیا ہے) دوسری وار ''پاک بھارت جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء دی وار'' صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۸ پر ہے (اس کے ۹۰ میں سے ۷۶ مصرعے شامل کیے گئے ہیں۔ جنگ کے دوران سرکاری مؤقف کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے) شامل کی ہیں۔ اب سرائیکی کی مطبوعہ مشہور واروں کا جائزہ چھ عنوانات کے تحت لیتے ہیں۔

ا۔ نواب مظفر خاں شہید (۱۷۵۷ء تا ۱۸۱۸ء)

نواب مظفر خاں کے بارے میں واریں یا پوڑیاں ''لہندی شعر ریت'' (صفحہ ۲۵۹ تا ۲۸۷) ''کلیات شاہ عظیم'' (صفحہ ۴۰ تا ۷۳) ''ملتانی واراں'' (صفحہ ۱۹ تا ۳۵) اور ''ملتان دیاں واراں'' (صفحہ ۴۴ تا ۲۰۰) وغیرہ میں موجود ہیں۔ یہ واریں رنجیت سنگھ کی فوجوں سے نواب کی ۱۸۱۸ء میں لڑائی کے بارے میں ہیں۔ نواب ۱۸ فروری ۱۷۸۰ء سے ۲ جون ۱۸۱۸ء تک ملتان کا گورنر رہا۔ ۶۱ سال کی عمر میں اپنی بیٹی بخت بھری، پانچ بیٹوں شاہ نواز، ممتاز، شہباز، اعزاز، حق نواز، ۴۴ دیگر رشتہ دار اور سینکڑوں ملتانیوں کے ہمراہ شہید ہوا۔ دو بیٹے سرفراز اور ذوالفقار گرفتار ہوئے۔ نواب پر چار واریں ''ملتان دیاں واراں'' میں شامل کی گئی ہیں۔

Scanned with CamScanner

۱۔ پہلی وار شاہ عظیم کی ''ملتان دی وار عرف پوڑی نواب مظفر خان'' ہے جو''لہندی شعر ریت'' اور ''کلیات شاہ عظیم'' کے علاوہ ''ملتان دیاں واراں'' میں صفحہ ۱۰۷ تا ۲۰۰ پر ہے۔ عمر کمال خان ''ملتانی واراں'' میں لکھتے ہیں:

''نواب مظفر خاں شہید اور اس کا عہد'' نامی کتاب اردو زبان میں تصنیف کی تو نواب مظفر خاں شہید کے کارناموں کے بارے میں مختلف زبانوں میں شعری مواد اکھٹا کر کے ایک باب کی شکل میں اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا۔ اس موقع پر میری تحقیق کے مطابق اس موضوع پر سرائیکی زبان کی سب سے بڑی رزمیہ نظم جھنگ کے شاہ عبدالعظیم کی ''پوڑھی مظفر خان'' تھی مگر افسوس کہ یہ نظم انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں شائع ہوئی تھی لیکن اس کا چھپا ہوا نسخہ آج تک نہیں مل سکا''۔ (ح۔۳۹)

جبکہ ''کلیات شاہ عظیم'' میں سعید بھٹہ بتاتے ہیں کہ:

''پوڑھی نواب مظفر خان'' کے چھپنے کے سال کی سب سے پہلی اطلاع عمر کمال کی تحریر ''نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد'' کے آخر پر ''سرائیکی کتابیات'' کے عنوان تلے ''پوڑھی مظفر خان'' ۱۸۹۸ء سے ملتی ہے مگر یہ حوالہ ڈاکٹر شہباز ملک کے ایم اے پنجابی کے مقالے ''فارسی رسم الخط وچ چھپیاں پنجابی کتاباں'' سے لیا گیا ہے جس کے مطابق ''عظیم علی شاہ سید''، ''پوڑھی مظفر خان'' نامی مجتبائی پریس لاہور۔ ۱۸۹۵ء صفحات ۲۰'' ہے۔ مگر ایک دستیاب نسخہ جو صابر ملتانی نے نامی مجتبائی پریس ہی سے شائع کرایا ہے اس پر سال اشاعت نہیں ہے''۔ (ح۔۴۰)

شاہ عظیم ولد شیخ احمد موضع واصل تھانہ مقن تحصیل جھنگ کے تھے۔ وہ ۱۷۸۰ء میں پیدا

ہوئے۔ یہ وار ۱۸۲۰ء کے قریب لکھی جو کہ چھوٹے بڑے ۶۰ بندوں پر مشتمل ہے (سعید بھٹہ نے ۵۲ بند دیے ہیں) سب سے بڑا بند نمبر ۳۴ ہے جو ۳۶ مصرعوں کا ہے۔ سب سے چھوٹا بند نمبر ۵۰ ہے جو صرف تین مصرعوں کا ہے۔

دوسری وار نظام کی ''ملتان دی وار المعروف مظفر خاں دی وار'' ہے یہ وار ''ملتان دیاں واراں'' میں صفحہ ۸۸ سے ۱۰۶ پر ہے۔ یہ قلمی نسخہ مملوکہ حبیب فائق سے لی گئی ہے۔ اس کے ۲۳ بند اور کل ۹۲ مصرعے تھے۔ ۵ مصرعے قلمی نسخے میں موجود نہیں لہٰذا اب تعداد ۸۷ ہے۔ نواب مظفر خان کی شہادت کے وقت شاعر زندہ تھا۔ یہ وار شہر آشوب کے دائرے میں داخل ہو گئی ہے۔ شوکت مغل نے اس کے لہجے کو اُبھچڑی یعنی عبدالحکیم، شورکوٹ اور جھنگ کے نواح میں بولا جانے والا لہجہ کہا ہے۔

۳۔ تیسری وار دلپت رائے لاہوری کی ہندی وار ''مظفر خاں دی وار'' ہے جو ''ملتانی واراں'' میں صفحہ ۱۵ سے ۲۷ پر اور ''ملتان دیاں واراں'' میں صفحہ ۴۵ سے ۵۹ پر ہے۔ یہ وار سکیمپ کی ''ملتانی سٹوریز'' سے لی گئی ہے۔ اس رزمیہ نظم کے سات بند ہیں۔ ہر بند کے تین مصرعے اور بعد میں ٹیپ کا مصرعہ ہے آخری بند ۵ مصرعوں کا ہے۔ اس طرح یہ نظم ۲۹ مصرعوں پر مشتمل ہے۔ شوکت مغل نے لکھا ہے:

''اس وار کی زبان میں سرائیکی زبان کی جھلکیاں صاف دیکھی جا سکتی ہیں''۔

خیال رہے کہ بہاولنگر کے فضل فرید لالیکا اس وار کو دلپت رائے لاہوری کی بجائے میاں رحموں کی وار بتاتے ہیں۔

۴۔ چوتھی وار میاں رحموں کی ''مظفر خاں دی وار'' ہے جو ''ملتان دیاں واراں'' میں صفحہ ۶۲ تا ۸۵ پر ہے۔ اسے ششماہی ''کھوج'' لاہور (جنوری تا دسمبر ۱۹۹۱ء شمارہ ۱۳، ۱۴) میں صفحہ ۸۹ تا ۱۰۸ بعنوان ''مظفر خان دی ڈنگ / پوڑی'' سے لیا گیا ہے۔ فضل فرید لالیکا نے اس کے ۲۱ حصے کیے

ہیں۔ وہ میاں رحموں کو ریاست بہاولپور اور اشارتاً بہاولنگر کا باسی اور شاعر کو نواب مظفر خاں کے زمانے کا بتاتے ہیں۔ اس کے اکیس بند میں ۸۴ مصرعے ہیں۔ ۶۴ مصرعے اصل اور ۲۰ ٹیپ کے۔ شوکت مغل میاں رحموں کی زبان کو اور دلپت رائے کی زبان کو ایک مانتے ہیں۔ (گویا فضل فرید کی بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ یوں دونوں واریں میاں رحموں کی ہیں)۔ شوکت مغل اس وار پر سرائیکی اثرات کی وضاحت کرتے ہیں جیسے مصرعہ نمبر ۵۹ میں بھونچال کے لیے خالص سرائیکی لفظ ''بھمب'' (جو بھوئیں امب کا مخفف ہے)۔ (ح۔۴۲)

۵۔ مہر ظفر علی خاں کی کتاب ''وین'' میں بھی نواب مظفر خاں کی وار شامل ہے جو انھوں نے کسی عورت سے سن کر لکھی ہے۔ اظہر علی اس کے بارے میں بتاتے ہیں کہ:

''نواب مظفر خاں کی وار کے وہ حصے وین کی خوبصورت مثال ہیں جن میں ملتان کا آخری حکمران نواب اپنے سات بیٹوں اور ایک بیٹی کے ساتھ بہادری سے لڑتا ہوا دھاڑوی سکھ فوج کے ہاتھوں مارا جاتا ہے''۔ (ح۔۴۳)

۲۔ دیوان مُولراج (وفات ۱۱۔ اگست ۱۸۵۱ء)

دیوان مولراج جو ۱۸۴۴ء میں گورنر ملتان بنا اور ۲۲ جنوری ۱۸۴۹ء کو انگریزوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ سوبھا شجا آبادی کی وار ''مولے دی وار'' جسے ملتان دی وار اور مولراج دی وار بھی کہا گیا ہے، ''ملتانی واراں'' (صفحہ ۲۹ تا ۱۱۲)، ''ملتان دیاں واراں'' (۲۰۳ تا ۲۴۰) اور ''سرائیکی تاریخی واراں'' (صفحہ ۵۶ تا ۹۶) پر دی گئی ہے۔ یہ واحد سرائیکی وار ہے جسے واروں کے تینوں سرائیکی مرتبین نے شامل کیا ہے۔ یہ وار ڈسٹرکٹ گزیٹر ملتان (طبع اول ۲۔۱۹۰۱ء طبع دوم ۲۴۔۱۹۲۳ء) سے لی گئی ہے۔ انگریزی ترجمہ مسٹر مکلیکن افسر بندوبست کا ہے۔ عمر کمال خان لکھتے ہیں کہ ''اسے اردو رسم الخط میں ''امروز'' اخبار میں بھی شائع کیا گیا تھا''۔ (ح۔۴۴) یہ وار ۴۹۔۱۸۴۸ء میں انگریزوں کے ملتان پر قبضے کے وقت مولراج اور انگریزی فوجوں کے درمیان لڑی

جانے والی لڑائی کے بارے میں ہے۔ یہ ۱۶۴ شعروں اور دو پوڑھیوں (پہلی ۱۱۴ اور دوسری ۵۰ شعر) پر مشتمل ہے۔ قیصرانی کے بقول سوبھے کا اصل بلوچی نام صوبدار تھا۔ باپ کا نام فاضل خاں بلوچ تھا جسے باقی سب نے چانڈیو مگر شوکت مغل نے تحقیق کر کے کلاچی لکھا ہے۔ بستی واہی تاج والا (جو شجاع آباد سے ۵۳ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے) کا رہنے والا صاحبِ حال وکمال مجذوب شاعر تھا۔ وار کا آغاز ۱۸۔ اپریل ۱۸۴۸ء کو انگریز افسروں اینڈرسن اور اگنیو (جن کی یادگار کہنہ ملتان پر سٹیڈیم کے پاس مخروطی شکل کے مینار میں آج بھی موجود ہے) کے ملتان کا قبضہ دیوان مولراج سے لے کر سردار کاہن سنگھ کو دلوانے کے لیے تین ہزار فوجیوں کے ہمراہ ملتان پہنچنے اور پھر مارے جانے سے ہوتا ہے اور مولراج کی گرفتاری کے واقعات پر مشتمل ہے۔ ایک شعر دیکھیے:

تھئی خراب خلقت ملتانی۔۔۔۔۔۔۔۔ رُلی جاء بجائی

۳۔ سر رابرٹ سنڈیمن (۱۸۳۵ء۔۱۸۹۲ء)

فورٹ سنڈیمن کے حوالے سے سر رابرٹ سنڈیمن سے ہم سب واقف ہیں۔ وہ ڈیرہ غازی خان میں بطور ڈپٹی کمشنر (۱۸۶۶ء۔ ۱۸۷۵ء) تعینات رہا۔ اس دوران اپنا گرمیوں کا ہیڈکوارٹر بلوچی علاقے کے اندر لے گیا اور اس جگہ کو کمشنر ڈیرہ جات ڈویژن منرو کے نام پر ''فورٹ منرو'' کا نام دیا۔ بغیر فوجی گارڈز یا دستے کے بطور مہمان تقریباً نصف ماہ اندرون کوہِ سلیمان کا دورہ کیا۔ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اس کا نام اس علاقے میں افسانوی حیثیت اختیار کر گیا۔ بلوچی اور سرائیکی میں اس دورے کے حوالے سے کئی واریں لکھی گئیں۔ بعد میں سنڈیمن ایجنٹ ٹو گورنر جنرل اِن بلوچستان رہا اور اس کی قبر بھی لسبیلہ بلوچستان میں ہے۔ مسٹر لانگ ورتھ ڈیمز (جو ڈپٹی کمشنر ڈیرہ غازی خان ۱۸۷۵ء تا ۱۸۹۶ء تھا اور فورٹ منرو کی جھیل اُس کے نام پر ڈیمس لیک کہلاتی ہے) نے ''پاپولر پوئٹری آف بلوچز'' میں یہ وار درج کی ہے جو ۱۸۷۰ء میں لکھی گئی۔ شاعر راجن پور کا دریشک بلوچ تھا۔ ڈیمز نے اِسے جٹکی لکھا ہے اور مغربی پنجابی کا لہجہ بتایا ہے۔ اس

عام سفر میں سنڈیمن کا دیسی ہیڈ ورنیکلر کلرک یا اسسٹنٹ لالہ ہتورام بھی ہمراہ تھا۔ بعد میں اُس نے یادداشت پر مبنی کتاب ''گل بہار'' بھی لکھی جسے حکومت پنجاب نے ۱۸۷۲ء میں شائع کرایا۔ وار کے واقعات کی اس کتاب سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔

۴۔ شَملہ شہ (زمانہ عروج ۱۹۳۰ء تا ۱۹۴۰ء)

''شملے شاہ دی وار'' م۔ ی قیصرانی نے ذاتی دلچسپی سے دریافت کر کے ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' (فروری ۱۹۹۶ء) میں شائع کرائی ہے۔ قیصرانی کے مطابق یہ ۱۹۴۰ء کی دہائی میں لکھی گئی اور سرائیکی علاقے میں مشہور ہوئی۔ رابن ہڈ کی طرح شملہ سرائیکی علاقے کا عوامی ہر دلعزیز کردار تھا جو انگریز حکومت کا باغی اور ہندو ساہوکاری کا دشمن تھا۔ مگر انگریزوں کے نزدیک ڈاکو، مفرور اور اشتہاری مجرم تھا جو تونسہ، وہوا اور لیہ کے زمینداروں کے ایماء پر اپنے ایک ساتھی حسن لاشاری کی وجہ سے گرفتار ہو گیا۔ جس کو انعام بھی نہ ملا اور عوامی پھٹکار بھی سہنا پڑی۔ قیصرانی کا خیال ہے کہ وار کے آخری بند میں مذکور نام ''عطن بھرا'' ہی اس وار کے شاعر کا نام ہے۔ یہ وار عوامی شاعری کا ایک شاہکار ہے۔

۵۔ نادر شاہ (پیدائش ۱۶۸۸ء)

نادر شاہ کی وار کا مطالعہ کرنے سے پہلے یہ بات قابل ذکر ہے کہ قدیم سرائیکی شعراء کے کلام کا مطالعہ کریں تو ''وار'' کے عناصر جزوی طور پر مل جاتے ہیں۔ مثلاً نادر شاہ کے حوالے سے علی حیدر ملتانی (۱۶۹۰ء۔۱۷۸۵ء) کی مثال لے لیجیے۔ وہ فرماتے ہیں:

ایہہ ایرانی نادر ظالم ، کہندے مول نہ سنگدے نی
دل دی دِلّی لُٹ گھدونے ، حیدر بیا کیا منگدے نی

یعنی وہ نادر شاہ کے حملے اور اس کے نتائج سے مطمئن نہ تھے۔ اس شعر میں وہ نادر شاہ کے حملے، اس کے ظلم وستم، لوٹ مار اور دہلی کو لوٹنے کا ذکر کرتے تھے۔ ان کے کلام میں نظام الملک

کے نادر شاہ سے مِل جانے کی باتیں بھی برملا ملتی ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار مغل وزیر نظام الملک کے حوالے سے ہیں جس نے نادر شاہ کے ساتھ ساز باز کر لی تھی۔

سِکّہ نظام الملک دا ہے ، ایہہ نئیں تیڈے بادشاہ دے نِیں
آپ سلُونڑیں ، بھاویں مِٹھے ، مُنکِر لُون دی راہ دے نیں
کر منصوبہ دلّی لُٹیندے ، ایہہ امیر سپاہ دے نِیں
حیدر دور قمروی صدقے ، اِس مُنہ سوہڑیں ساہ دے نِیں

''نادر شاہ دی وار'' نواب سیال کی کتاب میں صفحہ ۳۹ تا ۲۰۸ پر اور ''سرائیکی تاریخی داراں'' میں صفحہ ۱۲۹ سے ۲۱۸ پر موجود ہے۔ یہ ضلع شاہ پور (موجودہ سرگودھا و خوشاب) کے نجابت ہرل کی تخلیق ہے۔ سر ایڈورڈ میکلیگن (جن کی ملازمت کا زیادہ حصہ سرائیکی علاقے میں گزرا اور ضلع ملتان کا گزیٹر بھی اس کی زیرِ نگرانی لکھا گیا) نے ۱۸۹۲ء میں ۱۶۱ مصرعے نوٹ کیے۔ بعد میں رائے بہادر پنڈت ہری کشن کول (جس کی ملازمت کا زیادہ عرصہ بھی سرائیکی علاقے میں گزرا۔ مظفر گڑھ میانوالی میں ڈپٹی کمشنر رہے۔ مظفر گڑھ کا گزیٹر (۱۰۔۱۹۰۸ء) بھی اس کی نگرانی میں تحریر ہوا۔ ڈیرہ دین پناہ مقبرے کی مرمت وغیرہ بھی کروائی) نے انگریزی ترجمے سمیت مصرعوں کی تعداد ۸۵۴ تک پہنچائی اور پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی لاہور کے اجلاس ۲۶ ستمبر ۱۹۱۶ء میں پیش کیا جسے سوسائٹی نے انگریزی جرنل جلد نمبر ۶ شمارہ نمبر ۱ میں ویسٹرن پنجابی کا نام دے کر رومن رسم الخط میں شائع کیا۔ اس سے پہلے یہ وار ۱۹۰۰ء میں ''خالصہ ینگ مین میگزین'' میں، پھر خالصہ ٹریکٹ سوسائٹی نے ''نادر شاہ دی پوڑی'' کے عنوان سے شائع کی تھی۔ ۱۹۲۰ء میں پروفیسر باوا کرتار سنگھ نے لاہور سے گورمکھی میں چھپوایا ''پوڑی نادر شاہ'' کے عنوان سے اسی اثناء میں میاں محمد بخش مسکین ساکن تحصیل پھالیہ نے حافظ آباد گوجرانوالہ سے ۴۸ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کی۔ بعد میں ''نادر دی وار'' کے نام سے دسمبر ۱۹۶۰ء میں ۹۶ صفحے کے رسالے ماہنامہ ''پنجابی ادب'' میں اسے گورمکھی سے فارسی رسم الخط میں منتقل کیا گیا۔ شہباز ملک کا دعویٰ ہے کہ یہ

Scanned with CamScanner

''انھوں نے کیا'' (ح۔۴۵) جبکہ آصف خان کا دعویٰ ہے کہ یہ ''انھوں نے کیا'' (ح۔۴۶) غالباً بہاز ملک نے اسے منتقل کیا اور آصف خان نے اسے شائع کیا۔ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے ۸۵۴ مصرعے مرتب کر کے پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور سے ''نادر شاہ دی وار'' نامی کتاب میں پہلے ۱۹۶۴ء میں شائع کرایا بعد میں پنجند اکیڈمی لاہور نے ۱۹۸۷ء میں اسے دوبارہ شائع کیا۔ پھر بقول نواب سیال کے اس نے ۴۵ سال محنت کر کے اور مرتب کر کے پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور سے ۲۰۸ صفحے کی کتابی شکل میں ستمبر ۱۹۸۹ء میں شائع کرایا۔ نجابت نے یہ وار دو پوڑیوں میں مکمل کی۔ پہلی کے ۱۱۵ مصرعے اور دوسری کے ۴۹ مصرعے ہیں۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ وار شاہ چراغ کی ہے۔ نجابت ان کا شاگرد تھا مگر محمد آصف خان اس سے متفق نہیں۔

نادر شاہ کا حملہ ۳۹۔۱۷۳۸ء (مغلیہ سلطنت کے زمانہ زوال میں محمد شاہ رنگیلا کے عہد (۱۷۱۹ء۔۱۷۴۸ء) میں ہوا تھا۔ وار میں شاعر نے ابتداء میں بارھویں صدی ہجری میں برصغیر کی سیاسی اور سماجی حالت کا نقشہ باندھا ہے اور اس حملے کو مغلوں کے جد امجد امیر تیمور کے ایران پر حملے کا بدلہ قرار دیا ہے۔ م۔ی قیصرانی صفحہ ۱۴۳ پر وار کے شاعر کی ''تاریخ'' سے آگاہی کی داد دیتے ہیں کہ جب نظام الملک منصور علی خان (۱۶۷۱ء۔۱۷۴۸ء) دربار میں آیا اور خانِ دوراں نے توہین آمیز مذاق کیا کہ ''بوڑھے دکنی بندر کو ناچتے دیکھیے'' بہت سے غیر جانبدار مؤرخین نے اپنی کتابوں میں ہو بہو نقل کیا ہے۔ دراصل یہی واقعہ نظام الملک کی نادر شاہ کو ہندوستان پر حملے کی دعوت کا سبب بنا۔ م۔ی قیصرانی کے بقول شاعر نے کرنال کی جنگ ۱۴۔۱۵ فروری ۱۷۳۹ء کے بعد کا حال یعنی دہلی کے قتل عام کا ذکر نہیں کیا مگر نواب سیال کی کتاب میں م۔ی قیصرانی کا متن جو صفحہ ۱۸۳ تک ہے، اس سے آگے دہلی کے قتل عام کا ذکر ہے اور وار صفحہ ۱۹۲ پر جا کے ختم ہوتی ہے۔ (حالانکہ م۔ی قیصرانی نے بھی اس وار پر کافی محنت کی ہے۔ ۳۶ صفحے کا پس منظر اور ۶۴ صفحے کا متن شامل کیا ہے ۲۴۷ صفحے کی کتاب میں ۱۹۶ صفحے واروں کے لیے مخصوص ہیں اور یہی ایک سو صفحے پر پھیلی ہوئی ہے) م۔ی قیصرانی شعر گوئی کے حوالے سے وار کو ''سرائیکی کی پرانی رزمیہ شاعری یا

بیانیہ شاعری کا بہترین نمونہ قرار دیتے ہیں'' لکھتے ہیں کہ:

''یہ ضلع شاہ پور کے علاقے کے باسی کی تحریر ہے مگر اتفاق کی بات ہے کہ ضلع گوجرانوالہ کے مراثیوں سے اسے نقل کیا گیا ہے، جہاں کی زبان پنجابی ہے۔ چنانچہ ان وجوہات کی وجہ سے اس کی زبان میں پنجابی کے اثرات کا آجانا لازمی تھا''۔ (ح۔۴۷)

۶۔لائل پور (چناب کالونی گزیٹر۱۹۰۴ء کے مطابق یہ شہر لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کے سر جیمز لائل کے نام پر ۱۸۸۸ء میں بسایا گیا تھا)۔

''لائل پور دی وار'' م۔ی قیصرانی نے صفحہ ۱۰۹ تا ۱۲۸ پر دی ہے جو چناب کالونی گزٹیئر مطبوعہ ۱۹۰۴ء سے لی گئی ہے۔ اصل بند چالیس تھے مگر گزیٹیئر کے مؤلف نے صرف چودہ نقل کیے۔ یہ ایک نابینے شاعر نے ۱۸۹۹ء میں کالونائزیشن آفیسر چناب کالونی کیپٹن پوپم ینگ کے تبادلے پر الوداعی تقریب میں پڑھی۔ قیصرانی لکھتے ہیں:

''نظم میں برتی گئی زبان سرائیکی کی دیہاتی یا مفصلاتی شاخ ہے یعنی سرائیکی کا وہ لہجہ ہے جو جھنگ، سرگودھا، خوشاب اور باروں (گنجی بار، ساندل بار، نیلی بار، کرانہ بار وغیرہ) کے علاقوں میں برتا جاتا ہے۔ آج تو فیصل آباد (لائل پور) اور ٹوبہ ٹیک سنگھ کے سیٹلر لوگوں کی اکثریت غالباً اس وار کو سمجھ بھی نہ سکے گی''۔ (ح۔۴۸)

ملتان کی وار ''ملوہیا سدا سہاگن'' کے عنوان سے شبیر حسن اختر کی کاوش ہے۔ اِس میں ملتان کی منظوم تاریخ بیان کی گئی ہے۔ ۱۵۳ صفحات کی کتابی صورت میں سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان نے اِسے ۲۰۰۴ء میں شائع کیا ہے۔

نواز بزدار نے ایک طویل نظم کی صورت میں ''کشمیر دی وار'' لکھی ہے۔ جسے بزم اکرم ماننہ احمدانی ڈیرہ غازیخان نے آٹھ صفحے کے کتابچے کی صورت میں جنوری ۲۰۰۰ء میں شائع کیا۔

Scanned with CamScanner

منظوم داستانیں

ویسے تو سرائیکی کی منظوم داستانیں انگریزی کتابوں میں بھی ملتی ہیں جیسے چارلس سونیرٹن نے ''رومینٹک ٹیلز فرام پنجاب'' مرتب کی تھی۔ (جس کا دوسرا ایڈیشن ۴۸۳ صفحے کا اسلامک بکس لاہور نے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا ہے) اسی طرح کئی کتابوں کا ذکر ''لوک ادب'' کے زمرے میں کیا گیا ہے۔ یہاں صرف سرائیکی میں چھپی ہوئی یا لکھی گئی منظوم داستانوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ پہلے سرائیکی علاقے سے تعلق رکھنے والی داستانوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

الف

ا۔ ہیر رانجھا

خیال رہے کہ قصہ ہیر رانجھا خالص سرائیکی علاقے کا قصہ ہے۔ رنگ پور، کھیڑیاں والا تحصیل مظفر گڑھ کا قصبہ ہے اور احمد پور سیال بھی ایک وقت میں اسی سب ڈویژن میں واقع تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ''ہیر رانجھا'' پر سب سے زیادہ منظوم قصے بھی مظفر گڑھ ضلع کے شعراء نے لکھے ہیں۔ پہلے قصہ ہیر رانجھا لکھنے والے اہم سرائیکی شاعروں اور ان کے قصوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ا۔ دمودر داس جھنگوی (۱۴۸۶ء۔۱۵۶۸ء)

ہیر دمودر کو سرائیکی زبان میں لکھی جانے والی ہیروں میں اولیت حاصل ہے۔ عبدالحمید عتیق فکری نے کتاب ''العتیق العتیق'' میں لکھا ہے کہ:

''سرائیکی زبان کا یہ ہندو شاعر جھنگ سیال کے علاقے کا رہنے والا تھا۔

Scanned with CamScanner

جس قدر بھی تذکرہ نویسوں کے بیانات ہمارے سامنے ہیں۔ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہیر رانجھے کے قصے کو سب سے پہلے اسی شخص نے نظم کیا ہے"۔(ح۔۴۹)

عتیق فکری مرحوم سے بھی پہلے کیفی جامپوری مرحوم نے لکھا تھا:

"ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے (کتاب "اُردو مثنویاں" میں) لکھا ہے کہ سب سے پہلے یہ قصہ دمودر داس اروڑہ سکنہ قصبہ جھنگ نے لکھا ہے۔اس نے یہ قصہ راجہ رام کھتری سکنہ بھیرہ سے سنا جو عینی شاہد تھا۔دمودر داس اس داستان کو اکبر اعظم کے زمانے کی داستان بیان کرتا ہے یہ گویا سرائیکی زبان کا پہلا نسخہ ہے"۔(ح۔۵۰)

اب دمودر کی "ہیر" کی زبان پر بات ہو جائے۔مولا بخش کشتہ "پنجابی شاعراں دا تذکرہ" میں لکھتے ہیں:

"بولی ہندی ہے۔فارسی اور ملتانی لفظوں کی ملاوٹ زیادہ ہے"۔

محمد سرور "پنجابی ادب" میں لکھتے ہیں:

"دمودر نے ہیر رانجھا لہندی یعنی جھنگ اور ملتان کی ملی جلی زبان میں لکھی ہے"۔

محمد سرور کی اس بات کو نصر اللہ خاں ناصر یوں بیان کرتے ہیں:

"زبان جھنگ اور ملتان کے لہجے کی ملی جلی سرائیکی ہے"۔(سرائیکی شاعری دا ارتقاء)

اب اس کے دور، حالات اور اسلوب پر بات ہو جائے "جھنگ کی لوک کہانیاں" (مطبوعہ ۱۹۷۴ء صفحہ ۲۱) اور "تاریخ جھنگ" (مطبوعہ ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۱۵) کے مطابق یہ واقعہ تو ۱۵۲۹ بکرمی بمطابق ۱۴۷۲ء میں پیش آیا مگر لکھا اکبر بادشاہ (۱۵۴۲ء۔۱۶۰۵ء) کے عہد میں گیا۔

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ ''پنجابی ادب دی مختصر تاریخ'' میں دمودر کا دور ۱۴۸۶ء سے ۱۵۶۸ء مقرر کرتے ہیں جسے میں نے تسلیم کیا ہے۔ اب تک کی معلومات کے مطابق دمودر گاؤں ولہاراں (آصف خاں کے خیال میں ولہہ رائے نزد لالیاں) تحصیل چنیوٹ کا رہنے والا تھا۔ ذات کا گلہاٹی تھا۔ بعد میں چوچک کی نسبتی میں دکان کرنے لگا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ پہلے ہندو تھا پھر سکھ ہو گیا۔

۱ ہیر دمودر کو باوا گنگا سنگھ بیدی نے ۱۹۲۷ء اور پھر ۱۹۴۹ء میں جبکہ ڈاکٹر پرمندر سنگھ نے ۱۹۷۹ء میں شائع کرایا۔ پاکستان پنجابی ادبی بورڈ کی طرف سے محمد آصف خان نے جولائی ۱۹۸۶ء میں اِسے مُدّون کر کے شائع کیا۔ اس کے کل ۹۶۰ بند ہیں۔ ڈاکٹر شہباز ملک نے دمودر کی ادبی خوبی اس کا بھاؤ یعنی سَجیسٹو انداز بتایا ہے جبکہ محمد سعید خاور بھٹہ اس قصے پر یُوں تبصرہ کرتے ہیں:

> ''دمودر نے اُس وقت کی جاگیردارانہ ذہنیت کو چوچک کے کردار کے ذریعے بیان کیا ہے جب تک جاگیردارانہ ذہنیت اور قدریں نہیں بدلتیں، اُتنے تک چوچک اپنی اغراض اور اونچی ناک کے لیے رانجھوں کا حق دبائے رہیں گے''۔ (ح۔۵۱)

۲۔ چراغ اعوان (۱۶۷۹ء۔۱۷۳۲ء بمطابق ۱۰۹۰ھ۔۱۱۴۵ھ)

سندھ کے سرائیکی محقق، دمودر داس اروڑہ کے سرائیکی قصے کو پنجابی قرار دے کر چراغ اعوان کی ''مثنوی ہیر رانجھا'' (جو ۱۱۲۱ھ بمطابق ۱۷۱۰ء میں مکمل کی گئی) کو سرائیکی زبان میں مثنوی نگاری اور منظوم عشقیہ داستانوں کا آغاز قرار دیتے ہیں (ح۔۵۲) جبکہ دلشاد کلانچوی مرحوم اس قصے کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''چراغ اعوان کا منظوم قصہ ''ہیر رانجھا'' اپنے اختصار اور ایجازِ بیان کی وجہ سے سرائیکی کے منظوم قصوں میں چوٹی کا قصہ گنا جا سکتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس مثنوی کو چراغ اعوان کے فکر وفن نے طبع رسا کا زور لگا کر ایک نئی

چیز پیش کی ہے اور ایسی کی ہے کہ دوست دشمن کوئی بھی اس کی نقل کرنے سے نہیں بچ سکا۔ چراغ اعوان کو فنِ شعر کے علاوہ ثقافتی اور معاشرتی شعور بھی حاصل تھا۔ انھوں نے آج سے تین سو سال پہلے کی ثقافت کے نمونے خوبصورت طریقے سے شامل کیے ہیں''۔(ح۔۵۳)

دلشاد کلانچوی کا مندرجہ بالا بیان درست ہے کہ چراغ الدین تخلص چراغ جو کہ بستی میاں صاحب، موضع کھیڑی (جو قلعہ ہڑنڈ ڈیرہ غازی خان کے قریب کوہِ سلیمان کے درہ چاچڑ کے پاس ہے) کا گوشہ نشیں شاعر تھا۔ اس کی مثنوی ''ہیر'' کے اثرات سرائیکی شاعری اور مثنوی نگاری پر گہرے پڑے۔ حتیٰ کہ مولوی لطف علی نے بھی بحر اور تکنیک میں اس کو سامنے رکھا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ چراغ اعوان نے اپنے عہد کی تہذیب وتمدن کی کامیاب عکاسی کی۔ کیفی جامپوری بھی مانتے ہیں کہ:

''چراغ نے آج سے تین سو سال پہلے کی تہذیب وتمدن اور طرز بود و ماند کو اجاگر کر کے محفوظ کر لیا ہے۔ یہ خصوصیت کسی دوسری مثنوی میں نظر نہیں آتی''۔(ح۔۵۴)

ہیر چراغ اعوان کے جو دو ابتدائی نسخے ملتے ہیں، ان میں ایک حافظ اللہ ڈتہ، خدا بخش تاجران ڈیرہ نے اینگلو سٹیم پریس لاہور سے شائع کرایا ہے جبکہ دوسرا شمس الدین، منور الدین تاجران کتب ملتان نے ابو العلائی سٹیم پریس آگرہ سے ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۱ء) میں۔ دور حاضر میں اسے دو صاحبان نے ''چراغ اعوان دی ہیر'' کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ عین الحق فرید کوٹی نے پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور سے اکتوبر ۱۹۷۸ء میں جبکہ طاہر تونسوی نے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان سے ۱۹۸۲ء مین۔ طاہر تونسوی کا کہنا ہے کہ یہ قصہ ۵۵ بند اور ۳۱۰ شعروں پر مشتمل ہے جس میں اضافی مصرعے ۲۱ ہیں جبکہ عین الحق فرید کوٹی کا کہنا ہے کہ کل ۳۲۴ شعروں میں اصل قصہ تقریباً ۵۰ شعروں میں ہے۔ باقی اشعار میں صرف ثقافتی اظہار ملتا ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ چراغ

Scanned with CamScanner

اعوان نے اپنے قصے کا خاکہ دمودر کے قصے کی بنیاد پر ہی رکھا ہے۔ یہاں تک کہ کئی جگہ ردیف قافیے بھی وہی برتے ہیں۔ ''چراغ اعوان دی ہیر'' میں عین الحق فرید کوٹی لکھتے ہیں کہ:

''اس کتاب کا سارا متن کیفی جام پوری نے اپنے ہاتھوں سے ترتیب دیا ہے''۔(ح۔۵۵)

جبکہ طاہر تونسوی کے نسخے کے اندرون سرِ ورق پر نظر ثانی ڈاکٹر مہر عبدالحق کی بتائی گئی ہے۔ جہاں تک اس قصے کی زبان کا تعلق ہے پنجابی ادبی بورڈ کے نسخے میں سبط الحسن ضیغم لکھتے ہیں:

''چراغ اعوان کی لہندی کو ڈیرہ والی کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ یہ لہندی یا ملتانی سے قدرے مختلف ہے مگر سرائیکی (سکھر ضلع کے پہاڑی علاقوں میں بولی جانے والی بلوچوں اور عباسیوں کی زبان) اور جٹکی کے کچھ قریب ہے''۔(ح۔۵۵)

جبکہ فرید کوٹی ''قصے کی زبان'' پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ اس وقت کے لہندے لہجے کی پنجابی کی ایک بڑی اچھی مثال ہے۔ اس بولی کو ڈیرہ والی اور جٹکی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے''۔ (ح۔۵۵)

۳۔علی حیدر ملتانیؒ (۱۶۹۰ء۔۱۷۸۵ء بمطابق ۱۱۰۱ھ تا ۱۱۹۱ھ)

حضرت علی حیدرؒ عبدالحکیم اور تلنبہ کے درمیان راوی کے دائیں کنارے پر موضع ہجانہ کے باسی تھے۔ والد کا نام سید محمد امین گیلانی تھا جو قاضی کہلاتے تھے۔ ۱۷۴۳ء میں قصہ ہیر رانجھا سی حرفی کے انداز میں لکھا جس پر سرائیکی ادب کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ نمونہ دیکھیں:

خوشی وسّے اوہ دیس راوی جتھے وسدیاں گُل کنواریاں نی
گھڑا گھن کے ڈھاکاں تے چاڑن او ڈُوں نیناں دیاں ماریاں نی

محمد آصف خاں جنھوں نے ''کلیات علی حیدر'' پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور سے مئی ۱۹۸۸ء میں شائع کیا، لکھتے ہیں:

''علی حیدر کا کلام سب سے پہلے اللہ والے کی قومی دکان لاہور کے مالک ملک فضل الدین کو شائع کرنے کا خیال آیا تھا۔ انھوں نے علی حیدر کی اولاد میں سے غلام میراں سے ۱۹۰۶ بکرمی (۱۸۹۹ء) میں مسودہ لیا اور ترتیب دیا ہے اور پروف ریڈنگ بھی کی ہے۔ سب سے آخر میں اسے مرحوم ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور سے شائع کرایا''۔

مگر میری اطلاع کے مطابق پہلی بار علی حیدر کا کلام ''مجموعہ سی حرفیاں معہ ہیر'' کے نام سے مطبع مصطفائی لاہور سے ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۸۸۹ء میں شائع ہوا تھا۔ آصف خاں والے نسخے میں سہ حرفیوں کے علاوہ ''قصہ ہیر رانجھا'' کے عنوان سے صفحہ ۱۸۵ سے ۱۹۶ پر موجود ہے۔ اصل قصہ، ہیر اور اس کی ماں کے سوالی جوابی بندوں پر مشتمل ہے جو سہ حرفی کے انداز میں ۲۶ بندوں پر مشتمل ہے۔ علی حیدر کا کلام مُرصّع اور با محاورہ ہے جبکہ دو سو سال سے زیادہ گزرنے پر بھی زبان میں ایک تازگی اور شگفتگی اب بھی موجود ہے۔

۴۔ میرن شاہ (۱۸۵۸ء۔۱۸۹۸ء بمطابق ۱۲۷۴ھ تا ۱۳۱۸ھ)

سیّد امیر حیدر عرف میرن شاہ آف بستی کرنا راؤ بیلہ شرقی تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ نے ۱۸۵۳ء میں ''مثنوی ہیر رانجھا'' لکھی۔ اس کے علاوہ ''پانچ سہ حرفیاں ہیر سیال'' ہیر اور اس کی ماں کے سوال و جواب پر مشتمل بھی موجود ہیں۔ علاوہ ازیں ''آتشِ عشق'' اور ''قصہ کالی و گوری'' بھی یادگار ہیں۔ ''آتش عشق'' کا ایک ایڈیشن امیر حیدر شاہ/میرن شاہ بہاولپور کے نام سے حاجی شمس الدین تاجران کتب ملتان کا سولہ صفحہ کا میرے پاس موجود ہے۔ مثنوی ہیر رانجھا کسی بزرگ کی فرمائش پر ۱۳۳۰ اشعار پر مشتمل لکھی۔ میرن کی شہرت کا باعث ان کی اسی مختصر مثنوی ہیر رانجھا کو

ہی قرار دیتے ہیں۔ ویسے تو حفیظ الرحمٰن حفیظ بہاولپوری نے بھی میرن شاہ کے حالات و نمونہ کلام کو مرتب کر کے کتابچے کی شکل میں عزیز المطابع بہاولپور سے شائع کرایا تھا۔ تاہم ان کا ''قصہ ہیر رانجھا'' یا ''ہیر میرن شاہ'' بارہا شائع ہو چکا ہے۔ مثلاً ۱۳۲۵ھ میں حافظ شمس الدین، منورالدین، حمید الدین ملتان نے مفیدِ عام پریس لاہور اور کرشنا سٹیم پریس ملتان سے ۲۸، ۲۸ صفحے کے دو ایڈیشن شائع کیے جبکہ یہی ناشر آریہ سٹیم پریس لاہور سے ۴۸ صفحے کا، حجازی پریس ملتان سے ۲۸ صفحے کا اور یونین پریس ملتان سے ۲۴ صفحے کا ایڈیشن بھی شائع کر چکے ہیں۔ قصہ ہیر رانجھا جس میں ترتیب برقرار نہیں رکھی گئی تین عنوانات کے تحت لکھا گیا ہے۔ انداز عارفانہ ہے۔ رانجھا محبوب حقیقی کی علامت ہے اور ہیر رُوح کی ایک صُورت ہے۔

۵۔ اللہ بخش خادم (۱۸۶۰ء۔۱۹۳۱ء)

مولوی حاجی اللہ بخش المعروف خادم مکھن بیلوی ساکن مکھن بیلہ تھانہ روہیلانوالی مظفر گڑھ کا قصہ ''ہیر رانجھا جدید بہ طرز سیفل'' ۱۰۔ ذی الحج ۱۳۴۲ھ کو میاں محمد حسین ناز چھجیڑہ آف بنڈہ، اسحاق ضلع مظفر گڑھ کی فرمائش پر مکمل کیا۔ ۱۹۲ صفحات پر مشتمل اس ضخیم قصے کو قاضی نورالدین تاجر کتب مظفر گڑھ نے گلزارِ ہند سٹیم پریس لاہور سے شائع کرایا۔ خادم نے قصے کو ایمائی یا علامتی لباس پہنایا ہے۔ قصے میں عربی فارسی کے نامانوس الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔

۶۔ نُورن گدائی (۱۸۷۰ء۔۱۹۲۶ء بمطابق ۱۲۸۷ھ تا ۱۳۴۴ھ)

منشی نُور محمد المعروف نورن گدائی ملتانی کی ذات بلوچ مہر تھی۔ علاقہ چوہدری ضلع رحیم یار خان کے رہنے والے تھے۔ بعد میں ملتان آ کر آباد ہوئے اور سید علی رضا ملتانی کی شاگردی اختیار کی۔ بہت سے قصے لکھے۔ ''قصہ ہیر رانجھا'' کے علاوہ قصہ گُل انور، قصہ مصری شاہ، شیریں فرہاد، قصہ مرزا صاحباں بہت مقبول ہوئے۔

۷۔ نُورالدین مسکین (۱۸۴۵ء۔۱۹۱۵ء)

مولوی نورالدین مسکین ساکن آلودے والی تھانہ روہیلانوالی ضلع مظفر گڑھ، محمد عمر اوڈھانہ کے گھر پیدا ہوئے۔ ''قصہ سسّی پنّوں'' ۱۸۹۵ء (۱۳۱۳ھ) کے بعد قصہ ہیر رانجھا کو نظم کا جامہ پہنایا، جس نے ان کی شاعرانہ شہرت کو چار چاند لگا دیے۔ اس کے علاوہ بھی ایک ''سہ حرفی ہیر رانجھا'' ملتی ہے (ح۔۵۶)۔ کیفی جامپوری نے ''مثنوی ہیر رانجھا'' کو چودھویں صدی ہجری کے ربع الاول کی تصنیف بتایا ہے (ح۔۵۷)۔

مسکین نے یہ داستان وارث شاہ کے تتبع میں تمثیلی انداز میں لکھی ہے۔ جس کے مطابق رانجھن (حضور) جوگی (خدا) ہیر (اُمّت) دیورانیاں (قبر، لحد) کیدو (شیطان) ہیر کا سسر اور دیور (منکر نکیر) پڑوسی (قریب کے مردے) اور جھنگ (مدینہ منورہ) ہے۔

اس مثنوی کا منظوم اردو ترجمہ فدائے اطہر نے کیا ہے جسے اردو اکیڈمی بہاولپور نے اصل متن کے بغیر ۱۹۸۱ء میں شائع کیا۔ یہ مثنوی خالص مذہبی اور اخلاقی نقطہ نظر لیے ہوئے ہے۔ اس کے لکھنے کا اصل محرک عشقِ رسولؐ اور اصل مقصد حقیقتِ معراج کو واضح کرنا ہے۔ بعض مصرعے اور اشعار مکمل طور پر فارسی یا عربی میں لکھے گئے ہیں۔ قرآنی آیات و تلمیحات کا بھی برموقع استعمال کیا ہے جس سے مسکین کے علمی تبحر اور فنی مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ دوسری ہیروں کے تقابلی جائزے پر واقعاتی اختلاف موجود ہے۔

۸۔ غافل گورمانی (۱۸۷۰ء۔۱۹۶۰ء)

ملک احمد بخش گورایہ ٹوبھا المعروف غافل گورمانی کی ''ہیر سیال غافل'' سوال و جواب کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ غافل بھی ضلع مظفر گڑھ کے ہیں۔ دارالاشاعت پنجاب آرٹ پریس سے شائع ہونے والے نسخے پر چھیویں پھیرے (اشاعت ششم) لکھا ہوا ہے جبکہ قریشی بک ڈپو ملتان کی طرف سے اسّی صفحے کے ایک ایڈیشن پر اشاعت ۱۳۳۶ھ درج ہے۔

Scanned with CamScanner

۹۔ کریم بخش واصل (۱۹۰۶ء۔۱۹۷۶ء)

کریم بخش واصل مظفر گڑھی کا قصہ نظم ونثر پر مشتمل ہے اور ناٹک کی شکل میں ہے۔ البتہ نثری مکالمے بہت کم ہیں اور منظوم حصہ زیادہ ہے۔ مزاحیہ حصے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ ۳۲ صفحے کے اس قصے کے تین ایڈیشن ملتان سے محمد ذوالفقار، حافظ محمد رحیم نواز، قریشی بک ڈپو اور اخلاق بک ڈپو نے شائع کیے ہیں۔ اب غیر معروف سرائیکی قصوں کا سرسری ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ عُبید اللہ ملتانیؒ

حضرت مولانا عبید اللہ ملتانیؒ نے سرائیکی میں قصہ ۱۸۱۱ء میں لکھا۔ آپ حضرت خواجہ خدا بخش خیر پور ٹامیوالی کے خلیفہ مجاز تھے۔ سرائیکی کے قادر الکلام اور خوش گو شاعر تھے۔ میر حسان الحیدری نے لکھا ہے کہ:

''آپ کے مطبوعہ کلام میں ''ہیر رانجھا'' بھی ان کے پیشِ نظر ہے''۔ (ح۔۵۸)

۲۔ حمل خاں لغاری

نصر اللہ خاں ناصر نے لکھا ہے کہ ''حمل لغاری نے ہیر رانجھے کا قصہ ۱۲۶۳ھ میں لکھا اس قصے کے ۲۴۸ مصرعے اور ۲۷ بند ہیں جو سوال و جواب پر مبنی ہیں۔ ہر بند آٹھ مصرعوں کا ہے''۔ (ح۔۵۹)

۳۔ سوبھا شجاع آبادی

سوبھا بستی واہی تاج والا نزد شجاع آباد میں فاضل خاں بلوچ کے گھر پیدا ہوئے۔ شوکت مغل ''ملتان دیاں واراں،، میں لکھتے ہیں ''سوبھے خاں نے ایک ہیر بھی لکھی تھی۔ مولانا نور احمد فریدی نے بھی کسی زمانے میں سوبھے کی ہیر کا ذکر اپنے ایک مضمون میں کیا تھا'' (ح۔۶۰)۔

شوکت مغل نے صفحہ ۲۱۳ سے ۲۱۵ پر ۳۸ مصرعوں پر مشتمل چار بند ''سوبھے خاں دی ہیر دے کجھ بند'' کے عنوان سے درج کیے ہیں۔

۴۔ سیّد اکبر شاہ

سیّد اکبر شاہ (۱۱۸۵ھ۔۱۲۷۵ھ) گوٹھ رضا آباد قصبہ جمرانی ریاست بہاولپور کے نقوی خاندان میں پیدا ہوئے۔ سید شمس الدین بخاری کے مرید ہوئے۔ مرشد کے حکم پر ملتان آئے اور ملتان سے سات میل شمال میں موضع: گڑھ برابر میں گوٹھ دین محمدی کی بستی آباد کی۔ نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ کلاسیکی عہد کے شاعر محمد اکبر شاہ کا بہت سا کلام ابتدائی مجموعوں کے حوالے سے شُمار ہوتا ہے۔ اِس کلام کو ''کُلیاتِ سیّد محمد اکبر شاہ (صفحات۔۱۵۸) کے عُنوان سے شعبہ سرائیکی بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کی طرف سے شائع کیا گیا ہے جسے ناہید لودھی نے مُرتّب کیا ہے۔ اِس کُلیّات میں اکبر شاہ کے مجموعے جنگ نامہ، قصہ سسّی پُنّوں، قصہ مرزا صاحباں، قصہ مِصری خان، ڈیہاڑی اکبر شاہ، سی حرفیاں وغیرہ شامل ہیں۔ ''سی حرفی ہیر ورانجھا'' بھی چھپی ہوئی موجود ہے۔

۵۔ احمد دین جھنگوی

ہیر کے اس ہم وطن شاعر نے ''تحفہ عشق'' کے نام سے ایک مثنوی ۱۲۹۵ھ میں لکھی جو کہ تقریباً چار ماہ کی کاوش ہے اور تا حال غیر مطبوعہ ہے۔ ہر عنوان کو بحر کا نام دیا ہے۔ شعر دیکھیے:

بارھاں سو پنجانوے ہا سن ہجری نام ڈسائیم

چار مہینے چار ڈیہاں وِچ احمد دین بنائیم

''قلمی نسخہ شاعر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ۱۳۔ ذی الحج ۱۳۳۰ھ کا مہر حق نواز ایڈوکیٹ ملتان کے پاس ہے''۔ (ح۔۶۱)

۶۔ غلام حیدر سودائی

غلام حیدر سودائی (۱۸۸۹ء۔۱۹۶۴ء) کی قلمی لکھی ہوئی ''ہیر سودائی'' بندہ اسحاق ضلع مظفر گڑھ کے بشیر احمد گازر کے پاس موجود ہے۔ (ح۔۶۲)

۷۔ غلام محمد پرویز (پیدائش ۶ جنوری ۱۹۴۷ء)

جھمٹانوالہ ضلع میانوالی کے شاعر ملک غلام محمد جھمٹ متخلص پرویز کا تین سو سرائیکی ڈوہڑہ جات پر مشتمل ۸۰ صفحے کا مطبوعہ ''قصہ ہیر رانجھا'' قریشی بک ڈپو ملتان کی پیشکش ہے جو سیّد الیکٹرک پریس ملتان سے شاعر کے بقول ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا ہے۔ ان کے علاوہ ''سرائیکی ادب دی مختصر تاریخ'' کے مطابق خواجہ اللہ بخش عارض اور ''سرائیکی شاعری دا ارتقاء'' کے مطابق سید جلال شاہ کلیم (بدلی شریف۔ رحیم یار خاں)، غلام رسول انصاری (چک۔ آر۔۱۰/۱۴/۱۱ جہانیاں منڈی)، محمد مٹھا (قطب پور ملتان) اور روشن (ملتان) کی سرائیکی ہیریں بھی موجود ہیں۔

۸۔ ایاز سہروردی

''سوزِ ساربان۔ دیوان ایاز فقیر'' ایاز اکادمی حسن ابدال اٹک نے ۲۰۰۴ء میں ۴۹۰ صفحات کی کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ جس میں ایاز سہروردی کی داستان ''ہیر'' صفحہ ۹۶ تا ۱۰۸ پر موجود ہے۔

۲۔ سسی پنوں

پنجاب کی رومانوی داستان سسّی پنّوں میں سسّی کی پیدائش کی جگہ بھٹہ واہن ضلع رحیم یار خان بتائی جاتی ہے اور سرائیکی کے صوفی شعرا، بالخصوص خواجہ فریدؒ نے اپنے کلام میں اس عشقیہ داستان کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ عشقیہ داستان میں سسّی کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔ شریف کنجاہی کی مرتبہ ''مختصر پنجابی لغت'' (مطبوعہ شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی لاہور) میں سسّی پنّوں کے بارے میں لکھا ہے۔ ''تھل کے ایک لوک قصے کے دو کردار جن میں سسّی مقامی

تھی اور عورت، جبکہ پنّوں غیر تھا اور مرد۔ ''زاہد حسن''، سسّی لکھ شاہ (مطبوعہ پاکستان پنجابی ادبی بورڈ جولائی ۱۹۹۶ء) میں لکھتے ہیں:

''سسّی پنّوں کی جو کہانی زیادہ تر قصوں میں بیان کی گئی ہے اس کی کچھ صورتیں یہ ہیں:

۱۔ راجے کی اولاد کے لیے خواہش اور منّتیں ماننا۔

۲۔ منحوس گھڑی میں لڑکی کا پیدا ہونا۔

۳۔ نجومیوں کا اس کے بارے میں نجوم۔

۴۔ لڑکی کا ندی میں بہایا جانا۔

۵۔ دھوبی کا بہتی ہوئی لڑکی کو نکالنا۔

۶۔ پالنے والی کا بانجھ ہونا۔

۷۔ خواب میں کسی کا دیدار کر کے یا تصویر دیکھ کر فریفتہ ہو جانا۔

۸۔ پنّوں کا دھوبیوں والا کام کرنا۔

۹۔ عاشق کو اس کے قبیلے والوں کا اغوا کر کے لے جانا۔

۱۰۔ محبوبہ کا تھل میں ہجرت کی حالت میں مرنا۔

۱۱۔ محبوبہ کی روح کا عاشق کے پاس جانا اور عاشق کا واپس لوٹنا۔

۱۲۔ زمین کا شک ہونا اور محبوبہ کا اندر سما جانا''۔

سرائیکی زبان میں اسی مقامی قصے کو کئی شعراء نے اپنا موضوع بنایا ہے:

۱۔ نبی بخش لغاری (۱۷۷۶ء۔۱۸۶۳ء)

نصر اللہ خاں ناصر لکھتے ہیں۔ ''سرائیکی زبان میں سب سے پہلی مکمل مثنوی ''سسّی پنّوں'' خلیفہ نبی بخش لغاری کی ملتی ہے۔ یہ مثنوی ۱۸۳۴ء میں مکمل کی گئی''۔ (ح۔۶۳)

۲۔ اکبر شاہ (۱۱۸۵ھ۔۱۲۷۵ھ بمطابق ۱۸۵۸ء)

بستی گوٹھ رضا موضع جمرانی بہاولپور کے شاعر سید اکبر شاہ کی ''مثنوی سسّی پنوں''

۱۲۵۰ھ (۱۸۵۱ء) میں لکھی گئی۔ پہلا دستیاب مطبوعہ نسخہ ۱۸۹۳ء کا ہے جسے مولوی خدایار و نور احمد نے مطبع ہاشمی میرٹھ سے چھپوایا ہے۔ سسی پنوں کا یہ قصہ ۲۵۰ بندوں یا چومصرعوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ہر بند اُردو رباعی کی طرح زورِ بیان اور لطفِ بیان رکھتا ہے۔ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ ''سسی پنوں'' میں اکبر نے سرائیکی تمدن کی عکاسی کی ہے۔ اندازِ بیان صاف ستھرا اور زبان بامحاورہ ہے۔ شروع میں شاعر نے خوب جولانیاں دکھائی ہیں مگر آخر میں ایسے لگتا ہے جیسے قلم تھک گیا ہو کیونکہ قصے کو سمیٹنے کے لیے ہر واقعہ کو چار پانچ شعروں میں ہی بیان کر دیا ہے۔ ''کلیات سید محمد اکبر شاہ'' (۲۰۰۷ء) میں ناہید لودھی کا مرتبہ ملتان سے شائع ہوا ہے۔ ۱۵۸ صفحات کی اس کتاب میں ''قصہ سسی پنوں'' بھی شامل ہے۔

۳۔ صالح محمد مسکین (وفات ۱۸۸۰ء)

میاں صالح محمد مسکین نے ''قصہ سسی پنوں'' میں خود ہی اپنا تعارف کرایا ہے:

''میں نے باگڑ سرگاناں (ضلع ملتان) میں بیٹھ کر یہ قصہ ۶ ماہ میں ختم کیا۔ اس کتاب میں ۸۹۹ مصرعے سمائے ہوئے ہیں۔ یہ مثنوی میں نے ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) میں مکمل کی۔ میرا نام صالح محمد، تخلص مسکین ہے، میں ذات کا کھوکھر ملواناں ہوں۔ دریائے راوی کے کنارے جنوبی طرف کوہ بعید میرا ٹھکانہ ہے۔ ''ہدی ئیں'' اتنی مشہور جگہ ہے جسے بڑے بزرگ اور نادان بچے سب جانتے ہیں۔ زمانہ سابق میں ایک مرد دانا صالح نامی شاعر گزرا ہے اس نے بھی یہ قصہ لکھا ہے گویا موتی پروئے ہیں۔ اس لیے میں نے مسکین تخلص اختیار کیا ہے تاکہ لوگ اشتباہ میں نہ پڑ جائیں''۔

یہ مثنوی اکبر شاہ مرحوم کی تقلید میں لکھی گئی۔ میاں مسکین کی ''سسی پنوں'' ۱۲۹۴ھ میں مولوی خدایار تاجر ملتان نے مطبع محمدی لاہور سے شائع کروائی۔ مثنوی کی بحر اور اوزان میں

مولوی لطف علی کی ''سیف الملوک'' کا اتباع کیا ہے۔ مسکین نے اکبر شاہ کا قصہ سامنے رکھ کر بند سے بند ملانے کی کوشش کی ہے۔

۴۔ جلال شاہ کلیم (پیدائش ۱۸۴۶ء)

سید جلال شاہ کلیم ۱۸۴۶ء (۱۲۶۳ھ) میں بدلی، رحیم یار خاں میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کی فرمائش پر سسّی پُنوں کا مشہور قصہ ۱۳۰۳ھ (۱۸۸۶ء) میں نظم کیا۔ مثنوی کی زبان شُستہ اور اندازِ بیان بلیغ ہے۔ سسّی پُنوں کی یہ مثنوی سرائیکی تہذیب و ثقافت کی خوبصورت اور بھرپور عکاسی کرتی ہے۔

۵۔ حسین دیدڑ (۱۸۱۵ء۔۱۸۷۵ء)

حسین دیدڑ، فرید دیدڑ تحصیل قنبر ضلع لاڑکانہ کے تھے۔ سرائیکی میں کئی سہ حرفیاں یادگار ہیں۔ ''مثنوی سسّی پنوں'' ۱۲۶۶ھ میں لکھی۔ ''کُلیات حسین دیدڑ'' جسے عبدالکریم سندھیلو نے مرتب کیا اور سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ نے شائع کیا۔ اس میں صفحہ ۷۷ تا ۲۵۸ پر ''مثنوی سسّی پنوں'' موجود ہے۔

۶۔ نور الدین مسکین (۱۸۴۵ء۔۱۹۱۵ء)

مولوی نور الدین مسکین نے سب سے پہلے مولوی لطف علی کی مشہور مثنوی سیف الملوک کی بحر میں ''سسی پنوں'' کی داستان منظوم کی جواں کی شاعرانہ خوبیوں کو اُجاگر کرنے میں خشتِ اوّل ثابت ہوئی۔ یہ داستان انھوں نے ۱۸۹۵ء (۱۳۱۳ھ) میں مکمل کی ''قصہ سسی پُنوں'' حافظ شمس الدین ملتانی نے ۴۲ صفحے کا ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء) اور ۳۰ صفحے کا ۱۳۳۰ھ میں شائع کیا۔

۷۔ منشی برات علی

منشی برات علی خاں بلوچ فیروزہ، ضلع رحیم یار خاں کے رہنے والے تھے۔ قصہ سسّی پنوں ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ بروز منگل (جولائی ۱۹۳۳ء) کو مکمل کیا۔ یہاں نواز کاوش کا بیان دیکھیں:

''سسّی پنوں کا قصہ لوک داستانوں میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس قصے کو بھی سرائیکی شاعروں نے مثنوی کے انداز میں لکھا ہے۔ اکبر شاہ نے اسے ۱۸۹۴ء میں اور منشی برات علی خان نے ۱۹۵۱ء میں یہ قصہ لکھا اور شائع کیا۔ ان کے علاوہ نور محمد نورن، غلام رسول حسرت، مولوی نور الدین، حاجی محمد صفوری اور جانباز جتوئی کا نام قابل ذکر ہے، جنھوں نے قصہ سسّی پنوں، مثنوی کی صنف میں تخلیق کیا''۔ (ح۔۶۴)

برات علی خاں نے ۱۹۵۱ء میں شائع ہونے والے قصے کے اندر شروع میں تحقیقی دیباچہ دیا ہے اور سسّی کو بھٹہ واہن (رحیم یار خان) کے اُتم رام کی بیٹی بتایا ہے۔ ہجر اور تھل کے دُکھوں کو جس دردانگیزی سے برات علی نے پیش کیا ہے۔ اس کی تعریف کرنا ضروری ہے۔ معاملہ بندی کو سولباسوں میں چھپا کر بیان کرنے کا انداز اختیار کیا ہے۔

۸۔ غلام رسول حسرت

منشی غلام رسول حسرت ملتانی غالبًا پہلے سرائیکی ڈراما نگار ہیں جنھوں نے اپنے علاقے کے لوک ادب کو ڈراموں کی شکل میں تحریر کیا ہے۔ حسرت ملتانی کے پہلے دور کا سرائیکی زبان کا ایک مکمل ناٹک ''سسّی پُنوں'' ہے۔ جس میں نظم کے ساتھ کہیں کہیں نثر بھی موجود ہے۔

۹۔ اللہ بخش خادم (۱۸۶۰ء۔۱۹۳۹ء)

حاجی اللہ بخش خادم مکھن بیلوی کی ''سسّی'' بہت شاندار ہے یہ تا حال غیر مطبوعہ ہے

تاہم سرائیکی میں خادم کی لکھی ہوئی سسّی اور جانباز جتوئی کی سسّی کا مقابلہ کوئی اور سسی نہیں کر سکتی۔ خادم نے یہ سسی اپنے نواح کے ہم عصر شاعراللہ بخش بانہا (۱۸۶۶ء۔۱۹۳۶ء) کی مقبول سسّی کے جواب میں لکھی۔ نمونہ دیکھیں:

اُٹھی جاگ سسّی تھل بڑی
پُج دیسیں کیچ شہرڑی

(ح۔۶۵)

۱۰۔غافل گورمانی (۱۸۷۰ء۔۱۹۶۰ء)

ملک احمد بخش غافل گورمانی کا ''جدید قصہ سسّی پنّوں''، جو۳۲صفحات پر مشتمل ہے اور مولوی فیض بخش، محمد رحیم نواز، محمد ذوالفقار تاجران کتب ملتان نے اسے شائع کیا ہے۔ سیدھا سادہ اسلوب ہے نہ کوئی تمثیلی رنگ ہے اور نہ ہی عربی فارسی کی آمیزش ہے۔ البتہ قصہ کمزور ضرور ہے۔

۱۱۔غلام حیدر مُونِس (۱۸۹۶ء۔۱۹۵۶ء)

غلام حیدر مونس آف ضلع مظفر گڑھ کی ''سسّی'' جو تقریباً پانچ سو صفحات کے قلمی مسودے پر مشتمل ہے تا حال غیر مطبوعہ ہے۔

۱۲۔مولانا نور احمد خاں فریدی (۱۹۰۸ء۔۱۹۹۴ء)

منظوم داستان ''سسّی پنوں''، صفحات ۴۸ قصر الادب ملتان سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔

۱۳۔غلام حیدر مستانہ مرحوم (پیدائش ۱۹۱۲ء)

غلام حیدر مستانہ عرف مستان علی کی ''سسّی پُنوں دی پریت کہانی۔ گلزارِ سسّی'' کے عنوان سے پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے دسمبر ۱۹۷۸ء میں ۱۸۸ صفحات کی کتابی شکل میں

شائع کی۔ایم مسعود (کھدر پوش) کے مطابق:

''غلام حیدر مستانہ عرف مستان علی کا نام کافی معروف ہے اور یہ تھہیم خاندان میں ۱۲ ستمبر ۱۹۱۲ء کو موضع غوث پور تھیماں والا تحصیل کبیر والا ضلع ملتان میں پیدا ہوئے۔ محکمہ مال میں ملازمت کی۔غلام حیدر مستانہ کی شاعری کا رنگ سب سے منفرد اور نرالا ہے۔ خواہ ساری پنجابی شاعری لہندی پنجابی میں لکھی گئی ہے مگر شاہ حسین لاہور، سید وارث علی شاہ، سچل سرمست، علی حیدر، خواجہ غلام فرید کی شاعری میں لہندی پنجابی کا اثر زیادہ ہے۔غلام حیدر مستانہ نے بھی اسی راستے پر چل کر اپنی ماں بولی کی امارت میں اضافہ کیا ہے''۔(ح۔۶۶)

یعنی غلام حیدر مستانہ نے بھی سچل سرمست، علی حیدر اور خواجہ غلام فریدؒ کی طرح لہندی (یعنی سرائیکی زبان) میں شاعری کی ہے۔کتاب کے آخر میں ''سسّی دے ڈوہڑے'' بھی دیے گئے ہیں۔

۱۴۔جانباز جتوئی (۱۹۱۸ء۔۱۹۹۴ء)

کیفی جامپوری کے مطابق ''موجودہ دور کے مشہور شاعر جانباز جتوئی'' نے ''مثنوی سسّی پنوں'' لکھی ہے جو ابھی منظر عام پر نہیں آئی''۔اسی طرح ایک اور جگہ بھی جانباز کی ''سسّی پنوں'' کے غیر مطبوعہ ہونے کا ذکر کیا ہے (ح۔۶۷)۔جبکہ کیفی کی کتاب کی اشاعت سے ایک سال پہلے یعنی فروری ۱۹۶۸ء میں ''جانباز جتوئی۔شخصیت، فن، شاعری اور انتخاب کلام'' کے عنوان سے فداء الاحمدانی کی کتاب سرائیکی اکادمی ملتان نے شائع کی تھی۔وہ لکھتے ہیں:

''سسّی پنوں سابق بلوچستان کا ایک عظیم رومان ہے جسے نظم کرنے میں تقریباً ہر سرائیکی شاعر نے طبع آزمائی کی ہے۔ جانباز جتوئی نے اس پورے قصے کو نہایت حسین پیرائے میں نظم کیا ہے۔اس میں سے ان کی سادگی کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے''۔(ح۔۶۸)

یادر ہے کہ یہی نمونہ کیفی نے صفحہ ۱۸۵ پر اور دلشاد کلانچوی نے ''سرائیکی زبان تے ادب'' میں صفحہ ۱۱۱ پر نقل کیا ہے۔ جبکہ فداء الاحمدانی نے منظر نگاری کے حوالے سے بھی ایک اور اقتباس اس سسّی سے صفحہ ۲۱ پر درج کیا ہے۔

۱۵۔ آڈھا خاں نطقال (پیدائش ۱۹۴۴ء)

الحاج ملک آڈھا خاں نطقال، ملک شیر محمد کے گھر گنجیال ضلع خوشاب میں ۴۔ اپریل ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ ڈوہڑہ جات پر مشتمل قصہ سسّی پنوں المعروف ''رموزِ عشق'' ۱۹۷۷ء میں ۶۴ صفحے کی کتابی شکل میں نسیم جنرل سٹور قائد آباد نے شائع کیا۔ جبکہ تیسری بار ۱۹۹۲ء میں ۱۳۶ صفحے کی شکل میں احمد بک ڈپو قائد آباد ضلع خوشاب نے شائع کیا ہے۔

۱۶۔ مُنشی نُور محمد

پروفیسر علی ارشد میر کے پاس رحیم یار خاں کے ایک قدیم شاعر منشی نور محمد کا مطبوعہ قصہ ''سسّی نُور محمد'' صفحات سولہ موجود ہے جسے جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تاجران کتب فروش۔ لاہور نے شائع کیا۔ نمونہ دیکھیے:

ایہہ جوانی چار ڈہاڑے اوڑک ہے بربادی بے بنیادی
نور محمد ہِک سسّی گوں آخر عشق فسادی کریں نہ شادی

۱۷۔ حاجی احمد فگار

نور پور تھل ضلع خوشاب کے شاعر ملک حاجی احمد فگار کا منظوم ''قصہ سسّی پُنوں'' ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ ان کے علاوہ ضلع مظفر گڑھ کے شعراء میں میاں عمر علی نیاز (۱۸۹۵ء۔ ۱۹۶۰ء) نے قصہ سسّی پنوں بطرز سی حرفی ڈھولا لکھا۔ ایک اور قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے جس کا عنوان ''ڈرامہ سسّی پُنوں بطرز جدید'' ہے۔ کاتب نذر حسین شاہ کے ہاتھ سے لکھے اس منظوم

قصے کے ۴۴ صفحے ہیں۔ کہیں کہیں اردو میں بیان بھی ہے اور منظوم قصے کے اندر دیگر شعرا اظہر اور نورالدین کے اشعار بھی شامل کیے گئے ہیں۔ ضلع مظفر گڑھ کے مولوی خدا بخش منظور (۱۹۰۶ء۔ ۱۹۸۶ء) کی سسی بشکل بند اور ڈوہڑے بھی موجود ہے۔ دیگر شعراء میں حاجی شاہ فائق (کچی محمد خان ترنڈہ محمد پناہ احمد پور شرقیہ)، سید لال شاہ (اُوچ شریف)، صاحبزادہ حاجی محمد صفوری (لائبریری باغ لانگے خاں ملتان)، صوفی احمد جان فریدی (چاچڑاں شریف)، عطا محمد زخمی (خیر پور سادات علی پور)، نور محمد نورن گدائی اور مسکین باگڑ سرگانوی (ملتان) نے بھی سرائیکی میں قصہ سسی پنوں منظوم کیا ہے۔

سرائیکی میں ''سسی'' کے غم کو اکثر شعراء نے موضوعِ سخن بنایا ہے۔ لہٰذا ایسے کچھ شعراء کا مزید ذکر کیا جاتا ہے۔ ضلع مظفر گڑھ کے اِقبال وارث کا مجموعہ ''اُڈردی ذھوڑ'' ۱۹۹۷ء میں لوک داستانوں خاص طور پر سسی کا حوالہ موجود ہے۔ سسی سرائیکی ڈوہڑوں کا موضوع بھی رہا ہے۔ اللہ آباد لیاقت پور کے شہباز سیّد کی ۱۹۹۹ء میں چھپی کتاب ''دردِ سسی دے'' (صفحات ۴۸) میں ۹۱ ڈوہڑے اور قطعے شامل ہیں۔ اِسی طرح اِس سال رحیم یار خان کے محمد افضل سومرو کی ''پتھریں دی برسات'' صفحات ۶۴ سامنے آئی۔ ڈوہڑے میں لوک داستان ''سسی پنوں'' کا حوالہ دیکھیں:

سسی رورو تے وڈی اہدی ہئی واہ خان دے نال میں پیار کیتا
ہِک پل داسکھ نہ لیکھ اِچ ہا اُوئیں مفتا ہار سنگھار کیتا
میکوں سدھ نہ ہئی میں رُل ویساں اینویں اپنا چیتا غار کیتا
کیا خان تے افضل ڈوہ ڈیواں میں آپ کو آپ خوار کیتا

۲۰۰۱ء میں صوفی محمد یار بے رنگ، نواں کوٹ خان پور کا ''دِیوانِ بے رنگ'' ۲۰۰۸ء جھوک پبلشر ملتان نے شائع کیا۔ آخر میں چھ صفحات کی نظم ''سسی'' شامل ہے۔

اعجاز ڈیروی کا سسی دا قصہ سے کچھ منتخب ڈوہڑے ۲۰۰۳ء میں ڈیرہ غازی خان کے

محمد رفیق راکب سہرانی کے مجموعے ''اُوکوں آکھیں چا'' میں شامل کیے گئے جبکہ کتاب ''سسی'' صفحات ۴۸ دبستانِ سحر ڈیرہ غازی خان نے ۲۰۰۸ء میں شائع کر دی ہے۔ احمد پور لمّہ صادق آباد ضلع رحیم یار خان کے ایاز سہروردی کے ''دیوانِ ایاز فقیر'' مطبوعہ ۲۰۰۴ء میں داستان ''سسّی'' صفحہ ۹۰ تا ۹۵ شامل ہے۔ جبکہ صدارتی تمغہ حسن کارکردگی لینے والے جانباز جتوئی کی مثنوی داستان ''سسّی'' ۱۹۲ صفحات پر مشتمل سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۲۰۰۵ء میں شائع کر دی۔

۳۔ سوہنی مہینوال

سوہنی دریائے چناب کی لہروں کا شکار ہوئی جس کا ایک وسیع حصہ سرائیکی علاقے سے گزرتا ہے۔ اس لیے ''سوہنی مہینوال'' کی داستان کو بھی کئی سرائیکی شعراء نے منظوم کیا ہے۔ چار قصوں کا جائزہ دیکھیے:

ا۔ امام بخش شیروی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۷ء)

کیفی جامپوری کے مطابق ''قاضی امام بخش شیروی کی سرائیکی مثنوی ''سوہنی مہینوال'' چھپ کر نایاب ہوگئی ہے،،۔ (ح۔۶۹)

۲۔ بہار ملتانی (۱۹۰۴ء۔۱۹۶۸ء)

دلشاد کلانچوی کے مطابق، منشی محمد رمضان بہار ملتانی نے ڈرامہ ''سوہنی مہینوال'' بھی خود لکھا جو اس زمانے کے رواج کے مطابق نثر و نظم پر مشتمل ہے''۔ (ح۔۷۰)

۳۔ پیرن ملتانی

خلیفہ پیر بخش پیرن ملتانی کے قصہ ''سوہنی مہینوال'' کے تین مختلف قسم کے ایڈیشن چھپے ہوئے ملے ہیں۔ پہلا ایڈیشن سولہ صفحے کا منظوم قصہ ہے جسے اخلاق بک ڈپو ملتان نے اخلاق

پریس ملتان سے شائع کیا ہے۔ دوسرا ۳۲۱ صفحے کا منظوم قصہ ہے جسے حافظ عزیز الدین، رحیم الدین ملتان نے یونین پریس ملتان سے شائع کیا ہے جبکہ تیسرا ایڈیشن نظم ونثر پر مشتمل ہے۔ ۳۲ صفحے کا ہی یہ ایڈیشن مولوی فیض بخش محمد ذوالفقار ملتان نے یونین پرنٹنگ پریس ملتان سے شائع کیا ہے۔

۴۔ غافل گورمانی (۱۸۷۷ء۔۱۹۶۰ء)

احمد بخش ٹوبھہ غافل گورمانی نے تین قصے لکھے۔ جن میں سے ایک ''سوہنی مہینوال'' تھا جو سب سے آخر میں لکھا گیا۔ خود لکھتے ہیں

پہلے ہیر آئی، ول سسّی آئی ، پچھے آئی سوہنی گجرات والی

اس طرح ایک اور مصرعہ قصہ سوہنی مہینوال کے حوالے سے دیکھیے:

شوہ پانی دے وچ جڈاں ٹُبی ماری ، ہنگل آئی خضر حیات والی

۴۔ مرزا صاحباں

سرائیکی شعراء نے پنجاب کی معروف لوک داستان ''مرزا صاحباں'' کو بھی منظوم کیا ہے۔ تین قصوں کا جائزہ دیکھیے۔

ا۔ اکبر شاہ (۱۱۸۵ھ۔۱۲۷۵ھ بمطابق ۱۸۵۸ء)

اکبر شاہ نے ''قصہ مرزا صاحباں'' منظوم کیا۔ نہایت مختصر ہے۔ اس کے باوجود تفصیل کا لطف دیتا ہے۔ اکثر جگہوں پر سوالی جوابی ڈوہڑے ترتیب دیے گئے ہیں۔ قصے میں رزمیہ عناصر بھی ملتے ہیں۔ قصے کا ایک ایڈیشن حافظ حمید الدین، عزیز الدین ملتان نے اقبال برقی پریس ملتان سے ۱۹۲۸ء میں شائع کیا تھا جبکہ ایک ایڈیشن مولوی خدایار، نور محمد، فیض احمد ملتان نے خادم التعلیم پریس لاہور سے شائع کیا۔ کیفی جامپوری اسے ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ کا چھپا ہوا بتاتے ہیں (ح۔۷۱)۔ جبکہ نصر اللہ ناصر نے اسے ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد کا بتایا ہے (ح۔۷۲)۔ ایک تیسرا نسخہ

بھی ہے جسے نور محمد ملتان نے شائع کیا ہے (ح۔۷۳)۔ ناہید لودھی کی مرتبہ ''کلیاتِ سید محمد اکبر شاہ'' صفحات ۱۵۸ میں ''قصہ مصری'' بھی شامل ہے۔

۲۔ نُورن گدائی (۱۸۷۰ء۔۱۹۲۶ء بمطابق ۱۲۸۷ھ تا ۱۳۴۴ھ)

منشی نور محمد نورن گدائی ملتانی کا قصہ ''مرزا صاحباں'' سوالی جو بی ڈوہڑے پر مشتمل ہے۔ آغاز میں ایک طویل بحر ہے اور درمیان میں موضوع کی مناسبت سے کافیاں بھی ہیں۔ قصے کو ناٹک کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ ۴۰ صفحے کا ایک ایڈیشن مولوی فیض بخش محمد ذوالفقار ملتان نے یونین پرنٹنگ پریس ملتان سے شائع کیا ہے۔

۳۔ سراج احمد پردیسی

مولانا سراج احمد پردیسی اُوچ شریف ضلع بہاولپور کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے ڈوہڑے، بیت اور طویل بند کی شکل میں قصہ مرزا صاحباں لکھا ہے۔ زبان سادہ اور جتا کی ہے جس میں فنی خامیاں بھی ہیں۔ خیال ہے کہ ان خامیوں کے پیچھے قصہ گو حضرات کا ہاتھ ہے۔

۵۔ سہتی مراد

قصہ ہیر رانجھا کے ضمنی قصے ''سہتی مراد'' کو سرائیکی میں الگ سے بھی منظوم کیا گیا ہے۔ سہتی مراد کی یہ داستان محمد نواز شاہ سمبل نے نظم کی ہے۔ یہ قصہ مولوی فیض بخش، محمد رحیم نواز اینڈ سنز ملتان نے ۳۲ صفحے کی صورت میں شائع کیا ہے۔ ایک اور ایڈیشن اسی ناشر کا اتنی ہی ضخامت کا سید محمد شاہ کے نام سے بھی ملتا ہے۔ لگتا ہے کہ شاعر ایک ہی ہے۔

۶۔ زیبی راول

کتاب ''جانباز جتوئی'' میں فدا الاحمرانی لکھتے ہیں ''زیبی راول کے علاقے کا ایک

معروف قدیم رومان ہے، انھوں نے صفحہ بیس (۲۰) پر جانباز جتوئی کی کافی ''وٹھڑی روہی'' کا اقتباس بھی دیا ہے جس میں یہ قصہ مذکور ہے۔

۷۔ سمی

سمّی راول سنگھڑ یعنی تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خاں کی سچّی کہانی ہے جیسا کہ حیدرانی لکھتے ہیں:

مجلس دے وچ آگھ سناواں سچّی صاحب کہانی

لیکن اب اسے لوک داستان کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ خواجہ غلام فریدؒ نے بھی اپنے کلام میں دوسرے عشاق کے ساتھ سمّی کے معاشقے کے بارے میں بھی لطیف اشارے دیے ہیں۔ غلام حسن حیدرانی (۱۹۲۲ء۔۱۹۷۵ء) نے پہلی بار اسے سرائیکی مثنوی میں ڈھالا۔ حیدرانی کا منظوم قصہ ''سمّی'' کے نام سے عزیز پریس ملتان سے جون ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا۔ اس کے ۹۶ صفحات ہیں۔ صفحہ ۲۲ سے اصل قصہ یوں شروع ہوتا ہے۔

کالو موچی وسدا تونسے ہا نجیب نسل دا

قصہ سوال و جواب اور مقولہ کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔ صفحہ ۸۷ سے آگے سمّی کا اپنا کلام بھی دیا گیا ہے۔ دلشاد کلانچوی ''سرائیکی زبان تے ادب'' میں لکھتے ہیں:

> ''یہ ہماری دھرتی کی ایک دردناک داستان ہے۔ قدیم ہے مگر اسے نظم میں لانے کا کام غلام حسن حیدرانی نے کیا۔ اگر یہ کام نہ ہوتا تو یہ داستان شاید ہمارے دلوں اور دماغوں سے نکل جاتی اور سرائیکی ادب اس داستان سے خالی رہ جاتا۔ اس منظوم داستان میں وہ سب خوبیاں اور اچھائیاں موجود ہیں جو ایک منظوم داستان کی روح ہوتی ہیں۔ سمّی سرائیکی منظوم داستان گوئی کے راستے کا سنگ میل ہے بلکہ اہم موڑ''۔

Scanned with CamScanner

۸۔مصری بائی

سید اکبر شاہ (وفات ۱۲۷۵ھ بمطابق ۱۸۵۸ء) کی سرائیکی منظوم داستان ''قصہ مصری بائی'' کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ یہ عشقیہ رزمیہ ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔اس میں جذبات نگاری کے بہت عمدہ نمونے ملتے ہیں۔اس کا زمانہ نواب صادق اوّل (۱۷۲۳ء۔۱۷۴۶ء) ہے۔ زبان رواں اور موسیقی سے بھری ہے۔ مجموعی طور پر مقامی معاشرت کے حوالے سے سرائیکی زبان کا دلچسپ اور مقبول قصہ ہے۔ پہلی بار یہ ۱۸۸۴ء بمطابق ۱۳۰۱ھ میں چھپا۔اس کے بعد ملک ہیرا تاجر لاہور نے ۱۸۹۸ء میں ۳۸ صفحے کا، شمس الدین، منورالدین ملتان نے ۱۹۱۰ء میں ۲۸ صفحے کا، حاجی محمد عبدالسبحان سوداگر بہاولپور نے ۱۹۱۱ء (۱۳۲۹ھ) میں ۲۴ صفحے کا آریہ سٹیم پریس لاہور سے شائع کیا۔ایک نسخہ ۴۸ صفحے کا مولوی فیض بخش، محمد ذوالفقار، محمد رحیم نواز ملتان کا بھی موجود ہے۔

اکبر کے قصہ مصری بائی کے علاوہ غلام حیدر کا قصہ مصری ۳۲ صفحے کا نظم ونثر پر مشتمل ہے جسے مولوی فیض بخش، محمد ذوالفقار، محمد رحیم نواز ملتان نے شائع کیا۔

۹۔نونہہ سَسں

بیسویں صدی کے پہلے نصف میں خیر پور سادات تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ کے دلو رام المعروف موجی (۱۸۶۰ء۔۱۹۲۵ء) کا ''سَسں تے نُونہہ دا جھیڑا'' بارہا شائع ہوا جبکہ جدید دور میں دلنور پبلی کیشنز نور پور نورنگا بہاولپور نے ۸ صفحے کا ۱۹۸۷ء میں شائع کیا۔ دسویں بار ۱۵ اپریل ۱۹۸۹ء، گیارھویں بار ۲۷ ستمبر ۱۹۹۰ء کو، تیرھویں بار ۱۹۹۱ء میں، چودھویں بار ۲۰ اپریل ۱۹۹۱ء کو، پندرھویں سولہویں بار ۱۹۹۲ء میں اور اٹھارویں بار دسمبر ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا جبکہ بزم فیض لیاقت پور نے بھی ۱۹۸۶ء میں ۸ صفحے کا ایک ایڈیشن شائع کیا تھا۔

شجاع آباد کے مرزا تیغ علی سلوتری جنھیں منشی تیغ علی کمتر بھی لکھا گیا ہے، پیدائش ۱۸۴۶ء وفات ۱۹۲۶ء ماہرِ علاج حیوانات تھے، نے ''جھگڑا نونہہ سس'' لکھا۔ ۸ صفحے کا عنوان ''نونہہ سس جدید قصہ'' تلے حافظ شمس الدین، منور الدین ملتان نے ابوالعلائی سٹیم پریس آگرہ سے شائع کیا۔ اس کے نصف درجن ایڈیشن موجود ہیں۔ جدید دور میں تونسہ کے شاعر شفقت بزدار کا ''نُونہہ سس دا جھیڑا'' ۸ صفحے کا ہی شاعر نے خود ۱۹۷۹ء میں شائع کیا۔

۱۰۔ نینگر و نینگور

''قصہ نینگر و نینگور'' میاں محمد مٹھا چاہ چکو والا تحصیل شجاع آباد (پیدائش ۱۸۴۵ء) نے لکھا۔ میر حسان الحیدری نے اسے داستان ہیر رانجھا سے ماخوذ بتایا ہے۔ ویسے یہ ''جھگڑا پسر و پدر'' کے ذیلی عنوان تلے بھی چھپتا رہا ہے۔ ''سرائیکی کتابیں'' میں آٹھ اور سولہ صفحے کے اس کے چھ ایڈیشن درج کیے گئے ہیں جن میں سے تین ابوالعلائی سٹیم پریس، آریہ سٹیم پریس لاہور اور ملتان الیکٹرک پریس ملتان سے چھپے ہوئے ہیں۔

(ب)

اب سرائیکی میں منظوم کی گئی ان داستانوں کا ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق براہِ راست یا بالواسطہ سرائیکی بولنے والے علاقے سے نہیں ہے۔

ا۔ سیف الملوک

یہ شہزادۂ مصر سیف الملوک اور بدیع الجمال پری کی داستان ہے جو سند بادناموں میں بھی ملتی ہے۔ سرائیکی میں یہ قصہ کئی شعراء نے نظم کیا ہے۔

ا۔ مولوی لُطف علیؒ (۱۷۱۶ء۔۱۷۹۴ء بمطابق ۱۱۲۹ھ۔۱۲۰۹ھ)

کیفی جام پوری مولوی لطف علی کی جائے پیدائش ملتان سے چار میل دور قصبہ بہادر پور

بتاتے ہیں (ح۔۷۴) جبکہ ایک اور روایت کے مطابق مولوی لطف علی گڑھی بجواں علاقہ جمال الدین والی کے رہنے والے تھے اور موٗ مبارک (رحیم یار خاں) والوں کے مرید تھے۔ وفات بھی ۸۰ برس کی عمر میں یہیں پائی اور مقبرہ بھی یہیں ہے جسے مخدوم سجاد حسین قریشی مرحوم نے اپنے گورنر پنجاب ہونے کے دور میں تعمیر کرایا۔ البتہ ابتدائی عمر میں ملتان میں تعلیم حاصل کرنے کے شواہد دستیاب ہیں۔ مولوی لطف علی بہاولپوری کی وجہ شہرت ان کی شہرہ آفاق مثنوی ''سیفل نامہ'' ہے (پروفیسر اسلم انصاری فنی لحاظ سے اِسے صنف ''مثنوی'' ماننے کو تیار نہیں)۔ یہ مثنوی انھوں نے ایک سال کی رات دن محنت کے بعد ۷ رجب ۱۱۹۵ھ بروز جمعرات بمطابق ۱۷۸۰ء میں مکمل کی۔ اس مثنوی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ''مقابیس المجالس'' جلد چہارم کے مطابق سرائیکی کافی کے امام خواجہ غلام فریدؒ نے بھی آپ کو اپنا امام مان کر خراج عقیدت پیش کیا ہے بلکہ خواجہ صاحب نے اسے سبقاً حفظ بھی کیا تھا۔ (اب بھی سرائیکی علاقے میں اس قصے کے کئی حفاظ مل جاتے ہیں مثلاً صوفی محمد یار بیرنگ نواں کوٹ، خان پور) یہ کتاب درسوں میں داخلِ نصاب رہی ہے اور مولوی صاحب کی زندگی ہی میں اسے کافی شہرت حاصل ہوگئی تھی۔ لطف علی مرحوم کا یہ مصرعہ:

لُطف علی کجھ کوڑ نہ بولیا آندس نقل کتابوں

سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انھوں نے کسی کتاب کو سامنے رکھ کر یہ مثنوی لکھی ہے۔

اس سلسلے میں ظامی بہاولپوری لکھتے ہیں:

''میاں محمد بخش جہلمی نے لکھا ہے کہ میں نے یہ کہانی کتاب ''مجمع الحکایۃ'' سے اخذ کی ہے۔ ممکن ہے مولوی لطف علی کی کہانی کا ماخذ بھی یہی کتاب ہو''۔ (ح۔۷۵)

مثنوی میں ۲۷۴ بحریں یا بند شامل ہیں۔ دلشاد کلانچوی کے بقول:

''اس میں سرائیکی زبان کو بنانے جوڑنے میں اتنی محنت کسی نے نہیں کی اور نہ کسی نے اتنی دلچسپی ظاہر کی ہے جتنی لطف علی نے کی ہے''۔ (ح۔۷۶)

اس مثنوی میں لطافت، روانی، سلاست، الفاظ کی بندش، نادر تشبیہات و استعارات کا استعمال تو ہے ہی، غنائیت و موسیقی کی فراوانی بھی نظر آتی ہے۔ یعنی علمی و فنی خوبیوں کے ساتھ اس کی اضافی خوبیاں غنائیہ، روانی اور وجد انگیز اندازِ بیان ہے۔ لطف علی نے کردار نگاری اور واقع نگاری کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ کمال چابکدستی کے ساتھ موقع محل کی مناسبت سے اپنے علاقے کی تہذیب و تمدّن کو اجاگر کیا ہے۔ مولوی صاحب نے ایسی بحر کا انتخاب کیا جو سراسر نغمہ و زمزمہ ہے اور وہ الفاظ و کلمات عام استعمال کیے جو مسجّع و مقفّیٰ ترنّم کی جان ہیں۔ سیفل نامے کی بحر تو اتنی مقبول ہوئی کہ بعد کے کئی لکھنے والوں نے اِسے اپنایا کیونکہ یہ تیز رفتار، رواں دواں اور زندگی سے بھرپور ہے۔ اس میں نیچرل شاعری کے لازمی عنصر کے مطابق جوشِ اظہار، جذبات اور تموّج موقع و محل کے مطابق پیدا کیے گئے ہیں۔ قوت مخترعہ سے غیر موجود چیزوں کو وجود بخش کر تخیل آفرینی کا کمال دکھایا ہے۔ پلاٹ پر بھی خاص توجہ دی ہے اور کہانی میں تسلسل کا بھی خیال رکھا ہے۔ مختصر یہ کہ زندگی کے سارے رنگوں اور تخیل کی لطافت نے اسے انفرادیت بخش دی ہے۔ مولوی لطف علی کو بھی اس کی عظمت کا احساس تھا۔ لہٰذا لکھتے ہیں:

رَہسی لُطف ، حیات سَدا جیں جوڑیا سیفل نامہ

ڈاکٹر شہباز ملک نے ''پنجابی کتابیات'' میں لطف کی ''سیف الملوک'' یا ''سیفل نامہ'' کے پچیس نسخے گنوائے ہیں۔ سب سے پہلے یہ ۱۸۷۲ء میں لاہور سے شائع ہوئی تو اس کے ۶۴ صفحے تھے جبکہ ۱۸۷۷ء میں اسے چراغ الدین تاجر لاہور نے شائع کیا۔ (ح۔ ۷۷) ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے بھی سندھی ادبی بورڈ کراچی سے ''سیفل نامہ'' اپنے مضمون کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۲۔ مخدوم محمد بخش (وفات ۱۹۵۴ء)

مخدوم محمد بخش انیسویں صدی کے اختتام میں مؤ مبارک ضلع رحیم یار خاں میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر مخدوم محمد حسین (جو آپ کے پوتے ہیں اور جنھوں نے ۱۹۹۲ء میں رحیم یار خاں سے

Scanned with CamScanner

۱۳۸ صفحے کا سیف الملوک کا قصہ نسخۂ مخدوم کے عنوان سے شائع کیا) لکھتے ہیں کہ ''جناب مخدوم محمد بخش کو خواب میں مولوی لطف علی کی زیارت ہوئی۔ مولوی نے ان سے فرمایا کہ میری مثنوی اب اس حالت میں نہیں ملتی۔ لہٰذا تم اسے نئے سرے سے شروع کرو۔ یہ تھا وہ واقعہ جو مخدوم محمد بخش کی سیف الملوک کی تصنیف کا باعث بنا۔ مخدوم صاحب نے اسے ۱۹۳۰ء میں مکمل کیا''۔

خواجہ غلام فریدؒ کے خلیفہ مولانا محمد یار بلبل فریدی کے معروف ''دیوانِ محمدی'' میں بھی آپ کے بارے میں ایک شعر اس طرح سے شامل ہے:

اِتھ آئیں حل تھِیسن عُقدے ، کھُلّے بید نیارا

پاک محمد بخش دے لُطفوں وَسدے عالم سارا

نصر اللہ خان ناصر لکھتے ہیں کہ:

''مخدوم محمد بخش نے لُطف علی کے قصے کو سامنے رکھ کر ہُو بہو ہر بند کے مقابل ایک بند تحریر کیا ہے اور تمام قصہ اُسی بحر اور بالکل اُسی مضمون میں لکھا ہے بلکہ اکثر جگہوں پر قافیہ ردیف بھی ایک ہی اختیار کیا ہے.........
ان کو زبان پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ کئی بحر ایسے ہیں جہاں لطف علی اظہار کے راستے بند کر گئے ہیں مگر بخش نے اس جگہ پر بھی اپنا ایک منفرد رنگ جمایا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ کچھ جگہیں ایسی بھی آتی ہیں جہاں بخش کا قلم لطف علی سے آگے نکل جاتا ہے''۔

عزیز نشتر غوری مرحوم اپنے مضمون ''مخدوم محمد بخش صاحب بخش'' میں لکھتے ہیں:

''اپنے بزرگان کے مرید مولوی لطف علی صاحب کے تتبع میں جناب بخش نے بھی مثنوی سیف الملوک لکھی ہے.......... ہمارے خیال میں تو کوئی شخص یہ بات تصوّر میں بھی نہیں لا سکتا کہ سرائیکی کے قانی لطف علی نے جو

قصہ سیف الملوک اپنی مثنوی میں قلم بند کیا ہے اس کے مقابلے میں وہی
قصہ کوئی دوسرا شاعر قلم بند کر کے اپنا رنگ جما سکے''۔(ح۔۷۸)

۳۔نواز سیت پوری (وفات ۱۹۴۶ء)

آغا محمد نواز سیت پوری نے ''قصہ سیفل'' لکھا۔ کتاب ''ضلع مظفر گڑھ'' میں صفحہ ۴۳۵ تا ۴۳۶ پر نمونہ کلام موجود ہے۔ یہاں قصہ سیف الملوک کے لکھنے والے مندرجہ بالا تینوں شعراء کا نمونہ کلام موازنے کے لیے پیش ہے۔ بحری سفر میں شہ سیفل کو جب زنگی ڈاکو گرفتار کر کے اپنے زنگی بادشاہ کے پاس لے جاتے ہیں تو وہ شہزادہ کو خدمت گزاری کے لیے اپنی لڑکی کے حوالے کر دیتا ہے جو سیاہ فام ہونے کے ساتھ حد سے زیادہ کریہہ المنظر اور بدصورت بھی ہے۔ تینوں شعراء نے اس کی بدصورتی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

ا۔لطف علی

ہئی بدحال ہتھانی کانی زنگانی مُنہ کالی
سر بدڈول قد آور گنا وات عظیم گنالی
ہینی گرم دوکان ڈسے ڈس ہر ہک ناس گُھالی
ڈیکھ ڈرا کل ڈند اُوندے خود تھیوے خجل ڈندالی

۲۔مخدوم محمد بخش

ہئی بدچال بُری اُس حُروی دُختر زِشت خصالے
سیفل کوں پا نظر بِکونے تحفے طور سنبھالے
شکل قبیح صاحت قیامت ، قامت فِیل مثالے
انجن وانگ مرینْدی کُوکاں کردی قِیل مکالے

لکھ لکھ وِہن کلھوراں ملواں رِگیگال گند کپالے
ہس مکھیاں دے مُکھ تے بھندے نالے رگجیاں پالے
اُنگ اُنگ زنگا نڑیں کانی مِثل ہتھانی کالے
سر پا گوش برابر کوجھی، ڈندہن مثل ڈندالے

۳۔نوازسیت پوری

حُلیہ بھونڈن زنگانی دا شاعر آکھ سنائے
قد ہتھانی گردن گھانی رنگ پہاڑ سیائے
ڈنڈ ڈندالی، دہن گنالی، ناس گھٹالی بھائے
رگ دی گربھہ رگاں جوڑے نگ دوکان بتائے

۴۔سلطان سومرو

نصر اللہ ناصر کے مطابق ''سلطان سومرو نوشہرہ، احمد پور لمہ (بہاولپور) کے رہنے والے مولائی شیعہ تھے۔ ۵ سال امیر بہاولپور کی فوج میں ملازمت کی۔ خواجہ فریدؒ سے عقیدت رکھتے تھے۔ دو تین سال میں لُطف علیؒ کے قصّے کو سامنے رکھ کر مضمون بمطابق مضمون لکھا''۔ سومرو نے یہ قصہ ۱۳۵۷ھ میں مکمل کیا۔ قصے میں کہیں کہیں واقعاتِ کربلا کا بیان بھی کر جاتے ہیں۔

۵۔خادم حسین مخفی

سردار چھیڑے خاں المعروف خادم حسین مخفی کا منظوم قصہ ''سیف الملوک'' ۱۹۹۶ء میں دلچسپ سرائیکی سنگت جندو پیر کمال لیاقت پور نے شائع کیا ہے۔ ۲۰۰ صفحے کی اس کتاب میں پہلے ظفر لشاری کا مضمون ہے اور بعد میں صفحہ ۲۱ سے ۱۹۸ پر قصہ شامل ہے۔ طبع دوم۔ ۲۰۰۵ء

ان کے علاوہ بھی سرائیکی میں سیف الملوک کا قصہ قاسم علی شاہ سندھی، صابر ملتانی اور امام بخش نے منظوم کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

۲۔یُوسف زلیخا

یہ قرآنی قصہ ہے جو"سورۃ یُوسف" پارہ ۱۲۔۱۳ سے لیا گیا ہے۔"قصص القران" میں اسے اَحسن القصص کہا جاتا ہے۔

قصہ عشق محبت والا آپ الٰہی چُھپیا
حال حبیباں تے محبوباں کُل عالم وچ سُنیا

۱۔صدیق لالی (۱۰۸۴ھ۔۱۱۷۹ بمطابق ۱۶۷۳ء۔۱۷۶۶ء)

میر حسان الحیدری لکھتے ہیں:

"چراغ اعوان کے بعد سرائیکی مثنوی نگاروں میں قصبہ لالیاں ضلع جھنگ کا نامور شاعر صدیق لالی منظرِ عام پر آتا ہے۔جس نے ۱۷۲۵ء(۱۱۳۸ھ) میں مثنوی یوسف زلیخا لکھ کر بہت سے شعراء کے لیے راہ پیدا کر دی۔ صدیق لالی کی زبان سادہ ہے۔بولی لہندی اور ملتانی ہے"۔(ح۔۷۹)

پروفیسر ریاض احمد شاد نے "کُلیات لالی" مرتب کی اور پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے اکتوبر ۱۹۸۲ء میں ۵۰۴ صفحے کی یہ کُلیات شائع کی۔اس میں صدیق لالی کا قصہ یُوسف زلیخا "بحرالعشق" کے عنوان سے صفحہ ۲۰۹ تا ۳۵۶ تقریباً ۱۴۶ اصفحات پر موجود ہے۔آپ نے یہ قصہ، قصہ کر کے نہیں بلکہ زندگی کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کو سمجھانے کے حوالے سے لکھا ہے اور واقعات کو محض اشارتاً بہت ہی تھوڑے لفظوں میں بیان کیا ہے۔میاں محمد بخش کا کہنا ہے کہ:

"لالی نے یوسفؑ کا جو سہرا پرویا ہے۔اس میں آیت اور حدیث گلاب کے پھولوں کی طرح پروئے ہیں"۔

Scanned with CamScanner

قصے میں لالی نے ہر واقعہ کو ایک مثال بنا کر اس سے اخلاقی اور روحانی نتیجہ نکالا ہے یعنی اس میں واقعات تھوڑے ہیں اور اخلاقی و روحانی نتیجے بیان کرنے کا حصہ زیادہ ہے۔ پروفیسر ریاض احمد شاد نے ''کلیات لالی'' میں لالی کی زبان پر کھل کر بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''صدیق لالی کی زبان اپنے علاقے کی ٹھیٹھ لہندی زبان ہے...... بعض لفظوں کی تذکیر و تانیث اِس سے اُلٹ ہے جو کہ صدیق لالی نے استعمال کی ہے۔ مگر یہ بات مغربی پنجاب میں بولے جانے والے لہجوں میں آج بھی اتنی اجنبی نہیں۔ خواجہ غلام فریدؒ کی شاعری میں بھی ایسی مثالیں مل جاتی ہیں ...... مجموعی طور صدیق لالی کی زبان ضلع سرگودھا میں بار کی ٹھیٹھ لہندی زبان ہے''۔ (ح۔۸۰)

۲۔ مولوی عبدالحکیم اُچوی (پیدائش ۱۱۶۱ھ)

میر حسان الحیدری لکھتے ہیں: ''صدیق لالی سے تقریباً اسّی برس بعد اُچ شریف، ریاست بہاولپور کے مولوی عبدالحکیم نے ''یوسف زلیخا'' پر قلم اٹھایا (ح۔۸۱)۔ آپ چانولی تھانہ احمد پور شرقیہ کے رہنے والے تھے پھر اُچ آئے، عباسی لاڑ تھے۔ حافظ جمال اللہ ملتانی (۱۷۶۱ء۔ ۱۸۱۱ء) کے آخری دور میں ہوئے ہیں ویسے ان کے پیر بھائی تھے۔ ۱۸۰۳ء (۱۲۱۸ھ) میں مثنوی یُوسف زلیخا لکھی۔ ''پنجاب میں اردو'' کے مصنف محمود شیرانی مثنوی کی سادگی، سلاست اور فطری انداز کی وجہ سے اِسے سراہتے اور شواہد و استدلال کے لیے بطور حوالہ کے برتتے ہیں۔ میر حسان الحیدری کا کہنا ہے کہ مثنوی یُوسف زلیخا سرائیکی زبان کی اُمہات الکتب میں شمار ہوتی ہے اور بارھویں صدی ہجری یعنی اٹھارھویں صدی عیسوی کے نصف آخر کی بہاولپوری سرائیکی تہذیب و تمدّن کی ایک زندہ جاوید تصویر پیش کرتی ہے۔ (ح۔۸۱)

اُچوی، مولانا جامیؒ کی فارسی مثنوی سے بہت زیادہ متاثر ہیں اور اسے سامنے رکھ کر یہ

Scanned with CamScanner

مثنوی لکھی ہے۔ لٰہذا ترتیب اور بحر وہی ہے۔ بعض اشعار تو جامی کے اشعار کا ترجمہ ہی ہیں۔ مثنوی میں فارسی کے مکمل اشعار کے علاوہ بعض مقامات پر فارسی کے مصرعے بھی شامل کیے ہیں اور بعض جگہ سرائیکی کے ساتھ اردو، عربی اور فارسی کا احتلاط بھی کیا گیا ہے۔ دلشاد کلانچوی اپنے ترجمے میں لکھتے ہیں:

''سرائیکی زبان میں انھوں نے کئی قسم کے نئے الفاظ بھی شامل کیے ہیں''۔(ح۔۸۲)

مگر ڈاکٹر مہر عبدالحق ''ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق''میں لکھتے ہیں:

''شاعر نے اصل قصہ خالص ملتانی زبان میں (جو اس کی مادری زبان تھی) لکھا تھا۔ بعد میں مطابع والوں نے زبان کو اپنی ضروریات کے مطابق بدلنے کی کوشش کی ہے مگر وہ صرف حروف اور چند ایک معمولی اسماء کے بدلنے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ ٹھیٹھ ملتانی زبان کے الفاظ کو بدل نہیں سکے''۔(ح۔۸۳)

اُچوی، ''عبدالحکیما''، تخلص کے طور پر برتتے ہیں اور ہر واقعہ یا بات شروع کرنے سے پہلے یہ مصرعہ لکھتے ہیں:

چلو عبدالحکیماں، تاں چلائیں

وہ پرانے قصے میں کچھ نئی باتیں شامل کر کے اسے ایک نئی تصنیف کے قریب بھی لے آتے ہیں۔ انھوں نے قرآنی قصے میں کچھ روایتی باتیں شامل کر دی ہیں تاہم ایک بڑے مثنوی نگار کی طرح مثنوی کو عامیانہ جذبات سے اُوپر لا کر جنسی جذبے کی طہارت اور عشقیہ تصورات کی پاکیزگی کی منزل تک پہنچایا ہے۔

تاہم اس کتاب کی کچھ خامیاں بھی گنوائی گئی ہیں۔ کیفی جامپوری کے بقول اس میں

Scanned with CamScanner

شعریت کی کمی ہے۔ دلشاد کلانچوی کے بقول فوق الفطری باتیں بھی دی ہیں جیسے اونٹنی اور ناہر کے حیوانی کردار انسانوں کی طرح باتیں کرتے ہیں۔ شعر تصنع اور تکلف کو ظاہر کرتے ہیں اور کلام شیرینی سے خالی ہے۔ دلشاد کلانچوی نے مثنوی کا سلیس اردو ترجمہ کیا ہے جسے اردو اکیڈمی بہاولپور نے مئی ۱۹۷۸ء میں متن کے ساتھ ۲۳۹ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ ویسے اس مثنوی کا ابتدائی نسخہ ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۲ء) میں چراغ الدین تاجر کتب لاہور نے ۱۰۶ صفحے کا شائع کیا تھا۔ رائے منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز نے مفید عام پریس لاہور سے ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) میں چھپوایا جبکہ مطبع مصطفائی لاہور نے اسے ''زلیخا ہندی'' کے نام سے شائع کیا۔ ۸۸ صفحے کا ''زلیخا ہندی'' جسے ایس سنت سنگھ نے لاہور سے شائع کیا۔

۳۔ غلام سکندر غلام (۱۸۱۸ء۔ ۱۹۰۸ء)

غلام موضع بھکر ڈیرہ اسماعیل خاں کے بلوچ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۶۳ء میں ''مثنوی یوسف زلیخا''، لکھی۔ ''قصہ گیرا و باز'' بھی یادگار ہے۔ دلشاد کلانچوی لکھتے ہیں:

> ''ان کا لکھا ہوا قصہ یوسف زلیخا بھی سرائیکی ادب میں اُونچا مقام رکھتا ہے۔ محض دس صفحوں کا لکھا ہوا قصہ ہمارے معاشرتی حالات اور مذہبی رجحانات کا ایک بڑھیا نمائندہ ہے۔ یہ قصہ پڑھنے میں بہت دلچسپ ہے بلکہ اسے پڑھنے سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے''۔ (ح۔۸۴)

ناصر لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ سرائیکی کی واحد مثنوی ہے جس میں نظم کے ساتھ ساتھ نثر بھی شامل ہے''۔ (ح۔۸۵)

دراصل غلام کے مختلف ناٹکوں میں ایک مختصر ناٹک ''یوسف زلیخا غلام والا'' ہے۔ اس کی کل ۱۶۷ سطریں ہیں جن میں سے ۵۵ نثر میں ہیں یعنی ایک تہائی سے بھی کم، باقی منظوم ہے۔ یعنی نظموں اور گانوں کے اندر نثر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ڈال دیا گیا ہے۔ یوں یہ مثنوی نہیں ہے۔ ایک

ایڈیشن پنڈت آسانند اینڈ سنز لیہ نے نو بہار الیکٹرک پریس ملتان سے، دوسرا حافظ شمس الدین، منورالدین ملتان نے کرشنا سٹیم پریس ملتان سے، تیسرا مولوی فیض بخش محمد ذوالفقار، محمد رحیم نواز نے نو بہار الیکٹرک پریس سے چھپوایا تھا۔

۴۔احمد یار تونسوی

مولوی احمد یار تونسوی، بستی جندو میرانی تحصیل تونسہ کے بلوچ تھے۔اُچوی کے بعد ان کا قصہ سرائیکی کا دوسرا مکمل اور اہم قصہ ہے۔ یہ سیدھے سادے انداز میں لکھا گیا ہے۔ جزئیات نگاری کی خوبی بھی ملتی ہے۔ نصراللہ خاں ناصر نے ایک روایت نقل کی ہے کہ:

> ''لطف علی نے احمد یار کا قصہ سُن کر کہا کہ یہ معلوم نہ تھا کہ تونسے کی طرف حافظ احمد بھی پڑا ہے''۔

۳۶ صفحات کا قصہ مولوی فیض بخش، محمد ذوالفقار ملتان نے ہمدرد پریس ملتان سے شائع کیا۔(ح۔۸۶)

۵۔خوشتر جچوی

محمد نواز خوشتر جچوی مرحوم کا گھر پہلے گڑھی اختیار خاں تھا پھر خان پور کے نزدیک جچہ عباسیاں میں رہنے لگے۔صادق بشیر ''رَت دیاں ہنجوں''میں لکھتے ہیں:

> ''ان کو حضرت خواجہ لطف علی صاحب کی زیارت ہوئی اور انھوں کے فرمان پر قصہ سرائیکی زبان میں ''یوسف زلیخا'' لکھا۔ جو آج بھی سرائیکی کی پرانی اور چوٹی کی کتابوں میں گنا جاتا ہے۔آپ اچھے گلے کے مالک تھے۔جنگلوں میں سوائے سیف الملوک گانے کے اور کوئی کام نہ تھا، وفات پا چکے ہیں''۔خوشتر کا قصہ ضخیم ہے اور ہزاروں اشعار پر پھیلا ہوا

ہے۔ زبان ٹھیٹھ ہے، کلام میں روانی اور اسلوب سوز و گداز سے بھرا ہے۔

سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے محمد نواز خوشتر جوئی کی مثنوی ''یوسف زلیخا'' ۳۱۲ صفحات پر مشتمل ۲۰۰۰ء میں شائع کر دی ہے۔

۳۔ لیلیٰ مجنوں

یہ عرب کی داستان ہے۔ سرائیکی شعراء نے اسے بھی منظوم کیا ہے۔

ا۔ مولوی گل محمد چشتی (۱۲۵۱ھ۔۱۳۱۵ھ بمطابق ۱۸۳۶ء)

ڈیرہ غازی خاں سے جنوب مشرق میں ۲۰ (بیس) میل دور قصبہ ''شیرو'' میں پیدا ہوئے۔ (جو ۱۹۵۳ء میں دریابُرد ہو چکا ہے) والد کا نام شیخ محمد امین تھا۔ خواجہ سلیمان تونسوی کے مرید تھے۔ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ''شیخ المومنین'' اور ''گلزار فریدی'' فارسی کی مشہور کتب ہیں۔ سرائیکی میں گازرنامہ المعروف دھوبی نامہ (۱۲۹۶ھ)، ملاں نامہ، تصوف نامہ، ہیر نامہ کے علاوہ چھ سو اشعار پر مشتمل ''قصہ لیلیٰ مجنوں'' یادگار ہے، جو ۱۳۱۳ھ میں مکمل ہوا۔ انداز اور بحر عبدالحکیم اُچوی والی ہے۔ البتہ زبان نسبتاً زیادہ عالمانہ اور دلکش ہے۔ یہ مثنوی سماجی، تاریخی، پس منظر کو پیش کرنے کے حوالے سے اہم ہے۔ مثنوی کے بارے میں نصراللہ ناصر کا کہنا ہے:

> ''فنی محاسن کے اعتبار سے نمائندہ حیثیت رکھتی ہے۔ دریا کے کنارے رہنے کی وجہ سے کلام میں دریا کی سی روانی اور زور ہے۔ قصے کو پُر تاثیر بنانے کے لیے موضوع کی مناسبت سے حکایات اور ڈوہڑے بھی شامل کرتے ہیں''۔ (ح۔۸۷)

زبان کی سلاست، حلاوت، روانی، تشبیہات کی سادگی، پرکاری اور تخیل کی پختگی قابل تعریف ہے۔ عام طور پر ان کی سرائیکی زبان پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ سرائیکی کی علمی ادبی

زبان کو عوامی سطح پر لے آئے۔ مگر دیکھا جائے تو کسی شاعر کا عوامی زبان میں لکھنا ایک لسانی معراج ہے۔ اردو میں ہمارے سامنے نظیر اکبرآبادی اس کی ایک مثال ہیں۔

۲۔ محمد بخش نوروز (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۷ء بمطابق ۱۲۷۳ھ تا ۱۳۳۵ھ)

میاں محمد بخش نوروز ٹبی داتا خاں قصبہ مبارک پور، بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ مزار کلانچ والا نزد بستی مُلاں حق نواز بہاولپور میں ہے۔ ''مثنوی لیلیٰ مجنوں'' نوروز نے ۱۳۱۸ھ میں مکمل کی۔ اگرچہ عربی اور فارسی کے الفاظ کثرت سے استعمال کیے لیکن شعر کی روانی اور سلاست میں فرق نہیں آنے دیا۔ تاہم مثنوی مشکل پسندی کی نذر ہوگئی ہے۔ البتہ کچھ حصے ایسے ہیں جو پڑھنے والے کو لطف دیتے ہیں۔ قصے میں تقریباً چھ سو شعر ہیں۔ ایک ایک واقعہ کو الگ الگ عنوان تلے بیان کیا ہے۔ عنوان فارسی میں ہیں۔ تمام قصہ بحر کی طرز میں لکھا گیا ہے۔ ہر عنوان کے شعر اپنی اپنی ردیف میں ہیں۔ قصے میں نواب بہاولپور (۱۸۹۹ء۔۱۹۰۷ء) کے لیے دعائیہ اشعار بھی لکھے ہیں۔ دلشاد کلانچوی بتاتے ہیں:

> ''نوروز کو موسیقی کا شوق تھا بلکہ موسیقی کے فن میں اچھی بھلی مہارت رکھتا تھا۔ نوروز کے کلام میں موسیقیت کی خوبی موجود تھی''۔ (ح۔۸۸)

میر حسان الحیدری نے ''سرائیکی ادب'' میں صفحہ ۳۲۷ پر مثنوی لیلیٰ مجنوں کے صرف مطبوعہ ہونے کا ذکر کیا ہے اور نصراللہ خاں ناصر ''سرائیکی شاعری دا ارتقا'' میں صفحہ ۲۵۰ پر اتنا بتاتے ہیں کہ اسے مولوی خیرالدین صابر ملتانی نے شائع کیا تھا جبکہ چوالیس صفحے کا ''لیلیٰ مجنوں، مجموعہ ڈوہڑہ جات نوروز'' کے عنوان سے مولوی فیض بخش، محمد ذوالفقار، محمد رحیم نواز نے پاکستان پبلسٹی پرنٹنگ ورکس ملتان سے بھی شائع کیا تھا۔

۳۔ منشی غلام رسول حسرت ملتانی کا بتیس صفحے کا منظوم قصہ ''لیلیٰ مجنوں''، مولوی فیض بخش، محمد ذوالفقار ملتان نے یونین پرنٹنگ پریس ملتان سے شائع کیا تھا۔

Scanned with CamScanner

۴۔ نور محمد گدائی کا اڑتالیس صفحے کا منظوم قصہ ''لیلیٰ مجنوں'' مولوی فیض بخش، محمد شمیم نواز، محمد ذوالفقار ملتان نے اقبال برقی پریس ملتان سے شائع کیا تھا۔

۵۔ سلطان احمد سوز بلوچ: سلطان احمد سوز بلوچ آف پکالاڑاں لیاقت پور کی کتاب ''سوزِ بلوچ'' کے عنوان سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی ہے۔ ۱۷۶ صفحات کی اس کتاب میں مکالمہ گوئی کی روایت کو بھی نبھایا گیا ہے۔ مثلاً لیلیٰ مجنوں کے حوالے سے ایک سوالی جوابی مکالمہ مجنوں اور فقیر کے درمیان مکالمے کی صُورت میں یُوں شامل ہے۔

عرض مجنوں: نال فقیریں ویندیں دے، کھڑ مجنوں کیتی باتے
میکوں اپنے نال رَلائی چلّو، گھر لیلیٰ دے خیراتے
جیویں کاسہ کول تُسا ڈے ہے، اُوئیں میں وی کاسہ چاتے
متاں سوز خیرات بہانے، لیلیٰ شکل ڈکھالے آتے

جواب فقیر: ہے سدھ ساکوں تو مجنوں ہَیں، تے عاشق ہیں لیلیٰ تے
پَے خبر گئی جے یاریں کوں، تاں ڈیسن مار ٹھہاتے
دِھکّے مار کڈھیسن باہروں نہ مِلسے خیراتے
دامن چھوڑتُوں سوز ساڈا ٹرونج اپنی راہ تے

۴۔ شیریں فرہاد

ڈاکٹر طاہر تونسوی لکھتے ہیں:

''شیریں فرہاد کی داستان کو قادر بخش گلزار اور نواز ملتانی نے شعری جامہ پہنایا''۔ (ح۔۸۹)

مگر میرا خیال ہے کہ یہاں کتابت کی غلطی ہے۔ نواز ملتانی نہیں بلکہ نورن ملتانی مراد ہیں۔

ا۔ منشی نور محمد گدائی المعروف نورن ملتانی (۱۸۷۰ء۔۱۹۲۶ء)

ان کا سولہ صفحے کا منظوم قصہ ''شیریں فرہاد'' مولوی فیض بخش، محمد ذوالفقار، محمد رحیم نواز ملتان نے شائع کیا۔

۲۔ قادر بخش گلزار کا قصہ بھی مندرجہ بالا ناشر نے ہی شائع کیا۔ مگر اس قصے کے بتیس صفحے ہیں اور اس میں نظم کے ساتھ نثر بھی شامل ہے۔

۳۔ سراج احمد پردیسی کے سولہ صفحے کی منظوم داستان ''شیریں فرہاد'' اخلاق بک ڈپو نے اخلاق پرنٹنگ پریس ملتان سے شائع کی۔

۵۔ تمیم انصاری

سرائیکی میں صحابی رسول گا یہ قصہ احمد اور امین نے لکھا ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کے دور کی کہانی ہے۔

ا۔ امین کا قصہ ''تمیم انصاری بزبان ملتانی'' پہلی بار مولوی خدایار، نور احمد، محمد فیض احمد ملتان نے چھتیس صفحے کا اسلامیہ سٹیم پریس لاہور سے شائع کیا۔ حافظ شمس الدین تاجر ملتان نے ۱۹۰۲ میں اڑتالیس صفحے کا، ۱۳۰۰ھ میں اور پھر حافظ شمس الدین، منورالدین ملتان نے ۱۹۱۹ء میں شائع کیے۔ جبکہ چوالیس صفحے کا حافظ شمس الدین نورالدین نے ۱۹۲۷ء (۱۳۴۵ھ) میں شائع کیا۔ اسی طرح چھتیس صفحے کا حافظ حمید الدین، عزیز الدین ملتان نے بھی شائع کیا۔

۲۔ احمد کا قصہ ''تمیم انصاری'' جوت سنگھ، سنت سنگھ لاہور نے حمیدیہ سٹیم پریس لاہور سے ۳۲ صفحے کا ۱۹۱۲ء میں شائع کیا۔

۶۔ لیلاں چنیسر

سرائیکی میں، بھنبور کے حاکم چنیسر (حکومت تقریباً ۱۳۵۱ء) اور لیلاں کے عشق کی کہانی ریاست بہاولپور کے ایک مثنوی گو شاعر غلام محمد نے بہاولپور کے عباسی خاندان کے ایک علم پرور رئیس غازی محمد خاں داؤد پوتہ کی فرمائش پر ۱۷۷۳ء (بمطابق ۱۱۸۷ھ) میں نظم کی بحر رواں اور چراغ اعوان والی ہے، زبان پاکیزہ ہے۔ ظامی بہاولپوری کتاب ''بہاولپوری ملتانی زبان وادب'' میں لکھتے ہیں:

> ''دبیر الملک مولوی عزیز الرحمان بہاولپوری نے اس زبان کی پہلی تصنیف مولوی غلام محمد کی کتاب چنیسر نامہ کو قرار دیا ہے جو ۱۱۸۷ھ میں کسی کھوسہ سردار کی تعریف میں لکھی گئی تھی''۔ (ح۔۹۰)

۷۔ مومل (مومل میندھرا)

احمد پور لمہ، صادق آباد کے ایاز سہروردی کے دیوان ایاز فقیر ''سروزِ ساربان'' مطبوعہ ۲۰۰۴ء صفحات ۴۹۰ میں سندھ کی لوک داستان مومل میندھرا کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''مومل'' کے عنوان سے صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۶ بیان موجودہ ہے۔

(ج)

اب ہندوانہ مذہب، مزاج یا ماحول کے حوالے سے سرائیکی زبان میں منظوم کیے گئے قصے اور داستانوں کا جائزہ پیش ہے۔

۱۔ پُورن بھگت

میر حسان الحیدری کے مطابق قادر یار سندھو جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں ملتان

کے نواحی علاقے میں قوم جٹ سندھڑ میں پیدا ہوئے اور جن کی تعلیم وتربیت ایک اچھی گھرانے میں ہوئی، ان کی شہرت کا باعث ''پورن بھگت'' کا قصہ ہے۔ ڈاکٹر شہباز ملک نے اس کے انتیس (۲۹) ایڈیشن گنوائے ہیں۔ پہلا ایڈیشن سولہ صفحے کا لاہور سے ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا۔ مولوی قادر بخش کا ۲۴ صفحے کا ''پورن بھگت'' کا قصہ ہے۔

۲۔ رامائن

دائرہ دین پناہ ضلع مظفرگڑھ کے شری ہنس (حال ''حصار'' انڈیا) نے اپنے والد کا منظوم سرائیکی قصہ ''داس رامائن'' کے عنوان سے لُنڈا (رکڑ گے) رسم الخط میں ہندوستان سے چھپوایا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں ۱۳۶ صفحات کی اِس کتاب میں اُنھوں نے ملتانی رسرائیکی زبان کے اِس قصے پر ہندی میں تبصرہ بھی کیا ہے۔

(د)

اب سرائیکی زبان میں دیگر زبانوں سے منظوم ترجمہ ہونے والی داستانوں اور قصوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

ا۔ باغ وبہار

قاضی امام بخش ساکن شیروگُہنہ ڈیرہ غازی خاں نے میرامن دہلوی کے قصہ چہار درویش کا سرائیکی میں منظوم ترجمہ ''باغ وبہار ملتانی'' کے نام سے کیا:

ہُن بولی ملتانی جوڑیم، قصے بہوں پُرانے

یہ قصہ انھوں نے تمندار سردار بہادر خاں کھوسہ کی فرمائش پر ۲ صفر ۱۳۰۰ھ کو بروز پیر مکمل کیا۔ مولوی خیرالدین صابر ملتانی نے اسے ''باغ وبہار ملتانی الموسوم بہ گلشن اسرارِ مرتضوی'' کے نام سے ۱۴۴ صفحے کی کتابی صورت میں اس نوٹ کے ساتھ کہ شاعر نے ۱۸ ستمبر ۱۸۹۷ء کو حق

تصانیف انھیں بخش دیے ہیں، شائع کیا ہے۔ یعنی ۱۳۱۵ھ میں حافظ شمس الدین وکتب خانہ صابریہ ملتان کی طرف سے یہ مطبع الٰہی آگرہ سے شائع ہوا ہے جسے بعد میں اقبال صلاح الدین نے ترتیب دیا اور ۱۹۸۸ء میں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے شائع کیا۔ شروع میں تیس صفحے کا مقدمہ بھی لکھا ہے۔

۲۔ بیژن ومنیژہ

شاہنامہ فردوسی کی مشہور عشقیہ داستان ''بیون منیوہ'' کو کہروڑ لعل حسین کے سید باغ علی قریشی (جو حضرت زکریا ملتانیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ پیدائش ۱۸۳۸ء) نے ۱۸۸۰ء (۱۲۹۸ھ) میں مکمل کیا۔ ساٹھ صفحے کا یہ قصہ مولوی خدایار، نور احمد، نور محمد، فیض احمد ملتان نے مطبع بلالی ساڈھورہ سے شائع کیا۔ ایک اور ترجمہ قصبہ ملک ارائیں ضلع مظفر گڑھ کے مولوی اللہ بخش جانباز (۱۸۴۰ء۔ ۱۹۱۱ء) نے کیا جن کا اپنا قصہ ''جانباز عالم'' (۱۸۸۷ء) بھی موجود ہے۔ نمونہ ''قصہ بیژن منیژہ'' دیکھیں:

مولوی فیض بخش، محمد ذوالفقار، محمد رحیم نواز ملتان نے شائع کیا ہے۔ یہ سہ حرفی کی شکل میں ہے۔ یہ قصہ شریف صابر کے مُرتبہ قادر یار کی نثری اور شعری تصانیف، کی مرتب کردہ کتاب جسے پنجابی ادبی مرکز لاہور نے ۱۹۷۸ء میں اسّی صفحے کا شائع کیا، میں بھی شامل ہے۔

۲۔ جیسی

قصہ ''جیسی'' مولوی محمد صدیق آف امیر پور سربانہ تھانہ رنگ پور ضلع مظفر گڑھ (۱۸۵۹ء۔ ۱۹۲۲ء) نے دس جمادی الاول ۱۱۰۵ھ کو قلم بند کیا۔ ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں مولوی محمد خیر الدین صابر تاجران کتب ملتان نے مطبع الٰہی آگرہ سے شائع کیا۔ ۳۲ صفحے کا یہ قصہ کچھی کے علاقے کے ایک ہندو موتی رام کی خوبصورت بیٹی جیسی کے مسلمان ہونے کے واقعہ پر مبنی ہے۔

۳۔ سراپ

قصہ ''سراپ'' (بدعا) پیارے لال جام پوری نے شاہ جہاں کے عہد میں بکرمی ۱۷۸۴ (بمطابق ۱۷۲۸ء) میں مکمل کیا۔ یہ راجہ رام چندر جی کے بارہ برس کے بن باس کی کہانی پر مبنی ہے۔ ہندوانہ عقائد پر مبنی ہونے کی وجہ سے زبان میں ہندی بھاشا کی کثرت ہے۔ ہر واقعہ کے لیے الگ بحر اختیار کی گئی ہے۔

۴۔ عشق لتا

عین الحق فرید کوٹی کا کہنا ہے کہ:

''محمد شاہ کے عہد کے ایک ہندو شاعر آنند ملتانی نے اٹھارھویں صدی میں ایک قصہ ''عشق لتا'' کے نام سے لکھا جو ہندی ملی ملتانی میں ہے''۔ (ح۔۹۱)

عاشق تے معشوق جڑاں، بیدار تھئے خوش خوابوں
آن کنیز حمام تپایا، مُشک، عَنبر، گُلابوں

۳۔ دلبہار

دلشاد کلانچوی (۱۹۱۶ء۔۱۹۹۷ء) نے میر حسن دہلوی (۱۷۳۶ء۔۱۷۸۶ء) کی مشہور و مقبول اردو مثنوی ''سحر البیان'' کا منظوم سرائیکی ترجمہ ''دلبہار'' کے نام سے کیا۔ میر حسن نے مثنوی میں نواب آصف الدولہ (۱۷۷۵ء۔۱۷۹۷ء) کے عہد کے تاریخی، تمدنی اور ثقافتی ماحول کی عکاسی کی ہے۔ یہ ایک طربیہ اور بزمیہ مثنوی ہے جو اردو زبان کا ایک عظیم ادبی شہ پارہ سمجھی جاتی ہے۔ سرائیکی ترجمہ ۱۲۹ صفحے کی کتابی شکل میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۸۴ء میں شائع کیا۔

۴۔ گاذر نامہ

''مثنوی گاذر نامہ'' یا ''قصہ دھوبی'' مولوی گل محمد چشتی نے لکھا ہے۔ کیفی جامپوری لکھتے

ہیں کہ:

''یہ ''مثنوی شیر و شکر'' سے دیکھ کر اپنی زبان میں منتقل کیا ہے'' (ح۔۹۲)

یہ ایک نوجوان دھوبی اور شہزادی کی محبت پر مبنی ہے۔ اس کا سن تصنیف ۱۲۹۶ھ ہے اور اشعار کی تعداد ۲۱۵ ہے۔ دلشاد کلانچوی لکھتے ہیں:

''یہ ایک عشقیہ منظوم قصہ ہے۔ گو اس میں بھی ان کا عام رجحان جمہور کی طرف ہے۔ دیکھنے کو یہ ایک عام قصہ ہے مگر کچھ کچھ باغیانہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ یہ ایک طبقاتی اور علامتی قصہ ہے اور اس کے پڑھنے سے ہمیں مولوی گل محمد چشتی کے اصل جواہر ابھرتے دکھائی دیتے ہیں''۔ (ح۔۹۳)

Scanned with CamScanner

بچوں کا ادب

ہر زبان میں بچوں کا ادب تخلیق ہوتا ہے اور اسے تین خانوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ پہلا، وہ ادب جسے بچے تخلیق کریں، دوسرا، وہ ادب جو بچوں کے لیے لکھا جائے اور تیسرا، وہ ادب جو بچوں کے بارے میں لکھا گیا ہو۔ جہاں تک دوسری قسم کا تعلق ہے سرائیکی ادب کی تخلیق کے ساتھ ہی بچوں کے ادب کی یہ قسم بھی لکھی جانے لگی بلکہ اس سے بھی پہلے جسے لوک ادب کا دور کہہ سکتے ہیں بچوں کے لیے یہ ادب موجود تھا، یہ منظوم بھی تھا اور منثور بھی۔ معصوم بچوں کو سُنائی جانے والی لوریوں سے لے کر بچوں کے کھیلوں میں قرعہ اندازی کے طریقوں میں بولے گئے منظوم بول، کھیلوں کے دوران قسم اٹھانے یا دینے کے بول، کھیلوں کے دوران پڑھی جانی والی نظمیں، گیت اور پھر رات کو سوتے وقت بڑے بزرگوں سے سُنے گئے قصے۔ یہ سب بچوں کا، بچوں کے لیے ادب ہی تو ہے، جہاں تک کھیلوں کے گیتوں کا تعلق ہے، چھوٹے بچوں کی کھیلیں ہوں جیسے ''اِٹکن مِٹکن'' ارائیں وِوارائیں، اَکھ مُچا دبلا، جھلاری لوٹا، چیکل یا چکری، کھاوُں پکاوُں، کالی بکری'' یا پھر کچھ بڑے بچوں کے کھیل ''اندھڑا قصائی، شینہ بکری، کوکلا چھپاتی یا گُٹ ویلی، گنجی کبوتری'' یا پھر ''چیکل یا پیر گھساواں'' جیسے خالص لڑکیوں کے کھیل ہوں، اِن سب میں منظوم بول بولے جاتے ہیں، کتاب سرائیکی ثقافت میں ''آلی بھنوالی'' کے نام کے کھیل کے لیے غلام حسین زائر کا شعر دیا گیا ہے۔

ایویں عشق چیتے گوں چکرا ڈیندا ہے
جیویں بال کھیڈوں بھنوالی بھنوالی

(ح۔۹۴)

لوک ادب کے دور کے بعد بھی یہ ادب رسائل و جرائد اور پھر اخبارات میں چھپتا رہا ہے، جیسے سہ ماہی ''سرائیکی'' بہاولپور کے شمارے میں جولائی ۱۹۶۸ء میں چاچا جگ کی ''اِکّن مِکّن'' اور نذیر علی شاہ کے ''لطیفے'' اور ''بُجھارتاں'' یا پھر ادبی مجلّہ ''وَسدیاں جھوکاں'' مُرتّب خان رضوانی مطبوعہ ستمبر ۱۹۷۱ء ناشر سرائیکی اکیڈمی ملتان میں ''بلاویں قصے'' اور ''ملاں نصیرالدین دے لطیفے'' وغیرہ۔ جہاں تک تیسری قسم کے ادب کا تعلق ہے یہ ادب بھی سرائیکی زبان میں لکھا اور چھاپا گیا، جیسے قاسم جلال کی کتاب ''ہنجوں تے ہیرے'' مطبوعہ ۱۴ اگست ۱۹۷۶ء میں مضمون ''طالب علم دے کردار دی تشکیل وِچ اُستاد دا حصہ'' یا پھر ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان میں چھپنے والے مضمون جیسے ''تعلیم دا مقصد'' از فیض احمد فیضی مطبوعہ دسمبر ۱۹۷۶ء ''بالاں دیاں صفتاں'' از مسعود بخاری مطبوعہ اکتوبر ۱۹۷۷ء اور ''معذور بالاں دی تعلیم'' از حبیب فائق مطبوعہ اکتوبر ۱۹۸۱ء وغیرہ۔ جہاں تک پہلی قسم کا ادب ہے، جسے بچے خود تخلیق کرتے ہیں، سرائیکی زبان میں یہ ادب کتابی شکل میں بھی چھپا ہے (جس کا ذکر آگے آئے گا) اور اخبارات میں بھی۔ مثلاً ۱۹۹۱ء میں سرائیکی ہفت روزہ ''جاگ'' احمد پور شرقیہ (جس کے ایڈیٹر اقبال چوغطہ اور رحیم طلب تھے) نے باقاعدہ طور پر بچوں کا صفحہ ''پھلواڑی'' (مرتب احسان اعوان) اور بالیں دی دنیا (مُرتّب سید نواز علی شاہ) شروع کیا۔ ان سب میں بچوں کی تحریریں جیسے قصے، کہانیاں، مضموت، پہیلیاں، لطیفے، معلومات وغیرہ شائع ہوتی رہیں، مثلاً پانچویں جماعت کی طالبہ انیلا اعجاز کا سفر نامہ ''جھنگ توں اسلام آباد دا سفر،، بھی اسی دوران شائع ہوا۔

روزنامہ ''جھوک'' خان پور نے بچوں کے لیے الگ سے ہفتہ وار صفحے کی اشاعت کا اہتمام کیا ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۵ء میں یہ اشاعتیں باقاعدگی سے دیکھنے کو ملیں البتہ اِن کے عنوان ''بالیں دا صفحہ''، ''پھلواڑی'' اور ''بالیں دی جھوک'' بدلتے رہے۔ اِسی طرح کبھی انچارج سیّد نواز علی شاہ اور کبھی احسان اعوان رہے۔ اس صفحے پر بڑوں کی بچّوں کے لیے تحریریں مثلاً ابو لجپال سرائیکی کی نظم ''سُنجان'' کے علاوہ بچوں کی لکھی تحریریں، قصے، کہانیاں، لوک کھیلیں،

پہیلیاں، اقوال زریں، منتخب اشعار، معلومات اور لطیفے وغیرہ شائع ہوتے رہے۔ اکتوبر ۲۰۰۱ء میں خان پور سے بچوں کا سہ ماہی اُردو سرائیکی رسالہ ''چندر تارے'' صفحات ۹۶ شائع ہوا جس کے چیف ایڈیٹر نذیر احمد بزمی اور ایڈیٹر محمد شاہد دھریجہ تھے۔ یہ ۲۰۰۲ء میں چھپتا رہا۔ یہاں تک کہ جنوری ۲۰۰۳ء میں سلسلہ نمبر ۵ شائع ہوا۔ پھر یہ سلسلہ اکتوبر ۲۰۰۳ء میں سہ ماہی ''قصہ قصولی'' کے عنوان سے شروع ہوا۔ اب چیف ایڈیٹر نذیر احمد بزمی ایڈیٹر طاہر محمود دھریجہ اور محمد شاہد دھریجہ اور معاون ایڈیٹر ثمینہ مقبول دھریجہ تھے۔ مگر اگلے ہی شمارے جنوری ۲۰۰۴ء میں شاہد احمد دھریجہ اور ثمینہ دھریجہ کے بغیر پرچہ چھپ کر آیا تو ساتھ ہی پرانے نام سہ ماہی ''چندر تارے'' سے ایک اور پرچہ چیف ایڈیٹر شاہد احمد دھریجہ اور ایڈیٹر ثمینہ مقبول دھریجہ کے ناموں سے چھپا۔ مگر اِس کے بعد سے یہ دونوں ''عنوان'' تا حال نظر نہیں آئے۔ پہلے کے علاوہ باقی سب شمارے ۸۰ صفحات پر مشتمل تھے۔

اب ان تینوں قسموں کے لحاظ سے سرائیکی نظم ونثر میں شائع ہونے والی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں، بچوں کے لیے منظوم کتب میں پہلے سرائیکی لوک ادب کی حوالے سے کتابیں۔ لوک گیت کے حوالے سے ڈاکٹر مہر عبدالحق کی کتاب ''سرائیکی لوک گیت'' ۱۹۶۴ء میں بزم ثقافت ملتان نے شائع کی۔ اس کتاب میں ''لوریاں'' صفحہ ۹ تا ۱۷ اور ''بچوں کے کھیل کے بول اور گیت'' صفحہ ۱۸ تا ۲۷ پر ہیں، جمشید کمتر رسولپوری کی کتاب ''سرائیکی سمّل'' مطبوعہ ۱۹۷۷ء ناشر سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور میں ''لوری'' کے علاوہ ''بچوں کا منظوم قصہ'' صفحہ ۷۷ تا ۸۷ شامل ہیں۔ اسی طرح جمشید کمتر ہی کی ''سرائیکی اساڈی سُنجان'' مطبوعہ ستمبر ۱۹۹۳ء صفحات ۱۶۰ ناشر نیلاب پبلشرز جام پور میں منظوم قصہ صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۰ موجود ہے، اشرف بزدار کی ''سرائیکی لوک قصے'' مطبوعہ جنوری ۱۹۷۹ء ناشر انڈس پبلی کیشنز ڈیرہ غازی خان میں بھی بچوں کے لیے چار منظوم قصے موجود ہیں۔ سجاد حیدر پرویز کی ''ضلع مظفر گڑھ'' مطبوعہ مئی ۱۹۸۹ء ناشر پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور میں بھی ''بالاں دے گیت'' صفحہ ۳۱۷ تا ۳۱۸ پر موجود ہیں۔ شوکت مغل کی کتاب ''الف بے بوٗا'' مطبوعہ

۱۹۹۶ء ناشر جھوک پبلشرز ملتان میں لوک ادب سے ۳۵ منظومات شامل ہیں۔

بچوں کے لیے تخلیقی اور طبع زاد شعری کتابوں میں پہلا نمبر ''سرائیکی علاقے دے بالاں کیتے۔ پھلاں دے ہار'' کا ہے، محمد بشیر احمد ظامی بہاولپوری کی یہ کتاب فروری ۱۹۷۳ء میں مرکز سرائیکی زبان تے ادب بہاولپور نے شائع کی۔ ساٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں بچوں کے لیے پچیس نظمیں ہیں۔ اس کتاب میں الیاس عشقی لکھتے ہیں:

''محترم محمد بشیر احمد ظامی بہاولپوری شاید پہلے ہی سرائیکی زبان کے شاعر ہیں جو سرائیکی وطن کے نونہالوں کے لیے ایک ننھا سا مجموعہ پیش کر رہے ہیں''۔ (ح۔۹۵)

اس کتاب کا دوسرا حصہ بھی یکم جنوری ۱۹۷۹ء کو ۸۴ صفحات پر مشتمل اسی ادارے نے شائع کیا۔ اس میں مزید ۲۸ نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ اس میں احمد غزالی لکھتے ہیں:

''زیرِ نظر شعری مجموعہ ''پھلاں دے ہار'' حصہ دوم نونہالانِ وطن کی ذہنی آبیاری کے لیے موجود ہے۔ (ح۔۹۶)

اس مجموعے کی کئی نظمیں کھیلوں کے لوک گیت کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ تبھی تو خرم بہاولپوری مرحوم کی بھانجی پروفیسر انجم آراء لکھتی ہیں:

''ساری کتاب میں دلچسپی کا عنصر تسلسل کے ساتھ موجود ہے، انھوں نے بچوں کی دلچسپی کے لیے بچپن کی کھیلوں کو اتنے من موہنے انداز میں پیش کیا ہے کہ اگر کوئی بڑا آدمی بھی اس کو پڑھے تو اس کا دل وہ کھیل کھیلنے کو چاہے گا جیسے ''اندھڑا اقصائی'' میں سے۔

چُپ چپاتے آتے کوئی
نیڑا آ الوا تے کوئی
گیٹر بکیڑو گاتے کوئی
آکھے پکڑ جے ہمت ہئی
اندھڑا قصئی دو اندھڑا قصئی
(ح۔۹۶)

اس کتاب میں ''انشاءاللہ، کہیں دی مار اور پیر رُومی تے مرید ہندی'' جیسی نظمیں ترجمہ کرکے شامل کی گئی ہیں۔

اس کے بعد بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی سرائیکی نظموں کا مجموعہ ''اُتے بلّے بوں'' اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء میں شائع کیا۔ دلشاد کلانچوی کی بتیس صفحے کی اس کتاب میں چار مصرعوں والی ستائیس نظمیں شامل ہیں۔ ہر نظم کے ساتھ تصویری خاکہ بھی موجود ہے، کلانچوی صاحب کی صاحبزادی مسرت کلانچوی نے انھیں بنایا ہے، اگلے سال اسی ادارے نے دلشاد کلانچوی کی بچوں کے لیے منظوم کاوِش ''چنگیر'' شائع کی۔ سولہ صفحے کا یہ کتابچہ بھی بچوں کے لیے نظموں پر مشتمل ہے۔ جنوری ۱۹۹۲ء میں اسی ادارے نے دلشاد کلانچوی مرحوم کا شعری مجموعہ ''کلامِ کلانچوی'' شائع کیا، تو اس میں بھی بچوں کے لیے ''نظموں کا حصہ''، صفحہ ۱۱۵ تا ۱۲۱ پر موجود ہے جس میں تین نظمیں شامل ہیں۔

بچوں کے لیے منظوم تخلیقات پیش کرنے والے ظامی مرحوم اور کلانچوی مرحوم کے بعد ابن کلیم احسن نظامی ہیں، جن کی بچوں کے لیے مختصر نظموں کی کتاب ہے۔ ''الولولی'' (الّو کا مطلب ہے نیند اور لولی سے مراد لوری ہے) ستمبر ۱۹۹۵ء میں حسن پروانہ روڈ ملتان سے شائع ہوئی۔ ۶۶ صفحے کی اس کتاب میں صفحہ ۵ تا ۶۱ پر نظمیں، تصویریں اور تصویری خاکوں سمیت (جو رنگ بھرنے کے لیے ہیں) شامل کی گئی ہیں۔ ابن کلیم کی بچوں کے لیے دوسری منظوم کتاب ''نویاں

سوچ آھراں'' ہے، یہ سرائیکی، پنجابی اور اردو نعتوں اور نظموں پر مشتمل ہے، مگر پنجابی کے لیے محض چار صفحے اور اردو کے لیے پانچ صفحے مخصوص کیے گئے ہیں جبکہ اردو میں ایک نظم سرائیکی نظم ہی کا اردو ترجمہ ہے۔ اس طرح ۳۲ صفحے کی اس کتاب میں سب سے زیادہ حصہ یعنی صفحہ ۳ تا ۲۲ سرائیکی میں ہے، یہ کتاب جون ۱۹۹۷ء میں کلیم پبلشرز ملتان نے شائع کی ہے۔

۱۹۹۷ء میں چھپنے والے دو شعری مجموعوں اعجاز ڈیروی کی ''پردیسی ول آ'' اور محمد اسلم میتلا کی ''پیت اڈلڑی''، صفحات ۱۴۴ میں بچّوں کے لیے نظمیں بھی شامل اشاعت کی گئیں۔ جبکہ دسمبر ۲۰۰۲ء میں بزمِ اکرم مانہ احمدانی نے محمد بخش احمدانی اور حاجی شیر محمد شیرن کی نظموں کا مجموعہ آٹھ صفحات کے کتابچے کی شکل میں بعنوان ''دیہاتی بال'' شائع کیا۔ بشیر دیوانہ صادق آبادی نے ۲۰۰۷ء میں خواجہ فریدؒ سرائیکی ادبی سنگت صادق آباد سے اپنی لکھی بچوں کے لیے سبق آموز اصلاحی نظمیں بعنوان ''چمکدے تارے''، صفحات ۳۲ شائع کیں۔

اب بچوں کے لیے شائع ہونے والی نثری کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں، ویسے تو قصے، کہانی کی سب کتابیں بچوں کے ادب میں ہی آجاتی ہیں۔ یوں طاہر غنی مرحوم کی ''ہک بابا داشاہ'' (مطبوعہ ۱۹۸۱ء) سے عبداللہ عرفان مرحوم کی ''سرائیکی لوک قصے'' (مطبوعہ ۱۹۹۳ء) تک اسی فہرست میں شامل ہیں۔ تاہم یہاں ان کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں، جن میں بطور خاص بچوں کا ذکر موجود ہے۔ ''سرائیکی لوک قصے'' اشرف بزدار کی کتاب جو جنوری ۱۹۷۹ء میں چھپی تھی۔ اس میں بچوں کے لیے تین نثری قصے بھی موجود ہیں۔ بشیر احمد ظامی بہاولپوری کی ''سرائیکی لوک کہانیاں'' جسے اردو اکیڈمی بہاولپور نے ۱۹۸۴ء میں شائع کیا ۱۸۷ صفحات کی ہے۔ مصنف نے صفحہ ۸ پر بچوں کی عمر کا تعین، پیدائش سے ۶، ۷ سال تک کیا ہے اور اس کتاب میں بچپن کی چھ کہانیاں شامل کی ہیں۔ اس کتاب میں حمید اصغر لکھتے ہیں:

''بچپن کی کہانیاں بالکل ابتدائی سطح سے شروع ہوتی ہیں اور پھر آہستہ

آہستہ بچوں کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے بتدریج ان میں فکری سطح بلند ہوتی گئی ہے.......... بچپن اور لڑکپن کی ان کہانیوں میں داستان، بچوں کی دلچسپی کے واقعات، زبان کی سادگی اور زندگی کی مثبت اقدار کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے''۔(ح۔۹۷)

ظامی مرحوم خود لکھتے ہیں:

''چھوٹے بچوں کی کہانیوں میں عام طور سے مائی بڈھڑی ان کی ہیروئین ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دادی امائیں اور نانی امائیں۔۔۔فرصت کے اوقات میں اللہ اللہ کرتیں اور چھوٹے بچوں کو سنبھالتی ہیں اور ان سے دل بہلاتی ہیں۔بچے بھی ہر وقت ان کی گود میں رہنے کی وجہ سے اُن سے مانوس ہوتے ہیں۔لہٰذا قصہ، کہانی میں ان کا ہیرو یا ہیروئین بننا بچوں کے لیے قابل فہم اور پسندیدہ ہوتا ہے''۔(ح۔۹۷)

''چولستان'' احمد غزالی کی اردو کتاب ہے، جسے لوک ورثہ اسلام آباد نے مئی ۱۹۸۴ء میں شائع کیا ہے۔اس میں صفحہ ۲۷۷ سے ۲۹۸ پر بچوں کی سرائیکی لوک کہانیوں کو اردو میں ترجمہ کر کے شامل کیا گیا ہے۔

ابن کلیم کی کتاب ''پھلپھوٹ'' مطبوعہ ۲۳ مارچ ۱۹۹۶ء ناشر کلیم پبلشرز ملتان میں چار لوک کہانیاں شامل ہیں۔لکھتے ہیں:

''یہ دونوں ہم کو اس وقت کہانی سناتے تھے جب ہم چھوٹے بچے تھے۔
اس اچھے وقت کو یاد کرتے ہوئے ذہن کے کسی خانے میں چھپی ہوئی یہ
سرائیکی کہانیاں میں نے ملتانی سرائیکی زبان میں لکھی ہیں''۔(ح۔۹۸)

''الف بے بتوا'' شوکت مغل کی کتاب ہے۔جس میں وہ لکھتے ہیں:

Scanned with CamScanner

''سرائیکی زبان میں بچوں کا ادب بہت کم شائع ہوا ہے۔ ہمارے پاس
بچوں کا لوک ادب اور تحلیقی ادب بہت ہے مگر اسے اکٹھا کرنے کی کوشش
بہت کم کی گئی ہے''۔(ح۔۹۹)

حمید اُلفت ملغانی ۱۹۹۶ء کے سرائیکی ادب کا جائزہ لیتے ہوئے اسے لوک ادب اور بچوں کے ادب کے حوالے سے مشترکہ کتاب قرار دیتے ہیں۔ ''آٹی ماٹی'' بھی شوکت مغل کی کتاب ہے جس میں ۴۴ نثری کہانیوں کے بعد بچّوں کے لیے نظمیں اور کھیل کے بول شامل ہیں۔ ۱۴۴ صفحے کی یہ کتاب جھوک پبلشرز ملتان نے ۱۹۹۸ء میں شائع کی ہے۔ ۱۹۹۹ء میں سجاد حیدر پرویز کی قصوں کی کتاب ''قصہ قصولی'' سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کی۔ ۸۰ صفحات میں ۱۲ قصے ہیں۔ ماہنامہ ''پکھیرو'' لاہور نے بھی اِسے شامل اشاعت کیا۔ جبکہ روزنانہ ''خبریں'' ملتان کے ''وسیب رنگ'' نے اِس کے تراجم اردو میں شائع کیے۔ اکتوبر ۲۰۰۱ء میں نوید شہزاد کی ''ضلع ملتان تاریخ، ثقافت، ادب'' شائع ہوئی۔ اِس میں بچّوں کی کھیلوں وغیرہ پر بھی بات کی گئی ہے۔ ۲۰۰۱ء میں مقتدرہ قومی زبان پاکستان نے سجاد حیدر پرویز کی کتاب ''سرائیکی زبان وادب کی مختصر تاریخ'' (۳۶۸ صفحات) شائع کی تو اِس میں ایک مضمون ''بچّوں کا ادب'' صفحہ ۲۵۶ تا ۲۶۸ شامل کیا۔ ۲۰۰۵ء میں منظور اعوان نے ۸۰ صفحے کی کتاب ''وڈے لوک وڈّیاں گالھیں'' مُرتّب کی جسے دلنور سرائیکی پبلیکیشنز نور پور نورنگا نے شائع کیا۔ اس میں بچوں کے لیے نصیحت اور سبق آموز باتیں درج کی گئی ہیں لوک ورثہ کے قومی ادارے نے ۲۰۰۷ء میں سجاد حیدر پرویز کی کتاب ''مُلتانی'' شائع کی تو اِس میں بھی سرائیکی بچوں کے کھیلوں کے بول اور گیت وغیرہ شامل ہیں۔

لوک ادب سے ہٹ کر بچوں کے لیے کہانیوں کی تین اور کتابیں بھی موجود ہیں۔ پہلی کتاب سعدی شیرازی کی فارسی کتاب ''گلستانِ سعدی'' کی ایک سو ایک منتخب حکایتوں کے ترجے پر مشتمل ہے۔ محمد بشیر احمد ظامی کی ۱۳۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مرکز سرائیکی زبان تے ادب بہاولپور نے ۱۹۷۶ء میں شائع کی ہے۔ صفحہ ۵ پر ''علم تے عمل'' کے عنوان سے نظم کا پہلا شعر ملاحظہ ہو:

Scanned with CamScanner

علم دی دنیا جوڑ وساوو
تھیوں بہوں سیانیں، بال ایانیں
زیور پا تے علم عمل دا
ترڑو پھل کمانیں، بال ایانیں

اسی کتاب میں تابش الوری لکھتے ہیں: ''آپ (نظامی) نے بچوں کے لیے سرائیکی نغمے، گیت اور نظمیں تخلیق کیں جو ایک الگ مجموعے کی صورت میں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ شیخ سعدی کی ایک سو ایک حکایتوں کا زیر نظر انتخاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے''۔ (ح۔۱۰۰)

خود مترجم لکھتے ہیں:

''میں نے سرائیکی علاقے کے گھروں میں بچوں کو سنانے کے لیے معلم اخلاق حضرت شیخ کی کتاب ''گلستان'' کی ایک سو ایک حکایات اور آٹھویں باب کی کچھ حکم ونصائح (سعدی دے نکتے کے نام سے) سرائیکی زبان میں آزاد ترجمہ پیش کیا ہے''(ح۔۱۰۰)

بچوں کے لیے اسی سلسلے کی اگلی کتاب مسرّت کلانچوی کی بچوں کے لیے کہانی ''وڈیاں دا آدر'' ہے۔ ۳۹ صفحے کی کتابی شکل میں اسے پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا ہے۔ تیسری کتاب دلشاد کلانچوی کی ''ماء مترائی تے مٹھو طوطا'' ہے۔ اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے اسے یکم جنوری ۱۹۸۸ء کو شائع کیا۔ ۵۶ صفحے کی اس کتاب میں چار کہانیاں ''ماء مترائی تے مٹھو طوطا، رحمدل بڈھڑی، ہک حکایت سعدی دی'' اور ''ڈُوجھیاں دی مدد کرو'' شامل ہیں۔

بچوں کے لوک ادب کے حوالے سے ایک حصہ پہیلیوں کا ہے، اگرچہ جے ولسن کی گلاسری میں بھی سرائیکی پہیلیاں موجود ہیں، تاہم سرائیکی زبان میں اب تک پہیلیوں کے دو مجموعوں کے علاوہ بھی کئی کتابوں میں پہیلیاں شامل کی گئی ہیں۔ ''سرائیکی بجھارتاں'' کے مرتب

حسنین قیصرانی (ایک طالب علم) اوران کے چھوٹے بھائی ہیں۔ سنیہا پبلی کیشنز کوٹ قیصرانی نے بتیس صفحے کی یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں شائع کی۔ اعجاز ڈیروی لکھتے ہیں:

''پہیلیوں کی اہمیت کو کسی نے محسوس نہ کیا تھا، اس کمی کو ان چھوٹے بچوں نے پورا کر دیا ہے۔ پہیلیاں بچوں میں سوچنے اور غور کرنے کی عادت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں''۔

ابنِ قیصر اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

''آخر میں یہ کہ ان چھوٹے بچوں کا یہ کام سرائیکی ادب کی بڑی خدمت ہے، اس لیے یہ بچے خاص کر حسنین قیصرانی مبارکباد کے مستحق ہیں''۔

پہیلیوں کی دوسری کتاب ''بُجھ میڈی بُجھارت'' بانو بلوچ نے ترتیب دی ہے، اسے سلیمان برادرز ملتان نے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا ہے، بتیس صفحے کی اس کتاب میں مرتبہ لکھتی ہیں:

''ادب میں کچھ حصہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جو بچوں کا ادب کہلا سکتا ہے، کیونکہ اس ادب کا تعلق محض بچوں سے جُڑا ہوتا ہے، جس میں لوک گیت اور قصے کہانیاں تو کسی سے چھپی نہیں، البتہ پہیلیاں بھی بچوں کے لوک ادب کا حصہ کہی جاسکتی ہیں، پہیلیاں اصل میں بچوں کی ذہنی قابلیت کا امتحان ہوتی ہیں''۔

حمید الفت ملتانی نے متذکرہ بالا جائزہ میں اسے بھی لوک ادب کے ساتھ بچوں کے ادب کی کتاب مانا ہے، ان دو مجموعوں کے علاوہ جمشید احمد کمتر رسولپوری کی دو کتابوں ''سرائیکی سمل'' اور سرائیکی اَساڈی سُنجان'' میں پہیلیاں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ''لغات سرائیکی'' (ظامی بہاولپوری) میں بھی پہیلیاں دی گئی ہیں، اسی طرح احمد غزالی کی اردو کتاب ''چولستان'' میں بھی

Scanned with CamScanner

صفحہ ۳۸۶ سے ۳۹۱ پر ۳۹ پہیلیاں موجود ہیں۔ بچوں کے لیے پہیلیوں کے ساتھ ساتھ بچوں کی دلچسپی لطیفوں میں ہوتی ہے، سعیدہ بانو بلوچ لکھتی ہیں:

''میں نے بچوں کے پھولوں جیسے چہروں کو ہنستا کھلکھلاتا دیکھنے کے لیے لطیفے مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے، میں نے اپنے طور پر پوری کوشش کی ہے کہ اس سلسلے کی ہر کڑی اپنی الگ پہچان رکھتے ہوئے سامنے آئے''۔

بانو بلوچ نے یہ بات ''گھوٹ کنواردے لطیفے'' کے عنوان سے مرتبہ کتاب میں لکھی ہے جو جون ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی ہے، اس سے پہلے بھی لطیفوں کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں پہلا مجموعہ احسان اعوان کا ''ڈندنہ پٹ'' ہے اور دوسرا مجموعہ سجاد حیدر پرویز کے انتخاب اور ترجمے پر مشتمل ''کِھل اوئے کا کا کِھل'' ہے۔ بانو بلوچ کے دیگر مُرتّب کردہ لطیفوں کے مجموعے ''مٹھڑی مُسکار'' (۱۹۹۷ء) ''ڈاکٹریں دے لطیفہ'' اور ''نرسیں دے لطیفے'' مطبوعہ ۲۰۰۴ء شامل ہیں جبکہ راہی گبول کے پانچ مجموعے ''ڈِڈھ کُٹ''، ''کِھل دے ٹھکارے'' (۱۹۹۷ء) ''مشکولے'' (۱۹۹۷ء) ''وَلا ڈندنہ پَٹ'' (۲۰۰۱ء) اور ''مشکریاں'' (۲۰۰۵ء) شامل ہیں۔ اِن کے علاوہ منظور اعوان نے ''کِتکاڑیاں'' (۱۹۹۷ء) قدیر الدین قباچہ نے ''کِھل اوئے کِھل'' (۲۰۰۱ء) اور زید جعفری نے ''کِھل دے ٹھکارے'' (۲۰۰۱ء) شائع کرائے۔

لوک ادب کے حوالے سے کئی کتابوں میں ''بچوں کی کھیلوں'' پر بھی بات کی گئی ہے، جیسے مظفر گڑھ (مطبوعہ مئی ۱۹۸۹ء) میں صفحہ ۳۰۶ تا ۳۱۱، سرائیکی اساڈی سنجان (مطبوعہ ستمبر ۱۹۹۳ء) صفحہ ۹۱ تا ۱۰۰ سرائیکی لوک رِیت (مطبوعہ جون ۱۹۹۳ء) صفحہ ۵۱، سرائیکی ثقافت (مطبوعہ جنوری ۹۵ء) صفحہ ۱۷۸ تا ۱۸۹۔ اسی طرح پیدائش اور بچپن کی رسموں پر بھی لکھا گیا ہے۔ ضلع مظفر گڑھ (صفحہ ۳۵۳ تا ۳۵۵) سرائیکی لوک رِیت (صفحہ ۲۱ تا ۵۶) سرائیکی ثقافت (صفحہ ۱۹۳ تا ۱۹۹) کتاب ''ضلع مظفر گڑھ'' میں بچوں کی بیماریوں پر آزمائے جانے والے ٹوٹکے بھی صفحہ ۳۶۷ تا ۳۶۸ پر دیے گئے ہیں۔

Scanned with CamScanner

سرائیکی نثر میں بچوں کے لیے ڈراموں کے دو مجموعے چھپ چکے ہیں، پہلے نمبر پر حفیظ خان کا تین ڈراموں کا مجموعہ ''ماما جمال خاں'' ۷۲ صفحے کی اس کتاب کو پاکستان سرائیکی رائٹرز گلڈ ملتان نے جون ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔ ڈراموں کی دوسری کتاب ''چندر تارے'' ہے۔ جمال پبلشرز ملتان نے اپریل ۱۹۹۱ء میں اسے شائع کیا۔ یہ مقبول عباس کاشر کے سات ڈراموں کا مجموعہ ہے جو ۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

سرائیکی نثر میں بچوں کے لیے مضامین کے مجموعے بھی سامنے آئے ہیں۔ پہلی کتاب دس مضمونوں کا مجموعہ ''بالوسُنو سمجھو'' ہے۔ قریشی محمد سعید کی ۴۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۸۶ء میں شائع کی۔ لکھتے ہیں:

> ''(بہاولپور ریڈیو پر) بچوں کے پروگرام لشکار میں اکثر بچوں سے بات چیت کے مواقع دیے گئے۔ ان مضمونوں کو بچوں کے لیے فائدہ مند سمجھتے ہوئے، سرائیکی ادبی مجلس نے ان میں سے کچھ چُن کر بچوں کے لیے شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے''۔

۱۹۸۸ء میں دلشاد کلانچوی کی بچوں کے لیے مضمونوں کے حوالے سے دو کتابیں شائع ہوئیں۔ ''ماء متر ائی تے مٹھو طوطا'' میں پانچ تاریخی معلوماتی مضمون ''آزادی ہک نعمت ہے، بختاور ڈاچی، قائداعظم دا بلّپن، ملتان دا قلعہ اور ڈیراوڑ دا قلعہ'' شامل ہیں۔ خود لکھتے ہیں:

> ''خیال ہوا کہ سرائیکی بچوں کے لیے ایسی کتابیں لکھی اور چھاپی جائیں جو بچوں کو فائدہ دے سکیں، ان کی معلومات بڑھا سکیں''۔

''سرائیکی گل پھُل'' کے نام سے ۳۲ صفحات پر مشتمل دوسرا مجموعہ بھی اسی سال اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے شائع کیا۔ اسی طرح اسی عنوان ''سرائیکی گُل پھُل'' سے اسی ادارے نے مئی ۱۹۹۲ء میں ۱۶۸ صفحات کا دلشاد کلانچوی ہی کا ۳۳ مضامین کا مجموعہ شائع کیا، جسے ''سکولوں کے

طالب علموں کے لیے سرائیکی مضمونوں کا مجموعہ'' کہا گیا ہے اور اس میں اسلامیات پر تین، شخصیات پر چار، اخلاقیات پر چھ، قومی موضوعات پر دس، معاشرتی موضوعات پر سولہ اور مقامات پر تین مضمون شامل ہیں۔ اسی طرح دلشاد کلانچوی مرحوم نے اپنی کتابوں میں بچوں کی کتابوں پر مضمون بھی شامل کیے ہیں جیسے ''ادبی چول پڑ چول'' (مطبوعہ اکتوبر ۱۹۸۸ء) میں ظامی بہاولپوری کی کتب ''پھلاں دے ہار'' اور ''سعدی آکھیا'' پر جبکہ ''سرائیکی ادب دی چنگیر'' (مطبوعہ ۱۹۹۶ء) میں بچوں کے سرائیکی ڈراموں کی کتاب ''چندر تارے'' پر مضمون شامل ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے شائع کی ہیں۔

سیرت نگاری اور شخصیت نگاری کے حوالے سے بھی کام ہوا ہے، دلشاد کلانچوی مرحوم جن کا حصہ سرائیکی میں بچوں کے لیے چھپے ہوئے شعری اور نثری ادب میں سب سے زیادہ ہے، ان دونوں موضوعات پر ان کتب موجود ہیں۔ سیرت نگاری کے حوالے ''جڈاں رسول کریم ﷺ بال ہن'' ۱۹۷۵ء میں سرائیکی لائبریری نے شائع کی، صفحے ۶۸ ہیں ''ہک ڈوگالھیں'' میں لکھتے ہیں:

> ''دیکھنا یہ ہے کہ ایسا بڑا پیغمبر جب ننھا بچہ تھا، دوسرے بچوں کے مقابلے میں کیسا بچہ تھا؟ انھوں نے بچپن میں کیا باتیں کی تھیں، کیسے کیسے کام کیے تھے، آپ ﷺ کی عادتیں کیسی تھیں؟ آپ ﷺ کی عادتیں کیسی تھیں؟ آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا اور طور طریقے کیا تھے؟ یہ سب کچھ اس کتاب میں، اس لیے لکھا ہے کہ اللہ کرے ہمارے بچے بھی دنیا کے اِس بڑے بچے کی معصوم خصلتوں سے سبق لیں اور اُن کی طرح بننے کی کوشش کریں، میری دعائیں سب بچوں کے ساتھ ہیں''۔

دوسری کتاب ''چنگا بال اقبال'' ہے، اسی (۸۰) صفحے کی یہ کتاب بھی اسی ادارے نے مئی ۱۹۸۵ء میں شائع کی، ''پہلوں پہلوں'' میں لکھتے ہیں:

> ''میری اِس کتاب میں علامہ کی زندگی کے شروع کے ایام کے حالات

شامل کیے گئے ہیں۔ ان کے بچپن، لڑکپن اور نوجوانی کے زمانے کی باتوں کو روشنی میں لایا ہوں تا کہ ہمارے بچوں اور نوجوانوں کو معلوم ہو جائے کہ علامہ محمد اقبال بھی کسی وقت ان کے جتنے اور ان جیسے بچے تھے"۔

بچوں کے لیے اگلا مرحلہ تعلیم و تربیت کا ہوتا ہے، یہاں کرسٹوفر شیکل کی کتاب "اے بچری آف سرائیکی سٹڈیز ان انگلش" سے ایک حوالہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ لکھتے ہیں:

"ایورنڈ ٹریور بمفورڈ (۱۸۴۹ء۔ ۱۹۲۵ء) نے ایک خط میں لکھا ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر جے، او، سمر ہیز (تعینات ڈیرہ غازی خان بطور مبلغ طبیب ۱۸۹۳ء تا ۱۹۰۱ء) کا جٹکی زبان میں امتحان لیا جو امدادی نصابی کتب نہ ہونے کے باوجود انھوں نے اچھے نمبروں میں پاس کر لیا۔ یہ سرائیکی زبان میں با قاعدہ امتحان لیے جانے کی سب سے پہلی اور مُستند مثال ہے"۔ (ح۔۱۰۱)

لہٰذا بچوں کو سرائیکی زبان لکھنا پڑھنا سکھانے کے لیے جتنے بھی قاعدے لکھے گئے، ان کا جائزہ لیا جاتا ہے، بخت آور کریم (مرحومہ) اور میر حسان الحیدری جیسے لوگوں کے غیر مطبوعہ قاعدوں کے علاوہ تا حال چھپنے والے قاعدوں کا جائزہ اس طرح ہے۔

" قاضی فخر الدین راضی (مطبوعہ ۱۸۹۳ء، ایڈیشن ۱۹۲۷ء، ۱۹۳۳ء، ۱۹۷۸ء، ۱۹۹۰)، مشن پریس۔ امرتسر (مطبوعہ ۱۸۹۸ء) جمعیتہ الانصار (۱۹۴۳ء)، اختر وحید (۱۹۵۴ء)، نذیر علی شاہ (س۔ن)، بشیر احمد ظامی (۱۹۶۴ء)، ایڈیشن ترجمہ شدہ (۱۹۶۸ء)، دلشاد کلانچوی (مطبوعہ ۱۹۷۷ء، ایڈیشن ۱۹۸۵ء، ۱۹۹۰ء) ابن قیصر (۱۹۷۸ء) اسلم رسولپوری (۱۹۷۹ء) محمد علی احمدانی (۱۹۸۰ء) نور احمد سیال (مطبوعہ ۱۹۸۵ء ترجمہ شدہ ایڈیشن ۱۹۸۷ء) شوکت مغل (مطبوعہ ۱۹۸۷ء ایڈیشن ۱۹۹۴ء، ۱۹۹۵ء، ۱۹۹۶ء) قاصر فریدی، راہی گبول (مطبوعہ اپریل

۱۹۸۹ء، ایڈیشن جولائی ۱۹۸۹ء)، سجاد حیدر پرویز (۱۹۹۲ء) اختر حسین خان (۱۹۹۳ء) معین الدین قریشی (۱۹۹۶ء)۔ خلیل احمد شودا مستوئی (۱۹۹۷ء) عبداللطیف بھٹی (۲۰۰۱ء)، ترمیم شدہ (۲۰۰۴ء) اِس دوران پروفیسر شوکت مغل نے جون ۱۹۸۷ء میں ''سرائیکی قاعدہ'' چھاپا۔ ۲۰۰۴ء میں کتاب' آؤ سرائیکی پڑھوں تے سرائیکی لکھوں'' شائع کی۔ مندرجہ بالا قاعدے مختلف ناموں اور مختلف حوالوں سے مختلف اداروں نے شائع کیے، اب گبول سرائیکی تعلیمی ادارہ بھونگ شریف ضلع رحیم یار خان نے بچوں کی تعلیم کا باقاعدہ اہتمام کیا ہے۔ اس سلسلے میں راہی گبول اور قاصر فریدی کا'' سرائیکی دی پہلی کتاب نال سرائیکی قاعدہ'' ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا تھا جبکہ راہی گبول کی'' سرائیکی دی ڈوجھی کتاب'' صفحات ۳۲، ۱۹۹۶ء میں شائع ہو چکی ہے۔ سرائیکی دی ترجھی کتاب صفحات ۳۲، ۱۹۹۹ء میں شائع کی گئی۔ اِسی طرح ۲۰۰۷ء میں شادن لُنڈ سے بھی سرائیکی دی پہلی کتاب اور سرائیکی دی ڈوجھی کتاب چھپ گئی ہیں۔ جبکہ ۱۹۹۹ء میں مشاق حسین کاظمی کی ''تعلیم الا طفال'' بھی اس سلسلے کی کڑی ہے۔

خواتین کا کردار

کسی بھی زبان کے ادب میں پہلے شاعری کے ضمن میں لوک شاعری سب سے پہلے عالم وجود میں آتی ہے۔ سرائیکی زبان کی لوک شاعری میں مَردوں کی نسبت عورتوں کا حصہ زیادہ ہے مگر عام طور پر لوک گیتوں کے شاعر گُمنام ہی رہتے ہیں اور یہی حال سرائیکی لوک گیتوں کا بھی ہے۔ سرائیکی لوک گیتوں کے شاعروں کی گمنامی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اِن کا بڑا حصہ اُن عورتوں نے تخلیق کیا جو گھروں اور حویلیوں میں کام کرتیں، کھیتوں، کھلیانوں میں ہاتھ بٹاتیں مگر اپنے وسیب یعنی معاشرے میں شعر کہتے ہوئے بھی اپنا نام چھپا کر رکھتیں تاکہ شہرت کی پھٹکار سے بچی رہیں۔ سرائیکی لوریاں اور شادی بیاہ و دیگر رسموں کے لوک گیت خاص طور پر ایسی ہی عورتوں کے تخلیق کردہ ہیں۔ یہ بات اِس نظریے کو تقوّیت دیتی ہے کہ ایک تو عورتوں کو مردوں کی نسبت فُرصت دستیاب رہتی ہے، دُوسرا لوک گیتوں میں جن جذبات اور خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے وہ اتنے نازک اور لطیف ہوتے ہیں کہ صرف صنف نازک ہی کی زبان سے ادا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً تونسہ کے مشہور لوک گیت ''سَمّی'' کے مُتعلق کہا جاتا ہے کہ یہ سّمی کی ماں نے سّمی کی جُدائی میں کہے۔ ایک گیت دیکھیے:

کوئی تاں ویلھا رات دا میڈا آیا شیدن لال　　شیدن دی منگیندڑی جُڑ بیٹھی گوڈے نال

پچھوں روندی ماء گھول گھتاں کجاوے کُوں　　میڈی صاحب صوبی ماء

(رات کا وقت تھا۔ میرا شیدن لال آیا۔ اس کی منگیتر (سّمی) اُس سے زانو بھڑا کر بیٹھ گئی۔ سّمی شیدن کے ساتھ کجاوے میں سوار ہوئی۔ بد بخت اور رانڈ موچن رہ گئی (یعنی سّمی کے دل میں خیال آتا ہے کہ میری ماں پیچھے روتی ہوگی)۔ اِس کجاوے کو قُربان کروں، میری ماں تو بڑی عزّت اور شان والی ہے۔''

اُنیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں بے شمار سرائیکی شاعرات پیدا ہوئیں مگر بوجوہ اُن کا ذکر ادبی تذکروں اور تواریخ کی زینت نہ بن سکا اور نہ ہی اُن کا کلام شعری انتخابوں میں شامل کیا گیا۔ تاہم سرائیکی زبان کی پہلی شاعرہ جس کا ذکر مختلف حوالوں سے ملتا ہے، دائی پھاپھل حفظانی ہے۔ یہ خاتون ایک نامور بلوچ طبیب حکیم محمد کبیر خان شاکر کے ہاں ۱۸۰۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئی اور ۱۸۷۰ء میں انتقال کیا۔ شعر گوئی موروثی تھی۔ اِسی لیے سرائیکی زبان کی قادرالکلام شاعرہ بھی ثابت ہوئیں۔ حفظانی یعنی حافظہ تخلّص اختیار کیا۔ انھوں نے سرائیکی کے ملک الشعراء حضرت خواجہ غلام فریدؒ کو گود کھلایا اور سرائیکی میں طبع زاد لوریاں نظم کر کے خواجہ کو جھولے میں سُناتی رہیں۔ ایک لوری کا نمونہ دیکھیں:

الااللہ دی جوت جگانواں　　لولی ڈیواں خورشید کُوں
فخرِ جہاں دی عید کُوں　　عالم حافظ سعید کُوں
سوہنے پیر فریدؒ کُوں　　حفظانی دی اُمید کُوں
پینگھاں لوڈاں، لولی ڈیواں　　لاج ہے رِیت حمید کُوں

دُوسری شاعرہ جن کا ذکر اور کلام ہم تک پہنچا ہے، جیون خاتون نَکّمی ہیں۔ یہ دائی پھاپھل حفظانی کی چھوٹی بہن تھیں اور خواجہ فریدؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد بخش نازکؒ کی دایہ تھیں۔ ولادت ۱۸۳۵ء میں اور وفات ۱۸۹۱ء میں ہوئی۔ ذوقِ شعر خاندان میں پہلے سے موجود تھا۔ بُنیادی طورر پر غزل کی شاعرہ تھیں۔ مگر ساون نامہ (ساون نامہ) کے عُنوان سے مُرشد کے فراق میں ایک مقبولِ عام نظم لکھی۔ اِسی طرح ''کونج نامہ'' بھی خاصے کی نظم ہے۔ یہ دونوں لوک گیتوں کی صنف میں شمار ہوتی ہیں۔ ''کونج نامے'' کے دو شعر دیکھیں، جن میں کُونجوں (قازوں) کی ڈاروں کو پیشِ نظر رکھ کر ہجر و فراق کے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے:

اُڈریں نی کُونجاں موہر والی ہے ساوی　　نَکّمی فالاں پاوے شالا مُرشد آوی
اُڈریں نی کُونجاں موہر والی ہے کالی　　نَکّمی اللہ میلے، مِٹھا عرب دا والی

تیسری شاعرہ بی بی مخفی تھیں جن کے متعلق یہ پتہ چلا ہے کہ ملتان کی دیندار خاتون تھیں اور ۱۸۷۲ء کے نزدیک پیدا ہوئیں۔ شاعری میں محمد حسین احمد آبادی سے اصلاح لی۔ تین تحریریں ''مخفی اَسرار''، ''تعظیم النساء'' اور ''عشقِ حقانی'' چھپی ہوئی ہیں۔ ''تعلیم النساء'' ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی۔ نمونہ دیکھیں:

مومن بھیناں کارن مَیڈی ایہہ نصیحت بھاری ہے کامل اُستادولی نہ کوئی میڈی صنعت کاری

علم پڑھن تے عمل کماون اندر جہل خواری پڑھو کلام خداوندوالی بدعت تھیں بیزاری

اِس کے بعد بشریٰ رحمٰن کی والدہ بیگم نصرت عبدالرشید بہاولپور میں نعت گو شاعرہ گزری ہیں۔ سرائیکی نعتیں بھی چھپی ہوئی ہیں تاہم ایک عرصے تک کوئی باقاعدہ شاعرہ دکھائی نہیں دیتیں تاوقتیکہ ستمبر ۱۹۲۲ء میں داجل (ضلع راجن پور) میں ملک کریم بخش اور ولایت خاتون کے گھر بخت آور کریم جنم لیتی ہیں۔ پینتیس سال تک محکمہ تعلیم میں خدماتِ سرانجام دینے کے بعد ۱۹۷۶ء میں ڈیرہ غازی خان سے ریٹائرمنٹ لیتی اور ۲۱ فروری ۱۹۸۴ء کو لاہور میں انتقال کرتیں ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کا سرائیکی زبان میں ترجمہ کیا اور تفسیر لکھی۔ سُورۃ یٰسین، دُرودتاج، دُرود لکھی، عہد نامے اور دعائے نور کا بھی سرائیکی میں ترجمہ کیا مگر یہ تمام کام تاحال چھپ کر سامنے نہیں آیا۔ یہی حال خواجہ فریدؒ کے تدوین شُدہ دیوان اور ''سرائیکی قاعدہ'' کے ساتھ ہے البتہ انور فیروز کی خواجہ فریدؒ پر ابتدائی کتاب ''گوہرِ شبِ چراغ'' (مطبوعہ ۱۹۱۹ء) کو ازسرِنو مُرتّب کر کے بخت پرنٹرز اینڈ پبلشرز لاہور سے جنوری ۱۹۸۹ء میں ۱۱۲ صفحات کی کتابی صورت میں شائع کرائی گئی۔ کتاب کے آخر میں فرہنگ بھی ہے۔ بخت کا جدید سرائیکی شاعری میں مجموعہ کلام ''اِنک مٹک دیداں'' کی صورت میں دسمبر ۱۹۸۴ء میں خواجہ فریدؒ علمی ادبی بورڈ لاہور کی طرف سے ۱۵۲ صفحات کی صُورت میں شائع ہوا۔ اِس میں عقیدتاں، ڈوہڑے، رُباعیاں کے بعد ۱۳ کافیاں ۹ غزلیں اور ۷ نظمیں شامل ہیں۔ اقبال بانو (۱۵۔ جولائی ۱۹۶۱ء) کا ''دل تانگھ تانگھے'' کے عنوان سے ۱۱۵ آزاد نظموں کا مجموعہ سنہرا پبلی کیشنز احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور سے جولائی ۱۹۸۷ء میں شائع

ہوا۔ ملتان میں پیدا ہوئیں۔ کراچی میں تعلیم پائی۔ ایم اے، ایل ایل بی کیا۔ ضلع وہاڑی میں شادی شدہ زندگی گزار رہی ہیں۔ ۲۰۸ صفحے کی اِس کتاب کے علاوہ نثر میں بھی نام پایا۔ تاہم جدید دور میں ''اِتک مِتک دیداں'' اور ''دِل تانگھ تانگھے'' جیسے دو تخلیقی شعری مجموعوں سے پہلے رحیم یار خان کی فرحت نواز، ''ڈاکٹر وزیر آغا دیاں چونڑویاں نظماں'' کے عُنوان سے ۳۰ منظوم سرائیکی تراجم کا مجموعہ ستمبر ۱۹۸۰ء میں جدید ادب پبلی کیشنز خان پور ضلع رحیم یار خان سے اسّی صفحات کی کتابی صُورت میں شائع کرا چکی تھی۔ جس میں مُرتّبہ کے چار اور پروین عزیز کے تین منظوم تراجم بھی شامل ہیں۔ اِن تین کتابوں کے بعد نومبر ۱۹۸۹ء میں نگہت شمس (کہروڑ پکا) آٹھ صفحات کا ایک شعری کتابچہ دلنور سرائیکی پبلیکیشنز نور پور نورنگا بہاولپور سے ''کنڈے تے پھُل'' کے عنوان سے شائع ہوتا ہے۔ جس میں تین غزلیں، تین رُباعیاں اور دو ڈوہڑے شامل تھے۔

مُلتان کی بہار النساء بہار وہ واحد شاعرہ ہیں جس کی تین سرائیکی شعری کتابیں چھپ کر آئی ہیں۔ بہار (پ۔ ستمبر ۱۹۵۲ء) کا پہلا مجموعہ ''جھل پل اکھیں'' کے عنوان سے سرائیکی ادبی بورڈ مُلتان نے جون ۱۹۹۴ء میں شائع کیا۔ ۱۲۸ صفحے میں نعت، قومی نظمیں، گیت، کافیاں، غزلیں اور نظمیں شامل ہیں۔ دوسرا مجموعہ ''سَبھے خواب میڈے'' جھوک پبلشرز ملتان نے ۱۹۹۸ء میں شائع کیا۔ ۲۴۰ صفحات کے اِس مجموعے میں نعت اور عقیدت کے بعد بارہ روایتی، ۱۴ جدید نظموں کے بعد ۳۹ غزلیں، ۱۴ کافیاں اور ۹ گیت شامل ہیں۔ تیسرا مجموعہ ''میرا دیس دلبر'' اُردو۔ سرائیکی ملّی گیتوں کا مجموعہ ہے جسے سُجوک پبلی کیشنز ملتان نے نومبر ۱۹۹۹ء میں شائع کیا۔ حصہ سرائیکی صفحہ ۷۶ تا ۱۱۲ ہے۔

رضوانہ تبسم دُرّانی (۱۹۶۴ء) کے دو شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ پہلا ۶۷ غزلوں کا مجموعہ ''چیناں چیناں ونگ'' ہے جسے فروری ۱۹۹۸ء میں دبستانِ سحر ڈیرہ غازی خان نے شائع کیا۔ اس میں ۲۷ ڈوہڑے اور ۷ قطعے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ دوسرا مجموعہ ''گونج جِتا نہہ دی'' ۷۶ نظموں کا مجموعہ ہے۔ جس میں حمد، نعت اور ڈوہڑہ بھی شامل ہے۔ اِسے جھوک پبلشرز ملتان

نے جون ۲۰۰۸ء میں ۱۶۰ صفحات کی کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ اسی ادارے نے اپریل ۲۰۰۶ء میں شاعرات کے دو شعری کتابچے شائع کیے جن میں شاہینہ خان کا ''پیار دی چھاں'' (صفحات۔۳۲) میں ایک ایک منقبت، کافی، غزل کے بعد ۹ نظمیں، نو قطعے (جو موضوعات پر ہیں) کے علاوہ بارہ ماہیے اور سات فردیات شامل ہیں جبکہ دوسرا شبنم شاکر شجاآبادی (غلام فاطمہ پ۔۱۹۷۳ء) کا ''کچ دی ونگ'' (صفحات۔۴۸) ہے جس میں دو قطعوں کے علاوہ شاعرہ کی ۳۴ موضوعاتی غزلیں شامل ہیں۔

صابرہ شاہین کا تعلق ڈیرہ غازیخان سے ہے۔ ایم۔اے، ایم فل اُردو کر کے کالج میں پڑھا رہی ہیں۔ صابرہ (پ۔۱۹۶۸ء) کا مجموعہ ''خالی بُک'' قسمانی آرٹ پریس ڈیرہ غازیخان سے جون ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔ ۱۷۳ صفحات پر ۵۳ نظمیں ۳۱ غزلیں شامل ہیں۔ بلا عنوان ۹، ڈوہڑے ۵ جبکہ گیت اور کافیاں دو، دو ہیں۔

زُبیدہ تبسّم نویدی (پ۔۱۹۵۸ء) خانقاہ شریف بہاولپور کا بھی ایک شعری کتابچہ شائع ہو چکا ہے۔ مُرتبہ شعری کتابچوں میں لوک گلوکارہ گلزار لالی کا اپنی ۱۹۹۴ء سے ۹۸ء تک کی آڈیو کیسٹوں سے خود مُرتب کردہ کلام پر مشتمل ہے۔ ''لالی دیاں دھاڑاں'' کے ۶۴ صفحے ہیں جسے جھوک پبلشرز ملتان نے شائع کیا۔ جس میں ۴۲ ڈوہڑے، ۱۳ گیت، ۱۰ قطعے اور درجنوں ماہیے شامل ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں عابدہ ملتانی کا کلام ''ہُن تاں ول آ'' (۶۴ صفحے) چھپا تھا۔ جبکہ مُرتبہ شعری کتابچہ ''ہائے حسینؑ'' نامور شعراء کے ماتمی نوحوں پر مشتمل اَنیلا ناز جعفری نے مُرتب کیا، جسے مخدوم پبلشرز ملتان نے مارچ ۹۹ء میں ۳۲ صفحے کی کتابچے کی صورت میں شائع کیا۔ اِنتخاب ادب۔ ملتان کی طرف سے بھی عابدہ ملتانی کا مرتبہ ''سجاد ساقی دی پسند'' (صفحات۔۶۴) اور فرخندہ رُخسار کا مُرتبہ ''اساں تیڈے ہیں'' (صفحات۔۶۴) ۲۰۰۱ء میں شائع کیے گئے۔

دیگر ہم عصر اہم شاعرات میں شیما سیال، مُسرت کلانچوی، پروین عزیز، شاہدہ عطا مقدّس، خالدہ نوشین نوشی، بشریٰ رحمٰن، سعیدہ افضل، ناظمہ طالب، راشدہ باقر، شاہدہ صدیقی،

Scanned with CamScanner

شاہدہ رحمن مغل، عندلیب امبر، ایف جے شیخ، بیگم شبیر، تبسم خان، رابعہ عارف، ثمینہ کاش، سکینہ ستی ،نسرین رشید، خدیجہ دھکو، ڈاکٹر صوفیہ وقار، سعدیہ سعید، ساجدہ سعید، بشریٰ ناہید، غزالہ مرتضیٰ اور قمر النساء قمر وغیرہ کے نام مختلف تخلیقات کے ساتھ اخبارات ورسائل میں دیکھنے کو ملتے رہتے ہیں۔

جہاں تک تخلیقی نثری ادب کا تعلق ہے۔ سرائیکی خواتین نے بھر پور کارکردگی پیش کی ہے۔ اب تک ایک ناول، چھ افسانوی مجموعے، ایک ڈراموں کا مجموعہ اور ایک بچّوں کے لیے کتاب سامنے آچکی ہے۔ اِن ۹ کتابوں میں سے ۴ مسّرت کلانچوی کی ہیں جو معروف ادیب، نقاد اور ماہرِ تعلیم پروفیسر دلشاد کلانچوی (۱۹۱۵ـ۱۹۹۷ء) مرحوم کی صاحبزادی ہیں۔ ۱۰ نومبر ۱۹۵۷ء کو پیدا ہوئیں۔ آج کل بطور پروفیسر لاہور میں تاریخ پڑھا رہی ہیں۔ معروف صحافی اسلم ملک (امروز۔ جنگ فیم) سے شادی کے بعد ٹیلی ویژن سے اُردو۔ پنجابی۔ سرائیکی ڈرامے اور سیریل بھی لکھ رہی ہیں۔ اِن کے تین افسانوی مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ ''اُچّی دھرتی جھکا اسمان'' کو سرائیکی زبان میں پہلے باقاعدہ افسانوی مجموعے کا اعزاز حاصل ہے۔ دسمبر ۱۹۷۶ء میں سرائیکی لائبریری بہاولپور نے ۱۲۰ صفحے کی یہ کتاب شائع کی جس میں آٹھ افسانے شامل ہیں، دوسرا مجموعہ ''ڈُکھّن کنئیں دیاں والیاں'' اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے ستمبر ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ بارہ افسانے ۱۵۴ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ تیسرا مجموعہ ''تھل ماڑو دا پینڈا'' سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۲۰۰۵ء میں شائع کیا ہے۔ پندرہ افسانے ۱۴۴ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ مسّرت اپنے افسانوں میں عورت کی مظلومیت اور اُس کے صبر کو دردمندی کے ساتھ اُجاگر کر کے اُس کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ اُبھارنے کی کوشش کرتی ہے۔ اِن افسانوں میں بُری رسموں اور معاشرتی بُرائیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ دوسرے مجموعے میں مسّرت نے خانہ داری کے ماحول سے نکل کر پورے سماج کو اپنی لپیٹ میں لینے کی کوشش کی ہے جبکہ پہلے مجموعے کے افسانوں میں قدیم روایتی عورت اپنی سماجی حیثیت کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ دوسرے اور تیسرے مجموعے میں آج کی عورت اپنی ازلی ذمہ داریوں کے نئے احساس کے ساتھ زندہ نظر آتی ہے۔

دیگر چار افسانہ نگار خواتین کے مجموعے جو چھپ چکے ہیں۔ مرحومہ بتول رحمانی (۴۔ مئی ۱۹۵۵ء۔۲۰۰۲ء) کے بیس افسانوں کا مجموعہ ''سانجھ'' ہے۔ ۱۶۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے جون ۱۹۹۴ء میں شائع کی۔ سائنس میں ماسٹر کر کے ریڈیو میں صداکاری، ٹی۔ وی میں اداکاری اور کالج میں پروفیسری کرنے والی ۴۷ برسوں میں بچھڑ کر سرائیکی ادب کو ناقابل تلافی نقصان دے گئی۔ اکیڈمی آف لیٹرز ایوارڈ یافتہ افسانوی مجموعہ ''پیت پریت'' مارچ ۱۹۹۷ء میں سلیمانی اکیڈمی ڈیرہ غازی خان نے شائع کیا۔ ۹۶ صفحات میں شامل گیارہ افسانے بشریٰ قریشی (پ۔ ۲۲۔ جنوری ۱۹۷۲ء) کی تخلیق ہیں۔ سرائیکی ادب کے نامور نام محمد اسمٰعیل احمدانی (۱۹۳۰ء۔ ۲۰۰۷ء) کی بیٹی ڈاکٹر غزالہ احمدانی (پ۔ ۱۰ مارچ ۱۹۶۳ء) کا مجموعہ ''اَج دی ماروی'' جھوک پبلشرز ملتان نے شائع کیا۔ جنوری ۲۰۰۰ء میں ایک درجن افسانوں پر مشتمل ۲۷ صفحوں کی یہ کتاب چھپی۔ شہر سلطان ضلع مظفر گڑھ کی رابعہ خان آفریدی (پ۔ ۱۴۔ جنوری ۱۹۸۰ء) ایم۔ اے سرائیکی اور اُردو کرنے کے بعد ایم فل پاکستانی زبانیں کر رہی ہیں۔ ۲۰۰۷ء میں گیارہ افسانوں کا مجموعہ ''ساہویں سُول بَیرا'' بھی چھپوا ڈالا۔ ۹۶ صفحات کا یہ مجموعہ بھی جھوک پبلشرز ملتان نے چھاپا۔ کئی رسالوں ''اختر'' سرائیکی ادب کے افسانہ نمبروں کے بعد اَٹھولال اور رشناں نے ''بیڑی'' کے عنوان سے اپریل ۲۰۰۰ء میں چوپال، کہروڑ لعل عیسن ضلع لیہ سے ایک انتخاب شائع کیا۔ جس میں ۱۶ کہانیاں ۱۹ تراجم شامل ہیں۔ مُسّرت کلانچوی اور ڈاکٹر غزالہ احمدانی اس میں بھی شامل ہیں۔ راجہ رسالو نے عورتوں کے افسانوں کا انتخاب ''چھوپے'' کے عنوان سے ۲۰۰۸ء میں مُرتب کیا۔ پاکستان پنجابی ادبی ایوارڈ لاہور نے ۲۶ افسانوں کا یہ انتخاب ۱۸۲ صفحات پر مشتمل شائع کیا۔ اِس میں مُسّرت کلانچوی اور زہرہ انجم جیسی سرائیکی افسانہ نگار بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی نے جون ۱۹۹۸ء میں ''سرائیکی دے چونڑویں افسانے'' کے عنوان سے ایک انتخاب مُرتب کیا تو اِسے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۳۶۴ صفحات کی کتابی صورت میں شائع کیا۔ اِس انتخاب کے ۴۲ افسانہ نگاروں میں ۱۳ خواتین یعنی بُشریٰ رحمٰن، مُسّرت

کلانچوی، شیما سیال، بتول رحمانی، بنت احمدانی، سعیدہ افضل، اقبال بانو، رفیعہ عباسی، صبیحہ قریشی، پروین عزیز، شاہدہ رحمٰن، شاہدہ عطامقدّس اور بُشریٰ قریشی شامل ہیں۔ سرائیکی افسانوں کے اُردو تراجم بھی کتابی صورت میں شائع ہوئے ہیں۔ حسین سحر نے اپنی کتاب ''پھلکاری'' ناشر سحر سنز ملتان ۲۰۰۸ء صفحات ۱۹۲ میں مُسرت کلانچوی، بتول رحمانی، شیما سیال، اقبال بانو اور پروین عزیز کے تراجم شامل کیے ہیں۔ اُردو افسانوں کے سرائیکی تراجم کی کتاب ''منزلاں تے پندھیڑے'' کے عنوان سے ۱۹۸۰ء میں جدید ادب پبلی کیشنز خان پور نے ۱۶۰ صفحات کی کتابی صورت میں شائع کی تھی۔ ۲۲ افسانوں کے تراجم فرحت نواز (پ۔۱۲۔ اگست ۱۹۵۷ء) نے کیے ہیں۔ جن اہم افسانہ نگاروں کے تا حال افسانوی مجموعے شائع نہیں ہو سکے اور جن کا بطور افسانہ نگار اُوپر ذکر نہیں آ سکا اُن میں خالدہ نوشین نوشی، ریحانہ یاسمین، عندلیب امبر، طاہرہ سیال، حمیدہ فاروقی، رضوانہ تبسّم دُرّانی، شہزادی فوزیہ، فہمیدہ شفق، نثار فاطمہ، بازغہ، بُشریٰ بلوچ، بشریٰ رفعت، عائشہ زاہدہ لطیف، ذکیہ خان، ذکیّہ قریشی، ذکیّہ ملک، سائرہ سرمدی، ساجدہ سعید لیلیٰ، سلمیٰ اسلم خان، سلمیٰ ناز، شاہدہ صدیقی، شہناز فیضی، عابدہ کلانچوی، ع۔ص بلوچ، عصمت ناز، فرح ناز، فوزیہ گُل، فوزیہ تبسّم سحر، فوزیہ رشید، مُنیرہ اختر، میمونہ طاہرہ، مس آئی ملک، ناظمہ طالب، نثار فاطمہ، انجم سلطانہ، نجم کوکب اور یاسمین غزل کے افسانے چھپ چکے ہیں۔

بتول رحمانی کی تخلیقات زندگی سے معمُور ہیں۔ اُنھوں نے سرائیکی ادب کو دھیمے دھیمے لہجے اور مدّ بر مزاج کے افسانے دیے ہیں۔ شیما سیال ایک سنجیدہ مزاج قلمکار ہے۔ اُن کے دل میں تجربات کا بہترین سرمایہ جمع ہے۔ دکھ اور افسردگی کا تاثر حاوی ہے۔ پروین عزیز کی افسانہ نگاری میں سادگی اور گہرائی ہے۔ یہ مواد اور الفاظ کے انتخاب سے پڑھنے والے کو متاثر کرتی ہے۔ اقبال بانو سرائیکی روایت اور ثقافت کے ساتھ آدمیت اور انسانیت کی کہانی کار ہے۔

ناول کے میدان میں تا حال صرف اقبال بانو نے قدم رکھا ہے۔ اُنھوں نے تین ناول ''سانول موڑ مہاراں''، ''ایویں کوئی رُل دِیکھے''، اور ''اَگ دے کھیڈ و نے'' لکھے ہیں۔ پہلا

ناول فروری ۱۹۸۵ء میں ماہنامہ سرائیکی ادب'' ملتان میں قسط وار چھپنا شروع ہوا جو کہ دسمبر ۱۹۸۶ء میں اختتام کو پہنچا۔ اب یہ ناول لنگڑیال پبلشرز رتہ ٹبہ ضلع وہاڑی نے جنوری ۱۹۹۷ء میں ۲۹۲ صفحات کی کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ اِس میں جاگیردارانہ معاشرے کی بعض منفی رسُومات کو موضوع بنا کر ایک خاندان کی کہانی بیان کی ہے۔ ناول میں جہاں عورتوں کی مظلومیت اور مرد کے معاشرے میں اُن کی بے حیثیتی کو جچے تلے انداز میں پیش کیا۔ وہاں دیہاتی ماحول کی بھی بھرپُور عکاسی کی ہے۔ بانو نے ہلکی ہلکی رومانی لَے کو دلکش اُسلوب کے ذریعے جواں دلوں کی دھڑکن بنانے کی کوشش بھی کی ہے۔ اِس ناول میں جیتے جاگتے اور حقیقی کردار پیش کیے گئے ہیں۔ اور اس میں واقعاتی تربیت کے ساتھ مقصدیت بھی نمایاں ہے۔ دُوسرا ناول سات قسطوں میں ۱۸۸۰ء اور ۱۹۸۹ء میں ''سرائیکی ادب'' نے شائع کیا مگر تا حال یہ مکمل شائع نہیں ہو سکا۔ ڈرامہ نگاری کے حوالے سے مُسَرت کلانچوی کا ''سُنجھ صباحیں'' سامنے آ چکا ہے، سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے اسے مئی ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔ ۲۸۶ صفحات کے اِس مجموعے میں گیارہ ڈرامے شامل ہیں جبکہ اخبارات و رسائل میں مُسَرت کے کئی اور ڈرامے مثلاً ''پیکیاں دی نوکرانی''، وَتّہ سَٹّہ وغیرہ بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اس طرح بتول رحمانی کے تین ڈرامے، صبیحہ قریشی اور شبانہ کریم کا ایک ایک ڈرامہ شائع ہو چکا ہے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد نے ایم ایس سی وومن سٹڈیز پروجیکٹ کے لیے رابطہ کار ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش کے ذریعے نصاب سازی کرائی تو ڈاکٹر طاہر تونسوی نے بھی ''خواتین کی سرائیکی تخلیقات میں عورت'' کے نام سے مقالہ لکھا جو بعد میں کتابی شکل میں ۲۰۰۶ء میں سرائیکی ادبی بورڈ ملتان سے ۱۶۰ صفحے کی کتابی صُورت میں شائع کر دیا۔ صفحہ ۲۲ سے ۸۲ تک خواتین کی شاعری، افسانے، ناول اور ڈرامہ نگاری پر بحث کی گئی ہے۔ اِس کے بعد ایک انتخاب شامل کیا گیا ہے۔ شاعرات میں سحر سیال کی ۵ غزلیں اور اقبال بانو، بہار النساء بہار، شاہین ڈیروی کی دو، دو اور سحر سیال کی گیارہ کل سترہ نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ جبکہ مُسَرت کلانچوی، بتول رحمانی،

بنت احمدانی اور شیما سیال کے کُل چار افسانے اور صبیحہ قریشی اور شبانہ کریم کا ایک ایک ڈرامہ شامل کیے گئے ہیں۔ ''سرائیکی ریڈیائی ڈرامے'' مُرتبہ خالد اقبال مطبوعہ اکتوبر ۲۰۰۷ء میں بھی مُسرت کلانچوی کا ایک ڈرامہ شامل ہے۔

طنزیہ ومزاحیہ نثری ادب میں شیما سیال، مُسرت کلانچوی، پروین عزیز، صبیحہ قریشی، خالدہ نوشین نوشی، بیگم تسنیم رشید غوری، سلمٰی قریشی، صالحہ رحمٰن، س۔ پروین، ریحانہ یاسمین، مُسرت حفیظ بزدار اور فوزیہ باقر چند نام ایسے ہیں جن کے افسانے، کہانیاں یا مضامین میں طنز و مزاح کا عُنصر اِس حد تک ہے کہ انشائیہ کے قریب بھی لے جاتا ہے۔ جبکہ سرائیکی نثر میں لطیفوں کے چار مجموعے سعیدہ بانو بلوچ (جو حمید اُلفت ملتانی کی رفیقِ حیات بھی ہیں) نے سلیمان برادرز ملتان سے شائع کرائے ہیں، جن میں ۱۹۹۷ء میں دو مجموعے ''مٹھڑی مُسکار'' (۴۸ صفحے۔۱۲۴ لطیفے) اور ''گھوٹ کنوار دے لطیفے'' جبکہ ۲۰۰۴ء میں ''ڈاکٹریں دے لطیفے'' اور ''نرسیں دے لطیفے'' شامل ہیں۔

تراجم کے ضمن میں فرحت نواز کی ۱۹۸۰ء میں چھپی دو کتابوں ''منزلاں تے پندھیڑے'' اور ''چونڑویاں نظماں'' کا ذکر ہو چکا ہے جبکہ زکریا یونیورسٹی ملتان کے شعبہ سرائیکی کی اُستاد نسیم اختر (پ۔۵۔جولائی ۱۹۷۴ء) نے جاوید احسن کی کتاب ''سرائیکی ثقافت'' ناشر سلیمان اکیڈمی ڈیرہ غازی خان مطبوعہ جنوری ۱۹۹۵ء صفحات ۲۷۰ کا اُردو ترجمہ کتابی شکل میں شائع کرایا ہے۔ اسے ۲۰۰۶ء میں صفحات ۲۰۷، کتاب نگر ملتان نے شائع کیا ہے۔

تحقیق وتنقید میں بھی خواتین کا کردار کافی نمایاں ہے۔ شخصیات پر کیے گئے کام میں بیگم انجم گیلانی (پ۔۱۹۴۴ء) کا محی الدین شان پر ۶۸ صفحے کا کتابچہ ''شان آسودہ طوفان'' سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۷۵ء میں شائع کیا۔ نسیم اختر کا تحقیق، تدوین اور تہذیب کے بعد ایک قلمی نُسخے کو ''دیوانِ عارض مع ڈوہڑہ جات احمد یار فریدی'' کے عُنوان سے ستمبر ۲۰۰۸ء میں بیکن بکس ملتان سے ۱۹۰ صفحات کی کتابی صورت میں تدوین کیا۔ قلمی نُسخے کے عکسی صفحے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ شعبہ سرائیکی اسلامیہ یونیورسٹی کی اُستاد قُدسیہ قاسم نے (قُدسیہ نیّر کے نام سے) ایم۔اے

سرائیکی کا مقالہ ''سرائیکی افسانے دافنی ویورا'' پانچ ابواب پر مشتمل افسانوں کے ساتھ [illegible]
پبلشرز بہاولپور سے اگست ۲۰۰۷ء میں شائع کرایا۔ جس میں ۲۲ مرد افسانہ نگاروں کے ساتھ [illegible]
خواتین افسانہ نگاروں کا خصوصی مطالعہ کیا۔ جن میں مَسرّت کلانچوی، شمیم سیال، شاہدہ تحسین [illegible]
قریشی، اقبال بانو، غزالہ احمدانی، بُشریٰ قریشی، سعیدہ افضل شامل ہیں۔ کتاب ۲۲۹ صفحات
پر مشتمل ہے۔ ناہید لودھی نے بھی شعبہ سرائیکی زکریا یونیورسٹی ملتان سے ''کلیات سید محمد کبیر''
مُرتب کی ہے۔ ۱۵۸ صفحات کی یہ کتاب ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی۔

لوک ادب میں جہاں ۱۹۸۷ء میں سیّدہ انجم گیلانی نے ''سرائیکی محاورے اور ضرب الامثال'' حروفِ ابجد کی ترتیب سے مع اُردو تفہیم شامل کیے اور نگارشات لاہور نے ۲۰۴ صفحے کی کتابی صورت میں شائع کیا ستمبر ۲۰۰۸ء میں خدیجہ کبریٰ (ایم۔اے سرائیکی۔ بہاولپور) (پ۔ ۵ فروری ۱۹۸۲ء) نے ''سرائیکی دھرتی دے قصّے'' صفحات ۱۲۸ مرتب کیے۔ جس میں شہر سلطان ضلع مظفر گڑھ کے ۶ لوگوں (بختو مائی عزیز مائی۔ صاحبائی مائی سمیت) سے پندرہ قصّے مُرتب کیے ہیں۔ جبکہ نومبر ۲۰۰۸ء میں عاصم ظہور ولد احمد دھریجہ نے ''شادی دے سہرے'' کے عنوان سے ۱۴۳ صفحے کی کتاب مُرتب کی ہے، دونوں کو جھوک پبلشرز ملتان نے چھاپا ہے۔ بانو بلوچ ایم۔اے اردو، بی ایڈ نے ''بُجھ میڈی بُجھارت'' کے عنوان سے حروفِ ابجد کی ترتیب سے ۱۲۱ پہیلیوں کو مع جواب ۳۲ صفحات میں مُرتب کیا اور ستمبر ۱۹۹۶ء میں سلیمان برادرز ملتان نے اسے شائع کیا۔

فریدیات کے سلسلے میں بخت آور کریم کی کتاب کا ذکر آچکا ہے جبکہ عائزہ قریشی نے ۲۰ اُردو مضمون ''تناظراتِ فریدؒ'' کے عنوان سے مُرتب کیے، جنھیں سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۲۰۰۰ء میں ۲۰۰ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس میں عائزہ قریشی کے علاوہ عمرانہ پروین عنبر کا مضمون شامل ہے۔ خیال رہے کہ عمرانہ پروین کی اُردو میں کتاب ''چاہتِ فریدؒ'' ۱۹۸۳ء میں لاہور سے ۵۶ صفحات پر مشتمل شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر روبینہ ترین کے ڈاکٹریٹ کے مقالے کا حصہ ''خواجہ غلام فرید شخصیت اور شاعری'' کے عنوان سے ۲۰۰۰ء میں سرائیکی ادبی بورڈ نے ۱۱۲

صفحے کا شائع کیا ہے۔

سیرت النبیؐ کے حوالے سے تحقیقی کتاب ''مکی مدنیؐ'' مُسرت کلانچوی کی کاوش ہے جسے اکادمی ادبیات پاکستان نے ایوارڈ سے بھی نوازا ہے۔ یہ کتاب اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے اکتوبر ۲۰۰۳ء میں ۱۴۱ عنوانات پر مشتمل ۲۳۲ صفحات کی کتابی صُورت میں شائع کی ہے۔

دیگر کُتب میں ایک کتاب مُسرت کلانچوی کی ''وڈیاں دا آدر'' ہے۔ یہ بچوں کے لیے نثر میں لکھی گئی ایک کہانی ہے۔ چالیس صفحات کی یہ مختصر کتاب ۱۹۸۶ء میں پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے شائع کی تھی۔

فرحت نواز نے ۱۹۸۰ء میں تنقید لکھنے کا آغاز کیا جو اچانک اور غیر متوقع تھا۔ شاید اس لیے اس کا ردِّعمل سامنے آیا۔ جس سے آج تک پھر کسی خاتون کو حوصلہ نہ ہوا۔ تاہم وقتاً فوقتاً ادبی، مذہبی، سماجی موضوعات پر چھپنے والے مختلف مضامین میں اِن کے تنقیدی شعور کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اَیسے مضامین لکھنے والوں میں مذکورہ خواتین قلمکاروں کے علاوہ ریحانہ یاسمین، ساجدہ نسیم ہاشمی، نگہت فردوس وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ یونیورسٹیوں (اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، زکریا یونیورسٹی ملتان) میں سرائیکی شعبے تحقیقی مقالہ جات لکھوانے کا کام کر رہے ہیں۔ مذکورہ بالا قدسیہ نیّر کے مقالے کے علاوہ روشن سلطانہ کا ''سرائیکی ناول دا ارتقاء'' صفحات ۳۲۰، ساجدہ بتول علوی کا ''سرائیکی پندھ وہانیاں'' وغیرہ کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے۔

سرائیکی خواتین نے سرائیکی صحافت کے حوالے سے سرائیکی اخبارات و رسائل میں ادارتی فرائض بھی سرانجام دیے ہیں۔ مثلاً اس ضمن میں شیما سیال اور میمونہ یُوسفی نے ''سرائیکی ادب'' ملتان میں، پروین عزیز نے ''سجّار'' کراچی میں صبیحہ قریشی نے ''س۔ سرائیکی'' مظفر گڑھ میں ساجدہ نسیم ہاشمی نے ''بانگ'' بہاولپور میں عمرانہ پروین نے ''سانول'' لاہور میں اور ثمینہ مقبول دھریجہ نے ''قصہ قصولی'' اور ''چندر تارے'' خان پور میں ادارتی کام کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

سرائیکی کی نظم ونثر میں ''ماہنامہ سرائیکی ادب'' ملتان نے سب سے زیادہ قلمکار خواتین متعارف کرائیں، اس کے بعد روزنامہ ''جھوک'' نے۔ مثلاً روزنامہ ''جھوک'' میں ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۴ء تک مشہور قلمکار خواتین ریحانہ یاسمین، ساجدہ سعید (خان پور) اور مس شباہت اَحمدانی (مانہ احمدانی) نُمایاں رہیں۔ مختصر یہ کہ سرائیکی زبان وادب کے فروغ، ترویج اور ترقی میں خواتین قلمکار اپنا بھرپور کردار ادا کررہی ہیں۔

لوک ادب

(۱) ہر جاندار مخلوق اپنی خوشی، غم، محبت اور نفرت کے جذبوں کا اظہار مختلف انداز یعنی آوازوں اور حرکات وسکنات سے کرتی ہے، جب انسان بول چال سے آشنا نہ تھا، تو وہ اپنے جذبوں کا اظہار لفظوں کی بجائے حرکات وسکنات سے کرتا تھا، یہاں سے لوک ناچ وجود میں آئے، بعد میں انسان نے اپنے جذبوں کو لفظوں کا روپ دیا اور آخر یہ لفظ گیت بن گئے۔ ان گیتوں میں کسی شاعر کی شعوری کوشش شامل نہیں ہے اور نہ ہی ان پر کسی ایک شاعر کی چھاپ لگی ہوئی ہے، ان میں شاعری کے فنی رموز کی بجائے، جذبوں کا سیلاب امڈتا ہے۔

لوک شاعری میں لوک گیتوں کے شاعروں کی گمنامی کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کا ایک بڑا حصہ عورتوں نے تخلیق کیا، جو گھروں اور کھیتوں میں کام کرتیں اور اس دوران کہے ہوئے شعروں کے ساتھ اپنا نام نہ جوڑتیں تا کہ معاشرتی پھٹکار سے بچ سکیں۔ سرائیکی میں اس کا ثبوت دائی پھاپھل حفظانی کی دستیاب لوری ہے، اسی طرح تونسہ کے مشہور لوک گیت ''ہمی'' کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ہمی کی ماں نے اس کی جدائی میں لکھے۔ ان گیتوں میں جن جذبات اور خیالات کا اظہار ملتا ہے، وہ اتنا نازک اور لطیف ہے کہ مردوں کی زبان میں ادا ہونا ممکن نہیں، لوک گیتوں کے فنی نقائص دور نہیں کیے جاتے کیونکہ یہ جنگلوں میں اگنے والے خُود رَو پھول ہوتے ہیں۔

لوک ادب میں لوک گیتوں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، ان میں رسوم ورواج کا ذکر ہوتا ہے، ان میں آنسوؤں کے دیے چمکتے ہیں، مسکراہٹوں کی قوس وقزح رنگ بکھیرتی ہے، ان میں سبز کھیتوں میں بکھری چاندنی کی نیند اور ریگزاروں میں دوپہر کی گرمی کا جھلساؤ ہے، انھیں دوشیزاؤں نے نیم اور شیشم کی چھاؤں میں چرخا کاتتے ہوئے اور کبھی گھبرؤوں نے کھجوروں کے

سائے تلے لیٹ کر گایا ہے، یہ گیت اپنے موضوعات، مواقع اور اصناف کے لحاظ سے متنوع ہیں، انھیں چار حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔

۱۔ بچوں کے گیت

ان میں پرندوں کے گیت ہیں، جنھیں بچے پالتے ہیں اور ان سے محبت کا اظہار کرتے ہیں مثلاً:

اماں میڈا کیں اُڈایا، کیں اُڈایا میڈا تِلہر
اُڈایا تے وَت نہیں آیا، شاہ سڈایا میڈا تِلہر

اِن میں پُونیوں کے گیت ہوتے ہیں، بیٹے کے پیدا ہونے پر اسے جھولا جھولاتے ہیں، کپاس کی پُونیوں سے جھولے کی ڈوری کو سجایا جاتا ہے۔

پونڑیں وے کاکا پونڑیں
تیڈی ماء گلھیں سونہڑیں
ٹکڑا وے کاکا ٹکڑا
تُوں ہیں ماء پیو دا نِکڑا
کاکا پونڑیاں ٹُکا کھن آلا
پیو جیوے، سِنجھن والی ماء

کھیلوں کے گیت کئی قسم کے ہیں، اٹکن مِٹکن، کھلاڑیوں میں قسم ڈالنے کے بول، کھلاڑی تقسیم کرنے کے بول، ارائیں ووارائیں، اکھ سُجا دبلا، جھلاری لوٹا، چیکل یا چکری، کھاؤں پکاؤں، کالی بکری، چھوٹے بچوں کے گیت ہیں۔ بڑے بچوں میں اندھڑا قصائی، شینہ بکری، کوکلا چھپاتی یا گٹ وئیلی، گنجی کبوتری وغیرہ مقبول ہیں، لڑکیوں کے مخصوص کھیلوں میں چیکل یا پیر گھساواں کی مثال دی جا سکتی ہے یا گُڑیوں کے بیاہ کے گیتوں میں بہن بھائی کی محبت کا اظہار ملتا

ہے جیسے:

تساں آؤ سئیو، لنگھ آؤ سئیو
میڈے وِیر دا چیکوں گھِن آؤ سِیو

یا

جھل پکھاتے آوی ٹھڈی دا
مولا میڈے وِیر گوں رنگ چالا

''لولی'' قدیم لوک گیت ہے، لوری ماں اپنے بچے کو سُلاتے وقت گاتی ہے، ان میں بچے سے محبت اور ماں کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے، انھیں دعائیہ گیت بھی کہہ سکتے ہیں:

مُٹھو بول بولی۔۔اَمڑی جھلّے جھولی۔۔حُوراں ڈیون لولی

۲۔رسوم ورواج کے گیت

ان کو کئی حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے، شادی بیاہ کے گیت میں ہر رسم اور موقع کے الگ الگ گیت ہیں، یعنی پھولوں کے سہرے پہنانے، بندِ عروسی باندھنے، حنا گانے، سہرا سجانے، روانگی بارات، دلہن کی گھر آمد، استقبال بارات، شگن کی رسومات، رخصتی اور واپسی بارات کے گیت، اسی طرح جگراتے کے گیت، جھومر کے گیت، سہرے کے گیت، میل یعنی اکٹھ کے گیت، جیسے دیکھیے، پہلی مثال سہرے کے گیت کی ہے جو عورتیں مختلف شگنوں کے مواقع پر گاتی ہیں:

۱۔ حُوراں پریاں سہرے گاون...... وارو واری دیلاں پاوِن

۲۔ سونے دیاں تاراں وَنی نال سنگھاراں...... جنج آئی میڈے ویہڑے ہن لکیاں بہاراں

جھومر کے گیت ہر علاقے میں الگ الگ ہیں۔ مثلاً دیرے والی گیت، ملتانی گیت، مظفر گڑھی گیت وغیرہ۔

۳۔ لوک شاعری میں لولی، ڈھولے، گانمن، بگڑو، چھلّہ، ماہیا، سہرے، پہاکے اور ڈوہڑے وغیرہ قدیم ایام سے رائج ہیں۔

ا۔ بگڑو اور گانمن: یہ قدیم گیت ہے، بگڑو، گانمن اور لولی ماہیئے کے ہی نام ہیں، موضوعاتی اعتبار سے بھی الگ الگ اور اوزان کے اعتبار سے بھی الگ الگ ہیں، ناخواندہ خواتین ومردنے اپنے محبوب کو فرضی نام دے رکھے ہیں، بگڑو خوبصورت معشوقہ، گانمن خوبصورت محبوب اور معشوق جبکہ لولی پہلوٹی کے بچے کو لوری دینے والی حسینہ ہے۔ ان میں پہلا مصرعہ مہمل ہوتا ہے۔ جس میں خاص ماحول یا گردوپیش کا ذکر ہوتا ہے، دوسرے میں حدیث دیگراں کے رنگ میں دل کا دُکھ سنایا جاتا ہے مثلاً:

کوٹھے اُتے پھُل سُکدے

اَندر بیمار پئی ہاں، باہروں جنڈری دے مُل چُکدے

۲۔ پہاکے یا ٹپّے: ٹپّے حصے بخرے اور ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ ڈیڑھ مصرعے کی اس چھند کا پہلا آدھا مصرعہ تُک ہوتا ہے جس کا کام دوسرے مصرعے کو وزن، قافیہ یا ردیف مہیا کرنا ہے۔ عورتوں کے اکٹھ میں دو ٹولیاں آمنے سامنے سوال جواب کرتی ہیں مثلاً:

سوال:

سوہنی چلی اے بزار

مارے اکھ اُٹھاوے یار، تیڈا یارا ے سنار

جواب:

سُنار ڈیوی جھانجھراں

سنیہا ڈیوی ہار، تُوں چل تاں بازار

۳۔ ڈھولا: ڈھولا سے مراد محبوب لیا جاتا ہے، ڈھولے کے بول خاص قسم کی جھومر کے

دوران گائے جاتے ہیں۔اس میں محبوب کی تعریف یعنی اس کی خوبصورتی یا اُونچے مرتبے کا ذکر ہوتا ہے، خواجہ فریدؒ کے مطابق ڈھولا ایک آدمی تھا، جس کی محبوبہ کا نام ماڑو تھا، دوشیزاؤں کا علامتی محبوب ''ڈھول'' ہے جس کے ساتھ الف ندائیہ لگا تو ڈھولا بن گیا۔ عموماً تین مصرعوں کے ہوتے ہیں پہلے دو ہم قافیہ ہوتے ہیں مثلاً بزار وکاندی تر وے

میڈا سوڑی گلی وچ گھر وے

تے پپّل نشانی • وے ڈھولا

۴۔ ڈوہڑے: دوہوں کو ڈوڑا بمعنی دگنا کہا جاتا ہے یہ بیت کی طرح کے دو مصرعے ہیں۔ پہلا مہمل اور دوسرا بامعنی ہوتا ہے۔ اب چار اور چار سے زائد مصرعوں کے ڈوہڑے بھی کہے جاتے ہیں۔ مثلاً

جیون جتیاں چکیاں تے مرن جتے جندراہ

جیون گوڑا آسرا تے مرن حقانی راہ

۵۔ چھلّے: چھلا انگوٹھی کی قسم کا زیور ہے، جسے مرد و زن پہنتے ہیں۔ یہ جھومر کے درمیان بھی گایا جاتا ہے اور ڈوہڑے کے علاوہ کافی کے رنگ میں بھی ملتا ہے۔

چھلا پئی کھڑی آں ہک

میکوں پے گئی تیڈی چھک

توں تاں میڈے کولوں ٹک

۶۔ گانمن: یہ صنف قافیہ بندی کے معیار پر نہیں اُترتی بلکہ سُر تال کے تابع ہے۔ جذبات کے علاوہ تہذیب و ثقافت کی تاریخ ہیں۔ کئی قسموں میں رائج ہیں:

Scanned with CamScanner

مثلاً:

ڈُھاآتا میہنہ دوشالا چھیراں چھیراں
کون پُچیسی گانمن یار اللہ رائیں دیاں خبراں

گانمن کی ایک اور قسم وہ ہے جس کا مجموعہ سعید خاور نے مرتب کر کے کراچی سے ''ساون چار ڈیہاڑے'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ نمونہ دیکھیں

چڑھ کھڑدے نی چاڑھے
مان گھِن موجاں
ساون چار ڈیہاڑے

۷۔ ماہیئے: لگتا ہے کہ قدیم گیت بگڑ و اب ماہیئے کا رُوپ دھار چکا ہے۔ آسان صنفِ سخن ہے مگر موضوع کے لحاظ سے وُسعت ہے۔ ماہیا لفظ ماہی میں الف ندائیہ سے مل کر بنا ہے جو محبوب کے معنوں میں آتا ہے۔ یہ ڈیڑھ مصرعے یا تین آدھے مصرعوں کی نظم ہے قدیم سرائیکی شاعروں علی حیدر ملتانی، چراغ اعوان، سچل سرمست اور گانمن ملتانی وغیرہ کی شاعری میں لفظ ماہی یا ماہیا موجود ہے۔ نمونہ دیکھیں:

کوٹھے تے ہل پھر دی
تیڈی میڈی ہک دِلڑی، وِچ خاباں دے آملدی

۴۔ موضوعاتی گیت

چرخے کے گیت۔ چرخہ ثقافتی علامت بھی ہے اور چرخہ صوفیانہ شاعری میں ایک علامت کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ چرخہ کاتنے کے گیتوں کو ''آٹن'' بھی کہتے ہیں۔ دیکھیے:

چرخہ گھڑ ڈے درکھاناں
تتّی ساہورے گھر جاناں

راودھاں دے گیت۔ میلوں ٹھیلوں پر خوش مزاج نوجوان کان پر ہاتھ رکھ کر باآواز بلند گاتے ہیں۔

آون ونجن دی گلی لدھوے، ول ونجن دی موری
ہاں کلیجہ کڈھ گھدوای، ماء پیو کنوں چوری

محبوب کا روٹھ جانا بھی لوک گیتوں کا اہم موضوع ہے جن میں میٹھا میٹھا غصہ، ہلکا ہلکا درد اور ان جانی لذت ملتی ہے۔ دیکھیے:

ساوی موراکین تے بوٹا کڈھ ڈے چولے تے
رُٹھی نہ منیساں بھوں نراض ہاں ڈھولے تے

بزرگوں کی خانقاہوں پر حاضری دینے، منت ادا کرنے، رات کو دیا جلانے وغیرہ کے بارے میں بھی گیت ملتے ہیں:

جُل جُلوں ملتان، جُل جُلوں ملتان
زیارت حضرت پیردی ، حیاتی ہووے ویردی

ساون کے مہینے میں دریا کی طغیانی میں چیزوں کے پانی میں بہنے کا ذکر مزاحیہ انداز میں ''ساون ماکھوں'' کہلاتا ہے، مثلاً:

ساون ماکھوں، ساون ماکھوں لُودھدے آئے اَک
چا گھِناہیں ڈاتری گپ گھناہیں نک

نوجوان بیاہی لڑکیاں جو میکے سے دور میکے کی یاد میں گیت گاتی ہیں ''سموڑیاں'' کہلاتے ہیں:

پولیس ویہڑے گئی آں، کئی پولی ونڈے نی کھیس
آکھ مندی لکھی بابل وو، میکوں کیوں پرنایو پردیس

جی برابر سموڑیاں

زرعی علاقے کی خوشحالی کا دارومدار اچھی فصلوں پر ہوتا ہے۔ لہٰذا فصلوں کے گیت معرکتہ الآرا عوامی گیتوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ سرائیکی میں کنک، آبھوں، پھٹی، ونواڑ کپاہ، پیلھوں ،تماخوں وغیرہ کے حوالے سے گیت ملتے ہیں،

موسم آئی ونواڑ دی چُنڈیاں کملیاں بھولیاں

ہِک بۓ دی وَت رِلیس تُوں بھربھر گھِندیاں جھولیاں

جسم کی آرائش کے لیے زیور قدیم زمانے سے استعمال ہو رہا ہے اور زیورات عورتوں کی کمزوری رہے ہیں۔ سرائیکی علاقے میں مستعمل زیورات کا ذکر یہاں کے لوگ گیتوں میں بھی ملتا ہے۔ جیسے:

نازاں والی ہَنسی تے گل والی ہسڑی، ڈیسم وِیر گھڑا

(کانوں کی بالیاں، گلے کی ہنسی مجھے میرا بھائی بنوادے گا)۔

جب صحرا کا سفر دشوار ہو، بیزاری سی پیدا ہونے لگے تو اُونٹ پر بیٹھ کر گائے گئے گیت ''لڑھاوُلوڑھا'' کہلاتے ہیں۔ عربی زبان میں ایسے گیتوں کو ''حُدی'' کہا جاتا ہے:

ساوی ٹاہلی کھڑی وچ جنگل دے

اَج یار ونجائمی سَجڑاں دو سُنجے وار منگل دے

برہا ایک تلخ حقیقت ہے۔ بچھڑنے کی پُر درد کیفیت میں بول خود بخود لبوں پر وچھوڑے (برہا) کے گیت بن جاتے ہیں:

چن کِتھا گزاری ہئی رات وے

مَیڈا جی دلیلاں وات وے

سرائیکی لوک گیتوں میں وطن سے محبت اور دشمنوں سے نفرت کا اظہار دھرتی سے پیار کا اظہار ہے:

ٹھنڈ سینے وچ پا جانی۔۔۔۔دشمن دیاں فوجاں تے فتح پا کے آ جانی

یا

کوئی خیر دی خبر آوے۔۔۔۔ترکی داغازی اساڈا، انگریزاں تے فتح پاوے

سرائیکی علاقے میں پہاڑوں، ریگزاروں کے علاوہ سرسبز شاداب درخت بھی بکثرت موجود ہیں۔جن کا ذکر لوک گیتوں میں بھی ملتا ہے:

کھچی تیڈی دے پہلے گندوڑے
سنبھل کے آنویں رانجھو آ وَیری وسدے نیں سَوڑے

مزاحیہ لوک گیت دیکھیے جنھیں زیادہ تر نقال اور بھَنڈ خوشی کی تقریبات میں گاتے ہیں۔

کُھوہ تیڈے تے گھڑا بھرن آئیاں، میکوں ڈیڈر ماری لَت اے
چولی میڈی تھئی لیر کتیراں، سینہ رتُو رَت اے

بے جوڑ شادی سرائیکی معاشرے کا المیّہ ہے۔مگر اس میں بھی مزاح کا پہلو ملتا ہے۔ ایک نوجوان لڑکی بوڑھے خاوند سے مخاطب ہے۔

ہک ماراں، بئی اُلاراں ، تیڈی ڈاڑھی اِڑدی
تُوں ہیں چاچا بڈھڑا، میں چھوہیر کل دی

اِصناف کے لحاظ سے ماہیے چھلے اور ڈھولے میں بھی مزاح کا استعمال دیکھنے کو ملتا ہے جیسے:

کوٹھے تے سِلھہ پئی اے ماہیا
ڈھولے کھیر منگیا، مَنجھ بھاڑے تے مِل پئی اے ماہیا

یا

چَھلا نیلی تھِگڑی، رَن بیٹھی وِگڑی، جیویں چھِتی گدڑی

چرواہوں کے گیت، پہاکے، سہرے، مزاحیہ، طنزیہ اور ہزلیہ شاعری پر مبنی ہوتے ہیں جبکہ پہاکے صرف زنانہ مزاحیہ شاعری کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئے ہیں۔

Scanned with CamScanner

کہا جاتا ہے کہ ضرب الامثال اور کہاوتیں آئینے کی طرح ہوتی ہیں، جن میں کسی قوم کے رسوم ورواج، تہذیب اور تمدن کے ساتھ قومی کردار کی جھلک موجود ہوتی ہے۔ ''اکھان'' اُس دور کی یادگار ہیں جب انسان نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ کسی دانا نے بات کی اور ارد گرد کے لوگوں نے اُسے گرہ میں باندھ لیا۔ تجربات نے اِن باتوں کو سچ کر دکھایا تو یہ معاشرے کے حافظے میں محفوظ ہو گئیں۔ اکھان کسی زبان کی ترقی، اس کی ٹھیٹھ شناخت کی حفاظت اور اسے صاف و بے داغ رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ سرائیکی وسیب کی تاریخ شاہد ہے کہ جن قوموں نے یہاں لوٹ مار کی ان کے خلاف نفرت کی کہاوتیں مشہور ہو گئیں۔

''اندھا راجہ بیداد نگری، پیسے سیر وِصل دھیلے سیر مِصری''

یہ کہاوتیں بے لاگ تاریخ مرتب کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ رابرٹ سنڈیمن کے مُشیر لالہ ہتورام ''تاریخ ڈیرہ غازی خان۔ گل بہار'' میں حاکمِ ڈیرہ غازی خان اور اس کے وزیر گانموں سچار کے درمیان مکالمہ نقل کرتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا:

گھر کوٹھا، مال اوٹھا پُتر جیٹھا

مگر وزیر نے کہا کہ:

''گھر چھپری، مال بکری ، پُتر جیہڑا وقت تے پکڑی''

اسی طرح شہروں سے متعلق کہاوتیں بھی کثرت سے موجود ہیں جن میں وہاں کے لوگوں سے تعارف اور ان کے بارے میں تاثرات ملتے ہیں۔ ایک بڑا حصہ پیشوں اور ذاتوں سے متعلق کہاوتوں کا ہے۔ مزاحیہ کہاوتیں بھی ہیں جیسے:

میں کِراڑی، میڈا یار قریشی
ہکی گالھوں ڈَردی مسلمان کریسی

جانوروں ، دنوں ، موسموں وغیرہ سے متعلق ہزار ہا کہاوتیں موجود ہیں۔ میر حسان

الحیدری کے بقول:

''سرائیکی زبان کی کہاوتیں اگر یکجا کی جائیں تو بلا مبالغہ بیس ہزار کے لگ بھگ ہوں گی''۔

اب تک وقتاً فوقتاً اکھٹی کی جانے والی اور شائع ہونے والی کہاوتیں بھی دس ہزار سے زیادہ بنتی ہیں۔ بلا مبالغہ یہ تعداد سرائیکی زبان کی قدامت اور وسعت کی دلیل ہے۔نمونہ دیکھیں:

۱۔

آپنڑی کچھ وچ تے بے دی ہتھ وچ

(اپنا عیب بغل میں اور دوسروں کا عیب ہتھیلی پر) اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا اور دوسروں کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتا ہے۔ وہ انسان جو اپنے عیبوں پر نظر نہیں رکھتا اور دوسرے کے عیبوں کو اُچھالتا ہے اس کے لیے بولتے ہیں۔

۲۔

''آپناں مریسی وی سہی تاں چھاں تے سٹیسی''

(اپنا مارے گا بھی سہی تو سائے میں ڈالے گا) یعنی اپنا اپنا ہوتا ہے اور غیر غیر۔ یقیناً خون پانی سے گاڑھا ہوتا ہے۔

سرائیکی کے لوک ادب میں لوک گیتوں اور کہاوتوں کے بعد قصوں کا نمبر آتا ہے۔ یوں تو سرائیکی زبان میں بے شمار قصے ایسے ہیں جو سینہ بہ سینہ چلے آرہے ہیں۔ نانیاں، دادیاں رات کو سونے سے پہلے چھوٹے بچوں کو یہ قصے سناتی ہیں جنھیں وہ بڑے ذوق وشوق سے سنتے ہیں۔ ان قصوں کو محفوظ کرنے کا کام بھی وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ اگر چہ کئی قصے ایسے ہیں جو سرائیکی بولنے والے علاقے کے مختلف حصوں کی نمائندگی کرتے ہیں جیسے ''قصہ گانموں سچار'' ڈیرہ غازی خاں کے علاقے میں ''قصہ ناہر بادشاہ'' مظفر گڑھ کے علاقے میں، ''قصہ سی راول'' تونسہ کے علاقے

میں ''قصہ سخی بادشاہ'' ملتان کے علاقے میں مشہور ہیں جبکہ قصوں کا زیادہ تر حصہ ایسا ہے جو ہر علاقے میں یکساں مقبول ہیں۔ ''مائی بڈھڑی تے پھلے دا قصہ''، ''ڈڈھ چنے دا قصہ''، ''گنجو لیلے دا قصہ'' وغیرہ۔ قصوں کی ایک تقسیم عمر کے حصوں کے حساب سے کی جاتی ہے یعنی بچوں کے قصے، نوجوانوں کے قصے اور بوڑھوں کے قصے۔ ان کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ان قصوں کے کردار اس عمر سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ یہ قصے اس عمر کے لوگوں میں مقبول ہیں۔ یہ لوک قصے نظم و نثر میں موجود ہیں۔ نثری قصے مختصر بھی ہیں جو کہانی یا افسانے کی ابتدائی شکل معلوم ہوتے ہیں اور طویل بھی ہیں جو داستان اور ناول کی شکل تصور کیے جا سکتے ہیں۔

(۲) اب ہم سرائیکی زبان کے لوک ادب کے بارے میں ہونے والے مطبوعہ کام کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔ سرائیکی زبان کے لوک ادب کے بارے میں یوں تو بہت کچھ لکھا اور چھاپا جا چکا ہے۔ اسی طرح لوک ادب کی مختلف اصناف یا موضوعات کے حوالے سے مکمل کتب یا کتابوں میں کچھ حصے بھی مخصوص کیے گئے ہیں مگر اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والا مواد تو اتنا زیادہ ہے کہ اس کا اجمالی جائزہ بھی ممکن نہیں۔ صرف ''سرائیکی لوک گیتوں'' پر چند مضمون دیکھیے:

ڈاکٹر مہر عبدالحق کے ''ملتانی زبان'' کے حوالے سے روزنامہ ''امروز'' کی ۱۹۵۹ء کی اشاعتوں میں چھ مضمون شائع ہوئے۔ فصلوں کے گیت (۲۲ فروری)، لوریاں (یکم مارچ)، میل کے گیت اور جھومریں (۸۔ مارچ)، بچوں کے کھیل کے گیت اور بول (۱۵ مارچ)، جگراتے کے گیت (۲۶ اپریل)، ماہیے اور ڈھولے (۱۷۔ مئی)۔ ان کے علاوہ ابن قیصر کا ''سرائیکی لوک گیتاں دا تاریخی پس منظر''، ''سنیہا'' نمبر ۱۷ میں اور اسلم رسولپوری کا ''میانوالی کے لوک گیت'' سنیہا نمبر ۱۵ میں، بشریٰ رحمان (بشریٰ رشید) کا ''ریگزاروں کے گیت'' امروز نے ۱۲ مارچ ۱۹۶۱ء کو۔ سراج الدین سانول کا ''پرنے دے لوک گیت'' سرائیکی ادب (جولائی ۱۹۷۷ء)، میں صدیق طاہر کا ''بہاولپور کے لوک گیت'' سرائیکی (مارچ ۱۹۶۸ء) میں اور مسرت کلانچوی کا ''اساڈے لوک گیت'' سرائیکی ادب (فروری ۱۹۷۶ء) چند مثالیں ہیں۔ کتابی شکل میں موجود

مواد کا جائزہ زمانی ترتیب کے اعتبار سے کچھ یوں ہے۔ کیپٹن آر سی ٹمپل (سر رچرڈ ٹمپل) نے ''دی لیجنڈز آف دی پنجاب'' کے نام سے پنجاب کی تقریباً ۵۹ لوک کہانیاں اکھٹی کیں جو ۱۸۸۴ء، ۱۸۸۵ء اور ۱۹۰۰ء میں تین جلدوں کی صورت میں شائع ہوئیں۔ اسلام آباد سے NFH نے ۱۹۸۱ء میں بھی انھیں شائع کیا ہے اور میاں عبدالرشید نے ''حکایات پنجاب'' کے نام سے ان کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ اسی طرح ۱۹۰۶ء میں شائع ہونے والی ''ٹو پنجابی لو سانگس اِن دی ڈائیلکٹ آف دی لہندا آر ویسٹرن پنجابی بائی جندن'' ایچ اے روز کی تحریر ہے جسے انڈین اینٹی کیوری نے صفحہ ۳۳۳ تا ۳۳۵ پر شائع کیا۔ ۱۹۱۷ء میں شائع ہونے والی ''ملتانی سٹوریز'' میں ایف ڈبلیو سکیمپ (فرینک ورتھنگٹن سکیمپ۔ اسسٹنٹ کمشنر مظفر گڑھ تعیناتی ۱۹۰۹ء تا ۱۹۱۴ء) نے سرائیکی لوک کہانیاں انگریزی میں ترجمہ کیں۔ رومن رسم الخط میں چھپی اس کتاب کو ۸۲ صفحے کی کتابی شکل میں گورنمنٹ پرنٹنگ پریس لاہور نے شائع کیا۔ سکیمپ نے ایک مراسلے میں جو ایچ سینٹ جان فلبی (۱۸۸۵ء۔۱۹۶۰ء) کو لکھا تھا (جو ۱۹۳۰ء میں مسلمان ہو گیا تھا)۔

اس میں اعتراف کیا ہے کہ زیادہ تر کہانیاں تحصیل مظفر گڑھ کی بستی قریشی کے قاضی عبدالرحمان نے لکھوائی ہیں اور کتاب کے متن پر نظرِ ثانی پنڈت ہری کشن کول نے کی ہے۔ اس کا ایک ایڈیشن ۱۹۸۲ء میں پنجابی ادبی لہر لاہور نے ۸۰ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کیا جس میں صفحہ ۳۴ تک ۶۳ نثری کہانیاں، صفحہ ۶۸ سے ۷۶ تک سات منظوم کہانیاں اور صفحہ ۷۷ سے ۸۰ ''مظفر خاں کی وار'' ہے۔ ۱۹۹۷ء میں شوکت مغل نے اِسے سرائیکی رسم الخط میں ''ملتانی کہانیاں'' کے عنوان سے سنجوک پبلی کیشنز ملتان سے شائع کرایا۔

۱۹۶۴ء میں ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ''سرائیکی لوک گیت'' بزمِ ثقافت ملتان نے شائع کی۔ ۱۳۶ صفحے کی کتاب کا ایک ایڈیشن ۱۹۹۱ء میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں بشیر احمد ظامی بہاولپوری کی ''لُغات سرائیکی'' سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کی۔ اس کتاب کے دُوسرے حصوں میں ضرب الامثال، کہاوتوں، اور پہیلیوں کا ذکر ہے جبکہ تیسرے حصے میں لوک گیت اور

لوک کہانیاں ہیں۔ دوسرا حصہ صفحہ ۲۷۵ سے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۶۶ء میں ظامی کی دوسری کتاب ''پھر کے'' شائع ہوئی۔ یہ کتاب مرکز سرائیکی زبان تے ادب بہاولپور نے شائع کی۔ اس میں مضمون لوک گیت صفحہ ۳۷ تا ۵۴ پر اور لوک کہانیاں صفحہ ۵۵ سے ۷۰ پر ہے۔ ۱۹۶۷ء میں ''ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق'' شائع ہوئی۔ اس کتاب کو اُردو اکیڈمی بہاولپور نے شائع کیا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کی اس کتاب میں ''ملتانی کی ضرب الامثال'' صفحہ ۱۳۲ سے ۱۶۱ اور ''ملتانی زبان کے لوک گیت'' صفحہ ۳۷۴ سے ۳۷۶ پر ہیں۔ ۱۹۶۹ء میں کیفی جامپوری کی ''سرائیکی شاعری'' بزم ثقافت ملتان نے شائع کی۔ اس کتاب میں صفحہ ۲۱۴ سے ۲۲۶ پر ''لوک گیت'' ''مزاحیہ لوک گیت'' دیے گئے ہیں۔ ''وسدیاں جھوکاں'' ستمبر ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی۔ خان رضوانی کی مرتبہ اس کتاب میں لوک گیت، لوک قصے، لوک کہانیاں اور لطیفے بھی شامل ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں جمشید کمتر رسولپوری کی شائع ہونے والی ''سرائیکی سمّل'' میں اکھان ''مہینوں کے اکھان'' صفحہ ۳۵ سے ۴۴، ''لوک گیت'' صفحہ ۶۳ سے ۶۷، ''بجھارتیں'' صفحہ ۶۸ سے ۷۵ اور ''قصے'' صفحہ ۷۷ سے ۸۰ پر موجود ہیں۔ یہ کتاب سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کی ہے۔ ۱۹۷۸ء میں اعجاز ڈیروی کی ''سرائیکی اکھان'' شائع ہوئی۔ یہ کتاب دبستان سحر ڈیرہ غازی خان نے شائع کی ہے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھی نومبر ۱۹۸۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے لکھا ہے کہ اس میں تشریح بھی ہے (ح۔۱۰۲)۔ یہ بات درست نہیں۔ ۱۹۷۹ء میں اشرف بزدار کی کتاب ''سرائیکی لوک قصے'' شائع ہوئی۔ انڈس پبلی کیشنز ڈیرہ غازی خان نے یہ کتاب شائع کی۔ اس میں رومانی قصے، بچوں کے قصے اور دیگر قصے کے عنوانات سے کل اٹھارہ قصے دیے گئے ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں قصے کی دوسری کتاب ''ہک ہا بادشاہ'' شائع ہوئی۔ حاجی محمد طاہر غنی مرحوم کی یہ کتاب بعد وفات طاہر غنی اکیڈمی کبیر والا نے شائع کی۔ اس کتاب میں دس قصے موجود ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں بشیر احمد ظامی کی ''بہارِ سرائیکی'' شائع ہوئی۔ اردو اکیڈمی بہاولپور نے یہ کتاب شائع کی۔ اس میں سرائیکی ضرب الامثال اور پہیلیاں مع ترجمہ دی گئی ہیں۔ اسی سال واحد بخش خان

Scanned with CamScanner

بلوچ نے میڈیکل کالونی بہاولپور سے کتاب ''صحیح سرائیکی'' شائع کی۔ صفحہ ۸ تا ۳۲ پر کہاوتیں وغیرہ ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں ظامی بہاولپوری کی ''سرائیکی اردو بول چال'' سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کی۔ اس کتاب میں صفحہ ۸۶ تا ۹۱ قصے درج ہیں۔ اسی سال حسنین قیصرانی کی ''سرائیکی بُجھارتاں'' شائع ہوئی۔ سنیہا پبلی کیشنز کوٹ قیصرانی نے ۳۲ صفحے کی یہ کتاب شائع ہوئی۔ اس میں ۱۰۸ پہیلیاں اوران کے جواب دیے گئے ہیں۔ اسی سال ''اے سنچری آف سرائیکی سٹڈیز ان انگلش'' کرسٹوفر شیکل کی کتاب بزم ثقافت ملتان نے شائع کی۔ اس کتاب میں ''لوک ادب'' پر صفحہ ۳۹ تا ۵۳ لکھا گیا ہے۔ ۱۹۸۴ء میں ''سرائیکی قواعد تے زباندانی'' کے نام سے بشیر احمد بھائیہ کی کتاب سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کی۔ اس کتاب میں ''سرائیکی اکھان'' اور ''موسموں کے اکھان'' صفحہ ۱۵۹ تا ۱۹۰ پر ہیں۔ اسی سال محمد اعظم سعیدی کی چار تاریخی نوعیت کی لوک کہانیوں کا مجموعہ ''روہیلی فطرت'' سرائیکی اردو رائٹرز گلڈ کراچی نے شائع کیا جبکہ ایک اور کتاب ''سرائیکی لوک کہانیاں'' اردو اکادمی بہاولپور نے شائع کی۔ بشیر احمد ظامی کی ۱۸۷ صفحے کی اس کتاب میں کل سترہ کہانیاں شامل ہیں۔ اسی سال احمد غزالی کی کتاب ''چولستان'' لوک ورثے کے قومی ادارے اسلام آباد نے شائع کی۔ اس کتاب میں لوک گیت صفحہ ۱۶۷ تا ۲۲۴ اور لوک کہانیاں صفحہ ۲۳۵ تا ۲۹۸ پر ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں ڈاکٹر مہر عبدالحق کی کتاب ''سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں'' سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے شائع کی۔ اس کتاب میں صفحہ ۱۲۵ سے ۲۰۷ پر اکھان ، پہاکے، ٹوٹکے اور ٹپے موجود ہیں۔ ۱۹۸۶ء میں دلشاد کلانچوی کا ترجمہ ''سرائیکی مطالعے دے سو سال'' سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کیا۔ اس کتاب میں سرائیکی لوک ادب کے نمونے صفحہ ۹۶ تا ۱۲۰ پر موجود ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں سعید خاور نے سرائیکی لوک گیت کی صنف ''گانمن'' کا مجموعہ ''ساون چار ڈیہاڑے'' مرتب کیا۔ کتابی شکل میں اسے سرائیکی ادبی سنگت کراچی نے شائع کیا اسی سال دلشاد کلانچوی کی کتاب ''سرائیکی زبان تے ادب'' سرائیکی مجلس بہاولپور نے شائع کی۔ اس کتاب میں ''سرائیکی زبان دا لوک ورثہ'' صفحہ ۱۰۴ تا ۱۵۵ پر ہے۔ جس میں لوک گیت، لوک کہانیوں اور منظوم لوک کہانیوں

Scanned with CamScanner

پر لکھا گیا ہے، اسی سال اسلم رسولپوری کی کتاب ''ٹلاوڑے'' بزم ثقافت ملتان نے شائع کی۔ حصہ ''لوک ورثہ'' میں لوک گیت، کہاوتوں اور لوک قصوں کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ ۱۹۸۹ء میں ''ضلع مظفر گڑھ تاریخ، ثقافت تے ادب'' کے عنوان سے سجاد حیدر پرویز کی کتاب پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے شائع کی۔ اس کتاب میں سرائیکی لوک گیت وغیرہ شامل ہیں۔ اسی سال محمد علی احمدانی کا ترتیب دیا ہوا سرائیکی کہاوتوں کا مجموعہ ''دناویں دیاں گالیں'' ادارہ تحفظ برائے سرائیکی ڈیرہ غازی خان نے کتابی شکل میں شائع کیا۔ ۱۹۹۲ء میں شوکت مغل کے ترتیب دیے ہوئے پانچ ہزار ضرب الامثال معہ ترجمہ ''سرائیکی اکھان'' کے نام سے ۳۰۰ صفحے کی کتابی شکل میں سرائیکی مجلس ادب ملتان نے شائع کیے۔ جلد دوم جھوک پبلشرز ملتان نے ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔ ۲۸۸ صفحات میں بھی ۵ ہزار سے زائد ضرب الامثال ہیں۔ اسی سال جمشید احمد کمتر رسولپوری کی کتاب ''سرائیکی اساڈی سنجان'' نیلاب پبلشرز جام پور نے شائع کی۔ اس کتاب میں کہاوتیں صفحہ ۳۳ تا ۴۶، پہیلیاں صفحہ ۴۷ تا ۵۳ اور قصہ صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۰ موجود ہے۔ اسی سال ملک عبداللہ عرفان کی کتاب ''سرائیکی لوک قصے'' شائع ہوئی۔ یہ کتاب پاکستان سرائیکی ادبی ثقافتی بورڈ بہاولپور نے شائع کی۔ اس میں شامل چار قصے پہلے اسی سال میں الگ الگ کتابچوں کی شکل میں بھی شائع ہو چکے تھے۔ ۱۹۹۴ء میں ملک عبداللہ عرفان کا طویل لوک قصہ ماضی کی سرگزشت کے تناظر میں حصہ اول کے طور پر ''ناتھ جی'' کے عنوان سے پاکستان سرائیکی ادبی بورڈ بہاولپور نے شائع کیا۔ ''سرائیکی زبان مع اکھان'' حاجی رانا سردار احمد سعید مرحوم نے داراب پور جلال پور پیر والا سے اسی سال شائع کرائی۔ اس میں زیادہ تر سرائیکی کہاوتیں دی گئی ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں جاوید احسن کی ''سرائیکی ثقافت'' شائع ہوئی۔ سلیمان اکیڈمی ڈیرہ غازی خان نے یہ کتاب شائع کی۔ اس میں لوک قصے اور لوک گیت پر بھی لکھا گیا ہے۔ ۱۹۹۶ء میں ابن کلیم احسن نظام کی کتاب ''پھلپوٹ'' شائع ہوئی۔ کلیم پبلشرز ملتان نے یہ کتاب شائع کی۔ اس میں چار لوک کہانیاں بھی موجود ہیں۔ اسی سال بانو بلوچ کی کتاب ''بجھ میڈی بجھارت'' سلیمان برادرز ملتان نے شائع

کی۔اس کتاب میں ۱۲۱ پہیلیاں معہ جواب شامل کی گئی ہیں۔اسی سال شوکت مغل کی کتاب ''الف بے بئوا'' جھوک پبلشرز ملتان نے شائع کی۔اس کتاب میں سرائیکی وسیب سے اکٹھی کی گئی لوک ادب کے حوالے سے ۳۹ نثری اور ۳۵ منظوم کہانیاں شامل کی گئی ہیں۔

۱۹۹۷ء میں سیّدہ انجم گیلانی کی ضخیم کتاب ''سرائیکی محاورے اور ضرب الامثال'' کے عنوان سے ''نگارشات'' لاہور نے شائع کی۔۴۷۰ صفحات کی اِس کتاب میں حروفِ ابجد کی ترتیب سے جمع کیے گئے محاورے اور امثال کی اُردو وضاحت بھی کی گئی ہے۔۱۹۹۸ء میں شوکت مغل کی لوک کہانیوں اور لوک شاعری پر مُشتمل کتاب ''آٹی ماٹی'' جھوک پبلشرز ملتان نے شائع کی۔۴۴ نثری کہانیاں صفحہ ۹۸ تک ہیں جبکہ ۱۴۴ صفحے کی اِس کتاب میں لوک سّمل کا حصہ لوک بولوں اور لوک شاعری پر مشتمل ہے۔۱۹۹۹ء میں سجاد حیدر پرویز کی کتاب ''قصہ قصولی'' کے نام سے سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کی۔۸۰ صفحات میں ۱۲ قصّے ہیں جو قلمکار نے ضلع مظفر گڑھ اور ضلع لیّہ کے درمیانی تھل کے علاقے سے سُن کر تحریری شکل میں بیان کیے ہیں۔۱۹۹۹ء میں ہی شوکت مغل کی کتاب ''ساڈا ترکہ'' شائع ہوئی۔۱۴۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب جھوک پبلشرز ملتان نے شائع کی ہے۔اِس میں پہیلیاں، دُعائیں، بددُعائیں وغیرہ اکھٹی کی گئی ہیں۔

اکتوبر ۲۰۰۱ء میں نوید شہزاد کی ''ملتان ضلع تاریخ، ثقافت، ادب'' پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے ۴۴۸ صفحات پر مشتمل شائع کی ہے۔اس میں لوک کھیلیں، لوک ناچ، لوک گیت وغیرہ تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔اِسی سال مقتدرہ قومی زبان نے پروفیسر سجاد حیدر پرویز کی کتاب ''سرائیکی زبان وادب کی مختصر تاریخ'' شائع کی تو اِس میں سرائیکی لوک ادب کا جائزہ صفحہ ۲۶۹ سے ۲۸۴ پر لیا گیا ہے۔نومبر ۱۹۸۳ء میں ظہور احمد دھریجہ کی کتاب ''سرائیکی وسیب'' سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے شائع کی ہے۔۳۳۶ صفحات پر مُشتمل اِس کتاب کے حصہ ثقافت میں ۲۷ مضامین شامل ہیں۔جن میں سے اکثر لوک ادب کی ذیل میں آتے ہیں۔

۲۰۰۶ء میں لیہ کے امان اللہ کاظم نے ''کِن بُر'' کے نام سے حروفِ تہجی کے اعتبار سے سرائیکی کہاوتیں مع اُردو تشریح پیش کیں۔ عثمان پبلی کیشنز لاہور نے اِسے ۱۹۷ صفحات کی کتابی صورت دی ہے۔ اگست ۲۰۰۴ء میں بشیر احمد دیوانہ صادق آبادی نے ۳۲ صفحے کا کتابچہ ''سرائیکی سہرے'' مُرتب کیا۔ ۲۰۰۷ء میں لوک ورثہ کے قومی ادارے نے الفیصل ناشران لاہور کے ساتھ مُشترکہ اِشاعتی پروگرام کے تحت دو کُتب شائع کیں، جس میں ایک ظفر لشاری کی ''سرائیکی لوک سہرے'' ہے۔ ۲۶۰ صفحات کی اِس کتاب میں سترہ مختلف مواقع کے سہرے مع اُردو ترجمہ اور سُر کی وضاحت کے شامل ہیں۔ جبکہ دوسری کتاب سجاد حیدر پرویز کی ''ملتان سے ملتان کی تاریخ، تہذیب و ثقافت'' ہے جس کا باب ششم، ہفتم، ہشتم اور صفحات ۱۷۸ تا ۱۸۲۔ رسوم و رواج، ٹونے ٹوٹکے، لوک موسیقی، ساز، ناچ، رقص، کھیلیں اور کہاوتوں، امثال، گیت اور قصّوں پر مشتمل ہیں۔

نومبر ۲۰۰۸ء میں عاصم ظہور نے ''شادی دے سہرے'' کے عُنوان سے سہرے مُرتب کیے ہیں۔ جھوک پبلشرز کی ۱۶۶ صفحات پر مشتمل اِس کتاب میں صفحہ ۱۳ تا ۳۲ سرائیکی وسیب میں شادی کی رسموں پر تحریر ظہور دھریجہ کی ہے۔ ۲۰۰۸ء میں ہی عصمت شاہ نے اِس ادارے سے قصّے کی کتاب ''سوجھل'' کے نام سے شائع کرائی ہے۔ اس کے ۱۹۲ صفحات ہیں۔ اِسی سال خدیجہ کُبریٰ نے بھی ضلع مظفر گڑھ کے چھ لوگوں سے پندرہ قصّے اکھٹے کر کے ''سرائیکی دھرتی دے قصّے'' کے عُنوان سے مُرتب کیے ہیں۔ اِس ادارے نے ۱۲۸ صفحات کی یہ کتاب بھی شائع کی ہے۔

حوالہ جات (حصہ چہارم)

ح۔۱	قلمی نسخہ، مملوکہ میر حسان الحیدری محررہ ۱۱۸۰ھ	صفحہ ۱۵
ح۔۲	سرائیکی ادب	صفحہ ۲۷۰
ح۔۳	سرائیکی کتابیں	صفحہ ۵۷ تا ۵۹
ح۔۴	سرائیکی شاعری دا ارتقاء	صفحہ ۹۹
ح۔۵	سرائیکی کتابیں	صفحہ ۶۰ تا ۶۱

ح۔۶	ملتانی زبان اوراس کا اردو سے تعلق	صفحہ۳۴۰
ح۔۷	سرائیکی ادب	صفحہ۳۲۴،۳۱۵
ح۔۸	سرائیکی شاعری داارتقاء	صفحہ۱۰۰
ح۔۹	سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں	صفحہ۷۲
ح۔۱۰	مجموعہ حلیہ مبارک و معراج نامہ	صفحہ۱۲
ح۔۱۱	سرائیکی شاعری داارتقاء	صفحہ۱۰۰
ح۔۱۲	سرائیکی کتابیں	صفحہ۶۲
ح۔۱۳	پنجابی کتابیات	صفحہ۳۱۴
ح۔۱۴	سرائیکی ادب	صفحہ۳۰۸
ح۔۱۵	ضلع مظفر گڑھ تاریخ، ثقافت تے ادب	صفحہ۴۶۲
ح۔۱۶	سرائیکی کتابیں	صفحہ۱۴۶تا۱۴۷
ح۔۱۷	آزادی مگروں پنجابی ادب	صفحہ۹۵
ح۔۱۸	سرائیکی ادب	صفحہ۳۱۲
ح۔۱۹	سرائیکی ادب	صفحہ۳۴۲
ح۔۲۰	سرائیکی شاعری	صفحہ۳۲۴
ح۔۲۱	پنجابی زبان وادب کی مختصر تاریخ	صفحہ۳۰۳
ح۔۲۲	کلیاتِ شاہ عظیم	صفحہ۲۴
ح۔۲۳	ملتان دیاں واراں	صفحہ۱۱
ح۔۲۴	نادر شاہ دی وار	صفحہ۱۹
ح۔۲۵	سرائیکی ادب	صفحہ۲۶۵
ح۔۲۶	سرائیکی تاریخی واراں	صفحہ۸
ح۔۲۷	ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان (نومبر ۱۹۹۵ء)	صفحہ۲۱
ح۔۲۸	سرائیکی تاریخی واراں	صفحہ۶
ح۔۲۹	پنجابی ادب دی مختصر تاریخ	صفحہ۱۰۷
ح۔۳۰	''پنجابی ادب'' لاہور (ستمبر ۱۹۶۸ء)	

Scanned with CamScanner

ح۔۳۱ ملتان دیاں واراں صفحہ ۳۵،۳۶

ح۔۳۲ سرائیکی ادب صفحہ ۳۱۰

ح۔۳۳ قدیم سرائیکی شاعر تے ادیب صفحہ ۷۸

ح۔۳۴ ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان (میانوالی جھنگ نمبر مارچ ،اپریل ۱۹۸۰ء)

ح۔۳۵ ملتان دیاں واراں صفحہ ۱۵

ح۔۳۶ ملتانی واراں صفحہ ۸

ح۔۳۷ سرائیکی شاعری داارتقاء صفحہ ۲۰۱

ح۔۳۸ ملتانی واراں صفحہ ۱۷

ح۔۳۹ کلیاتِ شاہ عظیم صفحہ ۸

ح۔۴۰ ملتان دیاں واراں صفحہ ۴۷

ح۔۴۱ ملتان دیاں واراں صفحہ ۶۷،۶۸

ح۔۴۳ ماہنامہ ''ماں بولی'' لاہور (جولائی ۱۹۹۷ء) صفحہ ۷۸

ح۔۴۴ ملتانی واراں صفحہ ۳۴

ح۔۴۵ پنجابی کتابیات صفحہ ۴۹۸

ح۔۴۶ نادر شاہ دی وار صفحہ ۹

ح۔۴۷ سرائیکی تاریخی واراں صفحہ ۱۶۲،۱۶۳

ح۔۴۸ سرائیکی تاریخی واراں صفحہ ۱۱۸

ح۔۴۹ العتیق العتیق صفحہ ۱۸۱

ح۔۵۰ سرائیکی شاعری صفحہ ۱۴۲

ح۔۵۱ چن چھاں دے صفحہ ۲۱

ح۔۵۲ سرائیکی ادب صفحہ ۲۸۲

ح۔۵۳ قدیم سرائیکی شاعر تے ادیب استفادہ صفحہ ۱۸تا۲۰

ح۔۵۴ سرائیکی شاعری صفحہ ۱۴۴

ح۔۵۵ چراغ اعوان دی ہیر صفحہ ۶،۴،۲۰

ح۔۵۶ سرائیکی ادب صفحہ ۳۳۲

ح۔۵۷	سرائیکی شاعری	صفحہ۱۵۵
ح۔۵۸	سرائیکی ادب	صفحہ۳۱۲
ح۔۵۹	سرائیکی شاعری داارتقاء	صفحہ۲۱۲
ح۔۶۰	ملتان دیاں واراں	صفحہ۲۰۷
ح۔۶۱	سرائیکی شاعری	صفحہ۱۵۳
ح۔۶۲	ضلع مظفر گڑھ، تاریخ ثقافت تے ادب	صفحہ۵۶۴
ح۔۶۳	سرائیکی شاعری داارتقاء	صفحہ۲۲۱
ح۔۶۴	ترکہ	صفحہ۲۲
ح۔۶۵	ضلع مظفر گڑھ، تاریخ ثقافت تے ادب	صفحہ۴۹۵، ۵۰۹
ح۔۶۶	گلزارِ سسّی	صفحہ۳، ۴
ح۔۶۷	سرائیکی شاعری	صفحہ۱۸۴، ۳۵۱
ح۔۶۸	''جانباز جتوئی''	صفحہ۱۸
ح۔۶۹	سرائیکی شاعری	صفحہ۲۹۴
ح۔۷۰	سرائیکی اوراس کی نثر	صفحہ۹۸
ح۔۷۱	سرائیکی شاعری	صفحہ۱۹۰
ح۔۷۲	سرائیکی شاعری داارتقاء	صفحہ۲۵۱
ح۔۷۳	پنجابی کتابیات	صفحہ۲۸
ح۔۷۴	سرائیکی شاعری	صفحہ۲۴۹
ح۔۷۵	سیف الملوک (ترجمہ اردو معہ متن)	صفحہ۲۸
ح۔۷۶	سرائیکی دے کجھ مہاندرے شاعر	صفحات۱۵۳، ۱۵۴
ح۔۷۷	پنجابی کتابیات	صفحہ۳۵۷، ۳۵۸
ح۔۷۸	سہ ماہی ''سرائیکی'' بہاولپور (جنوری ۱۹۷۲ء)	
ح۔۷۹	سرائیکی ادب	صفحہ۲۸۳
ح۔۸۰	کلیاتِ لالی	صفحات ۷۷، ۷۹، ۸۰ وغیرہ
ح۔۸۱	سرائیکی ادب	صفحات۲۸۳، ۲۹۳

ح-۸۲ مثنوی یُوسف زلیخا (ترجمہ) صفحہ۲۲

ح-۸۳ ملتانی زبان اور اُس کا اردو سے تعلق صفحہ۳۵۲

ح-۸۴ قدیم سرائیکی شاعر تے ادیب صفحہ۳۸

ح-۸۵ سرائیکی شاعری دا ارتقاء صفحہ۲۴۴

ح-۸۶ سرائیکی شاعری دا ارتقاء صفحہ۲۴۵

ح-۸۷ سرائیکی شاعری دا ارتقاء صفحہ۲۱۹

ح-۸۸ سرائیکی شاعری دے کُجھ مُہاندرے شاعر صفحہ۴۵

ح-۸۹ سرائیکی ادب رِیت تے روایت صفحہ۹۹

ح-۹۰ بہاولپوری ملتانی زبان وادب صفحہ۱۳۷

ح-۹۱ چراغ اعوان دی ہیر صفحہ۴۴

ح-۹۲ سرائیکی شاعری صفحہ۱۹۳

ح-۹۳ قدیم سرائیکی شاعر تے ادیب صفحہ۴۶تا۴۷

ح-۹۴ سرائیکی ثقافت صفحہ۱۷۸

ح-۹۵ پھلاں دے ہار (فروری ۱۹۷۳ء) صفحہ۵

ح-۹۶ پھلاں دے ہار (جنوری ۱۹۷۹ء) صفحہ۶،۱۴

ح-۹۷ سرائیکی لوک کہانیاں صفحہ۶،۱۲

ح-۹۸ پھلپوٹ صفحہ۱۳

ح-۹۹ الف بے بٹوا صفحہ۱۳

ح-۱۰۰ حکایاتِ سعدیؒ صفحہ۱۰،۱۳

ح-۱۰۱ اے سنجری آف سرائیکی سٹڈیز اِن انگلش صفحہ۲۴

ح-۱۰۲ پنجابی ادب دا ارتقاء صفحہ۳۱۸

☆ تفصیل کوائف ''کتابیات'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حصہ پنجم

تحقیق وتنقید

(الف) شخصیات نگاری وتذکرہ نگاری (سرائیکی ادباء وشعراء)

I۔قدیم/مرحوم

ا۔اجتماعی کتب

ایاز احمد ایاز اویسی کا اردو زبان میں سرائیکی شخصیات کا تذکرہ ''جھلک'' ۱۹۶۶ء میں سرائیکی اکادمی صادق آباد نے کتابی شکل میں شائع کیا۔ دیگر شخصیات کے علاوہ ظامی بہاولپوری، بخت علی بخت، خوشتر، چنگھول، سید مبارک شاہ جیلانی، بریگیڈیئر نذیر علی شاہ پر لکھا گیا ہے۔

''رت دیاں ہنجوں'' جس کے مؤلف صادق بشیر ہیں، سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے پہلی بار ۱۹۶۷ء میں اور دوسری بار ۱۹۸۶ء میں شائع کی۔ صفحات ۱۲۸ ہیں۔ مرحوم شعراء جو شامل ہیں: جانباز جتوئی، فیض محمد دلچسپ، عاصم اچوی، نقوی احمد پوری، صدیق طاہر، پیر بخش بھنور وغیرہ، طبع سوم ۱۹۹۷ء۔

کیفی جامپوری کی ''سرائیکی شاعری'' مطبوعہ ۱۹۶۹ء ناشر بزم ثقافت ملتان صفحہ ۲۲۹ سے ۳۶۸ تک جن ترپین شعراء کا تذکرہ موجود ہے اُن میں اس وقت پانچ حیات ہیں۔ باقی سب قدیم اور مرحوم شعراء کی صف میں شامل ہیں۔ ''تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند'' جس کا حصہ ''سرائیکی ادب'' میر حسان الحیدری نے لکھا اور پنجاب یونیورسٹی نے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا، صفحہ ۲۸۲ سے ۳۴۳ تک بالخصوص قدیم شاعروں اور ادیبوں کا تذکرہ ہے۔

Scanned with CamScanner

ممتاز علی خان حیدر ڈاہر اور محمد نواز فانی الہ آبادی کی مُرتبہ کتاب ''وَہندے نیر'' جسے جنوری ۱۹۷۳ء میں ممتاز اکیڈمی بھٹہ واہن نے شائع کیا۔ پچاس شعراء کا مختصر تعارف اور نمونہ کلام دیا گیا ہے۔ اُس وقت ان میں سات مرحوم تھے۔ اب ان کی تعداد ۲۳ (تئیس) ہو چکی ہے۔

''وِگھری زندگی'' دو قدیم سرائیکی شاعروں عبداللطیف لطفن اور محمد ظریف خوشتر کے حالات و کلام پر مشتمل ہے جسے اسلم رسولپوری نے ترتیب دیا اور سرائیکی ادبی سنگت الہ آباد جام پور نے کتابی شکل میں ۱۹۸۰ء میں شائع کیا۔

''نمائندہ چہرے'' ملتان ڈویژن کے قدیم ادیبوں اور شاعروں کا تذکرہ ہے جسے حکیم سید عبدالمجید راحی نے اردو میں لکھا اور ستمبر ۱۹۸۰ء میں کتابی صورت میں شمع ادب ملتان نے شائع کیا۔ اس میں مرحوم سرائیکی شعراء میں کشفی ملتانی، نسیم لیہ، نقیب جعفری، منیر فاطمی اور حیدر گردیزی شامل ہیں۔

''مشاہیرِ بہاولپور'' مسعود حسن شہاب دہلوی کی کتاب ہے۔ یہ کتاب اردو اکیڈمی بہاولپور نے ۱۹۸۱ء میں پہلی بار اور ۱۹۸۷ء میں دوسری بار شائع کی۔ مرحوم سرائیکی ادیبوں شاعروں میں مولوی عزیز الرحمٰن، خرم بہاولپوری، نذیر علی شاہ، ظہور نظر اور محی الدین شان کے نام گنوائے جا سکتے ہیں۔

''دامان'' نصیر سرمد سائروی کی کتاب ہے جسے انجمن سرائیکی ڈیرہ اسماعیل خان نے ۱۹۸۴ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں سرائیکی کے تین قدیم شاعروں گلزار عظیم، اللہ بخش طالب اور نورا مالی کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ سجاد حیدر پرویز کی ''سرائیکی ادبی تاریخ'' مطبوعہ اگست ۱۹۸۴ء میں خواجہ غلام فریدؒ اور غلام حسن حیدرانی پر مضامین صفحہ ۵۳ سے ۶۱ تک شامل ہیں۔ اسی طرح سجاد حیدر پرویز ہی کی ''سرائیکی ادب دی مختصر تاریخ'' مطبوعہ ۱۹۸۶ء میں قدیم سرائیکی ادیبوں شاعروں کا تذکرہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ بھی قدیم شاعروں اور ادیبوں کے حوالہ جات

Scanned with CamScanner

دیے گئے ہیں۔

۱۹۸۶ء میں خلش پیر اصحابی کی ''ملتانی مرثیہ'' ۲۷ شعرائے متقدمین، ۳۳ شعرائے متوسطین اور ۴۶ شعرائے متاخرین کل ۱۰۶ سرائیکی مرثیہ گو شعراء کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے شائع کی ہے۔

دلشاد کلانچوی کی کتاب ''قدیم سرائیکی شاعر تے ادیب'' مطبوعہ ۱۹۸۷ء میں حضرت مُلّاں سے عبدالکریم جھنگوی تک تیرہ ادیبوں شاعروں کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے شائع کی ہے۔

''آیاتِ ادب'' جعفر بلوچ کا اُردو میں شعرائے لیہ و مظفر گڑھ کا تذکرہ ہے۔ مکتبہ عالیہ لاہور نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا، جس میں کشفی ملتانی، خلیق ملتانی، ڈاکٹر مہر عبدالحق، نسیم لیہ، ریاض انور کے علاوہ اللہ بخش لائق، فقیر نور جعفری اور نقیب جعفری جیسے سرائیکی کے مرحوم ادیبوں شاعروں کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

''سرائیکی شعری گلدستہ'' کو غلام عباس حیدری اور حکیم فضل حسین ذوق نے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب جون ۱۹۸۸ء میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کی ہے۔ ۴۳ شعراء میں سے صالح الہ آبادی، ظامی بہاولپوری، دلشاد کلانچوی، قریشی احمد سعید، جانباز جتوئی، نقوی احمد پوری، عاصم اچوی، فیض محمد دلچسپ جیسے تقریباً پون درجن شعراء مرحوم ہو چکے ہیں۔

سجاد حیدر پرویز (راقم الحروف) کی ضخیم کتاب ''ضلع مظفر گڑھ تاریخ، ثقافت تے ادب'' مطبوعہ مئی ۱۹۸۹ء میں سرائیکی کے مرحوم شعراء کا تذکرہ موجود ہے۔

ستمبر ۱۹۹۰ء میں محمد سعید خاور بھٹہ کی کتاب ''چن چھاں دے'' پنجند اکیڈمی لاہور نے شائع کی۔ اس میں سرائیکی صوفی شعراء دمودر، سلطان باہوؒ اور علی حیدر ملتانی پر مضامین شامل ہیں۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی کی کتاب ''سرائیکی ادب ریت تے روایت'' مطبوعہ مارچ ۱۹۹۳ء

Scanned with CamScanner

میں خواجہ فرید، غلام حسن حیدر رانی، خوشدل، گامن ملتانی، شاکر تونسوی، ممتاز حیدر ڈاہر پر مضامین اسی حوالے سے ہیں۔

مئی ۱۹۹۳ء میں شائع ہونے والی دلشاد کلانچوی کی کتاب ''چار سرائیکی صوفی شاعر'' جو باہوؒ، علی حیدرؒ، سچلؒ اور حافظ جمالؒ کے بارے میں ہے، اسی ضمن میں آتی ہے۔

نومبر ۱۹۹۳ء میں شائع ہونے والا اردو زبان میں سرائیکی مرثیہ گو شعراء کا تذکرہ ''نقیبان کربلا'' صفدر ڈوگر نے مرتب کیا جسے عالمی مجلس اہلبیت پاکستان اسلام آباد نے شائع کیا۔ اس میں صفحہ ۴۷ تا ۱۲۵ پر ''۳ سو سال قبل سے مشاہیر شعراء و ذاکرین کے حالات زندگی'' کے عنوان سے ۲۹ شعراء کا ذکر ہے۔ مؤلف خلش پیراصحابی اور انتخاب صفدر حسین ڈوگر کا ہے۔

''سرائیکی دے کجھ مُہاندرے شاعر'' دلشاد کلانچوی کی کتاب ہے۔ یہ کتاب اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے جون ۱۹۹۴ء میں شائع کی ہے۔ گیارہ شعراء میں سے آٹھ بابا فریدؒ، خرم بہاولپوری، خیر شاہ، نوروز، عاشق ملتانی، عبدالحکیم اُچوی، مولوی لطف علی اور جانباز جتوئی قدیم شاعر ہیں، طبع دوم ... ۲۰۰۸ء۔ ۱۹۹۶ء میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے دلشاد کلانچوی کی کتاب ''سرائیکی ادب دی چنگیر'' شائع کی ہے، جس میں خرم بہاولپوری، صالح آبادی اور مہر عبدالحق کا تذکرہ موجود ہے۔

۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۸ء کے درمیان درج ذیل اُردو کتب شائع ہوئیں:

۱۹۷۹ء میں ملک منیر احمد بھٹی کی کتاب ''مُلتان تہذیب وثقافت کے آئینے میں'' شائع ہوئی۔ ۲۲۴ صفحات کی اس کتاب میں سرائیکی شعراء کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ اِسی سال ڈاکٹر نجیب جمال کی شعرائے بہاولپور پر لکھے گئے مضمونوں کی کتاب ''شش جہات'' حصہ اوّل اُردو اکیڈمی بہاولپور نے شائع کی۔ ۱۱۹ صفحے کی اِس کتاب میں نقوی احمد پوری مرحوم اور نور الزمان احمد اوج مرحوم پر بھی مضمون شامل تھے۔

جنوری ۲۰۰۰ء میں مُزمّل حسین کی کتاب ''نئے زاویے'' التحریر لاہور نے ۲۰۱ صفحات کی شائع کی۔ اِس میں نسیم لیّہ مرحوم، فدا حسین گاڈی مرحوم، جعفر بلوچ مرحوم کے علاوہ شاہین ڈیروی اور شفقت بُزدار پر بھی مضمون شامل ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں دو کُتب شائع ہوئیں۔ احسان دانش کی ''جہانِ دانش'' کا دُوسرا حصہ ''جہانِ دگر'' صفحات ۲۸۷ خزینہ علم وادب نے شائع کیا تو اِس میں کئی سرائیکی ادبی شخصیات کا ذکر بھی ہوا ہے۔ سجاد حیدر پرویز کے ایم فِل کے مقالے کا اختصار یہ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ''اُردو اور سرائیکی کے باہم تراجم'' کے عنوان سے شائع کیا۔ ۲۴۰ صفحات کی اس کتاب میں اہم ترجمہ نگاروں کے بارے میں سوانحی حالات درج کیے گئے ہیں۔

''معاصرینِ مبارک'' (سیّد مبارک شاہ جیلانی ۱۳۹۷ھ تا ۱۹۶۹ء) کو سیّد انیس شاہ جیلانی نے ۱۹۸۱ء میں مُرتّب کیا اور مبارک اُردو لائبریری صادق آباد نے ۵۱۷ صفحات کی یہ کتاب ۳۔ فروری ۲۰۰۳ء کی پرنٹ لائن سے شائع کی۔ ۱۲۷ شخصیات میں چند کا تعلق سرائیکی ادب سے بھی ہے۔ ۲۰۰۵ء میں ''مُلتان نامہ'' محمد اسلم میتلا کی ۳۷۴ صفحات کی کتاب ہے جس میں جنوبی پنجاب کے ہندو شعراء کا تذکرہ بھی ہے۔ اِن میں کچھ سرائیکی میں بھی لکھنے والے ہیں۔ ۲۰۰۶ء میں رضی الدین رضی نے ''رفتگانِ ملتان'' کے عنوان سے مُلتان کی مرحوم ادبی شخصیات کا تذکرہ شائع کرایا۔ اس کے علاوہ نومبر ۲۰۰۶ء میں احسان احمد چنگوانی کی ''تاریخ ڈیرہ غازی خان'' شائع ہوئی۔ ۳۱۷ صفحات میں ۱۳۰ سرائیکی ادیبوں، شاعروں کا تعارف بھی شامل ہے۔ حبیب اللہ خیال کے کالموں کا مجموعہ دسمبر ۲۰۰۶ء میں ۲۱۴ صفحات کی کتابی شکل میں چھپا تو اِس کی کئی تحریریں سرائیکی ادیبوں شاعروں پر بھی تھیں۔

۲۰۰۷ء میں بھی تین کتابیں شائع ہوئیں۔ ''لطافت اُسلوب'' مُزمّل حسین کی کتاب ہے۔ ۲۳۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب خواجہ فریدؒ اور میاں الٰہی بخش سرائی جیسے سرائیکی زعماء کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر انوار احمد، ڈاکٹر طاہر تونسوی، اکرم میرانی، شفقت بزدار اور حمید اُلفت ملغانی جیسے سرائیکی ادیبوں، شاعروں پر مضامین کا بھی مجموعہ ہے۔

Scanned with CamScanner

''اَفادات'' شوکت مُغل کے مضامین پر مشتمل ۳۳۶ صفحات کی کتاب ہے۔ شخصیات پر مضامین میں سے چار کا تعلق سرائیکی سے ہے۔ حمید اُلفت ملتانی کی اسی سال ''پاکستانی زبانوں کا ادب'' ۳۸۴ صفحات پر مُشتمل چھپی۔ چھٹے باب ''سرائیکی'' میں تین محققین پر لکھا گیا ہے۔ جنوری ۲۰۰۸ء میں صدیق اطہر کی ۳۷ مضامین کا مجموعہ ''جادۂ خیال'' چھپی جس کے ۱۸۴ صفحات میں خواجہ فریدؒ اور دیگر سرائیکی ادبی شخصیات پر بھی مضامین شامل ہیں۔

۲۰۰۸ء میں شیخ غلام علی اینڈ سنز نے زاہد حسین انجم کی ''اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا'' جلد سوم شائع کی۔ ۲۵۰ صفحات میں کئی سرائیکی ادبی شخصیات مثلاً سجاد حیدر پرویز اور رحیم طلب وغیرہ شامل ہیں۔ اگست ۲۰۰۸ء میں ڈاکٹر شکیل پتافی کی کتاب ''جنوبی پنجاب میں اُردو شاعری'' جلد اوّل (آغاز سے ۱۹۰۰ء تک) ۲۹۰ صفحات چھپی۔ اِس میں ذوالّلسان سرائیکی شعراء کا تذکرہ بھی ہے۔ اکتوبر ۲۰۰۸ء میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کے مضامین کا مجموعہ ''تنقید و تنقیح'' چھپا۔ نو ادبی شخصّیات پر مضامین میں سے ۳ شخصیتیں سرائیکی کی ہیں۔ اکادمی ادبیات پاکستان کی طرف سے ''اہلِ قلم ڈائریکٹری'' بھی اِسی سال شائع ہوئی جس میں پانچ سو کے قریب سرائیکی ادیبوں شاعروں کے کوائف شامل ہیں۔ ۳۰۴ صفحے کی اِس ڈائریکٹری کے مُرتّب علی یاسر ہیں۔ مئی ۲۰۰۸ء میں ڈاکٹر انوار احمد کے خاکوں کا مجموعہ ''یادگارِ زمانہ ہیں جو لوگ'' چھپا۔ ۲۱۷ صفحے کی اِس کتاب میں سرائیکی ادبی شخصیات پر بھی خاکے شامل ہیں۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی ۱۶۰ صفحات پر مُشتمل مُرتّبہ کتاب ''خواتین کی سرائیکی تخلیقات میں عورت'' میں بھی مختصراً سرائیکی قلمکار خواتین کے تذکرے موجود ہیں۔ ۲۰۰۸ء میں ڈاکٹر مُنیر احمد سلیچ کی ''وفیاتِ اہلِ قلم'' صفحات ۵۷۶ میں بھی سرائیکی ادیبوں شاعروں کے کوائف موجود ہیں۔

اب سرائیکی کُتب کا جائزہ پیش ہے۔ پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور کے اَضلاع کی ادبی تاریخیں مقامی زبان میں لکھوانے کے منصوبے کے تحت تین مزید کُتب چھپیں۔ جولائی ۱۹۹۷ء میں ''ضلع بہاولپور'' (پروفیسر دلشاد کلانچوی) صفحات ۳۹۲، اپریل ۱۹۹۹ء میں ''ضلع خوشاب''

(امتیاز حسین امتیاز) صفحات ۳۵۰، اکتوبر ۲۰۰۱ء میں ''ضلع ملتان'' (نوید شہزاد) ۴۴۸ صفحات مثلاً آخری کتاب میں صفحہ ۲۸۳ سے ۴۴۸ تک سرائیکی ادبی شخصیات کا تذکرہ ہے۔ اِسی طرح دلبر حسین مولائی نے ''تذکرۃ الشعراء''، ''وسیبی سخنور'' کے عنوان سے تین جلدوں میں مُرتب کیا ہے۔ جلد اوّل اگست ۲۰۰۰ء میں ۱۱۲ صفحے کی، جلد دوم اپریل ۲۰۰۴ء میں ۲۰۸ صفحے کی (جس میں ۹۲ ادبی شخصیات کا تعارف ہے) اور تیسری جلد ۲۰۰۸ء میں ۲۲۳ صفحے کی چھپی ہے۔

اِن کتب کے علاوہ دلنور نور پوری کی مُرتبہ دو کتب اہم ہیں۔ دونوں میں ۸۰، ۸۰ شعراء کا تعارف ہے۔ ۱۹۹۷ء میں ۱۷۶ صفحات کی ''ہنجوں دے موتی'' اور مارچ ۱۹۹۹ء میں ۲۴۰ صفحے کی ''چندن ہار''۔ دیگر کُتب میں ۲۰۰۱ء میں شائع ہونے والی شوکت مغل کی ''کوئے کنوا'' صفحات ۲۸۸، جس کا پہلا حصہ ادبی شخصیات پر مُشتمل ہے۔

اگست ۲۰۰۲ء میں نادر لاشاری نے ۹۶ صفحات کی ''پھُل تے کلیاں'' میں شعراء کا تعارف مُرتب کیا۔ اپریل ۲۰۰۳ء میں حمید اُلفت ملغانی کی کتاب ''لکھت تے لکھاری'' صفحات ۲۷۲۔ جس کے دُوسرے حصّے میں ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم، پروفیسر دلشاد کلانچوی مرحوم، صدیق طاہر مرحوم، اُستاد فدا حسین گاڈی مرحوم کے علاوہ ڈاکٹر طاہر تونسوی، ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز، پروفیسر شوکت مغل اور اسلم قریشی جیسے نثر نگاروں کے علاوہ چودہ، شعراء اور تین شاعرات پر بھی مضامین شامل ہیں۔ ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو کی کتاب ''کافیاں'' جون ۲۰۰۳ء میں بزمِ ثقافت ملتان نے شائع کی۔ ۱۳۲ صفحات میں کافی گو شعراء کا تذکرہ بھی ہے۔ ظہور احمد دھریجہ کی نومبر ۲۰۰۳ء میں چھپنے والی ''سرائیکی وسیب'' میں سرائیکی شخصیات پر پانچ مضامین ہیں۔ ۲۰۰۳ء میں فیض بلوچ نے ''سرائیکی اِچ غزل گوئی'' مُرتب کی۔ ۱۹۲ صفحات کی اِس کتاب میں ۲۸ صفحے کی ''میڈی عرض'' میں غزل گو شعراء کا تعارف بھی ہے۔ محمد عارف جان مرحوم نے بھی اِس سال ''بُوستان'' مُرتب کی۔ بشمول سرائیکی چار زبانوں کے ۱۷۵ قدیم و جدید شعراء کے کلام کا انتخاب ہے مگر سوانحی کوائف دیے گئے ہیں۔ حصہ سرائیکی ۲۴۵ صفحات میں ۱۴۴ سے ۲۱۶ تک ہے جس میں ۴۴ شاعر

اور شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر ایاز احمد سہروردی مرحوم (۱۹۳۵ء۔۲۰۰۸ء) کی دو کتب ''شہرِ نثر'' صفحات ۳۱۸ مطبوعہ نومبر ۲۰۰۳ء میں سرائیکی قلمکاروں کے بارے میں لکھا گیا ہے جبکہ جنوری ۲۰۰۴ء میں ''سرائیکی وطیرے'' صفحات ۳۸۰ شائع ہوئی تو حصہ دوم کے آخر میں ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز اور اَنیس شاہ جیلانی پر مضامین شامل ہیں۔ مئی ۲۰۰۶ء میں محمد ظفر مُنصف نے ۴۸ صفحات کی ''روہی دے پھُل'' مُرتّب کی، جس میں شعراء کا تعارف بھی ہے۔ اِسی سال شوکت مغل کی کتاب ''کنائی'' صفحات ۲۴۰ میں اُمید ملتانی مرحوم (۲۰۰۳ء)، حسن رضا گردیزی مرحوم (۱۹۹۹ء) مشکور قطب پوری مرحوم (۲۰۰۰ء)، حبیب فائق مرحوم (۲۰۰۱ء)، مہر گُل محمد مرحوم (۲۰۰۲ء) کے علاوہ اقبال سوکڑی، بہار النساء بہار، عبدالباسط بھٹی، اختر خان، سلیم احسن، ریاض فاروق بزدار اور ڈاکٹر قاسم جلال پر بھی مضامین شامل ہیں۔ ۲۰۰۷ء میں ڈاکٹر نصر اللہ خان ناصر کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ''سرائیکی شاعری دا ارتقاء'' صفحات ۸۴۰ چھپا۔ یہ شعراء کا تذکرہ بھی ہے۔ اگست ۲۰۰۷ء میں محمد ممتاز کی کتاب ''جدید سرائیکی شاعری تے اجو کا بندہ'' ۱۲۸ صفحے کی چھپی۔ اِس میں بھی جدید شعراء کا تذکرہ ہے۔

اب اِس دوران پنجابی میں چھپنے والی اُن کتب کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں سرائیکی ادیبوں، شاعروں پر بھی مواد شامل ہے۔ ۱۹۹۸ء میں حُسین سحر کی ''سوچ وِچار'' چھپی جس میں علی حیدر ملتانی، سلطان باہو، منشی غلام حسن شہید، خواجہ فریدؒ، حیدر گردیزی بھی مضمون شامل کیے گئے۔ ۲۰۰۵ء میں اکبر علی غازی کی ''ماں بولی دے وارث'' چھپی۔ ۱۹۲ صفحات کی اِس کتاب میں خُرم بہاولپوری مرحوم اور ممتاز احمد شاہ اعظم جیسے سرائیکی شعراء کو شامل کیا گیا۔ جنوری ۲۰۰۸ء میں لہراں ادبی بورڈ لاہور کی طرف سے ناصر ملک کی ''لیہ دی تاریخ''، صفحات ۶۲۲ شائع کی گئی۔ اس میں ضلع کے سرائیکی ادیبوں شاعروں کا تذکرہ شامل ہے۔

Scanned with CamScanner

۲۔ انفرادی کتب

ارشد ملتانی (۱۹۲۴ء تا ۲۰۰۵ء) پر امتیاز بلوچ کی کتاب ''حاصل مطالعہ'' مطبوعہ بیکن بکس ملتان ۱۹۸۸ء میں ''گوشہء ارشد ملتانی'' صفحہ ۲۷ تا ۱۱۵ پر ہے۔ مئی ۲۰۰۶ء میں عمر کمال خان کا مُرتبہ ۲۳ خصوصی مضامین، تعزیتی ریفرنس کے شرکاء کے بیان اور تعزیت ناموں کا مجموعہ ''ارشد ملتانی۔ ملتان کی ادبی وثقافتی تاریخ کا مُستند حوالہ'' صفحات ۱۴۴، بزم ثقافت ملتان نے شائع کیا تو مشتاق کھوکھر کا مُرتبہ ۷۹ عنوانات پر مختلف قلمکاروں کے مضامین کا مجموعہ ''ارشد ملتانی فن اور شخصیت'' صفحات ۲۷۲ مقصودہ بیگم میموریل ادبی سنگت ملتان نے ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔

اسد ملتانی (۱۹۰۲ء۔ ۱۹۵۹ء) پر دو کتب ۲۰۰۴ء میں سامنے آئیں۔ جون میں پروفیسر عبدالباقی کا ایم اے اُردو کا مقالہ ''اسد ملتانی شخصیت اور فن'' صفحات ۴۳۰ بزم ثقافت ملتان نے اور ''کُلیاتِ اسد ملتانی'' مُرتب سیّد شوکت علی بخاری سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان نے صفحات ۳۴۸ شائع کی۔ اس میں مقدمہ صفحہ ۱۹ تا ۵۲ میں شخصیت پر بھی لکھا گیا ہے۔ دونوں کُتب میں سرائیکی شاعری کا نمونہ بھی ہے۔

امام بخش شیروی (۱۸۵۷ء۔ ۱۳ مارچ ۱۹۲۷ء)۔ ۱۹۸۸ء میں قاضی امام بخش شیروی کے ''باغ و بہار'' کی تدوین اقبال صلاح الدین نے کی۔ کتاب سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے شائع کی، اس کے صفحہ ۱۶ تا ۳۶ پر شاعر کا تذکرہ ہے۔ ''بابا بُلھے شاہ'' (اُچ شریف) ۹۸ صفحے کی کتاب بزمِ ثقافت ملتان نے ۲۰۰۷ء میں شائع کی۔

بابا فرید شکر گنج (۱۱۷۳ء۔ ۱۲۶۵ء)۔ ''فرید فرد فرید'' ڈاکٹر اسلم فرخی کی کتاب ہے جو ۱۹۹۰ء میں احسن مطبوعات کراچی نے شائع کی۔ ۱۹۹۱ء میں اسے ۱۱۲ صفحے کی کتابی شکل میں مکتبہ جامع دہلی نے شائع کیا۔ ''عظیم صوفی بزرگ بابا فرید شکر گنج'' مطبوعہ کتاب ہے۔ ۲۳۲ صفحات کی یہ کتاب کلاسیک لاہور نے جنوری ۱۹۹۲ء میں شائع کی۔ ''مقامِ گنج شکرؒ'' واحد بخش سیال کی

کتاب ہے، ۳۴۴ صفحے کی یہ کتاب الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور نے ۱۹۹۴ء میں شائع کی۔ ''تذکرہ بابا فرید گنج شکر'' طالب ہاشمی کی کتاب ہے جو نومبر ۱۹۹۴ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ ''بابا فرید۔ سائیں فرید گنج شکر کا فلسفہ انسانیت'' محمد مسعود خالد کی کتاب ہے، جو ۲۰۴ صفحات پر مشتمل ہے، فکشن ہاؤس لاہور نے ۱۹۹۶ء میں شائع کی۔ ۲۰۰۷ء میں دو کتابیں ''گرنتھ میں بابا فریدؒ کے اشلوک'' صفحات ۲۰۶ جس میں شخصیت اور فن پر بھی بات ہے، حنیف چودھری نے شعبہ سرائیکی زکریا یونیورسٹی ملتان سے شائع کرائی۔ جبکہ ''تذکرہ بابا فریدالدّین مسعود گنج شکر'' انجم سلطان شہباز صفحات ۲۸۲ بک کارنر جہلم نے شائع کیا۔

بخت آور کریم (ستمبر ۱۹۲۲ء۔ ۲۱ فروری ۱۹۸۴ء) شعری مجموعہ ''اِٹک مِٹک دیداں'' خواجہ فرید علمی ادبی بورڈ لاہور نے دسمبر ۱۹۸۴ء میں شائع کیا تو ۱۵۲ صفحات کی اس کتاب میں صفحہ ۱۰۹ تا ۱۵۲ تعارفی مضامین شامل کیے گئے۔

بیدل سندھی (۱۸۱۴ء۔ ۱۸۷۳ء)۔ اسلم رسولپوری نے ۱۹۷۸ء میں ''بیدل سندھی'' پر کتاب بزمِ ثقافت ملتان سے شائع کرائی۔ ۱۷۴ صفحے کی کتاب میں حالات اور کلام پر تنقید صفحہ ۱۳ تا ۳۲ پر ہے جبکہ بیدل کے بیٹے بیکس (۱۸۵۹ء۔ ۱۸۸۱ء) کے کلام سے پہلے حالات صفحہ ۱۲۵ سے ۱۲۶ پر دیے۔

جانباز جتوئی (۱۹۱۸ء۔ ۱۹۹۴ء)۔ کتاب ''جانباز جتوئی'' فدا الاحمدانی کی تحریر ہے جسے سرائیکی اکادمی ملتان نے فروری ۱۹۶۸ء میں شائع کیا۔ بڑے سائز کے ۴۸ صفحات میں شخصیت اور فن صفحہ ۳۶ تک ہیں۔ ۱۹۹۹ء میں ظفر لاشاری کی کتاب ''جانباز جتوئی حیاتی تے فن''، صفحات ۱۵۲ پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے شائع کی جبکہ سرائیکی ہی میں حمید اُلفت ملغانی نے ۲۰۰۵ء میں ''جانباز جیندا اناں ہے'' کے نام سے سرائیکی ادبی بورڈ سے ۲۵۶ صفحات کی شائع کرائی اور پھر اکادمی ادبیات پاکستان سے ''پاکستانی ادب کے معمار'' کے سلسلے میں اُردو میں ''جانباز جتوئی شخصیت اور فن''، صفحات ۱۴۸، ۲۰۰۷ء میں چھپوائی۔

جمال اللہ ملتانیؒ (۱۷۴۷ء۔ مئی ۱۸۱۱ء)۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ۱۹۷۴ء میں حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی کے حالات زندگی وغیرہ ۹۶ صفحے کی کتابی صورت میں سرائیکی ادبی بورڈ ملتان سے شائع کیے۔ کتاب کا نام تھا ''نورِ جمال'' تذکرہ صفحہ ۵ تا ۵۰ پر ہے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل نے کیا، جسے بزم ثقافت ملتان نے ۴۷ صفحے کی کتابی شکل میں نومبر ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔ صفحہ ۲۴ تک تذکرہ ہے۔ جبکہ حافظ جمال اللہ ملتانی کے بارے میں حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاڑوی (۱۲۰۹ھ تا ۱۲۳۹ھ) کی عربی کتاب ''انوار جمالیہ'' کا سرائیکی ترجمہ محمد اعظم سعیدی نے کیا جسے ۸۰ صفحات کی کتابی شکل میں سرائیکی اردو رائٹرز گلڈ کراچی نے ستمبر ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ (چراغ اعوان (۱۰۹۰ھ۔۱۱۴۵ھ): ''چراغ اعوان دی ہیر'' پہلے عین الحق فرید کوٹی نے اکتوبر ۱۹۷۸ء میں پنجابی ادبی بورڈ لاہور سے کتابی شکل میں شائع کی۔ جس کے صفحہ ۹ تا ۵۸ پر تذکرہ شاعر ہے۔ پھر طاہر تونسوی نے ۱۹۸۲ء میں سرائیکی ادبی بورڈ ملتان سے شائع کرائی۔ صفحہ ۷ تا ۳۳ پر شاعر کا تذکرہ ہے طبع دوم ۔۲۰۰۲ء۔

حسن رضا گردیزی (۲۹۔ اگست ۱۹۱۴ء۔ ۱۹۹۹ء) پر امتیاز بلوچ کی کتاب ''حاصل مطالعہ'' (۱۹۸۸ء) میں ''گوشۂ حسن رضا گردیزی'' صفحہ ۱۲۷ تا ۱۹۵ ہے۔

حمل لغاری (۱۸۱۰ء۔ ۱۸۷۹ء): اسلم رسولپوری نے ''حمل لغاری'' نام کی کتاب ۱۹۸۱ء میں بزم ثقافت ملتان سے شائع کرائی۔ ۱۲۸ صفحے کی کتاب میں تذکرہ صفحہ ۹ تا ۳۲ پر ہے۔

خیر شاہ (۱۸۱۴ء۔ ۱۹۰۴ء): ڈاکٹر طاہر تونسوی نے کتاب ''خیر شاہ دا کلام'' ۱۹۷۷ء میں بزم ثقافت ملتان سے شائع کرائی۔ کلام کے علاوہ تذکرہ بھی ہے۔ دوسرا ایڈیشن اضافے کے ساتھ ۱۹۹۵ء میں گورا پبلشرز لاہور سے شائع کرایا۔

خوشدل (۱۸۳۵ء۔ ۱۹۲۰ء): خوشدل کے سرائیکی کلام (ایک سوڈوہڑے) کا منظوم اُردو ترجمہ امداد نظامی نے کیا۔ جسے لوک ورثہ اسلام آباد نے ۱۹۹۳ء میں شائع کیا۔ اس کے شروع میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کا شخصیت و کلام پر تحقیقی مضمون بھی شامل ہے۔

Scanned with CamScanner

''خوشدل حیاتی تے کلام'' اِمداد نظامی مرحوم کے منظوم ترجمے کے بغیر طاہر تونسوی نے ترتیب دے کر ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔ خُرّم بہاولپوری (رمضان ۱۲۷۱ھ۔ نومبر ۱۹۵۱ء) پر حفیظ خان نے ''خُرّم بہاولپوری شخصیت، فن اور مُنتخب سرائیکی کلام'' صفحات ۴۰۰ سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور سے فروری ۲۰۰۷ء میں شائع کرائی۔

دلشاد کلانچوی (۱۹۱۵ء۔۱۹۹۷ء): ماہنامہ ''سنہڑا'' بہاولپور نے دسمبر ۱۹۹۲ء میں ۳۲۸ صفحے کا ضخیم نمبر شائع کیا۔ ''دلشاد کلانچوی شخصیت فن تے خدمات'' اس کے علاوہ ''دلشاد کلانچوی تے انہاندی نعتیہ سہ حرفی'' جمشید کلانچوی نے ترتیب دی جسے اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے مئی ۱۹۹۷ء میں شائع کیا۔ صفحہ ۶ سے ۲۲ تک شاعر کا تذکرہ ہے۔ ''دلشاد کلانچوی شخصیت اور فن'' شوکت مغل کی ۲۲۴ صفحات کی کتاب اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے مئی ۲۰۰۴ء میں شائع کی۔

دمودر (سولھویں صدی عیسوی): ہیر دمودر کو آصف خان نے جولائی ۱۹۸۶ء میں پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور سے ۲۸۸ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کیا۔ صفحہ ۹ تا ۳۴ پر شاعر کا تذکرہ ہے۔

سچل سرمستؒ (۱۷۳۹ء۔۱۸۲۷ء): ''سچل سرمست جو سرائیکی کلام'' مرتبہ مولانا حکیم محمد صادق رانی پوری، سندھی ادبی بورڈ نے پہلی بار ۱۹۵۹ء اور دوسری بار ۱۹۸۲ء میں شائع کیا۔ صفحہ ۳ تا ۵۳ پر تذکرہ ہے۔ ''انتخاب سرائیکی کلام حضرت سچل سرمست'' کے مرتب روہڑی کے قاضی علی اکبر درازی ہیں۔ اپریل ۱۹۷۳ء میں ۴۴ صفحے کی شائع ہوئی ہے۔ سوانح حیات اور کلام پر تبصرہ پہلے سترہ صفحات پر ہے۔ ۱۹۶۶ء میں ''سچل سرمست'' کے نام سے رشید احمد لاشاری کی اردو میں تحقیقی، تنقیدی کتاب سلطان حسن اینڈ سنز کراچی نے شائع کی۔ ۱۹۷۷ء میں اسلم رسولپوری کی کتاب ''سچل سرمست'' بزم ثقافت ملتان نے کتابی شکل میں شائع کی۔ کرسٹوفر شیکل کا سولہ صفحوں کا انگریزی تعارف اور اسلم رسولپوری کی طرف سے تذکرہ بھی شامل ہیں۔ صدیق طاہر کی کتاب ''سچل سرمستؒ'' پاکستان فاؤنڈیشن لاہور کی طرف سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی تو اس

میں بھی حالاتِ زندگی وغیرہ شامل تھے۔ جون ۱۹۸۳ء میں حمید آخوند کی مرتبہ ''کارروائی سچل نیشنل سیمینار خیر پور مارچ ۱۹۸۲ء'' شائع ہوئی۔ یہ کتاب سچل اکیڈمی خیر پور نے شائع کی۔ ساہیتہ اکادمی نئی دہلی نے کتاب ''سچل سرمست'' شائع کی جو کلیان بی اڈوانی نے لکھی تھی۔ ڈاکٹر اسلم رانا کی کتاب ''سچل سرمست احوال، آثار تے سرائیکی کلام دا معروضی تجزیہ'' فروری ۱۹۸۹ء میں عزیز پبلشرز لاہور نے شائع کی۔ ''سچل جو مکتب'' ۱۹۹۳ء میں سچل چیئر شاہ لطیف یونیورسٹی خیر پور میرس نے شائع کی۔ اسے رشید بھٹی نے لکھا تھا۔ ۲۰۰۲ء میں ڈاکٹر سخی مقبول محمد فاروقی کی انگریزی کتاب ''سٹڈی آف مسٹیزم اِن درازی سکول آف صُوفی تھاٹ'' صفحات ۲۲۴ درازی پبلیکیشنز دراز، خیر پور سندھ نے شائع کی۔ سچل سرمست کا مُفصّل ذکر ہے۔ ۲۰۰۶ء میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کی کتاب ''سچل سرمست محبتوں کا پیامبر'' ۲۰۰۶ء میں سچل چیئر شاہ عبدالطیف یونیورسٹی خیر پور نے شائع کی۔

سرور کربلائی (۱۹۳۸ء۔ ۲۰۰۳ء) ماہنامہ ''اختر'' ملتان نے ۱۴۔ جولائی ۱۹۶۹ء کو ''سرور کربلائی نمبر'' ۸۰ صفحات پر شائع کیا، جس میں مضامین اور منظوم خراج شامل ہے۔ مُدیر اختر علی بلوچ تھے۔ کتاب کے مُنکر اِس شاعر کا کلام بعد وفات غلام حُر کندیانوی نے ''سیجھ دا سینہ'' کے عُنوان سے ۲۶۴ صفحات کا شائع کیا۔ اپریل۔ جولائی ۲۰۰۴ء میں دو ایڈیشن چھپے۔ ابتدائی ۳۲ صفحات پر شخصیت اور فن پر بات کی گئی ہے۔ سُلطان باہُوؒ کی زندگی کے بارے میں ممتاز بلوچ کی کتاب ''ہُو دے بَیت'' صفحات ۳۸۰ مطبوعہ سانجھ پبلشرز لاہور میں موجود ہے۔

شاطر (۱۳۱۴ھ۔ ۱۳۳۴ھ)۔ محمد بخش شاطر (جنھوں نے ۲۰ سال کی عمر میں ۱۹۲۴ء میں خودکشی کر لی) پر سیٹھ محمد عبید الرحمٰن کی کتاب ''شاطر نماناں'' سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۷۵ء میں شائع کی۔ پہلے ۲۵ صفحات پر تذکرہ ہے۔

شان (وفات مئی ۱۹۷۰ء): محی الدین شان پر کتاب ''شان آسودہ طوفان'' ۱۹۷۵ء میں ۶۸ صفحے کی سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کی۔ بیگم انجم گیلانی نے صفحہ ۷ تا ۱۵ حالات لکھے ہیں۔ دلشاد کلانچوی نے صفحہ ۱۶ تا ۲۵ کلام کا مطالعہ کیا ہے۔ آگے کلام ہے۔

Scanned with CamScanner

شاہ عظیم (پیدائش ۱۷۸۰ء): ''کُلّیات شاہ عظیم'' سعید بھٹہ نے ترتیب دی۔ اگست ۱۹۹۱ء میں پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے شائع کی۔ ۱۰۴ صفحے کی اس کتاب میں پہلے ۲۵ صفحات پر تذکرہ ہے۔

صدیق لالی (۱۶۷۲ء۔۱۷۶۶ء): اکتوبر ۱۹۸۲ء میں ۵۰۴ صفحات کی ''کُلیات لالی'' ریاض احمد شاد نے ترتیب دی اور پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے شائع کی۔ صفحہ ۱۸ تا ۱۱۷ پر تذکرہ ہے۔

عاقل جوگی (۱۲۷۰ھ تا ۱۳۱۱ھ): ''دیوان عاقل جوگی'' دسمبر ۱۹۹۶ء میں ہاشم شیر خان نے فرید سرائیکی سنگیت ڈیرہ غازی خان سے دوبارہ شائع کرایا اور صفحہ ۹ تا ۱۰ حالات زندگی شامل کیے۔ ۱۹۹۸ء میں '' آکھیامیاں جوگی نے'' کے نام سے محمد آصف خان نے پنجابی ادبی بورڈ لاہور سے شائع کی۔ ۲۰۰۲ء میں '' علامہ طالوت'' ڈاکٹر مختار ظفر کی ۲۶۸ صفحات پر مُشتمل کتاب شعبہ اُردو زکریا یونیورسٹی ملتان نے شائع کی۔ سرائیکی کلام بھی شامل ہے۔ علامہ عتیق فکری پر نعمت الحق کے مقالہ ایم۔ اے اُردو کو شعبہ سرائیکی زکریا یونیورسٹی ملتان کی شائع کردہ کتاب '' گوشۂ عتیق فکری، توضیحی اِشاریہ'' ۳۴۸ صفحات میں سوانح کے حصّے کے طور پر صفحہ ۳۰۹ تا ۳۳۱ پر شامل کیا گیا ہے۔ یہ نومبر ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی۔ ۲۰۰۰ء میں چھپنے والی فائق ملتانی پر پنجابی کتاب ''پَر بھات'' میں نوید شہزاد نے چار مضامین میں سے ایک مُنشی فائق ملتانی پر شامل کیا ہے۔

علی اکبر (۱۲۶۴ھ تا ۱۳۴۳ھ): ''فیوضاتِ اکبری'' خواجہ علی اکبرؒ ہوت مہر، احمد پور شرقیہ کا عارفانہ سرائیکی کلام ہے جو حکیم محمد حسین کی تالیف ہے۔ ۲۷۲ صفحے کی یہ کتاب اگست ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی صفحہ ۸ تا ۱۵ تعارف ہے۔ ۲۰۰۶ء میں چھپنے والی ''کُلیاتِ کیفی جام پوری'' صفحات ۲۹۶ میں کیفی جام پوری کی شخصیت پر ۱۷ صفحے ہیں جسے ڈاکٹر اسلم عزیز دُرّانی اور شبیر حسن اختر نے مُرتّب کیا۔ سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان نے شائع کیا۔

Scanned with CamScanner

کشفی ملتانی (۱۹۰۲ء تا ۱۹۷۶ء): کشفی پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ''شجر سایہ دار صحرا کا'' کے نام سے طاہر تونسوی نے ترتیب دیا۔ ۱۶۰ صفحے کی یہ کتاب ۱۹۷۷ء میں مکتبہ عالیہ لاہور نے شائع کی۔

گامن ملتانی پر ۲۰۰۶ء میں بزمِ ثقافت ملتان نے ''گامن: تخلّص تے ہک صنف دی'' (خواجہ منشی غلام حسن ملتانی شہید کی غزلیں) صفحات ۵۶ شائع کی تو ڈاکٹر بشیر انور ابوہری کی مُرتبہ ''کلام گامن ملتانی۔ منشی غلام حسن شہید کے حالات اور فن'' صفحات۔ ۱۲۸ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے شائع کی۔

لُطف علی (۱۱۲۱ھ۔ ۱۲۰۹ھ بمطابق ۱۷۱۵ء۔ ۱۷۹۶ء): لطف علی کی ''سیف الملوک'' کا اردو ترجمہ ظامی بہاولپوری نے کر کے اردو اکیڈمی بہاولپور سے اکتوبر ۱۹۶۴ء میں شائع کرایا۔ ۱۷۳ صفحات کی اس کتاب میں صفحہ ۹ تا ۵۰ تذکرہ ہے۔

مبارک شاہ (بیسویں صدی کے اوائل میں حیات تھے): سیّد مبارک شاہ بخاری احمد پور شرقیہ کے تھے۔ محرر کمیٹی اور سارجنٹ پولیس رہے۔ ان کے کلام کو رحیم طلب نے ''آ کھیا مبارک شاہ نے'' کے عنوان سے مرتب کیا۔ شروع میں سوانح اور کلام پر تنقید بھی شامل کی ہے۔ ۱۰۴ صفحے کی یہ کتاب پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے مئی ۱۹۹۷ء میں شائع کی ہے۔

محمد اکرم قریشی (۲۷ دسمبر ۱۹۳۹ء۔ ۲۰۰۹ء) پر دو کُتب مُرتّب ہیں۔ ''یادگارِ اکرم'' مُرتّب دلبر حسین مولائی اکرم قریشی کے حالاتِ زندگی و کلام پر مضامین پر مُشتمل دسمبر ۲۰۰۲ء میں جبکہ ''اکرم قریشی کا ادبی سفر'' مُرتّب علیم قریشی مارچ ۲۰۰۴ء میں ۹۰ صفحات کی بزمِ اکرم مانہ احمدانی نے پیش کی۔ جبکہ دو منظوم کتابچے مرحوم نے خود تحریر کیے۔ اپنی بیماری کا حال ''حال احوال فالج'' ۱۶ صفحے جنوری ۱۹۹۹ء میں اور صحت سے تندرستی کی اُمید پر ''بشارت نامہ'' صفحات سولہ، اگست ۱۹۹۹ء میں بزمِ اکرم نے شائع کیں۔

محمد حسین شاد (بیسویں صدی عیسوی): محمد حسین شاد مرحوم کا شعری مجموعہ '' پیت دی سِک'' محمد بشیر بلوچ نے ترتیب دیا۔ سرائیکی پبلی کیشنز رسولپور نے اگست ۱۹۹۳ء میں شائع کیا۔ صفحہ ۷ تا ۱۴ تعارف ہے۔

محمد یار فریدی (۱۸۸۳ء۔ مئی ۱۹۴۸ء): خواجہ محمد یار فریدیؒ کا '' دیوان محمدی'' پانچویں بار مئی ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ تعارفی مضمون صفحہ ۳ تا ۲۷ پر ہے۔ کتاب '' حضرت خواجہ محمدؒ یار فریدی اہل دانش کی نظر میں'' صاحبزادہ غلام قطب الدین نے مرتب کی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ دونوں دربار گڑھی اختیار خان، خانپور سے شائع ہوئی ہے۔

محکم الدین سیرائیؒ (۱۷۲۳۔۱۷۸۳ء): '' خواجہ محکم الدین سیرائیؒ تے انہاندی سہ حرفی ہیر'' دلشاد کلانچوی نے مرتب کی ہے۔ ۳۲ صفحے کی یہ کتاب اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے شائع کی ہے۔ صفحہ ۷ تا ۱۶ تعارف ہے۔ ۲۰۰۲ء میں '' حضرت خواجہ محکم الدین سیدائیؒ'' میاں محمد صلاح الدین اویسی کی کتاب ۴۴۴ صفحات الفیصل ناشران لاہور نے شائع کی۔

مخدوم محمد بخش (وفات ۱۹۵۴ء): '' سیف الملوک'' واصف پبلی کیشنز رحیم یار خان نے ۱۹۹۲ء میں ۱۳۸ صفحے کی شائع کی ہے تعارف صفحہ ۵ تا ۱۴ ڈاکٹر مخدوم محمد حسین نے لکھا ہے۔

مستانہ (پیدائش ۱۲ ستمبر ۱۹۱۲ء): مستان علی عرف غلام حیدر مستانہ کی '' گلزار ستی'' پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے ۱۸۸ صفحے کی دسمبر ۱۹۷۸ء میں شائع کی۔ صفحہ ۳ تا ۴ تعارف مسعود کھدر پوش نے لکھا ہے۔ غلام حسین ساجد کے خاکوں کا مجموعہ '' مہاندرے'' کا پہلا خاکہ مستانہ پر ہے۔

مسکین (۱۸۴۵ء۔ ۱۹۱۵ء): مولوی نورالدین مسکین کی '' مثنوی ہیر رانجھا'' کا اُردو ترجمہ فدائے اطہر نے کیا جسے اردو اکیڈمی بہاولپور نے ۱۹۸۱ء میں شائع کیا۔ ۱۱۱ صفحات کی اس کتاب میں تعارف صفحہ ۳ تا ۱۲ پر ہے۔ مسکین کے شجرہ نسب اور حالاتِ زندگی پر ۹۸ صفحات کی

کتاب ''حدیقۂ نور'' محمد فضل الدین نے مُرتّب کیا۔ ۱۸۲۴ء میں شائع ہوئی۔ دیباچہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کا ۲۵ دسمبر ۱۹۱۷ء کا لکھا ہوا ہے۔

مصری شاہ (۱۸۲۸ء۔ ۱۹۰۶ء): جون ۱۹۸۲ء میں مہر کا چیلوی کا مرتبہ ''سرائیکی کلام مصری شاہ'' شائع ہوا۔ ۱۹۹۲ء میں دوسرا ایڈیشن ۴۸ صفحے کا مہر پبلی کیشنز میر پور خاص نے شائع کیا۔ صفحہ ۴ تا ۱۳ اتعارف ہے۔

نور احمد فریدی (۱۲۹۳ھ۔ ۱۳۵۵ھ): مولانی خواجہ نور احمد فریدی آف فرید آباد رحیم یار خان کا ''دیوانِ احمدی'' قصر الادب ملتان نے اپریل ۱۹۸۷ء میں ۲۳۶ صفحات پر مشتمل شائع کیا۔ صفحہ ۶ تا ۶۸ تذکرہ مولانا نور احمد خان فریدی آف ملتان نے لکھا ہے۔

ممتاز سومرو (وفات ۲۰۰۵ء) پر ۲۰۰۵ء میں ''ملتان شہر کے ایک منفرد عالم۔ میاں ممتاز سومرو اور اُن کا علمی سرمایہ'' محمد عارف نے سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان سے ۱۰۹ صفحے کی شائع کرائی۔ مہر گل محمد (۱۳۔ ستمبر ۱۹۳۸ء تا ۲۰۰۲ء) پر غلام رسول عباسی نے ۲۰۰۳ء میں ''نقشِ گُل'' مُرتّب کی۔ ۶۰ سے زیادہ مضامین پر مُشتمل کتاب مجلس ایوانِ تعلیم ملتان نے شائع کی۔

میرن شاہ (۱۸۵۸ء۔ ۱۸۹۸ء): میرن شاہ کے حالات و نمونہ کلام پر ۱۲ صفحے کا کتابچہ حفیظ الرحمٰن حفیظ بہاولپوری نے عزیز المطابع بہاولپور سے شائع کرایا تھا۔

نُور محمد سائل ڈیروی پر محمد رمضان طالب کی مُرتبہ ''قلندر رُکھالے'' فریدؒ سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان نے جون ۲۰۰۴ء میں ۲۲۰ صفحات کی شائع کی۔ صفحہ ۹ تا ۴۸ پر شخصیت و فن پر ۱۳ تحریریں ہیں۔ شخصیات پر منظوم مطبوعات کے حوالے سے انجم لاشاری (۲۹ جنوری ۱۹۵۶ء۔ ۱۹۹۷ء) پر ''متاعِ بے بہا'' ۱۹۹۷ء میں تنویر سگر نے مُرتّب کی۔ مختلف شعراء کا کلام ہے۔ نومبر ۲۰۰۸ء میں مختلف شعراء کی ۵۰ منظومات اور دو نثری تحریروں پر مشتمل ''مُکان'' سرائیکی شاعر ساغر بزدار کی حادثاتی موت پر ۱۰۔ اپریل ۲۰۰۴ء کے بے نظیر کے تعزیتی خط کے ساتھ شائع ہوئی۔

Scanned with CamScanner

مہر کا چیلوی (۱۹۳۵ء۔۱۹۹۷ء)، ''مہر کا چیلوی دی حیاتی، علم، ادب، عمر قید تے تعلیم اُتے اِک جھات'' طبع ثانی کے طور پر ۱۹۹۱ء میں اثر انصاری نے ۴۸ صفحے کی کتابی شکل میں ملک بشیر احمد تاجر کتب لاہور سے شائع کرائی ہے۔

۱۱۔ جدید/حیات

ا۔ اجتماعی کتب

''رت دیاں ہنجوں''، ''سرائیکی شاعری''، نمائندہ چہرے''، ''آیاتِ ادب'' کا ذکر پچھلے حصے میں ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ:

''پھلاں دی جھولی'' محمد الیاس قیصر کی مرتبہ ہے۔ یہ کتاب جون ۱۹۷۶ء میں اور دوسری بار نومبر ۱۹۷۸ء میں سرائیکی قصر الادب خیر پور ٹامیوالی بہاولپور نے شائع کی۔ کتاب میں قدیم شعراء کے ساتھ جدید شعراء کا تذکرہ و نمونہ کلام بھی ہے۔

'' سرائیکی اور اس کی نثر'' دلشاد کلانچوی کی کتاب ہے۔ ۱۹۸۲ء میں مکتبہ سرائیکی لائبریری بہاولپور کی طرف سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں کچھ ''سرائیکی لکھاریوں کے حالات و کوائف'' کے عنوان سے صفحہ ۱۸۲ تا ۱۹۰ پر ۳۲ ادیبوں کا تذکرہ موجود ہے۔

''دامان'' میں نصیر سرمد سائروی نے اپنے سمیت دس قدیم و جدید شاعروں کا تذکرہ مرتب کیا ہے۔ اس کتاب کو ۱۸ جولائی ۱۹۸۴ء کو انجمن سرائیکی ڈیرہ اسماعیل خان نے شائع کیا ہے۔ سات جدید شعراء میں مشتاق رضا، محمد امیر مجروح، شاہ نواز فخری، گل محمد خطائی، شفیع اللہ شفیع اور نصیر سرمد شامل ہیں۔

سجاد حیدر پرویز کی کتاب ''سرائیکی ادبی تاریخ'' مطبوعہ اگست ۱۹۸۴ء میں ظفر لشاری اور شیما سیال پر مضمون موجود ہیں جبکہ ۱۹۸۶ء میں شائع ہونے والی کتاب ''سرائیکی ادب دی مختصر تاریخ'' میں اسماعیل احمدانی، ظفر لشاری، طاہر تونسوی، کرسٹوفر شیکل اور یوائے سرنوف پر جدید

ادباء کے حوالے سے مضمون موجود ہیں۔ ۱۹۸۶ء ہی میں شائع ہونے والی خلش پیر اصحابی کی ''ملتانی شاعری'' میں صفحہ ۲۹۷ سے ۳۱۲ پر سرور کربلائی، طاہر تونسوی، اقبال سوکڑی، عزیز شاہد جیسے کئی جدید شعراء کا تذکرہ موجود ہے۔

نصیر سرمد سائروی کی کتاب '' تانگھاں'' دس شعراء کے کوائف و کلام پر مشتمل ہے ۱۹۸۷ء میں اسے انجمن سرائیکی ڈیرہ اسماعیل خان نے شائع کیا۔

''سرائیکی شعری گلدستہ'' جسے غلام عباس حیدری اور حکیم فضل حسین ذوق نے ترتیب دیا، جون ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ ۴۳ شعرا کے کوائف و کلام پر مشتمل اس مجموعہ میں پون درجن مرحوم شعراء کے علاوہ باقی جدید ہیں۔ سجاد حیدر کی کتاب ''ضلع مظفر گڑھ'' مطبوعہ مئی ۱۹۸۹ء میں صفحہ ۶۶۵ تا ۸۹۹ تک جدید شعراء کا تذکرہ ہے۔

''پھل'' ندیم بخاری اور اثر گیلانی کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۱ء میں بزمِ فکر ودانش بھکر نے شائع کی۔ یہ شہانی ضلع بھکر کے سات سرائیکی شعراء کے حالات وکلام کا مجموعہ ہے۔

''مُسکار'' مئی ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی۔ عبدالکریم قاسم کی اس کتاب میں پپلاں ضلع میانوالی کا سرائیکی شعری منظر نامہ ہے۔ جس میں تیرہ شعراء کے حالات اور نمونہ کلام شامل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب نیلاب ادبی اکیڈمی پپلاں نے شائع کی ہے۔

دلنور نور پوری کی مرتبہ کتاب ''انگارے'' جو اگست ۱۹۹۲ء میں اور اس کے بعد جولائی ۹۳ء، دسمبر ۱۹۹۴ء اور ۱۹۹۶ء میں کل چار بار شائع ہوئی۔ جدید بارہ سرائیکی ڈوہڑہ گو شعراء کے تذکرہ وکلام پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب دلنور پبلی کیشنز نور پور نورنگا بہاولپور نے شائع کی ہے۔

''سرائیکی ادب رِیت تے روایت'' ڈاکٹر طاہر تونسوی کی کتاب ہے جو مارچ ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔ اس میں جدید شعراء اور نثر نگاروں کے حوالے سے اقبال سوکڑی، سلیم احسن، فاروق روکھڑی، اسماعیل احمدانی اور ظفر لشاری پر مضامین شامل ہیں۔

تنویر شاہد محمد زئی کی مُرتبہ کتاب ''غمِ جاناں'' ۱۹۹۳ء میں سامنے آئی۔ تعارف شعراء اور منتخب کلام میں جدید سرائیکی شعراء منور علی ملک، فاروق روکھڑی، مجبور عیسٰی خیلوی، سونا خاں بے وس، افضل عاجز، اظہر نیازی، آڈھا خاں نطقال اور منشی منظور حسین منظور شامل ہیں۔ یہ کتاب فائن آرٹ اینڈ کمپنی کراچی نے شائع کی ہے۔

نومبر ۱۹۹۳ء میں شائع ہونے والی ''نقیبانِ کربلا'' میں صفحہ ۱۴۰ سے ۱۵۲ تک ''چند مزید سرائیکی شعراء کا تذکرہ'' میں سات شعراء کا اور پھر ۱۵۳ سے ۱۶۸ میں ''ذاکری کا جدید دور'' میں بھی کئی جدید سرائیکی مرثیہ گو شعراء کا تذکرہ موجود ہے۔ جسے صفدر ڈوگر نے لکھا ہے۔

''چندر تارے'' امان اللہ ارشد نے ترتیب دی ہے۔ ۲۳۶ صفحے کی یہ کتاب مارچ ۱۹۹۴ء میں دلچسپ سرائیکی سنگت جندو پیر کمال لیاقت پور نے شائع کی ہے۔ یہ ۴۶ سرائیکی شعراء کے حالات و نمونہ کلام پر مشتمل ہے۔

''سرائیکی دے کجھ مُہاندرے شاعر'' دلشاد کلانچوی نے لکھی ہے اور اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے جون ۱۹۹۴ء میں اسے شائع کیا ہے۔ گیارہ شعراء میں جدید شعراء حسن رضا گردیزی، اقبال سوکڑی اور نصر اللہ خان ناصر بھی شامل ہیں طبع دوم، ۲۰۰۸ء۔

نومبر ۱۹۹۴ء میں فریدؒ سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان نے سو شعراء کے نمونہ کلام کا مجموعہ ۱۲۰ صفحے کی کتاب ''سرائیکی ادبی گلدستہ'' شائع کیا۔ شعراء کا تعارف صفحہ ۳ تا ۱۰ پر دیا گیا ہے۔ نومبر ۱۹۹۴ء میں ہی تین شعراء اللہ ڈیوایا پرجوش، اللہ بخش پرخطا اور احمد حسن پُرعیب کے حالات و کلام پر مشتمل سولہ صفحے کا کتابچہ دلنور سرائیکی پبلی کیشنز نور پور نورنگا نے شائع کیا۔ ''سرائیکی باغ بہاراں'' دلشاد کلانچوی کی کتاب دسمبر ۱۹۹۵ء میں اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے شائع کی۔ اس کتاب میں ظامی بہاولپوری مرحوم کے علاوہ جدید نثر نگاروں، ظفر لشاری، مسرت کلانچوی، خان وغیرہ پر لکھے گئے مضمونوں میں سوانحی کوائف بھی درج کیے گئے ہیں۔

''گودڑی وچ لعل'' جسے امان اللہ ارشد اور دلنور نور پوری نے ترتیب دیا ہے۔ دلچسپ اور دانش کے علاوہ ۱۱۲ شعراء کے تذکرہ اور کلام پر مشتمل ہے۔ دلچسپ سرائیکی سنگت جندو پیر کمال نے مارچ ۱۹۹۶ء میں ۳۵۲ صفحے کی یہ کتاب شائع کی ہے۔

[نوٹ: ۱۹۹۷ء تا ۲۰۰۸ء جدید اجتماعی کی کُتب کا ذکر قدیم اجتماعی کتب کے حصے میں کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اِن میں مرحوم کے ساتھ جدید ادیب شاعر بھی شامل تھے]۔

الف۔ ادبی شخصیات

اقبال سوکڑی (پ۔ ۱۹۳۸ء) پر نومبر ۲۰۰۸ء میں جسارت خیالی نے ''اقبال سوکڑی شخصیت اور شاعری'' مُرتّب کر کے ملتان کتاب گھر تونسہ سے شائع کرائی۔ ۱۵۶ صفحات پر ۸ عنوانات میں حالات اور کلام کا جائزہ بھی ہے۔ حیدر قریشی (پ۔ یکم ستمبر ۱۹۵۳ء) پر منزّہ یاسمین کا ایم۔ اے اُردو کا مقالہ ''حیدر قریشی شخصیت اور فن'' صفحات ۲۶۰ میاں محمد بخش پبلشرز خان پور سے شائع ہوا۔

دلنور نور پوری (پیدائش ۱۹۵۸ء)۔ ''ماہنامہ سنہڑا'' بہاولپور نے خصوصی اشاعت مارچ ۱۹۹۱ء میں شائع کی۔ صفحات ۹۶ ہیں۔ مدیر ملک ممتاز احمد زاہد ہیں۔

سجاد حیدر پرویز (پیدائش ۱۹۶۱ء)۔ سلیمان ادبی سنگت ڈیرہ غازی خان نے ۱۹۹۲ء میں دو کتابیں شائع کیں۔ ''سجاد حیدر پرویز بطور افسانہ نگار'' ۹۶ صفحے کی ہے۔ اسے نواز جاوید نے ترتیب دیا ہے جبکہ ۸۰ صفحے کی ''سجاد حیدر پرویز بطور شاعر'' کو قاسم جلال نے مرتب کیا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں خواجہ فرید سنگت پاکستان لاہور کے خواجہ فرید سنگت ایوارڈ یافتگان کا ۳۲ صفحے کا تعارف ''عروج'' کے عنوان سے شائع کیا۔ ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز کا بھی تفصیلی تعارف ہے۔ اِسی طرح ۲۰۰۷ء میں مِس قادری نے ''چمکدے تارے'' مُرتّب کی۔ ۴۰ صفحے کے اِس رسالے میں جواہر انصاری اکیڈمی اٹک نے شائع کیا۔ سجاد حیدر پرویز کی شخصیت پر لکھا گیا ہے۔

Scanned with CamScanner

سرور کربلائی (پیدائش ۱۹۳۸ء): ''اختر'' ملتان نے ۱۴ جولائی ۱۹۶۹ء کو'' سرور کربلائی نمبر'' شائع کیا۔ ۸۰ صفحے کے اندر اختر علی خان بلوچ، جاوید ملک اور محسن نقوی کے مضامین کے علاوہ تقریباً دس شعراء کا منظوم خراج اور آخر میں نمونہ کلام ہے۔ مدیر اختر علی خان بلوچ ہیں۔

طاہر تونسوی (پ۔ یکم جنوری ۱۹۴۸ء) پر اس دوران یہ کتب شائع ہوئیں۔ اکتوبر ۱۹۹۶ء میں عامر سہیل کا مرتبہ ''ڈاکٹر طاہر تونسوی۔ کتابیات'' صفحات ۶۴ کے بعد ڈاکٹر امتیاز بلوچ نے دو درجن خاکوں اور ایک درجن انٹرویوز کا مجموعہ '' گرم لہو کی دھمال'' صفحات ۲۳۴، ۲۰۰۱ء میں مرتب کیا۔ ''ڈاکٹر طاہر تونسوی۔ اشاریہ'' مرتب رابعہ سرفراز صفحات ۱۱۲، اگست ۲۰۰۴ء میں، مضامین پر مشتمل مجموعہ ''ڈاکٹر طاہر تونسوی ایک مطالعہ'' مرتب شہزاد بیگ صفحات ۶۱۶، ۲۰۰۵ء میں چھپے۔ اسی طرح اسد فیض نے سہ ماہی ''عصر'' ملتان کا خصوصی شمارہ اپریل جون ۲۰۰۰ء میں تونسوی پر ۲۳ مضامین پر مشتمل شائع کیا تھا اور تونسوی کے مضامین کا مجموعہ ''اعتبار حرف'' صفحات ۲۳۰ بھی ۲۰۰۵ء میں شائع کیا۔ طاہر محمود کوریجہ پر ''خواجہ طاہر محمود کوریجہ فن اور شخصیت'' (پ۔ ۱۸/اگست ۱۹۴۲ء) ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی۔ ۲۳۷ صفحات کے پہلے حصے میں بشریٰ ناہید کا ایم۔ اے اُردو کا مقالہ ہے۔ دُوسرا حصہ حمید اُلفت ملغانی کی کاوش ہے۔

قاسم جلال (پیدائش ۱۹۴۸ء): ''قاسم جلال کا فن اور شخصیت'' فدائے اطہر نے مرتب کی ہے۔ ۲۵۶ صفحے کی یہ کتاب فنکار اکیڈمی بہاولپور نے اپریل ۱۹۸۷ء میں شائع کی۔

ماہنامہ ''سنہڑا'' بہاولپور نے اکتوبر ۱۹۹۸ء میں ۵۳۰ صفحات کا '' قاسم جلال نمبر'' شائع کیا جسے ملک ممتاز احمد زاہد اور رحیم طلب نے ترتیب دیا جبکہ ماہنامہ ''رشحات'' لاہور نے اقبال سحر انبالوی کی ادارت میں جولائی ۲۰۰۵ء میں ۳۲۸ صفحات کا ڈاکٹر سیّد قاسم جلال نمبر شائع کیا۔

ندیم نیازی (پیدائش ۱۹۳۲ء): سرائیکی شاعر ندیم نیازی پر ڈاکٹر انعام الحق کوثر وغیرہ نے ''نقیبِ تصوف'' ترتیب دی ہے۔ ندیم اکیڈمی رحیم یار خان نے ۲۰۰ صفحے کی یہ کتاب ۱۴۱۴ھ میں شائع کی۔ راقم الحروف کا سرائیکی شاعری کے حوالے سے مضمون صفحہ ۱۶۰ سے ۱۶۹ پر ہے۔ کئی

Scanned with CamScanner

شعری مجموعوں میں مختلف شخصیات پر نظمیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ شخصیاتی شاعری پر الگ سے بھر پور بات ہوسکتی ہے۔ مثلاً خالد اقبال جو نئے لہجے کے شاعر ہیں، ان کے تیسرے مجموعے ''کہیڑ وِچوں سونہہ'' (صفحات۔۸۰) ناشر ادب رنگ پبلی کیشنز میں کئی قلمکاروں پر نظمیں ہیں۔

ب۔ غیر ادبی شخصیات

''البیرونی'' محمد عنایت چوہدری کی کتاب ہے۔ ۱۹۷۸ء میں سرائیکی لائبریری بہاولپور نے شائع کی۔ ۴۸ صفحات ہیں۔ اقبالیات کے حوالے سے دلشاد کلانچوی کی اَسّی اَسّی (۸۰) صفحات کی دو کتابیں اِسی ادارے نے ۱۹۸۵ء میں شائع کیں۔ ''چنگا بال اقبال'' مئی میں اور ''ساڈا بخت اقبال'' دسمبر میں شائع ہوئیں۔ اسی طرح قائداعظم پر حمید الفت ملغانی کی کتاب ''دھرتی قائد حا بیو'' سنجوک پبلی کیشنز نے جون ۱۹۹۵ء میں ۱۷۶ صفحے کی شائع کی۔

۲۰۰۸ء تک سرائیکی زبان میں چھپنے والی دیگر کُتب اِس طرح ہیں۔ قائداعظم پر ۲۰۰۱ء میں اصغر عابد کی منظوم کتاب ''قائدؒ دے قدم'' ۱۱۲ صفحات پر مُشتمل ریز پبلی کیشنز راولپنڈی نے شائع کی۔ تاریخ وار مسدّس شکل میں قائد کی زندگی کو منظوم کیا ہے۔ ۲۰۰۲ء میں ''قائداعظم تے سرائیکی زبان وادب'' میں مرتّب ڈاکٹر طاہر تونسوی نے قائداعظمؒ تے متعلق سرائیکی نظم ونثر کے ساتھ ۱۲۸ صفحات کی کتاب میں مُقدمہ بھی لکھا ہے۔ اِسی سال شعبہ پاکستانی زبانیں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد نے ''قائداعظمؒ پاکستانی زبانوں کے آئینے میں'' مرتّب کی۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے سرائیکی کو بھی نمائندگی دی۔ ۲۰۰۳ء میں ڈاکٹر طاہر تونسوی نے بھی علامہ اقبالؒ اُتے سرائیکی زبان وادب'' مُرتّب کی جبکہ آصف جاہ جعفری نے فاطمہ جناح کے سال کے حوالے سے سرائیکی میں ''قوم دی ماء'' سوہنی دھرتی پبلشرز ملتان سے شائع کی۔

ب۔ فریدیات

حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے کلام کے حوالے سے ''فریدیاتؒ'' کو سرائیکی میں وہی حیثیت حاصل ہے جیسے اُردو میں غالبیات یا اقبالیات کو اور پنجابی میں وارثیات کو۔ اب تک کلامِ فریدؒ کے تراجم کتابی شکل میں انگریزی اور اُردو وغیرہ میں درجنوں کی تعداد میں چھپ چکے ہیں اور فریدیات کے ضمن میں گنوائی جانے والی کتب کی تعداد سوا سو سے زیادہ ہی ہے۔ مثلاً ببلوگرافیاں دیکھیں۔ ''سرائیکی کتابیں'' (۲۹ کتابیں)، ''پنجابی کتابیات'' (۴۲ کتابیں) ''سرائیکی کتابیات'' (۶۶ کتابیں) جبکہ راقم الحروف نے آخری کتاب میں چھوڑی گئی کتابوں کا ذکر اپنی کتاب ''سرائیکی ادب ٹورتے پندھ'' میں تفصیل سے کیا ہے۔

جہاں تک اُردو، پنجابی اور سرائیکی کُتب کا ذکر ہے اِن میں ایسی کئی کتابیں بھی گنی جاسکتی ہیں، جن میں ایک سے چار تک مضمون ''فریدیات'' کے حوالے سے شامل ہیں۔ مثلاً رشید احمد لاشاری کی کتاب ''سچل سرمستؒ'' مطبوعہ ۱۹۶۶ء، کیفی جام پوری کی کتاب ''سرائیکی شاعری'' مطبوعہ ۱۹۶۹ء، راقم الحروف کی کئی کُتب مثلاً ''سرائیکی ادبی تاریخ'' (۱۹۸۴ء)، ''سرائیکی ادب دی مختصر تاریخ'' (۱۹۸۶ء)، ''سرائیکی ادب ٹورتے پندھ'' مطبوعہ ۱۹۹۶ء، سرائیکی ادب کی نشاۃِ ثانیہ کا دور'' (۱۹۹۷ء) ''سرائیکی زبان وادب کی مختصر تاریخ'' (۲۰۰۱ء)۔ اِن کے علاوہ ڈاکٹر روبینہ ترین کی ''مُلتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ'' مطبوعہ ۱۹۸۹ء (اب اِس مقالہ، جو ڈاکٹریٹ کے لیے لکھا گیا، کا ایک حصہ ''خواجہ غلام فرید شخصیت اور شاعری'' کے عنوان سے علیحدہ ۲۰۰۰ء میں چھپ چکا ہے)۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی کتابیں ''لمحہ موجود، ادب اور ادیب'' مطبوعہ ۱۹۹۲ء اور ''سرائیکی ادب رِیت تے روایت'' مطبوعہ ۱۹۹۳ء، ''کھوج پرکھ'' ڈاکٹر قاسم جلال مطبوعہ ۲۰۰۵ء، ''پاکستانی زبانوں کا ادب'' حمید اُلفت ملغانی مطبوعہ ۲۰۰۷ء، ''جادۂ خیال'' صدیق اظہر مطبوعہ ۲۰۰۸ء وغیرہ۔

جہاں تک اخبارات ورسائل میں چھپے ''فریدیاتؒ'' کے مضامین کا تعلق ہے اِس کی گنتی سینکڑوں سے بڑھ چکی ہے جیسے ''فہرست مقالات'' مُرتبہ اقبال صلاح الدین مطبوعہ ۱۹۸۴ء میں

۲۷۷ مضامین کا ذکر ہے اور صرف ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان کے میرے تیرہ برسوں پر مشتمل اشاریہ میں ایک سو تیرہ مضامین شامل ہیں۔ اب جبکہ ۲۴ سال بعد اخبارات و رسائل کی گنتی کئی گنا بڑھ گئی ہے اِن مضمونوں کی گنتی ہزاروں میں چلی گئی ہے۔

تراجم اور شرحوں کے علاوہ بھی خواجہ کے دیوان سرائیکی، اُردو، فارسی کے کئی لوگوں کے مُرتبہ، کئی کئی ایڈیشن اُن کے منثور و منظوم باہم تراجم اور خواجہ کی تالیفات و ملفوظات کی کُتب کے کئی ایڈیشن اور اُن کے تراجم چھپ چکے ہیں جیسے مولانا رُکن الدین کے مُرتبہ ملفوفات ''اِرشاداتِ فریدیؒ (جس کا اصل متن نواب صاحب ٹانک نے ''اِرشاداتِ فریدی، جلد نمبر۱ کے نام سے فارسی میں ۱۳۲۱ھ بمطابق ۱۹۰۲ء میں چھپوایا تھا۔) کپتان واحد بخش سیال اِس کا اُردو ترجمہ کرکے ''مقابیس لمجالس'' کے عُنوان سے تین بار چھپوا چکے ہیں، بلکہ پہلی جلد کے ملفوظات کا ترجمہ انگریزی میں ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل (لندن) بھی چھپوا چکے ہیں۔ اس لیے یہاں صرف خواجہ کی شخصیت، سوانح، تصوّف اور کلام کے مطالعے کے حوالے سے چھپنے والی کُتب کا جائزہ پیش ہے۔ ''مناقبِ فریدیؒ مع ارشاداتِ فریدیؒ و مختصر تاریخ بہاولپور'' اور اس کا دُوسرا حصہ مرزا احمد اختر نے تالیف کیا اور دہلی سے چھپوایا۔ مرزا احمد اختر کی ہی جمع کی ہوئی ''سوانح عمری حضرت فرید ثانی'' ''مع ''رسالہ نکاتِ فریدی'' (جو خواجہ فریدؒ کے سجادہ نشین خواجہ محمد بخش نے ایاّم طالب علمی میں تالیف کی۔) بھی دِلّی سے چھپی۔ مرزا احمد اختر کی پانچ کتابوں کا مجموعہ ''خواجہ فریدؒ'' کے عنوان سے جاوید چانڈیو نے مُرتّب کرکے سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور سے ۱۹۹۹ء میں ۵۰۴ صفحات پر مشتمل چھپوایا (طبع دوم ۲۰۰۵ء)۔ اِس میں ''مناقبِ فریدیؒ جلد اوّل اور دوم، سفر نامہ فریدیؒ کے علاوہ ''کشف الخلاقہ'' اور ''سوانح عمری حضرت فرید ثانیؒ'' شامل ہیں۔ شہزادہ احمد اختر کی تصنیف ''سوانح عمری'' کو خلاصہ کرکے ''کون فریدؒ فقیرؒ'' کے عنوان سے سجادہ نشین دربار فریدؒ خواجہ معین الدین کوریجہ نے جولائی ۱۹۹۹ء میں شائع کرایا۔

۱۔ سید محمد انور فیروز بہاولپوری کی تحریر، گوہرِ شب چراغ، ۱۹۱۹ء میں لاہور سے چھپی۔

بخت آور کریم نے اسے ۱۹۸۹ء میں لاہور سے دُوسری بار چھپوایا، تیسری بار جاوید چانڈیو نے مُرتّب کر فریدؒ'' مطبوعہ ۱۹۴۴ء میں شامل علامہ طالُوت کا مقدمہ ۱۹۸۵ء میں علیحدٰہ کتابی صُورت میں چھپا۔ خواجہ فریدؒ کے مضامین کا مجموعہ ''پریت مہار'' ۱۹۶۱ء میں محمد کریم تونسوی، ارشد ملتانی اور ریاض انور نے مُرتّب کر کے چھپوایا۔ مسعود حسن شہاب دہلوی کی تالیف ''خواجہ غلام فریدؒ حیات و شاعری'' پہلی بار ۱۹۶۳ء دُوسری بار ۱۹۷۳ء اور تیسری بار ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی۔ ''انتخاب دیوان خواجہ غلام فریدؒ'' میں دلشاد کلانچوی کا مضمون قابلِ ذکر ہے۔ ''رُوحِ فریدؒ'' رفیق خاور جسکانی کی ۱۹۷۷ء میں چھپی۔ نُورالزمان احمد اوج نے بھی ''روہی رنگ'' میں ایک مضمون شامل کیا۔ مولانا نُور احمد فریدیؒ کے مُشرّح ''دیوانِ فریدؒ'' میں خواجہ کے حالات، علمی، روحانی کمالات کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا، یہ الگ کتابی شکل میں بھی ''حضرت خواجہ غلام فریدؒ حالاتِ زندگی، کشف و کرامات'' کے عنوان سے ۱۹۹۹ء، ۲۰۰۲ء، ۲۰۰۵ء ، ۲۰۰۸ء میں چھپ چکی ہے۔ عمرانہ پروین کی ''چاہتِ فریدؒ'' مطبوعہ ۱۹۸۳ء اور ڈاکٹر انوار احمد کی ''خواجہ فریدؒ کے تین رنگ'' مطبوعہ ۱۹۸۵ء بھی اِس سلسلے کی کوششیں ہیں۔ سردار امجد ابراہیم خان دیدکی ''شانِ فریدؒ'' ۱۹۸۷ء میں چھپی۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ''فردِ فریدؒ'' اِس سلسلے کی اہم کتاب ہے جس میں ۲۲ عنوانات کے تحت کلام کے پیغام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ صدیق طاہر کی مرتّبہ کلیات'' کلامِ خواجہ فریدؒ'' میں اُن کا ضخیم مقالہ شامل ہے۔ مولانا نور احمد خان فریدی کا ایک مقالہ'' شاہ لطیفؒ اور خواجہ فریدؒ کے اَفکار و نظریات علم و تحقیق کی روشنی میں ۱۹۸۹ء میں چھپا''۔ تعلیماتِ تصوّف حضرت خواجہ غلام فریدؒ علامہ دین محمد عباسی کی اور ''عظیم صوفی شاعر خواجہ غلام فریدؒ'' عبدالعزیز اختر کی کتاب ہے۔ جمیلہ دُرّانی کی ''خواجہ غلام فریدؒ شخصیت اور شاعر'' (۱۹۹۸ء) اور خورشید ناظر کی ''کلامِ فرید اور مغرب کے تنقیدی رویّے'' (۱۹۹۸ء) اور دوسری کتاب ''خواجہ فریدؒ کی کافیوں میں قوافی کا فنی جائزہ (۲۰۰۵ء)، خواجہ طاہر محمود کوریجہ کی'' خواجہ فرید اور اُن کا خاندان'' (۱۹۹۶ء) میں شائع ہوئی۔ جبکہ مولانا محمد غلام جہانیاں کی ''تُحفت اقطاب'' (۱۹۹۵ء) ''خورشید عالم کی پاکستان میں مطالعہ فریدؒ کی روایت''

رضا گیلانی (۱۹۹۹ء) ، عائزہ قریشی کی مُرتّبہ ''تناظراتِ فریدؒ'' ۲۰۰۰ء میں چھپی۔ (۱۹۹۹ء)، خواجہ معین الدین کوریجہ کے انٹرویو پر مبنی ''احوال و واقعات حضرت خواجہ غلام فریدؒ'' از

ڈاکٹر محمد امین کی ''خواجہ فریدؒ فکر و فن'' ۲۰۰۱ء میں ڈاکٹر بشیر انور ابو ہری ملتان کی ''خلخِل جاناں'' جون ۲۰۰۲ء میں چھپی۔ سرائیکی ریسرچ سنٹر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان نے حنیف چوہدری کی مُرتّبہ کتاب ''مطالعہ فریدؒ'' کا ایک رُخ مئی ۲۰۰۲ء میں، بزمِ ثقافت ملتان نے شبّیر حسن اختر کی کتاب ''فریدؒ شناسی'' اور جاوید چانڈیو کی مرتّبہ ''ارمغانِ خواجہ فرید'' ۲۰۰۱ء میں چھاپیں۔ جاوید چانڈیو کی دو اور مرتبہ کتب ''مقالاتِ خواجہ فرید قومی سیمینار ۱۹۹۸'' اور مقالات خواجہ فریدؒ قومی سیمینار ۲۰۰۱ء (اللہ میلے وَل سنگ یارا) بھی ۲۰۰۳ء میں چھپ کر آئیں جبکہ ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو کی خواجہ فریدؒ کی حیات و شاعری پر کتاب ''میرا عشق بھی تُو'' ۲۰۰۲ء میں چھپی۔ مخدوم احمد میاں کوریجہ کی ''اَسرارِ فریدؒ'' ۲۰۰۰ء میں چاچڑاں شریف سے اور خواجہ شریف محمد عامر کوریجہ کی ''جے یار فریدؒ قبول کرے'' ۲۰۰۱ء میں کوٹ مٹھن شریف سے چھپی۔ ''راہِ تحقیق سِلک فریدی'' (۲۰۰۴ء) مجاہد جتوئی نے چھپوائی۔

دیگر کتب اور کتابچوں میں واحد بخش سیال کا ''خواجہ فریدؒ حیات اور تعلیمات'' (محکمہ اوقاف پنجاب)، ''میگزیمز آف خواجہ فریدؒ'' (ملفوظاتِ فریدؒ) مترجم عامر حفیظ ملک ۲۰۰۲ء، پیرزادہ غلام حسن کی ''خواجہ فریدؒ اور توحید'' (۲۰۰۲ء)، خواجہ غلام فریدؒ سیمینار۔ مقالات و مضامین'' مرتّبین ڈاکٹر روبینہ ترین، اجمل مہار زکریا یونیورسٹی (۲۰۰۵ء) ''شجرہ مبارکہ'' مرتبہ حکیم ناز جلالوی ، ۲۰۰۶ء، ''فریدی خزانہ'' فیضی بہاولپوری (۲۰۰۸ء) وغیرہ۔ پنجابی زبان میں خواجہ فریدؒ پر جو کتب چھپیں اُن میں حمید اللہ شاہ ہاشمی کی ''پیر فریدؒ'' ۱۹۷۲ء میں، سرفراز حسین قاضی کی ''مٹھل فریدؒ'' ۱۹۷۳ء میں، ڈاکٹر اسلم رانا کی ''یار فریدؒ'' ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئیں۔ محمد آصف خان کی مرتبہ'' آکھیا خواجہ فریدؒ نے'' مطبوعہ ۱۹۹۴ء (طبع دوم ۱۹۹۹ء) میں بھی تحقیقی مقالہ شامل کیا گیا۔ ''فریدؒ دِچار'' زاہد حسین کی مُرتّب شدہ نومبر ۱۹۹۹ء میں چھپی۔

Scanned with CamScanner

سرائیکی زبان میں فریدیات کے حوالے سے دلشاد کلانچوی کی اکیڈمی آف لیٹرز ایوارڈ یافتہ کتاب ''کون فرید فقیر'' پہلی بار ۱۹۸۲ء میں اور دوسری بار ۱۹۹۹ء میں، تیسری بار ۲۰۰۸ء میں جبکہ ''فریدیات'' ۱۹۹۱ء میں چھپی، ان کے علاوہ رحیم طلب کی ''سخن فریدؒ دا'' ۱۹۹۱ء میں، ظفر لشاری کی ''خواجہ فریدؒ دے تعلیمی نظریات'' ۱۹۹۵ء میں چھپی۔ ۱۹۹۸ء میں اکیڈمی آف لیٹرز ایوارڈ یافتہ ''رمزِ فریدیؒ'' چھپی۔ جبکہ علامہ محمد اعظم سعیدی کی دوسری کتاب ''خواجہ غلام فریدؒ سائنس پرکھ اور پرچول'' ۲۰۰۸ء میں چھپی ہے۔ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۱۹۹۹ء میں مہر گل محمد کی مُرتبہ ''فکر فراق فریدیؒ'' اور ۲۰۰۰ء میں حمید اُلفت ملغانی کی مرتبہ ''سِلک سلوک فریدی'' شائع کی۔ سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۹۸ء میں مولوی عزیز الرحمٰن عزیز کے ''دیوانِ فریدؒ'' کو ''اَسرار فریدیؒ'' کے ساتھ جاوید چانڈیو کے تقابلی مطالعے اور مہر عبدالحق کی ''لُغاتِ فریدیؒ'' کو ملا کر ۶۵۶ صفحات کی کتابی شکل میں شائع کیا۔ (طبع دوم۔ ۲۰۰۵ء)۔ اِسی سال ''فوائدِ فریدیہ'' کا مہر حسان الحیدری چانڈیو کا ترجمہ ''فتوحاتِ فریدیہ'' بھی چھپا۔ (طبع دوم۔ ۲۰۰۵ء) ۲۰۰۱ء میں محمد حیات چغتائی کی کتاب ''خواجہ فریدؒ تے سماجیات'' شائع کی۔ ۲۰۰۶ء میں ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز کی ''فریدؒ اور فریدیّت'' اور خالد اقبال کے مرتبہ مضمونوں کا مجموعہ ''بھاگ سہاگ فریدؒ'' شائع ہوئیں۔

انگریزی، اُردو، سرائیکی میں زیادہ کتابیں دینے والوں میں محمد اسلم میتلا کی پانچ کتابیں ''ذِکرِ فریدؒ'' ۱۹۹۴ء میں، ''انوارِ فریدؒ'' ۱۹۹۷ء میں ''فریدؒ نامہ'' ۱۹۹۹ء میں ''ذوقِ فریدؒ'' ۲۰۰۱ء میں ''تذکارِ فریدؒ'' ۲۰۰۰ء، اور ''محرم راز دلیں دے'' ۲۰۰۵ء میں چھپیں۔ محمد سعید احمد شیخ کی چار کتابوں میں سے انگریزی ''خواجہ غلام فریدؒ پوئیٹری اے بریف انالسس'' ۱۹۹۹ء میں، خواجہ فریدؒ کے وظائف'' پر مشتمل اُردو میں ''فریدیؒ وظائف'' ۲۰۰۰ء میں ''اُستاد دیس دے'' ۲۰۰۲ء میں اُردو کتاب ''جہانِ فریدؒ'' ۲۰۰۳ء میں چھپی۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی چار اُردو کتابوں میں تین مرتبہ کتب ''عکس فریدؒ'' ۱۹۹۹ء میں، ''فرموداتِ فریدؒ'' ۲۰۰۱ء (طبع دوم۔ ۲۰۰۶ء) میں اور ''مطالعہ فریدؒ کے دس سال'' ۲۰۰۱ء میں چھپی جبکہ ۲۰۰۷ء میں چوتھی کتاب ''خواجہ غلام فرید شخصیت اور فن''

Scanned with CamScanner

بسلسلہ (پاکستانی ادب کے معمار) اکادمی ادبیات پاکستان نے شائع کی۔ مجاہد جتوئی کی کتب میں ۲۰۰۲ء کے کتابچے ''کلیاتِ فریدؒ از شفقت تنویر مرزا کا تنقیدی تجزیاتی کتابچہ''، مولانا نور احمد فریدی کی ڈائری کا ترجمہ ''اطوارِ فرید''، ''خواجہ فریدؒ اور ۲۲۲ سوال'' (مُرتبہ) معروضی سوال و جواب کے علاوہ مولوی محمد عمر کے سفرنامہ حج خواجہ فریدؒ کا ترجمہ ''آپہنتم جیندیں مکّے'' (۲۰۰۳ء)، تحقیق کے نئے زاویے۔ اطوارِ فرید صفحات ۱۶۸ (۲۰۰۳ء)، خواجہ خدا بخش محبوب الٰہی کی ''مناقبِ محبوبیہ'' کا ترجمہ ''حیات المحبوب'' (۲۰۰۵ء) شامل ہیں۔

انفرادی طور پر منظوم خراجِ عقیدت کی اکلوتی مثال ''انوارِ مٹھن کوٹ'' ممتاز احمد زاہد کی ۱۹۸۹ء میں چھپی تھی جبکہ حیات چغتائی نے انگریزی، فارسی، پنجابی اور سرائیکی میں خواجہ فریدؒ کے پیش کیے گئے منظوم خراجِ عقیدت ''نذرِ فریدؒ'' کے عنوان سے مُرتّب کر کے ۲۰۰۲ء میں شائع کرائے۔

انگریزی کتابوں میں کرسٹوفر شیکل کی ''ففٹی پوئمز آف خواجہ فریدؒ'' ۷۸ء میں عبدالرؤف لُوتھر کی ''لَو لیڈن لیرکس خواجہ فریدؒ'' ۸۳ء میں بھی مضامین شامل ہیں۔ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ڈاکٹر شہزاد قیصر کی ''ڈائمینشن آف خواجہ فریدؒ میٹا فزکس'' ۱۹۹۸ء میں، ڈاکٹریٹ کا مقالہ ''میٹا فزکس آف خواجہ فریدؒ'' ۲۰۰۲ء میں، ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ''وِیژن آف خواجہ فریدؒ پاسٹ اینڈ پریذنٹ'' ۲۰۰۳ء میں چھپیں۔ ڈاکٹر شہزاد قیصر کی انگریزی میں ایک اور کتاب ''اقبالؒ اینڈ خواجہ فریدؒ آن ایکسپیریسنگ گوڈ'' بھی ۲۰۰۲ء میں چھپی۔

دیوانِ فریدؒ کی تدوین کے حوالے سے درج ذیل کتب شائع ہوئیں۔ محمد اکرم قریشی مرحوم (پاسبانِ فریدؒ) کی ''اوزانِ دیوانِ فریدؒ'' (شاعری کو عروض پر جانچنے کی کوشش)، ۲۰۰۶ء میں صفحات ۲۵۶ کے علاوہ تین کتابچے ''دیوانِ فریدؒ۔ فنِ عجیب''، اپریل ۱۹۹۹ء ''فریدی دیوان عروضی میزان'' اکتوبر ۱۹۹۷ء (طبع دوم مارچ ۲۰۰۰ء)'' ، کے علاوہ خواجہ طاہر محمود کوریجہ کے مُرتبہ ''دیوانِ فریدؒ'' (مطبوعہ جون ۲۰۰۲ء) میں اِملاء، عروض کی ایک ہزار اغلاط کے دعوے کے ساتھ ۳۷ صفحات کا کتابچہ ''اِکویہویں صدی دے ڈو دیوانیں دا تقابلی جائزہ'' مطبوعہ اگست

۲۰۰۲ء۔ اِس کے علاوہ نوتک مجید، ڈیرہ غازی خان کے ابو محمد منظور بن عبد الحمید آفاقی نے ''کلام فرید'' کی اِصلاح کر کے ''کلیدِ فرید'' دو جلدوں میں ۲۰۰۷ء میں پیش کی۔

ج۔ تاریخ و ثقافت

ا۔ تاریخ

سرائیکی علاقے کی تاریخ انگریزی دور میں اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں لکھی گئی۔ امپیریل گزیٹر گورنمنٹ آف برٹش انڈیا (طبع ثانی ۱۹۸۴ء)، پنجاب گزیٹر اور ڈسٹرکٹ گزیٹرز کے علاوہ سٹیٹس گزیٹرز انگریزی میں لکھے گئے۔ سٹیٹ گزیٹر بہاولپور کے علاوہ ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسماعیل خان ۸۴۔۱۸۸۳ء (طبع ثانی ۱۹۸۹ء)۔ مظفر گڑھ (ایڈیشن ۱۹۰۸ء، ۱۹۳۰ء) میانوالی، ملتان ۲۴۔۱۹۲۳ء (طبع ثانی ۱۹۹۰ء)۔ جھنگ، ساہیوال وغیرہ کے گزیٹرز بھی شائع ہوئے۔ مثلاً ڈسٹرکٹ مظفر گڑھ کے ایڈورڈ ایچ لنکن کے ۱۹۳۰ء کے ایڈیشن (طبع ثانی ۱۹۹۰) کے صفحہ ۲۲ سے ۴۶ پر ضلع کی تاریخ موجود ہے۔ ڈیرہ غازی خان کا ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا۔ پنجاب گزیٹر میں ملتان ڈسٹرکٹ کی ہسٹری صفحہ ۲۴ سے ۷۱ پر ہے۔ ڈاکٹر ایم جہانگیر اختر خان نے ''ایکسٹریکٹس فرام دی ڈسٹرکٹس اینڈ سٹیٹس گزیٹرز آف دی پنجاب جلد اول و دوم (۷۷۔ ۱۹۷۶ء) بھی شائع کرایا۔ ان کے علاوہ ''اینشینٹ ہسٹری آف انڈیا'' ''کیمبرج ہسٹری آف انڈیا (مورٹیمر) ''انڈیا آف اورنگزیب'' (ایم سی سرکار) ''دی لینڈ آف فائیو ریورز اینڈ سندھ'' ''ہسٹری آف دی پنجاب'' (سید محمد لطیف۔ طبع ثانی اردو ترجمہ افتخار محبوب ۹۹۴ء) ''راجھستان'' (کرنل ٹاڈ) ''اچ ہسٹری اینڈ آر کیٹیکچر'' (ڈاکٹر احمد نبی خان ۱۹۸۰ء)۔ ملتان انڈر دی افغانز (ڈاکٹر عاشق محمد دُرّانی ۱۹۸۲ء) ''ملتان ہسٹری اینڈ آر کیٹیکچر'' ڈاکٹر احمد نبی خان ۱۹۸۳ء وغیرہ۔ جان ڈنلپ ایم ڈی کی ''ملتان کے بارے میں کتاب'' Moltan :During and after the siege'' اہم ہے۔ (ترجمہ۔ ''ملتان: دورانِ محاصرہ اور مابعد'' مترجم زبیر شفیع غوری

صفحات ۷۶،۷۱ الکن بکس ملتان ۲۰۰۲ء) انگریز سرجن James Cole کی ۱۸۴۹ء میں چھپی "A . Sketch of the Siege of Moltan □ý□ý" (جسے طبع نو کے طور پر سنگِ میل لاہور نے ۱۹۹۹ء میں شائع کیا)۔ سیّد محمد لطیف کی ۱۸۹۱ء میں چھپنے والی "Early Histry Of Moltan" (''ملتان کی ابتدائی تاریخ'' مترجم ریحان اقبال صفحات ۸۸، ۲۰۰۶ء)، مظہر عارف کا سرائیکی ادبی بورڈ ملتان کا شائع کردہ باتصویر کتابچہ "Cholistan : Shifting Sand" صفحات ۳۲ مطبوعہ ۲۰۰۰ء، نذیر احمد چوہدری کی ۲۰۰۲ء میں نادر تصاویر کے ساتھ سنگ میل لاہور سے چھپنے والی ۱۴۴ صفحے کی "Multan : Glimpses"۔ جسونت رام کی ''ہمارا ڈیرہ اسمٰعیل خان'' کا رام نارائن بھاٹیہ کا انگریزی ترجمہ شری سوبھا رام نیو دہلی نے فروری ۲۰۰۵ء میں شائع کیا۔ ۲۰۰۷ء میں عمران اقبال کی ''چولستان'' پر تحریر کا انگریزی ترجمہ عامر حفیظ ملک نے ''اِن سَرچ آف وِزڈم'' کے عنوان سے شائع کرایا۔

دیگر زبانوں میں لکھی گئی قدیم تاریخوں میں ''آئینِ اکبری'' (ابوالفضل طبع ثانی اردو ترجمہ مولوی فدا علی طالب)، ''مُنتخب التواریخ'' (عبدالقادر بدایونی)، ''تاریخ فیروز شاہی'' (ضیاء الدین برنی) ''جامع التواریخ'' (ہمدانی)، ''تاریخ فرشتہ''، ''تاریخ پنجاب'' (کنہیالعل ہندی ۱۸۸۱ء طبع دوم ۱۹۸۹ء) ''تواریخ راج خالصہ'' (گیان سنگھ گیانی)، عربی زبان کے سات مؤرخین کے ملتان سے متعلق حصّوں کو شبانہ نذر نے ''ملتان عرب مؤرخین کی نظر میں'' ترجمہ کیا۔ شعبہ سرائیکی زکریا یونیورسٹی ملتان نے ۱۶۸ صفحات کی یہ کتاب جنوری ۲۰۰۷ء میں چھاپی ہے۔ تاریخ افغانستان پر مبنی ''تذکرۃ الملاک'' میں ملتان کی تاریخ بھی موجود ہے۔ عاشق محمد دُرّانی کا ترجمہ ۱۹۹۹ء میں چھپا۔ مخدوم سیّد روشن علی شاہ، محمد یوسف سالع، کی فارسی کتاب ''تذکرۃ الملتان'' کا اُردو ترجمہ ڈاکٹر محمد شبیر انور ابوہری نے کیا۔ ستمبر ۲۰۰۴ء میں ۱۴۴ صفحے کی کتابی صورت میں سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان نے شائع کیا وغیرہ کے علاوہ موجودہ دور میں مرزا ابن حنیف کی ''سات دریاؤں کی سرزمین'' کا ذکر کر سکتے ہیں۔ سندھ کے حوالے سے لکھی جانے والی

Scanned with CamScanner

تاریخوں میں (مثلاً ڈاکٹر مبارک علی، مولانا غلام رسول مہر، سید سلیمان ندوی، اعجاز الحق قدوسی (جلد اول و دوم) مولانا ظفر ندوی وغیرہ) بھی سرائیکی علاقوں کی تاریخ مل جاتی ہے۔ تاریخی شخصیات کے حوالے سے لکھی جانے والی کتابوں جیسے ''رنجیت سنگھ'' (سیتارام کوہلی) ''صادق نامہ'' (نذیر علی شاہ انگریزی ۱۹۵۹ء اردو ترجمہ صدیق طاہر ۱۹۷۱ء) اردو ترجمہ نظر ثانی اور اضافہ کے ساتھ عثمان شاہ نے ۱۹۹۷ء میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور سے شائع کرایا۔ ''نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد'' (عمر کمال خان ۱۹۷۸ء) وغیرہ میں بھی سرائیکی علاقے کی تاریخ مل جاتی ہے۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کی ''معاشرتی علوم'' کے حوالے سے ضلع وار کتابیں اور پھر اردو کی منظوم کتابیں جیسے ''شہر نامہ'' (آغاز صادق) ''جغرافیہ مظفر گڑھ'' (کشفی ملتانی) ''مثنوی ملتان'' (حکیم سید عبدالمجید راحی) کی مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح سرائیکی علاقے کی تاریخ پر مبنی کئی قلمی نسخے بھی دستیاب ہیں۔ جیسے ''تذکرۃ الملتان'' (فیض الحسن محررہ ۱۹۳۸ء)۔ تاہم سرائیکی کے مختلف علاقوں کے بارے میں الگ الگ لکھی گئی اردو کتابوں کا ایک وسیع ذخیرہ الگ دستیاب ہے۔ جیسے ملتان پر ''تاریخ رتواریخِ ملتان'' دیوان لالہ حکم چند ای اے سی (۱۸۹۷ء) ''سیرِ ملتان'' رائے زادہ تیرتھ رام بی اے (۱۹۱۶ء) جاوید اکیڈمی ملتان نے ''سیرِ ملتان'' کے ساتھ خلیق ملتانی کی نظم ''تصویرِ ملتان'' مطبوعہ ۱۹۴۷ء کو ملا کر سیرِ ملتان مع تصویر ملتان المعروف ملتان گائیڈ کے عنوان سے ۲۰۰۶ء میں ۹۶ صفحے کی کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ ''مُرقع مولتان'' اولاد علی گیلانی (۱۹۳۸ء طبع ثانی ۱۹۹۵ء) ''تواریخ ملتان'' ابر ملتانی، بالکشن بترہ (۱۹۴۰ء) ''ملتان قدیم وجدید'' ارشد حسین ارشد (۱۹۶۸ء) ''ارضِ ملتان'' اکرام الحق شیخ (۱۹۷۲ء) ''تاریخ ملتان مولانا نور احمد خان فریدی (جلد اول وجلد دوم ۱۹۷۳ء) ''سرزمینِ ملتان'' مولانا نور احمد خان فریدی (۱۹۷۶ء) ''تاریخ ملتان'' کرم الٰہی بدر (۱۹۷۸ء) ''نقشِ ملتان'' عتیق فکری (۱۹۸۲ء)، ''آئینہ ملتان''، منشی عبدالرحمٰن ''تاریخ ملتان ذیشان'' منشی عبدالرحمٰن (۱۹۸۵ء) ۲۰۰۰ء میں ''آئینہ ملتان'' اور ''ملتان ذیشان'' کو اکٹھا تاریخِ ملتان کے عنوان سے ۶۰۲ صفحات پر مشتمل عالمی ادارہ

اشاعت علوم اسلامیہ پبلیک ملتان نے شائع کیا ہے، ملتان اور مؤرخین'' مولانا نور احمد فریدی (۱۹۸۵ء)، ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ'' ڈاکٹر روبینہ ترین (۱۹۸۹ء۔ باب اول) ''دیکھ لیا ملتان'' سید زاہد علی واسطی (۱۹۹۲ء)، ''تاریخ ملتان'' عباس حسن گردیزی (۱۹۹۳ء)، ''ملتان ماضی وحال کے آئینہ میں'' سبطین گیلانی (۱۹۹۴ء)، کتاب نگر ملتان نے ''مُلتانیات'' ۱۶۰ صفحے کی اِسی مؤرّخ کے نام سے ۲۰۰۶ء میں شائع کی ہے۔ ''ملتان کے بادشاہ، نامور گورنر اور حملہ آور'' مہر عبدالحق (۱۹۹۴ء)، ''ملتان لنگاہ دور میں'' عمر کمال خان (۱۹۹۵ء)۔

۲۰۰۵ء میں ملک محمد اسلم میتلا کی ''ملتان نامہ'' ۴۳۷ صفحے کی سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان نے شائع کی۔ ۲۰۰۶ء میں سجاد حیدر پرویز کی کتاب ''مُلتانی'' لوک ورثہ نے الفیصل ناشران لاہور کے اشتراک سے ۲۸۲ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کی ہے۔ جس کے پہلے باب میں قدیم ضلع ملتان کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

ریاست بہاولپور یا بہاولپور ڈویژن کے حوالے سے ''راجھستان'' (کرنل ٹاڈ)، ''صادق نامہ'' (نذیر علی شاہ) کے علاوہ ''تاریخ اُچ'' (مولانا حفیظ الرحمٰن) ایس طاہر طلحہ ہاشمی کی ''مختصر تاریخ بہاولپور ۱۹۵۲ء تک'' قریشی منزل بہاولپور سے ۳۶ صفحے کی چھپی ''اُچ شریف کا تاریخی پہلو'' (خلیفہ منظور احمد بخاری) ''تاریخ وثقافت ضلع رحیم یار خان'' سعید احمد سعید وغیرہ جیسی کتابوں کے بعد ''ارمغانِ اُوچ'' شمس الدین گیلانی (۱۹۹۶ء)، ''خطہ پاکِ اُوچ'' مسعود حسن شہاب (۱۹۶۷ء طبع ثانی (۱۹۸۲ء)، ''جغرافیہ ریاست بہاولپور'' سید ناصر علی (۱۹۸۶ء) ''وادی ہاکڑہ اور اس کے آثار'' صدیق طاہر (۱۹۸۲ء، ''چولستان'' احمد غزالی (۱۹۸۴ء) طبع دوم ۴۰۸ صفحات۔ ۲۰۰۷ء میں الفیصل ناشران لاہور نے شائع کیا۔ ''بہاولپور کی سرزمین'' سید زاہد علی واسطی (۱۹۹۳ء)، ڈیولپمنٹ پلاننگ آف بہاولپور ڈویژن (۱۹۹۴ء)۔ زبیر شفیع غوری کی آزاد پرنٹر پرائزز لاہور نے ۲۴۸ صفحات پر ''باتصویر اوچ شریف۔ تاریخ وثقافت، آثارِ قدامت و عظمت'' کے عنوان سے ۱۹۹۷ء میں شائع کی۔ ۲۰۰۲ء میں علامہ دین محمد عباسی کی ''جدید تاریخ

اوچ شریف'' ۴۰۰ صفحات کی ادارہ معارف الاولیاء اوچ شریف نے شائع کی۔ ۲۰۰۳ء میں ذرّثمین نقوی کی ''چولستان تاریخ کے آئینے میں'' سوہنی دھرتی پبلشرز ملتان نے شائع کی۔ ۲۰۰۷ء میں سیّد عارف مُعین بلے کی مُرتّبہ ''روہی کے خدوخال'' صفحات ۴۳۰ ایکشن ایڈ انٹرنیشنل رحیم یار خان نے شائع کی جبکہ رحیم یار خان سے متعلق محمد عارف جان کی ''مخدوم الملک سے مخدوم احمد محمد دتک'' ۲۰۰۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔

ڈیرہ غازیخان کے حوالے سے ''تواریخ ضلع ڈیرہ غازی خان'' مُنشی حکم چند (۱۸۷۵ء)، تاریخ ڈیرہ غازی خان یعنی ''گل بہار۔ بلوچ قبائل'' رائے بہادر لالہ ہتورام (طبع اول ۱۸۶۲ء، طبع ثانی، نظر ثانی عزیز محمد بگٹی، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ جون ۱۹۸۲ء صفحات ۴۱۲)، ''مُرقع ڈیرہ غازی خان'' غلام علی نُتکانی (۱۹۸۶ء) جلد دوم صفحات ۴۴۶ زکریا پبلشرز لاہور نے ۲۰۰۷ء میں شائع کی۔ ''تاریخ ڈیرہ غازی خان'' عبدالقادر لغاری، (جلد اول ۱۹۸۷ء جلد دوم ۱۹۹۰ء)۔ ہاشم شیر خان کی کتاب ''ڈیرہ غازی خان کے تہذیبی خدوخال'' ۱۹۹۸ء میں بک اوشن پبلی کیشنز ملتان نے ۲۵۸ صفحات کی شائع کی۔ ۲۰۰۱ء میں ''علامہ اقبال اور ڈیرہ غازی خان'' صفحات ۳۱۵ بیکن بکس ملتان نے چھاپی۔ ۲۰۰۶ء میں سجاد حیدر پرویز کی ''ملتانی'' لوک ورثہ نے شائع کی جس کے پہلے باب میں قدیم ضلع ڈیرہ غازیخان کی تاریخ بھی موجود ہے۔ اِس سال نومبر میں اُوتا پبلشرز ڈیرہ غازی خان نے ڈاکٹر احسان احمد چنگوانی کی تاریخ ڈیرہ غازی خان صفحات ۳۱۷ باتصویر شائع کی۔

علاقہ تھل (لیہ میانوالی وغیرہ) کے حوالے سے اکرم میرانی کی ''گریٹر تھل'' (۱۹۹۱ء، طبع ثانی ۱۹۹۴ء)، ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ''تھل'' (۱۹۹۲ء)، مہر نور محمد تھند کی ''تاریخ لیہ (۱۹۹۴ء، طبع ثانی ۱۹۹۶ء)، لیہ پر پرنس خدا بخش ناصر کی ''انسائیکلوپیڈیا آف لیہ'' ۲۰۰۲ء میں ۶۰۷ صفحات کی آرٹ لینڈ چوک اعظم ضلع لیہ سے شائع کی ہے۔

Scanned with CamScanner

ان کے علاوہ ''مرقع کہروڑ'' احمد سلیم مظہر چغتائی (۱۹۷۸ء) ''تاریخ لودھراں'' محمد تقی شمیم (۱۹۹۳ء) اور ''ضلع وہاڑی'' ''کلیم شہزاد (۱۹۹۴ء)، ''تاریخ فتحپور آباد'' از رفیق احمد عاطر، ''آثارِ تاریخی سرور'' (ڈیرہ غازی خان) از زوار نیاز حسین سروری (۲۰۰۶ء)، میانوالی پر مضامین کا مجموعہ ''تاریخ میانوالی'' مرتب ڈاکٹر لیاقت علی نیازی نے سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے ۲۰۰۳ء میں شائع کرائی ڈیرہ اسمٰعیل خان پر ۱۹۵۲ء میں جسونت رام اہلہ وادی نے دہلی سے ''ہمارا ڈیرہ اسماعیل خان تصویرِ آشیانہ'' شائع کرائی تھی جبکہ سیّد حفیظ اللہ خان نے ۲۰۰۷ء میں ''اپنا ڈیرہ اسماعیل خان تاریخ کے آئینے میں'' صفحات ۳۵۶ نیو خاور کتاب مرکز ڈیرہ اسماعیل خان سے شائع کرائی۔

اُردو زبان میں دیگر موضوعات یا اَصناف پر کُتب میں بھی سرائیکی علاقے کی تاریخ جُزوی طور پر موجود ہے۔ جیسے صرف ملتان کا جائزہ دیکھیں۔ ملک منیر احمد بھٹہ کی ۱۹۹۹ء میں جھوک پبلشرز ملتان نے ۲۴۴ صفحات کی ''ملتان تہذیب و ثقافت کے آئینے میں'' چھاپی۔ ۲۰۰۳ء میں ابنِ حنیف کی ''جنوبی پنجاب کے آثارِ قدیمہ'' سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان نے چھاپی۔ ۲۰۰۵ء میں بزم ثقافت ملتان نے شبیر حسن اختر کی ''مُلتان اُردو کی جنم بھُومی'' ۸۰ صفحے اور محمد فاروق انصاری کی آپ بیتی ''یادِ ماضی'' صفحات ۲۳۸ شائع کی۔ جبکہ اسی سال سرائیکی ریسرچ سنٹر ملتان نے محمد عارف کی ۱۸۰ صفحے کی ''مُلتان میں موسیقی کی روایت'' شائع کی تو محمد اجمل مہار کی ''ملتان کے قدیم امام باڑے اور مجالس عزا کی روایات'' صفحات ۱۴۹ چھاپی جبکہ اگلے سال ۲۰۰۶ء میں حنیف چوہدری کی ۱۹۴۷ء تک چھپنے والے اخبارات و رسائل پر ''ملتان کے صحافتی دفینے'' صفحات ۱۲۷ شائع کی۔ اِسی طرح اُردو سفرنامے 'بُلتستان سے چولستان تک' ''ڈاکٹر کریم بخش چنگوانی مطبوعہ جنوری ۲۰۰۰ء ناشر دار الکتاب لاہور صفحات ۲۳۶ میں چولستان کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح سیّد شریف احمد شرافت نوشاہی نے ''سفرنامہ اُوچ'' کے نام سے ۱۹۳۴ء کے چشم دیدہ حالات لکھتے تھے جنھیں اب ۱۴۱۹ھ (۱۹۹۹ء) میں اُردو اکیڈمی بہاولپور نے شائع کیا ہے۔ (ریاستی رسرائیکی شاعری بھی درج ہے) منظوم تاریخ میں میر ساجد علی فنائی کی

مثنوی ''عاقبت بخیر'' مطبوعہ جون ۲۰۰۴ء صفحات ۱۶۰ بھی آ سکتی ہے، جس میں ملتان کی تاریخ ہے۔ اسی طرح ''سیر بہاولپور'' (۶۳ صفحے) زاہد علی خان کی ۲۰۰۴ء میں چھپنے والی بہاولپور کی منظوم صحافتی تاریخ ہے۔

اردو کتابوں کی ایک اور قسم بھی ہے، جیسے عتیق فکری کی ''العتیق العتیق'' (مطبوعہ ستمبر ۱۹۷۱ء) جس میں ''ملتان اور سندھ کی تاریخی قدامت، وجہ تسمیہ اور حدود اربعہ، ملتان میں قوم ہُود کی حکومت، ملتان اور سندھ میں عرب علاقوں کی قومیں کب آباد ہوئیں، ملتان کے آدت دیوتا کے پجاری عرب میں'' وغیرہ جیسے مضامین قابل ذکر ہیں، دوسری کتاب سید نور علی ضامن حسینی کی ''معارفِ سرائیکی'' ہے، جس میں سرائیکی زبان اور تمدن کے ساتھ ''سرائیکی وطن'' کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے اور اس شاہ میوسی لیکنس (۳۲۶ ق م) کا دارالخلافہ بتایا گیا ہے۔ ۱۹۷۲ء میں مصطفیٰ شاہ اکیڈمی احمد پور شرقیہ نے ۲۴۳ صفحے کی کتابی شکل میں اسے شائع کیا ہے، اس سلسلے کی تیسری کتاب علامہ محمد اعظم سعیدی کی ''سرائیکی قومیں اور آثار عرب میں'' ہے۔ ۴۸ صفحے کی یہ کتاب پاکستان سرائیکی اردو رائیٹرز گلڈ کراچی نے شائع کی ہے۔ یہ ستمبر ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی ہے۔

ان کے بعد سرائیکی علاقے کی خالص تاریخ کے بارے میں سرائیکی زبان میں لکھی گئی کتابوں کا دور آتا ہے، جس کا جائزہ کچھ یوں ہے۔ اجتماعی تاریخ کے لحاظ سے پہلی کتاب اکرم میرانی کی ''سرائیکی ڈیس'' ہے۔ ۱۱۲ صفحے کی یہ کتاب نگارشات لاہور نے ۱۹۸۷ء میں شائع کی تھی۔ اس میں تاریخ سے پہلے کے دور، قدیم سرائیکی راج، عرب دور، قرامطہ دور، مغل دور، سکھ دور، انگریز اور پاکستانی دور شامل ہیں۔ اس سلسلے کی دوسری کتاب جمشید احمد کمترا احمدانی رسولپوری کی ''پاندھی ٹُر داجُل'' ہے۔ جولائی ۱۹۹۶ء میں بزمِ کمتر رسولپور تحصیل جام پور نے ۲۶۴ صفحے کی یہ کتاب شائع کی ہے۔ اس میں سرائیکی علاقے کے اضلاع رحیم یار خان، بہاولپور، لیہ، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان، راجن پور، ملتان، بھکر، میانوالی کے ۱۰ شہر، قصبوں اور بستیوں کی الگ الگ ادبی ثقافتی پہچان کے ساتھ ساتھ تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔

Scanned with CamScanner

جنوری ۲۰۰۳ء میں ملک سعید احمد کی ۱۲۸ صفحات کی کتاب ''سرائیکی وسیب سکندر کتوں رنجیت سنگھ تائیں'' سرائیکی ادبی سنگت کراچی نے شائع کی تو اِسی سال ''سرائیکی وسیب'' کے نام سے ہی ظہور احمد دھریجہ کی ضخیم کتاب سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے شائع کی۔ دسمبر ۲۰۰۶ء میں فیضی بہاولپوری نے سرائیکی علاقے کے مختلف شہروں اور قصبوں پر معروضی تقریباً ۲۰۰۰ معلومات کی صورت میں ''سرائیکی خزانہ'' کے نام سے ۱۲۶ صفحے کی کتاب جھوک پبلشرز ملتان نے شائع کرائی۔

سرائیکی علاقے کے اضلاع پر سرائیکی میں تاریخیں لکھنے کی روایت ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ۵۶ صفحات کی کتاب ''ملتان'' سے پڑتی ہے۔ جسے پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے اگست ۱۹۸۰ء میں شائع کیا۔ دوسری کتاب دلشاد کلانچوی کی ''بہاولپور دی تاریخ تے ثقافت'' ہے۔ ۲۳۲ صفحے کی اس کتاب کو جسے سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے مئی ۱۹۸۸ء میں شائع کیا، اسے سرائیکی میں پہلی تاریخی ثقافتی کتاب کا ٹائیٹل دیا گیا ہے اور اس پر حکومت پنجاب کا ایوارڈ بھی دیا گیا ہے، حصہ تاریخ صفحہ ۱۱۱ تک ہے۔ سجاد حیدر پرویز کی ''ضلع مظفر گڑھ تاریخ، ثقافت تے ادب'' مئی ۱۹۸۹ء کا پہلا حصہ جو ضلع کی تاریخ پر مشتمل ہے ۲۷۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جسے جغرافیہ، علاقے کی مجموعی تاریخ اور قصبات کی الگ الگ تاریخ، تاریخی آثار قدیمہ، تاریخ ساز شخصیات اور نباتات و جانور کے عنوانات سے لکھا گیا ہے۔

پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور کی پنجاب کے اضلاع کی اُن کی زبان میں تاریخ لکھوانے کے سلسلے کی دیگر کتب میں پروفیسر دلشاد کلانچوی کی ''ضلع بہاولپور'' پر جولائی ۱۹۹۷ء میں ۳۹۲ صفحات کی، امتیاز حسین امتیاز کی ''ضلع خوشاب'' پر اپریل ۱۹۹۹ء میں ۳۵۰ صفحوں کی اور اکتوبر ۲۰۰۱ء میں نوید شہزاد کی ''ضلع ملتان'' پر ۴۴۸ صفحے کی شائع ہوئیں۔ ۲۰۰۷ء میں ۳۱۶ صفحے کی ''مشاہیرِ وہاڑی'' میں وہاڑی کی مختصر تاریخ بھی دی گئی ہے۔ اسی طرح لہراں ادبی بورڈ نے ناصر ملک کی ''لیہ دی تاریخ'' صفحات ۶۲۲ جنوری ۲۰۰۸ء میں شائع کی۔ اضلاع سے ہٹ کر قصبوں یا سرائیکی علاقے میں آباد ذاتوں اور قوموں پر کتب بھی ملتی ہیں۔ مثلاً رسول پور، جام پور کے جمشید

Scanned with CamScanner

احمد، کشور احمد مغل کی دو کتب دسمبر ۱۹۹۹ء میں تاریخ احمدی حصہ اوّل صفحات ۲۴۰ اور ۲۰۰۴ء میں ''وطن آباد تو میں ذاتیں'' صفحات ۳۲۰، سردار محمد سعد اللہ کھیتران نے ''تاریخ کھیتران'' صفحات ۲۵۶ لکھی تو ۱۹۹۹ء میں سلیمان اکیڈمی ڈیرہ غازی خان نے اسے شائع کیا۔ جبکہ جام پور کے قریب تحصیل ڈیرہ غازی خان کا قصبہ ''مانہ احمدانی'' کی ۱۴۹۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کی تاریخ نثر میں ۲۰۰۰ء میں سولہ صفحات پر اور منظوم ۱۹۹۷ء میں ''مانہ سونے دادانہ'' صفحات ۸ کی صُورت میں محمد اکرم قریشی نے بزمِ اکرم مانہ احمدانی سے ہی شائع کی ہیں۔ سرائیکی منظوم تاریخوں کی مثالوں میں شبیر حسن اختر کی مُلتان کی وار کی صورت میں سرائیکی ایپک ''ملوھیا: سَدا سہاگن'' صفحات ۱۵۳ سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان نے ۲۰۰۴ء میں شائع کی جبکہ دیگر نثری اصناف کی صورت میں بھی سرائیکی علاقے کی تاریخ سرائیکی میں بھی محفوظ کرنے کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً ۱۹۹۷ء کی کتاب ''ڈکھ سمندر دل دریا'' جو دریائے سندھ کے سیلاب سے بستی وڑوالا رحیم یار خان کے ڈوبنے کی کہانی ہے مگر تاریخی حوالے سے سچّی داستان ہے۔ اندازِ بیان آپ بیتی کا ہے۔

سرائیکی میں تاریخ نگاری کے حوالے سے ترجمے کی ایک مثال بھی ملتی ہے۔ یہ عبدالجبار اثر کی اردو کتاب ''وادی مہران کی سیر'' کا سرائیکی ترجمہ ''سندھ دی وادی'' (جغرافیہ، تاریخ ثقافت تے ادب) ہے۔ سجاد حیدر پرویز کا یہ ترجمہ ۷۷ صفحے کی کتابی شکل میں مہر پبلیکیشنز میر پور خاص نے جون ۱۹۹۳ء میں شائع کیا ہے۔

سرائیکی زبان میں صرف سرائیکی علاقے کی مجموعی یا الگ الگ تاریخیں ہی نہیں لکھی گئیں بلکہ پورے پاکستان کی تاریخیں بھی لکھی گئی ہیں۔ تحریک و تاریخ پاکستان کے حوالے سے اب تک تین کتابیں سامنے آئی ہیں۔ پہلی کتاب سجاد حیدر پرویز کی ''دیس اساڈا پاکستان'' ہے۔ یہ سرائیکی زبان میں تحریک پاکستان کے پس منظر، ارتقاء اور قیام پاکستان کے بارے میں لکھی گئی پہلی کتاب ہے، جو قراردادِ پاکستان کی گولڈن جوبلی (۱۹۴۰ء۔ ۱۹۹۰ء) کے موقع پر ۲۳ مارچ ۱۹۹۰ء کو شائع کی گئی۔ دوسری کتاب ''پاکستان اساڈی سنجان'' اختر حسین خان کی لکھی ہوئی ہے۔

جسے پاکستان سرائیکی رائیٹرز گلڈ ملتان نے ۱۴ اگست ۱۹۹۰ء کو شائع کیا۔ اس کتاب کو چالیس عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن میں ایک حصہ ''تحریک پاکستان اور ملتان'' ہے۔ تیسری کتاب میں قائداعظم کی شخصیت کے حوالے سے تحریکِ پاکستان کا جائزہ لیا گیا ہے ''دھرتی قائد محا بیو'' حمید اُلفت ملغانی کی تحریر ہے۔ یہ کتاب جون ۱۹۹۵ء میں سنجوک پبلی کیشنز ملتان نے شائع کی ہے۔ آٹھ عنوانات میں سے آٹھواں سرائیکی علاقے کے حوالے سے ہے جس میں ملتان، بہاولپور اور ڈیرہ غازی خان میں تحریکِ پاکستان کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۲۔ ثقافت

جہاں تک ثقافت کا تعلق ہے، یہ تاریخ کے ساتھ جُڑی ہوتی ہے۔ لہٰذا سرائیکی علاقے کے بارے میں انگریزی، اُردو اور سرائیکی زبان میں لکھی گئی کتابوں میں سرائیکی ثقافت کے بارے میں بھی لکھا گیا ہے، چونکہ کسی زبان کا لوک ادب اس زبان کے بولنے والوں کی ثقافت کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے لہٰذا ''لوک ادب'' کے عنوان تلے جن کتابوں کا ذکر ہوا ہے وہ بھی سرائیکی ثقافت کے حوالے سے گنی جانی چاہئیں۔ اسی طرح لسانیات کے ضمن میں جن کتابوں کا ذکر ہوا ہے۔ ان میں سے اکثر میں بھی سرائیکی ثقافت کا ضمناً ذکر ہوا ہے۔ اس لیے ان تمام کتابوں کا اس عنوان تلے دوبارہ ذکر کرنا مناسب نہیں۔ تاہم ان کے علاوہ بھی کئی ایسی کتابیں ہیں، جن میں سرائیکی ثقافت کا ذکر ہے۔ مگر ان کا ذکر مندرجہ بالا عنوانات میں نہیں ہوا، جیسے سبطِ حسن کی کتاب ''پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء'' جسے ۱۹۷۷ء میں مکتبہ دانیال نے شائع کیا۔ ''زبان اور ثقافت'' ڈاکٹر غلام علی الانا کی کتاب جو ۱۹۸۷ء میں اسلام آباد سے شائع ہوئی۔ ڈاکٹر حسین محمد جعفری اور احمد سلیم کی مرتبہ کتاب ''پاکستانی معاشرہ اور ادب'' جسے پاکستان سٹڈی سنٹر جامعہ کراچی نے ۱۹۸۷ء ہی میں شائع کیا اور جس میں ''پاکستانی معاشرہ اور سرائیکی ادب'' کے عنوان سے اسلم رسولپوری کا مضمون شامل ہے۔ کچھ اضلاع یا علاقوں کی تاریخ میں ثقافت کا ذکر ضمناً آ گیا ہے۔ مثلاً ۱۹۹۸ء میں ہاشم شیر خان کی کتاب ''ڈیرہ غازیخان کے تہذیبی خدوخال'' جسے بک اوشن پبلی

کیشنز ملتان نے ۲۵۸ صفحات پر مشتمل شائع کیا۔ ملک منیر احمد بھٹہ کی جھوک پبلشرز ملتان سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہونے والی کتاب ''ملتان تہذیب و ثقافت کے آئینے میں'' صفحات ۲۴۴۔ ۲۰۰۰ء میں آزاد پرنٹر پرائزز لاہور کی ۲۴۸ صفحے کی زبیر شفیع غوری کی کتاب ''اُوچ شریف'' میں بھی ثقافت کا ذکر ہے۔ ۲۰۰۳ء میں مضامین کا ڈاکٹر لیاقت علی نیازی کا مُرتبہ مجموعہ ''تاریخ میانوالی۔ تاریخ و تہذیب'' ناشر سنگ میل پبلی کیشنز لاہور میں علاقے کی ثقافت کا بیان ہے۔ سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان کے محمد عارف کی ۲۰۰۵ء میں چھپنے والی ۱۸۰ صفحے کی کتاب ''ملتان میں موسیقی کی روایت'' اِس سلسلے کی کڑی ہیں۔ ۲۰۰۶ء میں لوک وَرثے کے قومی ادارے نے الفیصل ناشران لاہور سے مل کر سجاد حیدر پرویز کی کتاب ''ملتانی''۔ ملتان کی تاریخ، تہذیب و ثقافت'' شائع کی۔ ۲۸۲ صفحے پر آٹھ ابواب میں سے چھ کا تعلق ثقافت سے ہے۔ مثلاً طرزِ بود و باش، لوک فنون، دستکاریاں، تمدّن اور ثقافت، رسم و رواج، لوک موسیقی، رقص، لوک کھیلیں۔ ۲۰۰۷ء میں آواز فاؤنڈیشن پاکستان کی تجزیاتی رپورٹ ''پنجاب علاقہ غیر'' صفحات ۱۲۲ میں اضلاع ڈیرہ غازی خان اور راجن پور کے قبائلی علاقوں کی ثقافت بیان ہوئی ہے۔ ''روہی کی جڑی بوٹیاں'' حکیم محمد الیاس قیصر کی سرائیکی قصر الادب خیر پور ٹامیوالی سے چھپنے والی ۳۸۴ صفحات کی کتاب اور بزمِ ثقافت ملتان کی طرف سے ''صُوفیانہ موسیقی'' صفحات ۶۰ بھی ۲۰۰۷ء میں سامنے آئیں۔ پروفیسر خالد پرویز کی ''مُلتانی دستکاریاں'' صفحات ۹۶ کے علاوہ ''پنجاب اور اہلِ پنجاب'' صفحات ۳۶۸ ناشر علم و عرفان پبلشرز لاہور میں سرائیکی وسیب مثلاً ''چولستان قدیم تہذیب کا امین'' بھی اِس شُمار میں آتے ہیں۔ اسی طرح انگریزی کتابیں معین الدین کی ''سندھ لینڈ آف لیجنڈز'' مطبوعہ (۱۹۷۵ء) اور نور الزماں احمد اوج کی کتاب ''لیگیسی آف چولستان'' (روہی دا ترکہ) مطبوعہ ۱۹۹۵ء۔ اور تو اور کئی ناولوں میں بھی سرائیکی ثقافت کو بیان کیا گیا ہے، جیسے نومبر ۱۹۸۹ء میں امریکہ سے چولستان پر ناول ''واٹر آف دی وِنڈ'' شائع ہوا۔ تین ماہ میں اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ جس کی مصنفہ سوزان فشر سٹیپلز ہیں۔ امریکن لائبریری ایسوسی ایشن

Scanned with CamScanner

نے اسے نیو جرسی آرٹ ایوارڈ برائے ۱۹۹۰ء کا مستحق قرار دیا۔ سوزان اسی ناول کی تکمیل کے لیے تین سال تک پاکستان میں رہیں۔ ناول کی ہیروئین ''شہبانو'' کے عنوان سے مضمون ''چولستان پر ایک ناول'' میں ستار طاہر لکھتے ہیں:

''چولستان پر ناول لکھنے کا محرک، یہاں کی وہ صدیوں پرانی ریگستانی روایات تھیں جو اب بھی قائم اور رائج ہیں۔ پھر یہاں کی موسیقی ہے۔ رنگ ہے، لوگوں کی اپنائیت ہے۔ ایک دوسرے کے دُکھ درد کا اشتراک یہ چیزیں سوزان فشر سٹیپلز کے لیے بڑی ترغیبات تھیں۔ یہاں کے قصہ گووں سے بھی وہ متاثر ہوئیں۔ وہ کہتی ہیں کہ چولستان میں قیام کے دوران انھیں ایک ایسی لڑکی سے ملنے کا اتفاق ہوا، جو بعد میں شہبانو کے کردار میں ڈھل گئی''۔ (ح۔۲)

اسی طرح بشریٰ رحمن کا اُردو ناولٹ ''لالہ صحرائی'' (مطبوعہ اپریل ۱۹۸۵ء) بھی بہاولپور کے ریگزار روہی (چولستان) کی ثقافت کے بارے میں ہے۔ سرائیکی زبان اور ثقافت کے حوالے جگہ بگہ موجود ہیں۔ رضا علی عابدی کا اردو ناول ''شیر دریا'' (مطبوعہ ۱۹۹۴ء) میں بھی سندھ دریا کے حوالے سے سرائیکی ثقافت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

خالص سرائیکی ثقافت پر شائع ہونے والی اردو سرائیکی کتابوں کا جائزہ اس طرح بھی ہے۔ سب سے پہلے پروفیسر خلیل صدیقی مرحوم کا ایک لیکچر ''سرائیکی ثقافتی ورثے کا تحفظ'' ہے جسے سرائیکی لوک سانجھ ملتان کی طرف سے سرائیکی سنگت لاہور نے ۱۹۸۵ء میں شائع کیا۔ دوسرے نمبر پر مشتاق گاڈی کا مقالہ ''وسیب آزادی تے کلچر'' ہے، جسے سرائیکی لوک سانجھ نے ۲۴ صفحے کی کتابی شکل میں ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔ تیسرے نمبر پر حمید الفت ملغانی کی کتاب ''سرائیکی لوک ریت'' ہے جسے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۱۹۹۳ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں پیدائش، بچپن، شادی بیاہ اور فوتیدگی کے حوالے سے سرائیکی علاقے میں مُرّوج رسومات کا تفصیل سے

جائزہ لیا گیا ہے۔ چوتھی کتاب استاد فدا حسین گاڈی مرحوم کی وفات کے بعد وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے اُن کے دس مضامین کا مجموعہ ''سرائیکی کلچر'' ہے جسے مُزمّل حسین اور اکرم میرانی نے ترتیب دے کر سُندر پرنٹرز لیہ سے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا۔ جاوید احسن کی کتاب ''سرائیکی ثقافت'' جو جنوری ۱۹۹۵ء میں سلیمان اکیڈمی ڈیرہ غازی خان نے شائع کی۔ اس کتاب کو سرائیکی قومی موومنٹ اور حکومت پنجاب نے ایوارڈ بھی دیے۔ یہ اپنے موضوع پر جامع کتاب ہے جس میں سرائیکی ثقافت، سرائیکی زبان اور ثقافت، سرائیکی ادب اور ثقافت، عرس اور میلے، لوک دستکاریاں، لوک کھیلیں، لوک رسمیں اور لوک ادب کے عنوانات تلے لکھا گیا ہے۔

۱۹۹۷ء میں ملک اقبال حسن بھپلا مرحوم کی کتاب ''ستھ'' سرائیکی میں منفرد موضوع پر اکلوتی کتاب ہے۔ اِس میں سرائیکی وسیب کے جرگہ نظام کا بیان اور اصطلاحات کی وضاحت کے ساتھ مثالیں دی گئی ہیں۔ ظہور احمد دھریجہ کی سرائیکی ادبی بورڈ ملتان کی شائع کردہ ''سرائیکی وسیب'' تاریخ و ثقافت پر مضامین کا مجموعہ ہے۔ ۳۳۶ صفحات پر مشتمل کتاب ''سرائیکی وطیرے'' مطبوعہ ۲۰۰۴ء میں سرائیکی ثقافت کے مختلف رنگ ہیں۔ ۲۰۰۷ء میں جہاں پروفیسر شوکت مُغل کے مضامین کی کتاب ''کھوتے کِنھوا'' صفحات ۲۸۸ میں ثقافت کا حصہ بھی موجود ہے وہاں ڈاکٹر گل عباس اعوان نے ثقافت کے موضوع پر ثقافت کی تعریف، خصوصیات، اقسام، تاریخ، پسِ منظر سب بیان کر دیا گیا ہے۔

جن کتابوں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ان میں اُردو کتاب ''معارفِ سرائیکی'' از سید نور علی ضامن حسینی مطبوعہ ۱۹۷۲ء کا ذکر دوبارہ ہو سکتا ہے کہ اسے سرورق پر سرائیکی تمدن کا تذکرہ بھی کہا گیا ہے۔ اسی طرح سرائیکی میں دو کتابوں کا ذکر بھی دوبارہ ضروری ہے۔ دلشاد کلانچوی کی کتاب ''بہاولپور دی تاریخ تے ثقافت'' (مئی ۱۹۸۸ء) میں بہاولپور کی ثقافت کا ذکر ہے جبکہ دوسری کتاب سجاد حیدر پرویز کی ''ضلع مظفرگڑھ تاریخ ثقافت تے ادب'' (مطبوعہ مئی ۱۹۸۹ء) میں صفحہ ۲۷۵ سے ۳۲۰ تک کا حصہ مظفرگڑھ کی ثقافت کے لیے مخصوص ہے۔ اُردو سفرناموں میں

Scanned with CamScanner

بھی سرائیکی علاقے کے ذکر میں ثقافت کا بیان ہے۔جن کا ذکر ''سفرنامہ کے عنوان'' تلے دیکھا جا سکتا ہے۔

''ضلع مظفر گڑھ'' پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور کی طرف سے اضلاع کی تاریخ، ثقافت اور ادب کے موضوع پر شائع ہونے والی پانچ کتابوں کی سیریز کی پہلی کتاب تھی۔اس کے بعد ''ضلع وہاڑی'' پر کلیم شہزاد کی ۵۶۰ صفحات کی، جنوری ۱۹۹۴ء میں، ضلع بہاولپور پر پروفیسر دلشاد کلانچوی کی ۳۹۲ صفحات کی جولائی ۱۹۹۷ء میں، ''ضلع خوشاب'' پر امتیاز حسین امتیاز کی ۳۵۰ صفحات کی اپریل ۱۹۹۹ء میں اور ضلع ملتان پر نوید شہزاد کی ۴۴۸ صفحے کی اکتوبر ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی۔ پروفیسر محمد آصف خان سیکرٹری بورڈ کی وفات کے بعد باقی اضلاع کی تاریخ کی اشاعت میں تعطل پیدا ہوا مگر جنوری ۲۰۰۹ء میں لہراں ادبی بورڈ نے ناصر ملک کی ''لیہ دی تاریخ'' کے عنوان سے ۶۲۲ صفحے کی کتاب شائع کی ہے۔جس میں تاریخ کے ساتھ حسبِ سابق ثقافت، کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔

د۔ادبی تاریخیں

''لسانی مطالعے'' میں ذکر کی گئی انگریزی، اردو اور سرائیکی کتابوں میں سرائیکی ادب کی تاریخ کے حوالے سے بھی مواد موجود ہے۔ جیسا کہ انگریزی کتابوں کے حوالے سے یوا ے سمرنوف کی روسی میں تحریر کردہ اور ای ایچ سٹپسن کی انگریزی میں ترجمہ کردہ کتاب '' دی لہندی لینگوئج'' مطبوعہ ماسکو ۱۹۷۵ء میں ''لہندی ادبی روایات'' کے حوالے سے سرائیکی ادب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دورِ حاضر میں احسن واگھا کی کتاب ''دی سرائیکی لینگوئج، اِٹس گروتھ اینڈ ڈیویلپمنٹ'' مطبوعہ اسلام آباد مارچ ۱۹۹۰ء میں صفحہ ۱۱۳ تا ۱۳۳ پر سرائیکی لٹریچر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل کی ''Siriaki Mariya'' (سرائیکی مرثیہ) ۲۰۰۳ء میں بزمِ ثقافت ملتان نے شائع کی۔

اُردو زبان میں لکھی گئی مختلف موضوعات بالخصوص سرائیکی علاقے کی تاریخ وثقافت پر لکھی گئی کتابوں میں بھی مقامی زبان کے ادب کا مختصر جائزہ لینے کی روایت ملتی ہے۔ اس سلسلے میں پہلے ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ۸۰۷ صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ''ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق'' آتی ہے۔ جسے اُردو اکیڈمی بہاولپور نے ۱۹۶۷ء میں شائع کیا۔ پندرہ ابواب میں سے نو ابواب ملتانی لٹریچر کے حوالے سے ہیں۔ کیفی جامپوری کی ''سرائیکی شاعری'' ناشر بزم ثقافت ملتان مطبوعہ ۱۹۶۹ء سرائیکی شاعری کی اصناف وار اور شاعر وار ادبی تاریخ ہے۔ اس میں ''قدیم ادب'' کے لیے بھی صفحہ ۵۴ سے ۶۷ تک کے صفحات مخصوص کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۱ء میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور کا ضخیم ترین ادبی تاریخی سلسلہ ''تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند'' (۱۹۷۱ء) کی جلد چودہ حصہ دوم کا ساتواں باب ''سرائیکی ادب'' پر مشتمل ہے جسے میر حسان الحیدری نے لکھا ہے۔

یہاں ملتان کی تاریخوں کے حوالے سے دو کتب کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے۔ شیخ اکرام الحق کی کتاب ''ارض ملتان'' جو جنوری ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی۔ اسی طرح مولانا نور احمد خاں فریدی کی تاریخ ملتان جلد دوم ناشر قصر الادب ملتان مطبوعہ ۱۹۷۳ء صفحات ۴۵۲ میں ''سرائیکی ادب'' صفحہ ۴۳۱ سے شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۴۵۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ عمر کمال خان ایڈووکیٹ کی ترتیب دی ہوئی ''پہلی کل پاکستان سرائیکی ادبی کانفرنس ملتان'' ہے۔

کیفی جام پوری کے بعد دلشاد کلانچوی کی ''سرائیکی اور اس کی نثر'' ہے جو اردو میں سرائیکی نثر کی پہلی تاریخ ہے۔ مکتبہ سرائیکی لائبریری بہاولپور نے ۱۹۸۲ء میں دوبار ۲۲۴ صفحے کی یہ کتاب شائع کی جس میں سرائیکی نثر کا خاکہ، ابتدائی نقوش، تراجم، مراثی و ناٹکوں میں نثر، افسانے، ناول، مضامین اور اخبارات وجرائد کے حوالے سے کھینچا گیا ہے۔

مرثیہ نگاری کی تاریخ کے حوالے سے خلش پیراصحابی کی تین کوششیں سامنے آئی ہیں۔ دو کتابچے جو پیر اصحاب ضلع بھکر سے شائع ہوئے۔ ''سرائیکی مرثیہ گوئی کے چار سو سال'' مطبوعہ

مارچ ۱۹۸۰ء صفحات ۱۱۶ اور ''سرائیکی مرثیہ گوئی کے پانچ سو سال'' ۱۹۸۳ء میں صفحات ۳۲۔ اس کے بعد ''ملتانی مرثیہ'' (جو سرائیکی میں ہے) ۳۲۰ صفحے کی یہ کتاب ۱۹۸۶ء میں پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے شائع کی۔ شروع میں مرثیے کی تاریخ کے حوالے سے ۱۵ صفحے کا مقالہ شامل ہے۔ ڈاکٹر روبینہ ترین کا ڈاکٹریٹ کا اردو مقالہ ''ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ'' ادارہ تالیف و ترجمہ زکریاؒ یونیورسٹی نے بیکن بکس ملتان کے تعاون سے ۱۹۸۹ء میں ۵۶۸ صفحات کی کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس میں ملتان کے صوفیاء کے ادب پر اثرات بالخصوص خواجہ غلام فریدؒ کے حوالے سے اور پھر مجموعی جائزہ میں سرائیکی ادب کے حوالے سے بحثیں صفحہ ۳۸۴ سے ۴۸۵ تک اور ۵۳۴ سے ۵۶۷ تک پھیلی ہوئی ہیں۔

پروفیسر سجاد حیدر پرویز کی کتاب ''سرائیکی ادب کی نشاۃ ثانیہ کا دور'' (۱۹۷۶ء تا ۱۹۹۵ء) یعنی ۲۰ سال کی ادبی تاریخ بزم ثقافت ملتان نے باریک کمپوزنگ میں ۱۵۶ صفحات کی کتابی صورت میں دسمبر ۱۹۹۷ء میں شائع کی۔ آخر میں فہرست کتب اور ناشران کتب کے اشاریے بھی شامل ہیں۔

۱۹۹۹ء میں ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو کی سندھی سکرپٹ میں کتاب ''سرائیکی شاعری ایک مطالعہ'' صفحات ۱۱۴ لاڑ ادبی سوسائٹی بدین نے سندھ یونیورسٹی جام شورو سے مل کر شائع کی۔ جس کا اُردو سکرپٹ ''سرائیکی شاعری ایک مطالعہ'' صفحات ۱۳۰ بزم ثقافت ملتان نے ۲۰۰۱ء میں شائع کیا۔ جس کے پانچ ابواب ''(۱) ملتان کی سرائیکی شاعری، (۲) سرائیکی شاعری کا قدیم دور (بابا فریدؒ)، (۳) عام جائزہ (علی حیدرؒ، مولوی لطف علیؒ، خواجہ غلام فریدؒ، (۴) سندھ کی سرائیکی شاعری اور (۵) شاعری کا جدید دور۔ بیسویں صدی'' ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں پروفیسر سجاد حیدر پرویز کی کتاب ''سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ'' مقتدرہ قومی زبان پاکستان نے شائع کی ۳۶۸ صفحات پر مشتمل کتاب کا حصہ اوّل زبان (لسانیات) دوسرا شاعری، تیسرا نثر، چوتھے میں سیرت نگاری، واریں، منظوم داستانیں، بچوں کا ادب اور لوک ادب جبکہ پانچویں میں شخصیات و تذکرہ نگاری، فریدیات، تاریخ

و ثقافت، ادبی تاریخیں اور تنقید کے ذیلی عنوان تلے ''تحقیق و تنقید'' اور پھر تراجم اور طنز و مزاح کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب کا دوسرا مجلّد ایڈیشن ۲۰۰۵ء میں اور تیسرا ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ دراصل یہ کتاب ۱۹۹۷ء کے اوائل میں مکمل کی گئی تھی لہٰذا عام عنوانات کو ۲۰۰۸ء تک مکمل کرنے کے ساتھ اس میں ''خواتین کا کردار'' اور ''صحافت'' جیسے عنوانات کا اضافہ کر کے تازہ ایڈیشن پیش ہے۔

۲۰۰۱ء میں ہی سجاد حیدر پرویز کا ایم فل کا مقالہ ''اُردو اور سرائیکی کے باہم تراجم'' کے عنوان سے ۲۴۰ صفحات کی کتابی صورت میں سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے شائع کیا۔ ۲۰۰۳ء میں بزمِ ثقافت ملتان نے ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو کی سرائیکی شاعری کی صنف کافی پر کتاب ''کافیاں'' شائع کی۔ ''ایم فِل پاکستانی زبانیں'' کے لیے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد نے ''مطالعاتی رہنما'' میں تین یونٹ سرائیکی زبان و ادب پر لکھوائے۔ ۲۰۰۴ء میں چھپی اِس کتاب میں ''سرائیکی زبان'' ڈاکٹر طاہر تونسوی (اضافہ شوکت مغل) ''قدیم سرائیکی ادب'' ڈاکٹر طاہر تونسوی (اضافہ ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز) اور ''جدید سرائیکی ادب'' ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز نے تحریر کیا ہے۔ ۲۰۰۷ء میں حمید اُلفت ملغانی کی کتاب ''پاکستانی زبانوں کا ادب'' صفحات ۳۸۴ ناشر بیکن بکس ملتان کے چھٹے باب (صفحہ ۲۵۳ تا ۲۸۰) میں بھی سرائیکی اصنافِ نظم و نثر کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اب سرائیکی زبان میں سرائیکی ادب کی تاریخوں کا جائزہ دیکھیے۔ اس سلسلے میں پہلی کتاب سجاد حیدر پرویز (راقم الحروف) کی ''سرائیکی ادبی تاریخ'' ہے جو سرائیکی اصناف اور شخصیات کے حوالے سے تیرہ تحقیقی تنقیدی مضمونوں پر مشتمل ہے۔ ۶۸ صفحے کی یہ کتاب سرائیکی ادب تحریک ملتان کے زیرِ اہتمام ۱۴ اگست ۱۹۸۴ء کو شائع ہوئی۔

اس دوران علامہ محمد اعظم سعیدی کی کتاب ''وادی پنجند وِچ صحافت'' کو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی قرار دیا جاسکتا ہے۔ سرائیکی اردو رائٹر گلڈ کراچی نے اگست ۱۹۸۵ء میں شائع کی۔ اس میں سرائیکی زبان و ادب کے بارے میں مواد شائع کرنے والے اخبارات و رسائل کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔

Scanned with CamScanner

''سرائیکی ادب دی مختصر تاریخ'' بھی سجاد حیدر پرویز ہی کی کتاب ہے جو سرائیکی میں اس وقت تک اس موضوع پر پہلی کتاب ہے۔ ۴۶۴ صفحات کی یہ کتاب سرائیکی پبلی کیشنز مظفر گڑھ نے اپریل ۱۹۹۶ء میں شائع کی۔ لوک گیت، مرثیہ، نعت، شعری مجموعے، تراجم، قصہ نگاری، ڈرامہ، صحافت، سفرنامہ، لسانیات، زبان و ادب، قاعدے، لغات، گرائمر، رسم الخط، مزاحیہ نثر، ناول اور افسانوں کی تقسیم کے بعد سرائیکی ادبی شخصیات میں سات ممتاز شعراء اور چھ نمایاں نثر نگاروں کے علاوہ تین غیر ملکی سرائیکی دانشوروں پر مضامین شامل ہیں۔ پہلی بار اس طرح کی کتاب میں اشاریہ شخصیات بھی شامل کیا گیا ہے۔

اگلا نمبر دلشاد کلانچوی کی کتاب ''سرائیکی زبان تے ادب'' کا ہے۔ مئی ۱۹۸۷ء میں اسے سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کیا۔ یہ کتاب اکیڈمی آف لیٹرز سے ایوارڈ یافتہ ہے۔ ''سرائیکی ادب'' صفحہ ۶۵ سے ۱۰۳ تک ''سرائیکی شاعری'' ۱۵۶ سے ۲۰۵ تک اور ''جدید نثری ادب'' صفحہ ۲۰۶ سے ۲۴۴ تک لکھا گیا ہے۔

مئی ۱۹۸۹ء میں شائع ہونے والی سجاد حیدر پرویز کی کتاب ''ضلع مظفر گڑھ تاریخ ثقافت تے ادب'' میں ضلع مظفر گڑھ کے سرائیکی ادب کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جو صفحہ ۳۹۱ سے ۸۹۹ یعنی تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں مجموعی جائزہ کے علاوہ ادیبوں شاعروں کا تین ادوار میں تفصیلی تذکرہ بھی شامل ہے۔

پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے ضلع مظفر گڑھ کے بعد سرائیکی علاقے کے ان اضلاع کی تاریخیں شائع کیں۔ جون ۱۹۹۴ء میں کلیم شہزاد کی ''ضلع وہاڑی، تاریخ، ثقافت، ادب'' صفحات ۵۶۰ میں (سرائیکی زبان کو کہیں سرائیکی لہجہ، کہیں ملتانی اور بہاولپوری لہجے کا اثر اور کہیں اختصار سے کام لے کر نیلی بار کا لہجہ لکھا گیا ہے۔)۔ جولائی ۱۹۹۷ء میں پروفیسر دلشاد کلانچوی کی ''ضلع بہاولپور۔ تاریخ، ثقافت، ادب'' صفحات ۳۹۲ شائع کی۔ اپریل ۱۹۹۹ء میں ۳۵۰ صفحات کی ''ضلع خوشاب۔ تاریخ، ثقافت، ادب'' (اعوان کاری، لہندا اور بالآخر سرائیکی

لکھا گیا ہے)۔ اکتوبر ۲۰۰۱ء میں نوید شہزاد کی ''ضلع ملتان۔ تاریخ، ثقافت، ادب'' [illegible]

ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو کی کافی پر کتاب ''کافیاں'' اور حیدر قریشی کی غزل پر [illegible] ''سرائیکی غزل'' کے بعد فیض بلوچ نے ۲۰۰۳ء میں ''سرائیکی شاعری اچ غزل گوئی'' [illegible] ادب ملتان سے ۱۹۲ صفحے کی شائع کی۔ جس میں ''روایتی غزل، جدید غزل، [illegible] مزاحمتی غزل، مزاحیہ غزل، غزل اِچ زبان داری'' کے عنوانات شامل کیے گئے ہیں۔ اس [illegible] نے ۲۰۰۶ء میں مختلف اصنافِ سخن کے حوالے سے ''سرائیکی شاعری اِچ طنز و مزاح'' بھی مرتب کی۔ ۲۰۰۷ء میں ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ''سرائیکی شاعری دا اِرتقاء'' صفحات ۸۴۰ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے شائع کیا جبکہ ہیئتی و موضوعاتی اصناف کافی، غزل، طنز و مزاح، تراجم پر مذکورہ بالا کُتب کے علاوہ اصنافِ نثر پر ادبی تاریخیں بھی لکھی گئیں جیسے ۲۰۰۷ء میں قُدسیہ قاسم کی کتاب ''سرائیکی افسانے دا فنی ویورا'' اور ۲۰۰۸ء میں ڈاکٹر اسلم عزیز دُرّانی کی ''سرائیکی ناول نگاری''۔

حمید اُلفت ملغانی نے سرائیکی ادبی تاریخ کی ایک شکل سالانہ سرائیکی ادبی جائزے کتابچوں کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ ۱۹۹۳ء سے ۲۰۰۷ء تک جاری رکھا ہے جبکہ اِس سے پہلے ڈاکٹر طاہر تونسوی نے ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۳ء جائزے لکھے جبکہ سجاد حیدر پرویز نے ۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۷ء تک اخبارات و رسائل میں یہ جائزہ لکھا۔ جس کا اعتراف حمید اُلفت اپنی کتاب ''سرائیکی ادبی جہات۔ ۲۰۰۰''۔ صفحہ ۴ پر یوں کرتے ہیں۔

''سرائیکی ادب کے سالانہ جائزہ کی روایت ڈاکٹر طاہر تونسوی سے شروع ہو کر پروفیسر سجاد حیدر پرویز سے ہوتی ہوئی مجھ تک پہنچی''۔

حمید اُلفت کے تمام سالانہ کتابی جائزے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۴۸ صفحات کے کتابچوں میں شائع کیے۔ ان کے عنوان اور حوالہ اشاعت درج ذیل ہے۔ (۱) سرائیکی ادبی بورڈ

۱۹۹۳ء(جنوری ۱۹۹۴ء)(۲) سرائیکی ادبی پندھ ۱۹۹۴ء (۱۹۹۵ء)، (۳) سرائیکی ادبی رُت ۱۹۹۵ء (اپریل ۱۹۹۶ء) ، (۹۴ سرائیکی ادبی سمّل ۱۹۹۶ء (مارچ ۱۹۹۷ء)، (۵) سرائیکی ادبی دگ ۱۹۹۷ء (فروری ۱۹۹۸ء)، (۶) سرائیکی ادبی چنگ ۱۹۹۸ء، (اپریل ۱۹۹۹ء)(۷) سرائیکی ادبی اُڈار ۱۹۹۹ء (مارچ ۲۰۰۰ء)، (۸) سرائیکی ادبی جھات ۲۰۰۰ء (مئی ۲۰۰۱ء)، (۹) سرائیکی ادبی سُونہہ ۲۰۰۱ء (فروری ۲۰۰۲ء)، (۱۰) سرائیکی ادبی سنجوک ۲۰۰۲ء (مارچ ۲۰۰۳ء)، (۱۱) سرائیکی ادبی یورھیا ۲۰۰۳ء (اپریل ۲۰۰۴ء) ، (۱۲) سرائیکی ادبی وَونت ۲۰۰۴ء (اپریل ۲۰۰۵ء)، (۱۳) سرائیکی ادبی راند ۲۰۰۵ء (اپریل ۲۰۰۶ء) (۱۴) سرائیکی ادبی یار ۲۰۰۶ء، (فروری ۲۰۰۷ء)، (۱۵) سرائیکی ادبی سُرت ۲۰۰۷ء (مئی ۲۰۰۸ء)۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی کے تحقیقی تنقیدی مضمونوں کے مجموعے پر مشتمل کتاب ''سرائیکی ادب ریت تے روایت'' کو بھی سرائیکی ادب کی تاریخ کے حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے۔تیس مضامین میں سرائیکی اصناف، موضوعات، شعراء، نثر نگار، اور کتب وغیرہ پر مضمون شامل ہیں۔ بیکن بکس ملتان نے مارچ ۱۹۹۳ء میں یہ کتاب شائع کی۔اس ضمن میں آخری بڑی اور ضخیم سرائیکی کتاب ''سرائیکی ادب ٹور تے پندھ'' ہے۔سجاد حیدر پرویز کی اس کتاب میں ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۵ء تک کے سولہ سال کے ادبی جائزوں کو یکجا کیا گیا ہے۔۶۳۲ صفحات کی یہ کتاب یکم اکتوبر ۱۹۹۶ء کو مجلس سرائیکی مصنفین پاکستان مظفر گڑھ نے شائع کی ہے۔ کتاب میں اس دوران میں شائع ہونے والے ۱۷۷۹ کتابوں اور کتابچوں کے علاوہ سرائیکی زبان وادب کے حوالے سے ایک سو چار اخبارات ورسائل کی توضیحی کتابیات دی ہے۔اس کے علاوہ ۲۸ منتخب کتابوں پر مختصر تبصرہ کیا ہے جبکہ ۱۳۷ اہم کتابوں پر تفصیلی تنقید شامل کی ہے۔

حمید الفت ملغانی کے سالانہ سرائیکی ادبی جائزوں کو سرائیکی ادب بورڈ ملتان نے شائع کرنا شروع کیا ہے۔ ہر جائزہ ۴۸ صفحے پر مشتمل ہوتا ہے۔ چار کتابچے ۱۹۹۳ء تا ۱۹۹۶ء کے حوالے سے الگ الگ شائع ہو چکے ہیں۔

کتابیات اور اشاریے

ویسے تو سرائیکی کتابیات کا آغاز ''پنجابی پرنٹڈ بکس ان دی برٹش میوزیم لندن'' مطبوعہ ۱۹۶۱ء صفحات ۱۲۱ سے کرنا چاہیے مگر خالص سرائیکی کتابیات کے ذکر میں سب سے پہلے سیٹھ محمد عبید الرحمان بہاولپوری کا مرتبہ اشاریہ ''سرائیکی کتابیات'' آتا ہے۔ ۳۲ صفحے کی کتابی شکل میں اسے سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے یکم محرم ۱۴۰۰ھ کو شائع کیا۔ پھر اس اشاریے کے مطابق ''سرائیکی کتابیں'' کے عنوان سے کتاب شائع کی گئی۔ جسے ادارہ تحقیق سرائیکی ادب وثقافت بہاولپور کے تعاون سے ''سرائیکی ادبی مجلس'' ہی نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ صفحہ ۵ سے ۳۴ تک ''کچھ باتیں'' کتابیات کے حوالے سے لکھی گئی ہیں۔ پھر صفحہ ۳۵ سے ۱۵۸ تک ۳۲ عنوانات کے تحت کتابیات درج کی گئی ہے۔ سجاد حیدر پرویز کی ۴۸ صفحے کی کتاب ''سرائیکی ادب دے تیرہاں سال'' جسے سرائیکی ادبی تحریک ملتان نے دسمبر ۱۹۸۴ء میں شائع کیا تھا ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان میں نومبر ۱۹۷۱ء سے اکتوبر ۱۹۸۴ء تک شائع ہونے والے نثری مواد کا صنف، موضوع اور قلمکار وار اشاریہ ہے۔

''سرائیکی کتابیات'' (آغاز تا مئی ۱۹۹۳ء) ڈاکٹر طاہر تونسوی کی ترتیب دی ہوئی کتابیات ہے۔ جسے ۱۹۹۴ء میں اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد نے شائع کیا۔ مجموعی طور پر ۱۲۰ صفحے کی اس کتاب میں ۲۱۲۶ حوالے موجود ہیں۔

ان کے علاوہ سچل سرمستؒ پر ببلیوگرافیوں کا سلسلہ ''سرمستؒ'' ہے۔ اسے محمد علی حدّاد ترتیب دیتے رہے ہیں۔ ان میں سرائیکی زبان کے حوالے سے بھی کتابیات موجود ہوتی ہے۔ اسے سچل سرمستؒ نیشنل سیمینار آرگنائیزنگ کمیٹی خیرپور سندھ شائع کرتی رہی ہے۔ پہلی بار یہ شروع سے ۱۹۸۱ء تک شائع کی گئی اور اس کے ۲۷۸ صفحے تھے پھر ۱۹۹۶ء تک ہر سال اس کا ضمیمہ شائع ہوتا رہا ہے۔

اسی طرح اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد ۱۹۹۰ء سے سالانہ ''کتابیات پاکستانی

ادب'' شائع کرتی ہے جیسے سعیدہ دُرّانی ترتیب دیتی رہی ہیں۔ حصہ سرائیکی کی معاونت اور طباعت کی کچھ تفصیل پیش ہے۔ پہلے ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۱ء میں کنول مشتاق مرحوم، ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء میں ڈاکٹر شہباز ملک نے معاونت کی جبکہ ۱۹۹۵ء اور ۱۹۹۶ء میں جاوید اختر بھٹی، ۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر طاہر تونسوی، ۱۹۹۹ء، ا، اور ۲۰۰۶ء میں حمید اُلفت ملغانی نے معاونت کی، باقی تفصیل مُندرجہ ذیل ہے۔

کتابیات پاکستانی ادب ۱۹۹۴ء (اشاعت ۱۹۹۵ء) صفحات ۴۷۱ مُرتبہ سرائیکی سجاد حیدر پرویز صفحہ ۲۴۱ تا ۲۸۶

کتابیات پاکستانی ادب ۱۹۹۷ء (اشاعت ۲۰۰۱ء) صفحات ۲۷۸ مُرتّب سرائیکی سجاد حیدر پرویز صفحہ ۱۰۹ تا ۱۲۶

کتابیاتِ پاکستانی ادب ۲۰۰۰ء (اشاعت ۲۰۰۱ء) صفحات ۲۱۴ مُرتّب سرائیکی سجاد حیدر پرویز صفحہ ۱۲۹ تا ۱۴۰

کتابیات پاکستانی ادب ۲۰۰۱ء (اشاعت ۲۰۰۲ء) صفحات ۲۵۶ مُرتّب سرائیکی سجاد حیدر پرویز صفحہ ۱۴۵ تا ۱۶۱

کتابیات پاکستانی ادب ۲۰۰۲ء (اشاعت ۲۰۰۳ء) صفحات ۱۹۹ مُرتّب سرائیکی سجاد حیدر پرویز صفحہ ۱۰۳ تا ۱۱۸

کتابیاتِ پاکستانی ادب ۲۰۰۳ء (اشاعت ۲۰۰۴ء) صفحات ۱۸۲ مُرتّب سرائیکی سجاد حیدر پرویز صفحہ ۱۰۱ تا ۱۱۰

کتابیات پاکستانی ادب ۲۰۰۴ء مُرتب سرائیکی حمید الفت ملغانی صفحہ ۱۰۷ تا ۱۲۰

کتابیاتِ پاکستانی ادب ۲۰۰۵ء مُرتبہ سرائیکی حمید اُلفت ملغانی صفحہ ۱۶۱ تا ۱۷۸

اِس کے بعد یہ کام شاکر حسین شاکر کو سونپا گیا۔ کتابیات کی دو اور کتب اِس دوران سامنے آئیں۔ ''سرائیکی ادب وِچ مرثیہ'' (کتابیات) تحقیق خلش پیراصحابی، مُرتّب اجمل مہار۔ سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان نے ۲۰۰۳ء میں ۹۹ صفحے کی یہ کتاب شائع کی۔ جس کے آخر میں کتاب وار اور مصنّف وار اشاریہ بھی موجود ہے۔ دُوسری کتاب جس میں جُزوی کتابیات شامل کی گئی ہے یہ اکتوبر ۲۰۰۱ء میں نوید شہزاد کی ''ضلع ملتان، تاریخ، ثقافت، ادب'' کے باب ''ادبی جائزہ'' میں صفحہ ۲۴۷ سے ۲۶۲ تک اس وضاحت کے ساتھ کتابیات درج ہے کہ:

'' آخر میں پڑھنے والوں اور محققوں کی دلچسپی کے لیے ضلع ملتان کے قلمکاروں کی

Scanned with CamScanner

مطبوعہ کتب کی فہرست پیش ہے۔'' (صفحہ۔۲۴۷)

شخصیات کے حوالے سے اشاریے اور کتابیات کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ ۸ صفحے کا ''اشاریہ تصنیفات وتالیفات ڈاکٹر مہر عبدالحق سمراء (۱۹۴۹ء تا ۱۹۹۴ء)'' ہے جسے جہاں زیب خان نے مرتب کیا ہے اسے سلیمان اکیڈمی ڈیرہ غازیخان نے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا۔اسی طرح کتابوں سے ہٹ کر شخصی کتابیات کی ایک مثال ملتی ہے۔ یہ ''ڈاکٹر طاہر تونسوی۔ کتابیات'' ہے جسے سید عامر سہیل نے ترتیب دیا ہے اور ۶۴ صفحات کی کتابی شکل میں اسے بیکن بکس ملتان نے شائع کیا ہے۔ تاریخِ اشاعت اکتوبر ۱۹۹۶ء ہے۔اگست ۲۰۰۴ء میں ''ڈاکٹر طاہر تونسوی'' اشاریہ، رابعہ سرفراز نے مرتّب کیا۔۱۱۲ صفحات کی اس کتاب کو اکائی پبلشرز فیصل آباد نے اگست ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔ستمبر ۲۰۰۸ء میں ۳۸ کتابوں پر مشتمل ''شوکت مغل دیاں کتاباں دا تعارف'' توضیحی کتابیات، شاہد دھریجہ نے مُرتّب کی ہے۔۱۶ صفحات پر مُشتمل اِسے جھوک پبلشرز ملتان نے شائع کیا ہے۔ مجموعی اشاریوں میں تین اہم کتب جو اِس دوران سامنے آئی ہیں، اب اُن کی وضاحت کی جاتی ہے۔

سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی کی ۲۰۰۵ء ۲۰۰۶ء میں جو کُتب سامنے آئیں۔ ۲۰۰۵ء میں کتاب کا عنوان ''قصرِ فریدؒ (لائبریری کوٹ مٹھن میں موجود نادر قلمی اور مطبوعہ کتب کا اشاریہ'' مرتّب جاوید فاروق پنوار ہیں۔۶۷۴ صفحات پر مُشتمل اس کتاب میں اُردو، فارسی، عربی کے ساتھ سرائیکی کُتب بھی شامل ہیں۔شعبہ سرائیکی زکریا یونیورسٹی ملتان کی شائع کردہ ''گوشہ عتیق فکری۔توضیحی اشاریہ'' شعبہ میں موجود کُتب کا اشاریہ ہے جسے شبیر حسن اختر اور اُن کی بیٹی نجمہ شبیر نے مُرتّب کیا ہے۔۳۴۸ صفحات کی اس کتاب میں اشاریہ صفحہ ۸ سے ۳۰۹ تک ہے، جس میں ۶۷۷ مصنفوں کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے شامل ہیں۔۲۰۰۶ء میں ''سرائیکی ریسرچ سنٹر میں قلمی نسخہ جات۔توضیحی اشاریہ'' کے مُرتّب اجمل مہار ہیں۔۱۱۸ صفحات کی اس کتاب میں ۱۶ قلمی نُسخے اور ۱۳ نقول کے بارے میں معلومات ہیں۔صفحہ ۷۵ سے نایاب قلمی نسخوں کی عکسی نقول ہیں۔

تقریباً ایک درجن نسخے سرائیکی سے ہیں۔

جزوی کتابیات کی ایک مثال ''نقیبان کربلا'' مرتب صفدر حسین ڈوگر کی ملتی ہے۔ ویسے تو سرائیکی مرثیے پر مضامین اور مرثیہ گوشعراء کا تذکرہ ہے۔ تاہم خلش پیراصحابی کی کتاب ''ملتانی مرثیہ'' کے آخر میں شامل سرائیکی مرثیہ کی کتابیات کو دوبارہ حروفِ ابجد کی ترتیب کے مطابق جو''آ'' سے ''چ'' تک ہے شامل کیا گیا ہے۔ اس میں یہ صفحہ ۳۵ سے ۴۸ پر ۱۲۷ کتابوں کی کتابیات درج ہے۔

۵۔ تنقید

جب انگریزوں نے سرائیکی لُغت، گرائمر اور لسانیات پر کام شروع کیا تو تنقید کا پہلو بھی پیش نظر رکھا، اس لیے لغت، گرائمر، لسانی مطالعے، ادبی تاریخوں اور ادبی شخصیات کے تذکروں میں تنقید نگاری بھی شامل رہی ہے۔

انگریزی زبان میں کرسٹوفر شیکل کی کتابیں ''فرام اُچ ٹو ساؤدرن لہندا............اے سنچری آف سرائیکی سٹڈیز ان انگلش'' مطبوعہ ستمبر ۱۹۸۳ء اور سٹائیلز اینڈ تھیمز ان دی سرائیکی مسٹیکل پوئٹری آف سندھ'' ناشر بزم ثقافت صفحات ۲۹ (جوانٹرنیشنل سیمینار سندھ منعقدہ مارچ ۱۹۷۵ء میں پڑھا گیا) سرائیکی ادب کی تنقیدی مثالیں ہی ہیں، اسی طرح احسن واگھا کی انگریزی کتاب ''دی سرائیکی لینگوئج اٹس گروتھ اینڈ ڈیلو پلپمنٹ'' مطبوعہ مارچ ۱۹۹۰ء کا گیارھواں باب ''سرائیکی لٹریچر اینڈ اٹزڈکشن'' میں تنقیدی پہلو بھی شامل ہے۔

اسی طرح اردو زبان میں لکھی گئی کتابوں سے بھی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں، ایک مثال سرائیکی زبان سے متعلق محمد بشیر احمد ظامی بہاولپوری کے نو مضامین کا مجموعہ ''چھرکے'' ہے جو ۱۸۴ صفحات کی کتابی شکل میں اگست ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا ''حضرت خواجہ فریدؒ کے کلام میں مثنوی سیف الملوک کا عکس'' اور ''سرائیکی زبان کا تدریجی ارتقاء اور اس کی ضروریات'' جیسے مضامین میں

تنقیدی عنصر نمایاں ہے۔

لیکن سرائیکی زبان میں باقاعدہ تنقیدی کتابوں کا آغاز حیدر قریشی کی کتاب ''سرائیکی غزل'' سے کیا جاسکتا ہے، جسے جدید ادب پبلی کیشنز خان پور نے ممتاز اکیڈمی بھٹہ واہن کے تعاون سے ستمبر ۱۹۸۰ء میں شائع کیا تھا۔ ۶۴ صفحات کی یہ کتاب م۔ی قیصرانی کے مضمون ''غزل تے سرائیکی دامزاج'' مطبوعہ ''سوجھلا'' شمارہ نمبر ۶ (دسمبر ۱۹۷۹ء) کے جواب میں لکھی گئی۔ حیدر قریشی نے قیصرانی کی طرف سے سرائیکی میں غزل گوئی کو مسترد کیے جانے کے دعوے کو اپنے مضمون ''سرائیکی غزل'' میں باطل قرار دیا اور ثبوت کے طور پر ۳۸ شعراء کی سرائیکی غزلوں کا ایک انتخاب بھی پیش کیا۔ اسی کتاب میں حیدر قریشی کا مضمون ''فن و اظہار'' صفحہ ۶۰ تا ۶۴ بھی خاصے کی چیز ہے۔

اسی طرح ادبی تنقید کے متعلق نظریاتی تنقید پر مشتمل سرائیکی کی پہلی کتاب دلشاد کلانچوی نے ''تنقید دیاں پوڑیاں'' کے نام سے لکھی، جسے سرائیکی لائبریری بہاولپور نے ۹۶ صفحے کی کتابی شکل میں ۱۹۸۱ء میں شائع کیا۔ اس میں نو عنوانات ادب، ادب کی تنقید، ادب میں علامتیں، تنقید، تنقید کی سیڑھیاں، تنقید کے دبستان، شعری تنقید اور ادب میں علامتوں پر لکھا گیا ہے، ''پہلی بات'' میں کلانچوی صاحب لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک سرائیکی ادبی تنقید کا مسئلہ ہے یہ ابھی گھٹنوں کے بل چل رہی ہے، اسے انگلی تھما کر چلانے کی ضرورت اور جلدی بھی ہے، کیونکہ تنقید کے بغیر کوئی ادب ترقی ہی نہیں کرسکتا، اس طرح مجھے کافی عرصے سے خیال تھا، یہی وجہ ہے کہ میں تنقیدی مضمون، تبصرے، ترتیب و تدوین جیسے کام کرتا رہا ہوں اور تنقید کی کچھ سوجھ بوجھ پیدا ہوگئی ہے، کچھ جرات ہوئی ہے تو یہ کتاب پیش کر رہا ہوں''۔

آگے چل کر وہ اعتراف کرتے ہیں کہ:

''میں کوئی بڑا نقاد نہیں، چند ایک تنقیدی کتابیں پڑھی اور سمجھی ہیں۔ اس لحاظ سے میری یہ کتاب ایک قسم کا مطالعہ ہے''۔

عملی تنقید کی پہلی مثال اسلم رسولپوری کے ادبی تنقیدی سرائیکی مضمونوں کا مجموعہ ''تلاوڑے'' ثابت ہوتی ہے۔ بزم ثقافت ملتان نے ۱۲۷ صفحے کی یہ کتاب ستمبر ۱۹۸۷ء میں شائع کی۔ اسے ''افکار جائزے، لوک ورثہ اور تلاوڑے'' میں بانٹا گیا ہے، اس کتاب کا چوتھا حصہ ''تلاوڑے'' تین سرائیکی کتابوں ''پیت دے پند'' (سفرنامہ) ''اُچی دھرتی جھکا اسمان'' (افسانہ) اور ''سانولی دھپ'' (افسانہ) کا تنقیدی جائزہ ہے۔ لہٰذا سرائیکی تنقید نے ایک راہ متعین کر لی اور اگلے سال اکتوبر ۱۹۸۸ء میں دلشاد کلانچوی کی طرف سے پندرہ سرائیکی کتابوں پر تنقیدی مضمونوں کا مجموعہ ''ادبی چول پڑچول'' سامنے آیا۔ ۶۴ صفحے کی یہ کتاب اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے شائع کی۔ مگر ابھی سرائیکی تنقید، تعریف و توصیف سے باہر نہیں نکل پائی تھی۔ دلشاد کلانچوی لکھتے ہیں:

''میں تنقید کرتے وقت مخلص رہنا چاہتا ہوں اور رہتا ہوں۔ مگر میرے سامنے کسی کی اتنی ساری خوبیاں اور صلاحیتیں جھمگھٹا کر کے آ جاتی ہیں اور کمزوریوں کوتاہیوں کو اپنے پیچھے چھپا لیتی ہیں کہ بندہ دیکھ نہیں سکتا یا دیکھنے کی جگہ ملتی ہے نہ فرصت''۔ (ح۔۳)

۱۹۹۲ء میں ایک ساتھ اُردو زبان کے دو پروفیسر ڈاکٹر ادیبوں کی تنقیدی کتابیں سامنے آتی ہیں۔ میری مراد نواز کاوش کی ''ترکہ'' اور قاسم جلال کی ''التا'' سے ہے۔ بہاولپور سے شائع ہونے والی سوا سو سے ڈیڑھ سو صفحوں کے درمیان کی یہ کتابیں تنقید کے ٹائٹل سے ہی سامنے لائی گئی ہیں۔ ''التا'' پر سرائیکی تنقیدی مضمونوں کا مجموعہ لکھا ہے اور ''ترکہ'' کے دیباچہ نگار ڈاکٹر طاہر تونسوی نے اس کا عنوان ''نواز کاوش دیاں تنقیدی تحریراں'' تجویز کیا ہے۔ دونوں میں سرائیکی شخصیات، اصناف، موضوعات اور سرائیکی کتابوں پر مضمون شامل کیے گئے ہیں۔ مگر نہ تو ان دونوں میں تحقیقی گہرائی ہے اور نہ ہی تنقیدی پہلو نمایاں ہو کر سامنے آیا ہے۔ یہ ادب کے کسی طالب علم کے

Scanned with CamScanner

چلتے نوٹس لگتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے شعبہ سرائیکی کے آغاز پر دونوں صاحبان اعزازی طور پر پڑھانے جانے لگے تو انھیں طلبہ کی سطح پر آ کر لیکچر تیار کرنا پڑے ہوں یا پھر ریڈیو اور اخباری ضرورتوں کے تحت مختلف اوقات میں لکھے گئے سرسری مضمونوں کو بغیر اپ ٹو ڈیٹ کیے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا ہو۔ ''ترکہ'' میں یہ خامی خاص طور پر اُجاگر ہو کر سامنے آتی ہے کہ سال اشاعت تو ۱۹۹۲ء ہے مگر مواد کئی سال پیچھے کا ہے۔ یاد رہے کہ یہ خامی ''تلاوڑے'' میں بھی تھی، جس میں کتاب کے ناشر کو صفحہ ۳۰ اور ۴۲ پر نوٹ دینا پڑے تھے۔ اسی طرح یہ خامی ''تلاوڑے'' کے ساتھ میں آنے والی دلشاد کلانچوی کی ایوارڈ یافتہ کتاب ''سرائیکی زبان تے ادب'' مطبوعہ مئی ۱۹۸۷ء میں بھی پائی گئی ہے۔ جس کا اعتراف انھوں نے خود ماہنامہ ''سنہڑا'' کے ''کلانچوی نمبر'' میں کیا ہے۔

> ''کتاب سرائیکی زبان تے ادب ۸۴۔۱۹۸۳ء میں چھپنی تھی۔ مجلس کی مقدمے بازی کی وجہ سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کو اپ ٹو ڈیٹ نہیں کیا جاسکا۔ یہ شکوہ سرائیکی کے سارے ادیبوں کو ہے، صرف آپ کو نہیں۔ میں معذرت چاہتا ہوں، باقی حوالے بھی اسی وجہ سے نہیں دیے جاسکے۔ یہ میری کتاب کی بڑی خامی ہے، جواب دور نہیں کی جاسکتی''۔

مُدیر ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان نے فروری ۱۹۷۳ء کے شمارے میں صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے:

> ''ہمارے لیے اُس وقت مشکل پیدا ہو جاتی ہے جب قلمکار دیگر حضرات پر تعریفی مضامین یا کتابوں پر تبصروں کی بھر مار کر دیتے ہیں۔ بعض وقت یہ ہوتا ہے کہ ایک کتاب پر آٹھ دس تبصرے لکھوا کر بھجوا دیتے ہیں۔''

۱۹۹۵ء میں سرائیکی ادبی تنقید نے ایک نئی کروٹ لی اور سرائیکی شعری مجموعوں میں علم عروض کی غلطیاں نکالنے والے نقاد محمد اکرم قریشی کی اپنی مثنوی ''شیشہ'' پر خامر بہاولپوری نے یکم

اگست ۱۹۹۵ء کو ۱۶ صفحے کا کتابچہ ''شیشہ ، تنقیدی جائزہ'' کے عنوان سے شائع کیا، جس کا جواب محمد اکرم قریشی نے ''جواب تنقید'' کے نام سے ۲۸ صفحے کے کتابچے میں ۲۲ اگست کو ہی شائع کر دیا۔ اس طرح تنقیدی مباحث کی صحت مند روایت قائم ہوئی۔

سرائیکی شاعری کی کُتب ، شعری عُروض اور فنّی تقاضوں کے حوالے سے جو کُتب شائع ہوئیں۔ محمد اکرم قریشی کی مُرتّبہ ''چہل (۴۰) رسائل جلد اوّل ، جلد دوم ، جلد سوم''، ''تنقیدِ شعر'' مُرتّبہ جولائی ۲۰۰۵ء میں پندرہ شعری کُتب پر تنقیدی کتابچے شامل کیے گئے ہیں۔ اِس طرح غلام فرید ساجد بلوچ کی ''شیشہ'' جلد اوّل اور جلد دوم اِن میں شامل کتابچوں کا سال وار جائزہ پیش ہے۔ سب سے پہلے محمد اکرم قریشی مرحوم کے دس تنقیدی کتابچے یہ ہیں۔

۱۔ اعجاز ڈیروی کی ''کلھیپا'' پر ''گرم کچاری'' دسمبر ۱۹۹۳ء طبع دوم فروری ۲۰۰۰ء — صفحات سولہ

۲۔ شکیل پتافی کی ''اکھ بے خواب عذاب'' پر ''متشاعری عذاب'' ۲۰۰۰ء — صفحات چھ

۳۔ شفقت بزدار کی ''نکھیڑے'' پر ''بکھیڑے'' جنوری ۲۰۰۰ء — صفحات اٹھارہ

۴۔ فیض بلوچ کی ''تھل دی تَس'' پر ''وَس بدلہ وَس'' جولائی ۲۰۰۰ء — صفحات سولہ

۵۔ احمد خان طارق کی ''متاں مال وَلے'' پر ''شالا ہوش وَلے'' اگست ۲۰۰۰ء — صفحات بارہ

۶۔ قیس فریدی کی ''نمرؤ'' پر ''دیم رُؤ'' اگست ۲۰۰۱ء — صفحات سولہ

۷۔ قیس فریدی کی ''آمشام'' پر ''پگر دھگڑ'' نومبر ۲۰۰۱ء — صفحات سولہ

۸۔ سفیر لاشاری کی ''دِیپرے'' پر ''بے فکرے'' فروری ۲۰۰۲ء — صفحات سولہ

۹۔ سعید احمد راشد کی ''انگل'' پر ''دنگل''، اپریل ۲۰۰۲ء — صفحات سولہ

۱۰۔ سرور کربلائی کی ''سجھ دا سینہ'' پر ''سجھ دا سینہ داغ داغ'' جولائی ۲۰۰۴ء — صفحات بیس

غلام فرید ساجد بلوچ کے سات کتابچے

۱۔ عشقیہ ڈوہڑے۔ ترجیحا حصہ (عشقیہ ڈوہڑے۔ ہر شعر کا ایک ڈوہڑہ) ستمبر ۱۹۸۹ء — ۱۶ صفحے

۲۔ ساقی سمنوی کی ''بے خواب نندراں'' پر ''سخت جگارے'' جنوری ۱۹۹۹ء — ۱۶ صفحے

۳۔ اعجاز ڈیروی کی ''پردیسی وَل آ'' پر ''پردیسی مشکل وَلے'' ستمبر ۱۹۹۹ء — ۱۶ صفحے

۴۔ عزیز شاہد کی ''اول'' پر ''اول دا پول'' جون ۲۰۰۰ء (۸ صفحے) دوم اگست ۲۰۰۳ء (۱۴ صفحے)

۵۔ اقبال سوکڑی کی "لیر ولیر پچھانواں"، نومبر ۲۰۰۰ء

۶۔ امان اللہ رشد کی "ارشد دے ڈوہڑے" پر "ڈوہڑیں دی صلاح" اپریل ۲۰۰۱ء ۱۶ صفحے

۷۔ ادبی چول۔ پڑچول۔ مختلف شعراء ۱۲ صفحے

مئی ۲۰۰۱ء ۵۰ صفحے

(اِس میں واجد ڈیروی، ساقی سمینوی، عزیز شاہد، رمضان طالب، نواز جاوید، جہانگیر مخلص اور حمید الفت ملغانی پر تنقید کی گئی ہے۔)

ان کے علاوہ نواز بزدار نے اقبال وارث کی "اُڈر دی ڈھوڑ" پر "وَسدا مہینہ" فروری ۲۰۰۸ء ۸ صفحے منشاء فریدی نے شبیر ناز کی "چُپ دی چِیک" پر "چِیک تے لِیک" دسمبر ۲۰۰۲ء صفحات ۱۶ بھی چھپیں۔ یہ سب بزم اکرم مانہ احمدانی ڈیرہ غازی خان کے دبستانِ عروض کی کارستانیاں تھیں۔ محمد اکرم قریشی مرحوم نے (۱) فروری ۱۹۹۹ء میں "علمِ عروض" ۱۶ صفحے (۲) اکتوبر ۱۹۸۹ء میں، طبع دوم مئی ۲۰۰۰ء میں "ادب تے عروض" صفحات ۱۶ (۳) مئی ۱۹۹۰ء میں طبع دوم اپریل ۲۰۰۰ء میں "شاعری دافن" صفحات سولہ تین کتابچے شائع کیے۔ محمد اکرم قریشی کی اصل وجہ شہرت قیس فریدی کے مُرتّبہ "دیوانِ فریدؒ" ناشر متعدد بار جھوک پبلشرز۔ ملتان پر تنقید کے حوالے سے ہوئی۔ یہ تنقید ایک طویل مراسلہ بازی (سرکلر) کی صورت جاری رہی۔ جس کا مکمل ریکارڈ میرے پاس موجود ہے۔ تاہم "دیوان فریدؒ فنِ عجیب،، کے عنوان سے ایک سولہ صفحے کا کتابچہ اپریل ۹۹ء میں چھپا۔ جبکہ اس سے پہلے "فریدی دیوان عروضی میزان" صفحات سولہ کتابچہ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں اور پھر مارچ ۲۰۰۰ء میں سامنے لایا گیا۔ "پاسبانِ فریدؒ" کہلانے والے محمد اکرم قریشی نے "مُستند دیوان فریدؒ" کے نام سے سرائیکی دیوان مُرتّب کیا اور جب خواجہ طاہر محمود کوریجہ نے "دیوان خواجہ فریدؒ مُرتّب کیا تو ایک بار پھر ۳۷ صفحات پر مُشتمل تنقید "ڈو دیوانیں دا تقابلی جائزہ" کے عُنوان سے اگست ۲۰۰۲ء میں شائع کی۔ دبستان اکرم کے ایک دوسرے نقاد فرید ساجد بلوچ کی "ادبی پڑچول" مطبوعہ مئی ۲۰۰۱ء میں بھی صفحہ ۳۷ تا ۴۳ میں "سُھپ یا ڈَڈھپ" کے عنوان سے یہ بازگشت سنائی دیتی ہے۔ مجاہد جتوئی نے بھی خواجہ فریدؒ فاؤنڈیشن کوٹ

مٹھن سے ’’تجزیہ کُلیاتِ فرید‘‘، صفحات ۳۲ کے عنوان سے شفقت تنویر مرزا کے مُرتبہ ’’کلیاتِ فرید‘‘ پر تنقید کی تو نتیجتاً تونسہ تک حمید ڈیرہ غازی خان کے ایک اور شخص ابو محمد منظور بن عبدالحمید آفاقی نے کلامِ فریدؒ کی اصلاح کر کے ’’کلیدِ فریدؒ‘‘ کے عنوان سے دو جلدوں میں پیش کر ڈالا۔

اب سرائیکی شاعروں کے بعد شاعری، اُن کا فن اور فنی خوبیاں تنقید کا موضوع بنیں تو مارچ ۱۹۹۷ء میں ڈاکٹر نواز شہانوی نے بزمِ شعروسخن، شہانی ضلع بھکر سے ۴۳۱ صفحات پر مشتمل ’’شاعری دے گُر‘‘ کے عنوان سے شائع کی۔ جس میں مختلف شعری اصناف، بحروں اور صنعتوں کے حوالے سے سرائیکی شعراء کے کلام کا جائزہ لیا گیا۔ ستمبر ۲۰۰۱ء میں حاجی بلوچ جو خود شاعر بھی تھے، ’’شعر کی تشریح‘‘، ’’آبدی آبدی‘‘ کے حوالے سے ۸۰ صفحے کی کتاب ’’گفنی دالڑو‘‘ کے عنوان سے تعمیرِ ادب لاہور سے شائع کرایا۔ پروفیسر شوکت مغل نے ۲۰۰۵ء میں ’’سرائیکی زبان وچ ’’کِنایہ تے قرینہ‘‘، یعنی علم بیان وعلم معانی پر ۱۷۴ صفحے کی کتاب شائع کی تو اِس سال ماہرِ علمِ عروض محمد اکرم قریشی کی کتاب ’’علمِ عروض‘‘ بزمِ ثقافت ملتان نے جون ۲۰۰۵ء میں شائع کی۔ ۲۰۰۶ء میں عبدالطیف بھٹی نے ’’چھند پکڑی‘‘ کے عنوان سے شعری تنقید پر ایک کتاب ’’سندھ وادی دے شعری تکلاوڑے دی گول‘‘ کے ذیلی عُنوان سے لکھ ڈالی۔ جسے جھوک پبلشرز ملتان نے ۱۲۸ صفحات کی کتابی صورت میں شائع کیا۔ ۲۰۰۷ء میں ڈاکٹر مزمّل حسین نے علمِ بدیع کے حوالے سے ’’بلاغت دا فن تے سرائیکی شاعری‘‘ کے عنوان سے کتاب لکھی۔ ۱۷۱ صفحات کی یہ کتاب سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی ملتان نے شائع کی۔ اس کے تین ابواب صنائع لفظی ومعنوی سے متعلق ہیں۔ اس کے بعد شاعر یا شاعروں کی شاعری پر تنقیدی نظر ڈالی گئی تو یہ کتابیں سامنے آئیں۔

حفیظ خان نے ایک جدید شاعر پر ’’رفعت عباس کی سرائیکی شاعری‘‘ کے عنوان سے ۳۲۴ صفحات کی کتاب لکھ ڈالی جسے ۲۰۰۶ء میں ہی ملتان انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ سنٹر ملتان نے شائع کیا۔ ۲۰۰۷ء میں جدید سرائیکی شاعری تے اجو کا بندہ کے عنوان سے ۵ سرائیکی شعراء نصراللہ ناصر، رفعت عباس، ارشاد تونسوی، جہانگیر مخلص اور خالد اقبال پر آٹھ مضامین کا

مجموعہ ۱۲۸ صفحات کی کتابی شکل میں جھوک پبلشرز ملتان نے شائع کیا۔ ''ملتان کی صوفیانہ شاعری'' نام کی کتاب سیّد سبطین گیلانی نے لکھی۔ ۲۰۰۸ء میں پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف لینگوئج، کلچر اینڈ آرٹس لاہور نے ۱۰۳ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کی۔

اِس کے بعد نثری اصناف کی باری آئی تو قُدسیہ قاسم نے ''سرائیکی اَصناف دافن و یورا''، ۲۰۰۷ء میں وسیب پبلشرز بہاولپور سے ۳۴۸ صفحات کی کتابی صورت میں شائع کی تو ڈاکٹر اسلم عزیز دُرّانی نے ۲۰۰۸ء میں ''سرائیکی ناول نگاری'' کے عنوان سے ۱۱۲ صفحات کی کتاب سرائیکی ادبی بورڈ ملتان سے شائع کرائی۔

اسی سال یکم مارچ کو جہاں سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ''سرائیکی وچ مزاحمتی شاعری'' نام کے ۱۳۶ صفحے کی سرائیکی کتاب میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کا اسی عنوان سے اردو میں تنقیدی مقالہ صفحہ ۱۷ تا ۵۳ شائع کیا، وہاں دلشاد کلانچوی کی کتاب ''سرائیکی باغ بہاراں'' اُن کے اپنے ادارے اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے دسمبر 1995ء میں شائع کی۔ ۲۳۲ صفحے کی اس کتاب میں دلشاد کلانچوی کا تنقیدی اسلوب نسبتاً نکھر کر سامنے آیا ہے۔ اگر چہ کہ کلانچوی مرحوم اپنے روایتی موضوعات سے باہر تو نہیں نکلے مگر اپنی بیٹی مسرت کلانچوی کے ساتھ ساتھ بتول رحمانی کے افسانوں، ظفر لشاری کے ناول، حفیظ خان کے ڈراموں اور سلیم ملک کے انشائیوں کے حوالے سے ہم عصر تخلیق کاروں پر بات کی گئی ہے۔ کلانچوی نے ''ادبی چول پڑچول'' میں لکھا تھا کہ:

> ''تنقید کا فن مشکل بھی ہے اور نازک بھی۔ مشکل اس لیے کہ تنقید کے اصولوں اور ضرورتوں کو اکٹھے لے کر چلنا مشکل ہے، نازک اس لیے کہ ذرا سی کوئی بات تلخ ہوئی نہیں کہ یار لوگ ناراض ہو جاتے ہیں اور پھر منّنے میں نہیں آتے۔ کسی کی تعریفیں لکھ دو تو طعنے ملتے ہیں کہ یار کی یاری نبھائی گئی ہے اور بس''۔ (ح۔۵)

Scanned with CamScanner

اس بات کو سامنے رکھ کر راقم الحروف نے اپنی کتاب ''سرائیکی ادب ٹورتے پندھ'' مطبوعہ یکم اکتوبر ۱۹۹۶ء ناشر مجلس سرائیکی مصنفین ۔ پاکستان صفحات ۶۳۲ میں ہم عصر ادیبوں، شاعروں کی ۳۷ کتابوں پر تنقید کی ہے مگر ڈر ڈر کر جس کا اظہار کتاب میں یوں کیا ہے:

''ہم عصر ادیبوں شاعروں کی کتابوں پر تنقید بہت صبر آزما اور حوصلے کا کام ہے۔ مجھے اس سے تلخ تجربے ہو چکے ہیں...... مگر میرا خیال ہے سرائیکی میں آج تک چھپی ہوئی تنقید اصل میں تنقید نہیں...... تبھی میں یہ کڑوا گھونٹ پی رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے چھپنے سے میری ادبی تعلق داریاں متاثر ہوں گی۔ میرے خلاف ادبی محاذ بھی کھڑے ہو سکتے ہیں مگر میں آنے والے دور کے قاری، محقق اور نقاد کے آگے سرخرو ہونا چاہتا ہوں'' (ح۔۶)

میرے اس تنقیدی اسلوب کو بہت سے نقادوں نے سراہا۔ ایک تبصرہ دیکھیے رحیم طلب لکھتے ہیں:

''سجاد حیدر پرویز سرائیکی ادب میں ایک مخصوص دبستان کے نمائندہ قلم کار ہیں۔ مگر انھوں نے تنقید میں دیانتداری اور توازن کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ البتہ یہ تنقید خوفناک حد تک حقیقت پسندانہ ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی کتابوں پر چھپنے والی سخت تنقیدوں کو بھی کتاب میں شامل کرنے سے نہیں ہچکچائے۔ یوں محض تعریف و توصیف پر مشتمل روایتی تنقید کو چھوڑ کر اپنے ہم عصر ادیبوں شاعروں کے کام پر تنقید کر کے ایک صحت مند روایت قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے''۔ (ح۔۷)

''سرائیکی ادب ریت تے روایت'' مارچ ۱۹۹۴ء میں بیکن بکس ملتان نے شائع کی تھی۔ جس کے مصنف ڈاکٹر طاہر تونسوی نے کتاب میں صفحے پر اسے خود تنقیدی مضمونوں کا مجموعہ بھی لکھا ہے اور کتاب کے دیباچہ نگار شوکت مغل نے لکھا ہے کہ:

> ''سرائیکی ادب ریت تے روایت۔ سرائیکی ادب کے لکھاریوں پرایک بھرپور ناقدانہ رائے کا اظہار بھی ہے۔ کتاب کے مصنف نے اپنی خوبصورت زبان میں سرائیکی لکھاریوں میں کچھ عظیم ہستیوں کے بارے میں کچھ ایسی جچی تلی باتیں کی ہیں، جنھیں نقاد بطور حوالہ پیش کریں گے''۔ (ح۔۸)

دلشاد کلانچوی کی آخری یادگار کتاب ''سرائیکی ادب دی چنگیر'' ۱۲۰ صفحے کی ہے، جسے سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا ہے۔ اس میں شامل پندرہ مضمونوں میں سے ایک ''تانگھاں لگدئن سانگاں'' ہے۔ جس میں لکھتے ہیں:

> ''یہ تو ہیں کچھ باتیں جونواز جاوید کے تازہ شعری مجموعے ''تانگھاں'' کے حوالے سے آپ کے گوش گزار کی ہیں''۔ (ح۔۹)

یادر ہے کہ یہ کتاب یکم جون ۱۹۸۷ء کو اور کلانچوی مرحوم کی کتاب ۱۹۹۶ء کے آخر میں شائع ہوئی۔ دس سالوں میں ''تانگھاں'' تازہ کیسے رہی، یہ تو مرحوم ہی بہتر بتا سکتے تھے، تاہم غالب خیال یہ ہے کہ کلانچوی مرحوم آخری عمر میں اپنے لکھے ہوئے تمام ادبی سرمائے کو کتابی شکل میں محفوظ کر دینا چاہتے تھے۔ ایک اور مضمون ''سرائیکی زبان وچ قومی ادب'' ہے جو صفحہ ۱۹ تا ۲۳ پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں سرائیکی زبان کے اندر لکھے گئے قومی ادب کے حوالے سے کسی نثری یا منظوم تحریر، کتابچہ یا کتاب کا ذکر یا حوالہ تک موجود نہیں ہے، پھر اسے ''سرائیکی زبان میں قومی ادب'' کا نام دینا فہم سے بالاتر ہے۔

۱۹۹۶ء ہی میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے صدیق طاہر مرحوم کے تحقیقی تنقیدی مضمونوں کا مجموعہ ''ویورے'' ان کی وفات کے تقریباً پانچ سال بعد شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں اٹھارہ مضمون شامل ہیں۔ جن میں چار صرف سچل سرمستؒ پر ہیں، زیادہ تر مضامین مختلف سیمیناروں میں پڑھے گئے مقالات کی تلخیص ہیں۔ ادبی تاریخ کے حوالے سے لکھے گئے مضامین

Scanned with CamScanner

(جیسے ''سرائیکی ادب آزادی دے بعد'') کیونکہ بہت پہلے لکھے گئے ہیں، اس لیے آج کچھ زیادہ مفید نہیں ہیں۔ مثلاً اسی مضمون میں لکھتے ہیں:

''ملتان میں ریڈیو سٹیشن کے قیام کی البتہ توقع ہے کہ وہ زبان کی ترقی کے لیے مفید ثابت ہوگا''۔(ح۔۱۰)

یاد رہے کہ ریڈیو ملتان نے اپنی نشریات کا آغاز ۲۱ نومبر ۱۹۷۰ء کو کیا تھا، یعنی یہ مضمون ۲۷ سال سے بھی پہلے لکھا گیا تھا۔

مندرجہ بالا شواہد کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مختلف وجوہ کی بنا پر سرائیکی ادبی تنقید تاحال دیگر زبانوں کے مقابلے میں ترقی پذیر ہے۔ تاہم تسلسل کے ساتھ شائع ہونے والے مواد کو دیکھ کر امید کی جاسکتی ہے کہ آئندہ چند سالوں میں اپنا صحیح مقام پالے گی۔ آنے والے دور میں بھی سرائیکی زبان وادب اور کتب پر تنقیدی مضامین اور تبصرے شائع ہوتے رہے۔ مثلاً دسمبر ۹۷ء میں شعبہ سرائیکی اسلامیہ یونیورسٹی کے مجلّے ''سویل'' میں چھٹا حصہ کتابوں کے تعارف اور تبصروں پر مشتمل تھا۔ ۱۹۹۸ء میں حسین سحر کی ''سوچ وِچار'' میں بھی سرائیکی کتب پر تنقیدی تبصرے تھے۔ ۲۰۰۰ء میں مزمّل حسین کی التحریر۔ لاہور سے چھپنے والی اُردو کتاب ''نئے زاویے'' نوید شہزاد کی البرکت پبلشرز ملتان کی طرف سے پنجابی کتاب میں بھی سرائیکی تنقیدی مواد موجود ہے۔ ۲۰۰۱ء میں پروفیسر شوکت مغل کی ''کنوتے کنڈوا'' کا دوسرا حصہ تنقیدی ہے۔ سجاد حیدر پرویز کی اس سال دو اُردو کتب ''سرائیکی زبان وادب کی مختصر تاریخ'' ناشر مقتدرہ قومی زبان کا سرائیکی تنقید نگاری پر مضمون اور ''اُردو اور سرائیکی کے باہم تراجم'' میں تراجم کا تنقیدی جائزہ موجود ہے۔ ۲۰۰۳ء میں حمید اُلفت ملغانی کی کتاب ''لکھت تے لکھاری'' میں بھی تنقید موجود ہے۔ فیض بلوچ کی ''سرائیکی شاعری وِچ غزل گوئی'' میں بھی مختلف موضوعات کے حوالے سے سرائیکی غزل کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔ ۲۰۰۶ء میں شوکت مغل کی ''کنائی'' صفحات ۲۴۰ میں بھی کتب پر مضمون، دیباچے اور تبصرے موجود ہیں۔ اِسی طرح ۲۰۰۷ء میں اُردو کتاب ''اَفادات'' میں کتب

اور تبصرے کے حوالے سے سرائیکی کتابیں بھی شامل ہیں۔ ۲۰۰۷ء کی کتب میں ڈاکٹر نصر اللہ خان ناصر کی ''سرائیکی شاعری دا ارتقاء'' صفحات ۸۴۰ ،اور حفیظ خان کی خرم بہاولپوری ''شخصیت ،فن اور منتخب کلام'' صفحات ۴۰۰ بھی تنقیدی کتابیں ہیں جبکہ ۲۰۰۸ء میں شوکت مغل کے ''مقدمات'' (مرتب مقبول گیلانی) کے علاوہ ڈاکٹر شکیل تپانی کی ''سرائیکی ادبی مقالات'' صفحات ۱۴۴ ناشر سرائیکی ادبی بورڈ ملتان بھی تنقید کے زمرے میں شمار ہوں گی۔

Scanned with CamScanner

تراجم

۱۔اُردو سے تراجم

(الف)منظوم تراجم

''باغ و بہار ملتانی، الموسوم بہ گلشن اسرارِ مرتضوی'' امام بخش قوم افغان عیسیٰ زئی معروف قاضی ساکن شیرو تحصیل و ضلع ڈیرہ غازی خان کے میر امن دہلوی کے اردو ''قصہ باغ و بہار'' کا منظوم سرائیکی ترجمہ ہے، جسے قاضی امام بخش شیروی نے ۲ ماہ صفر ۱۳۰۰ھ پیر کے دن ظہر کے وقت مکمل کیا۔ اسے مولوی لطف علی کے ''سیفل نامے'' کی طرز میں نظم کیا گیا ہے۔ قصے کے سوا دو ہزار کے قریب اشعار ہیں، سارا قصہ ۳۵۰ بندوں کی شکل میں نظم کیا گیا ہے، ہر بند کے شعروں کے تعداد علیحدہ علیحدہ ہے، اسی طرح ہر بند اپنے قافیے اور ردیف کے حساب سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اسے مولوی خیر الدین صابر، محمد فخر الدین تاجران کتب ملتان نے مطبع الٰہی آگرہ سے ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں ۱۴۲ صفحات کی کتابی شکل میں شائع کیا۔ بعد میں اقبال صلاح الدین نے اسے مدون کیا اور سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور سے ۱۹۸۸ء میں ۱۸۴ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کرایا۔

''غالب دیاں غزلاں'' دلشاد کلانچوی کا منتخب کلام غالبؔ کا منظوم ترجمہ ہے۔ چھیانوے (۹۶) صفحے کی یہ کتاب ۱۹۶۹ء میں مکتبہ میری لائبریری لاہور نے شائع کی ہے۔ اصل متن خفی اور ترجمہ جلی ہے۔

''بالِ جبریل'' نسیم لیہ کا علامہ اقبال کی کتاب ''بالِ جبریل'' کے پہلے حصے کی غزلوں کا ترجمہ ہے۔ ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ مترجم نے کسی شعر کے قافیے کو نہیں چھیڑا۔ ۸۰ صفحے کی اس کتاب کو بزم سرائیکی چمن لیہ نے ۱۹۷۴ء میں شائع کیا۔

Scanned with CamScanner

''چونڑویاں نظماں'' فرحت نواز کی کتاب ہے۔ ۸۰ صفحے کی یہ کتاب جدید ادب پبلی کیشنز خان پور نے ستمبر ۱۹۸۰ء میں شائع کی ہے۔ یہ کتاب جدید اردو نثر کے شاعر ڈاکٹر وزیر آغا کی اردو نظموں کا سرائیکی ترجمہ ہے۔ فرحت نواز کے چار ترجموں کے علاوہ نقوی احمد پوری، مظہر مسعود، حیدر قریشی، اظہر ادیب، رفیق احمد پوری اور پروین عزیز کے تین تین ترجمے، صدیق طاہر، قیس فریدی اور ایوب ندیم کے دو، دو جبکہ صفدر صدیق رضی کا ایک ترجمہ شامل ہے۔

''میڈی دھرتی میڈے لوک'' ممتاز حیدڈاہر کا نثری نظم میں ترجمہ ہے۔ ۸۰ صفحے کی اس کتاب کو ۱۹۸۱ء میں سوجھلا اشاعتی ادارہ بھٹہ واہن نے شائع کیا ہے۔ کتاب جی ششیندر شرما کے بین الاقوامی اہمیت کے جدید تیلگو رزمیہ ''نادشیمو ناپرجلو'' کا ترجمہ ہے۔ مترجم کے مطابق یہ ترجمہ اختر حسین کے اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۶ء سے کیا گیا ہے۔

''دلبہار'' میر حسن دہلوی کی مشہور اُردو مثنوی ''سحرالبیان'' کا ترجمہ ہے۔ مترجم دلشاد کلانچوی کی ۱۲۸ صفحات کی اس کتاب کو ۱۹۸۴ء میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کیا ہے۔
''ڈھیر برساتاں دے بعد'' ڈاکٹر ایاز احمد ایاز سہروردی کے تراجم پر مشتمل ہے۔ ۲۴ صفحے کے اس کتابچے (جسے ۱۹۸۸ء میں سرائیکی اکادمی صادق آباد نے شائع کیا) اور شعراء فیض اور فراز کی نوتخلیقات معہ سرائیکی منظوم ترجمہ کے شامل ہیں۔ بعد میں یہ کتابچہ مترجم کی جنوری ۱۹۹۵ء میں چھپنے والی مختلف تراجم پر مشتمل کتاب ''ترلے'' صفحات ۲۷ میں بھی شامل کیا گیا ہے۔
''روح رہان'' بھی ایاز سہروردی ہی کا ترجمہ ہے۔ صادق آباد سے یہ کتاب ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ علامہ اقبال کے ''شکوہ جواب شکوہ'' کا ترجمہ ہے۔ ہر صفحے پر اصل نظم کا ایک اردو بند اور پھر اس کے نیچے اس کا سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے۔ ایاز اکادمی حسن ابدال نے ۴۹۰ صفحات کی ''سروزِ ساربان'' (دیوانِ ایاز فقیر) میں اقبال کے ''شکوہ جواب شکوہ'' کا ترجمہ ''زوح رہان'' مع اضافہ، دوسرے ایڈیشن (صفحات ۲۴) کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کی مرتبہ ''علامہ اقبال تے سرائیکی زبان وادب'' میں بھی کلامِ اقبالؒ کے سرائیکی تراجم موجود ہیں۔ ناشر سرائیکی

ادبی بورڈ ملتان ہے۔ ''کتاب ذکر فریدؒ'' مطبوعہ ۱۹۹۴ء میں پہلی بار خواجہ فریدؒ کے اردو کلام کا منظوم سرائیکی ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔ محمد اسلم میتلا کی ۱۱۲ صفحے کی اس کتاب کو میتلا پبلی کیشنز نعمت والا جہانیاں نے شائع کیا۔ ہر اردو شعر کے بعد سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے۔ ترجمہ ہونے والے اشعار کی تعداد اٹھاون ہے۔

ب۔ نثری تراجم

''توبہ زاری'' نذیر احمد دہلوی کے اردو ناول ''توبتہ النصوح'' کا سرائیکی ترجمہ ہے جسے دلشاد کلانچوی نے کیا اور ۳۰۴ صفحات کی کتابی شکل میں ۱۹۷۷ء میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کیا۔

''انارکلی تے اقتدار دی ہوس'' نام کی کتاب مطبوعہ فروری ۱۹۷۸ء میں دلشاد کلانچوی نے امتیاز علی تاج کے شاہکار اردو ڈرامے ''انارکلی'' کا ماخوذ سرائیکی ترجمہ کیا ہے۔ یہ ڈرامہ اس کتاب میں صفحہ ۸ سے ۲۴ پر موجود ہے۔ اسے سرائیکی لائبریری نے شائع کیا ہے۔

''قصے تے پڑ قصہ'' بھی دلشاد کلانچوی کا ترجمہ ہے۔ سرائیکی ادبی مجلس نے ۱۹۷۸ء ہی میں ۲۸۶ صفحے کی یہ کتاب شائع کی۔ یہ اردو کی کلاسیکل تصنیف ''قصہ چہار درویش'' کا ترجمہ ہے۔

مولانا عبدالحلیم شرر کے ناول ''فردوس بریں'' کو ''فردوس ٹھگالی'' کے عنوان سے نذیر علی شاہ نے ترجمہ کیا جسے سرائیکی ادبی مجلس نے ہی ۱۹۷۹ء میں ۲۴۲ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کیا۔

''خواباں وچ خیال'' مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب ''نیرنگ خیال'' کا ترجمہ ہے۔ دس مندرجات کا ترجمہ دلشاد کلانچوی نے چار کا فدائے اطہر نے اور دو کا اسلم قریشی نے کیا۔ ۱۱۶ صفحے کی یہ کتاب ۱۹۸۰ء میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کی۔

''منزلاں تے پندھیڑے'' فرحت نواز کے تراجم پر مشتمل کتاب ہے۔ جس میں کرشن

Scanned with CamScanner

چندر سے رشید امجد تک کے ۱۲۲ اہم افسانہ نگاروں کے افسانے ترجمہ کیے گئے ہیں۔ اسے جدید ادب پبلی کیشنز خان پور نے ۱۶۰ صفحے کی کتابی شکل میں ستمبر ۱۹۸۰ء میں شائع کیا۔

۱۹۸۱ء میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے آغا حشر کے تین ڈراموں کا سرائیکی ترجمہ الگ الگ کتاب شکل میں شائع کیا۔ ''رستم سہراب'' (رستم نے سہراب) کا اسلم قریشی نے ۱۱۲ صفحے میں، ''خوبصورت بلا'' (سیج ڈکھاندی سیج پھلاندی) کا دلشاد کلانچوی نے ۱۶۰ صفحے میں اور خواب ہستی (کوڑا خواب) کا فدائے اطہر نے ۱۱۲ صفحے میں ترجمہ کیا۔

''راز دیاں گالہیں'' قاسم جلال کی کتاب ہے جو خلیل جبران کی مشہور کتاب ''دی پرافٹ'' کا ترجمہ ہے۔ صفحہ ۱۳ کے مطابق یہ قاضی عبدالغفار کے اردو ترجمے کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔ ۹۶ صفحے کی یہ کتاب مارچ ۱۹۸۱ء میں فنکار اکیڈمی بہاولپور نے شائع کی۔

''سوہنے دا خلق''، شبلی نعمانی کی ''سیرت النبی ﷺ'' جلد دوم باب ''اخلاق نبوی ﷺ'' کا ترجمہ ہے جسے فدائے اطہر نے کیا اور سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۴۸ صفحے کی کتابی صورت میں ۱۹۸۲ء میں شائع کیا۔

''کتکالیاں'' ۱۱۲ صفحے کی کتاب ہے جسے اسی سال سرائیکی ادبی مجلس ہی نے شائع کیا۔ اسلم قریشی نے اس میں اردو ادب سے پانچ شاہکار طنزیہ ومزاحیہ مضمون ترجمہ کیے ہیں۔

سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور کی اگلی کتاب ''رسول کریم ﷺ دے معجزے'' ہے جو احمد سعید دہلوی کی کتاب ''معجزاتِ رسول ﷺ'' کا سرائیکی ترجمہ ہے۔ جس میں آں حضور ﷺ کے ۲۴۹ معجزے بیان کیے گئے ہیں۔ دلشاد کلانچوی کے اس ترجمے کو مئی ۱۹۸۳ء میں ۲۱۶ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

کتاب ''مرزا غلام احمد قادیانی (بانی جماعت احمدیہ) دے کتاباں وچوں چونڑویں حصے'' خان محمد لسکانی کا انتخاب و ترجمہ ہے جسے نظامت اشاعت ربوہ نے ۱۹۸۹ء میں ۵۱ صفحے کی

کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔

''ڈاج'' میں سجاد حیدر پرویز نے رسالہ ''الانسان'' کراچی کے مضمون ''رسم جہیز'' کا ترجمہ کیا ہے۔ جسے ۱۹۸۹ء میں ۸ صفحے کے کتابچے کی شکل میں کل پاکستان سیرت کانفرنس ڈیرہ نواب صاحب نے اور ۱۹۹۲ء میں نشرواشاعت کمیٹی پنجاب ٹی بی ایسوسی ایشن لاہور نے شائع کیا۔

''گل گلانواں ریت دا'' ممتاز مفتی کے ڈرامے ''لوک ریت'' کا ترجمہ ہے۔ حمید الفت ملغانی کا یہ ترجمہ ۹۶ صفحے کی کتابی شکل میں اکتوبر ۱۹۹۲ء میں تھل دمان سرائیکی سنگت لیہ نے شائع کیا ہے۔

''سندھ دی وادی'' (جغرافیہ، تاریخ، ثقافت تے ادب) عبدالجبار اثر کی کتاب ''وادی مہران کی سیر'' کی نئی ترتیب اور اختصار کے بعد کیا گیا ترجمہ ہے۔ سجاد حیدر پرویز کے اس ترجمہ کو ۷۷ صفحے کی کتابی شکل میں مہر پبلی کیشنز میر پور خاص سندھ نے جون ۱۹۹۳ء میں شائع کیا۔

کتاب ''خواجہ فریدؒ دے تعلیمی نظریات'' ظفر لشاری اور اشفاق حسین شاہ قمر کے پنجاب یونیورسٹی میں ایم ایڈ کی ڈگری کے لیے مشترکہ طور پر لکھے گئے اردو مقالے کا سرائیکی میں ظفر لشاری کا کیا گیا ترجمہ ہے۔ جسے پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے ۱۳۶ صفحے کی کتابی صورت میں اپریل ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔

''خلقت دی داری'' شگفتہ ہاشمی اور عفت گل اعزاز کے کتابچے ''خدمت خلق'' کے منتخب حصوں کا سرائیکی ترجمہ ہے۔ سجاد حیدر پرویز کے اس ترجمہ کو جولائی ۱۹۹۶ء میں پاکستان سوشل ایسوسی ایشن صادق گڑھ پیلس نے شائع کیا۔

ڈاکٹر سلیم اختر کی اُردو کتاب ''تنقیدی دبستان'' کا سرائیکی ترجمہ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان سے ۱۹۹۸ء میں چھپا۔ اِسی سال شوکت مغل کی ''سرائیکی اُردو مترادفات'' صفحات ۲۴ بھی سرائیکی اشاعتی ادارہ ملتان نے شائع کی جبکہ سجاد حیدر پرویز نے واصف علی واصفؒ کی اُردو

کتاب ''کرن کرن سورج'' کا سرائیکی ترجمہ ''کیڑاواں کیڑاواں سجھ'' صفحات ۹۴ جھوک پبلشرز ملتان سے اپریل ۲۰۰۰ء میں چھپوایا۔ حمید اُلفت ملتانی کا لکھنا ہے کہ:

''ترجمے کی یہ کتاب سرائیکی ادب میں اس لیے بھی خاصی اہمیت رکھتی ہے کہ یہ ترجمہ آسان اور عام فہم ہے۔ کہیں کوئی ایسی اصطلاح شامل کی گئی ہے جو نئی یا نا قابلِ فہم ہے تو اُس کا ترجمہ بریکٹ میں دیا گیا ہے۔''

(سرائیکی ادبی جھات ۲۰۰۰ء۔ صفحہ ۲۷)

''لغات دلشادیہ'' (اردو سرائیکی) اور ''ریت کریت'' کا ذکر اس عنوان تلے بھی ہوگا۔ ۲۰۰۰ء میں ہی اصغر عابد نے اُردو افسانہ نگار حمید شاہد کے ایک درجن افسانوں کے سرائیکی تراجم پر مشتمل کتاب ''پارو'' صفحات ۔۱۷۶ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان سے شائع کرائی۔ ملک عبداللہ خان کی ترجمہ شدہ ۵ چینی کہانیوں کو ''گالھے دی پوتھی'' کے عنوان سے پاکستان سرائیکی ادبی بورڈ بہاولپور نے ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔ ڈاکٹر اسلم عزیز دُرّانی نے عالمی زبانوں سے ۲۰ افسانے منتخب کر کے ''عالمی افسانے'' کے عنوان سے ترجمہ شدہ کتاب صفحات ۔۱۶۰ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان سے ۲۰۰۵ء میں چھپوائی۔ ایک پنجابی افسانے کے سات تراجم پر مشتمل کتاب 'ہفت اقلیم'' مطبوعہ اگست ۲۰۰۴ء صفحات ۱۲۸ میں سرائیکی ترجمہ سجاد حیدر پرویز نے کیا۔ سیٹھ آدم جی تاجر کتب لاہور کی اس کتاب کے مرتب پروفیسر میاں ظفر مقبول اور افسانہ نگار فقیر اثر انصاری فیض پوری تھے۔

۲۔ انگریزی تراجم

پہلے بائبل کے تراجم کا جائزہ لیتے ہیں۔ دلشاد کلانچوی لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل کے مطابق لندن لائبریری میں انجیل کا سرائیکی ترجمہ چار جلدوں میں موجود ہے، جو نویں صدی ہجری بمطابق پندرھویں صدی عیسوی میں ملتان کے ایک ہندو نے کہا تھا''۔ (ج۔۱۲)

تاہم اسی صفحہ پر موصوف لکھتے ہیں کہ انجیل کا پہلا دستیاب ترجمہ ۱۸۰۵ء۔۱۸۱۳ء کے درمیان ہوا۔ اگلی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''۱۸۱۱ء میں انجیل کا پہلی بار سرائیکی ترجمہ ہوا۔ یہ ڈیرہ غازی خان اور مظفر گڑھ کے لہجے میں صاف سلیس ترجمے پر مبنی ہے''۔ (ح۔۱۳)

سیرامپور (بنگال) کے عیسائی مبلغوں کے بائبل کے تراجم کے متعلق چھٹی یادداشت ''سکستھ میمورار'' جو مارچ ۱۹۱۶ء میں لکھی گئی، سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بائبل کے ملتانی تراجم کی اشاعت پہلے سے شروع کی جا چکی ہے۔ تاہم سیرامپور مشنریز کی سیرامپور سے چھپی دستیاب کتاب ''دی ہولی بائبل ٹسٹامنٹس کینٹیٹنگ اولڈ اینڈ نیو۔ ٹرانسلیٹڈ فرام دی اوریجنل ان ٹو دی ملتانی لینگو یج'' جلد دوم ۲۷۴ صفحے کے کتاب ہے جو ۱۸۱۹ء میں شائع کی گئی۔ (نیوٹسٹامنٹ کو ''عہد نامہ جدید'' بھی کہتے ہیں) یہ سرائیکی کے لنڈے یعنی کڑ کے رسم الخط میں ہے۔ ظامی کی کتاب ''چھرکے'' میں معین الدین قریشی لکھتے ہیں۔ ''مغربی پنجاب و بہاولپور کے علاقے میں سرائیکی یا ''اُچی'' زبان ۱۸۱۹ء میں نیوٹسٹامنٹ انجیل کا ترجمہ ہوا''۔ ان ترجموں پر ٹی بمفورڈ اپنے مضمون ''رف نوٹس'' اپینڈیکس ا صفحہ ۳۳۰ پر ''نوٹس ان دی ٹرانسلیشن آف دی نیوٹسٹامنٹ ان ٹو دی ملتانی لینگو یج'' بائی دی سیرامپور مشنریز کے عنوان سے یوں تبصرہ کرتا ہے۔

''سینٹ میتھیو کی گوسپل (سیرت مسیحؑ) کا ترجمہ بہت ناقص ہے اور یقین ہے کہ اس کی تیاری میں کسی دوسرے آدمی کا ہاتھ ہے'' مگر یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہ سرائیکی زبان میں پہلا ترجمہ ہے۔ اس لیے اس میں نقائص کا ہونا بعید نہیں۔ سیرامپور مشن کی ساتویں یادداشت محررہ یکم ستمبر ۱۸۲۰ء کے صفحہ ۶ پر لکھا ہے کہ:

''ان اٹھارہ مہینوں میں ''عہد نامہ جدید'' کو اُچی یا ملتانی زبان میں اس کے اپنے حروف تہجی میں چھاپ دیا گیا''۔

Scanned with CamScanner

۱۸۱۹ء میں سیرامپور سے نیوٹسٹامنٹ (عہد نامہ جدید) اُچ کے ہندوؤں کی مخصوص مروجہ کڑ کی حروف تہجی میں ہے اور ہندو ترجمہ نگار کی وجہ سے سنسکرت آمیز ہے۔ بائبل کی ایک کتاب جو چاروں گاسپلز میں سب سے چھوٹی ہے اُس کے سرائیکی میں تین ترجمے سامنے آئے ہیں۔ مذکورہ بالا ترجمے کے علاوہ سینٹ مارک کا ترجمہ جو ۱۸۸۸ء میں چھپا اور خیال کیا جاتا ہے کہ موجود سرائیکی نثر کی ابتدائی چھپی ہوئی کوشش ہے۔ تیسرا ڈاکٹر جیوکس کا ڈیرے والی زبان میں ۱۸۹۸ء کا ترجمہ ہے۔ اسی طرح ''پیرابل آف پراڈیکل سن'' کا جو ترجمہ گریرسن نے ''لینگوسٹک سروے آف انڈیا'' میں دیا ہے۔ اپنے ڈسٹرکٹ آفیسر ملتان کی طرف سے مہیا کردہ مقامی زبان کے ہندو لنڈے کڑ کے رسم الخط کی مثال ہے۔ ڈاکٹر شہباز ملک کے مطابق ''عیسائیت پر لیتھو میں چھپی ملتانی نثر کی کتاب ڈبلیو برگس کی ترجمہ ہوئی ۲۷ صفحے کی ''ٹین کومینڈ منٹس'' ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ حوالہ انھوں نے ''اردو کرسچیئن لٹریچر کیٹلاگ'' مطبوعہ ۱۸۸۶ء سے لیا ہے''۔ (ح۔۱۴)

بائبل کے سرائیکی تراجم کے ضمن میں ڈاکٹر اینڈریو جیوکس کی خدمات سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں۔ سیرامپور کے تراجم کے تجربے نے بتا دیا تھا کہ مقامی اہلِ زبان کے تعاون کے بغیر کامیابی فضول ہے۔ لہٰذا جیوکس کے ڈیرہ غازی خان میں قیام کے دوران ڈیرہ ہی کے منشی محمد حسن ولد شیر محمد کی خدمات حاصل کیں۔ جیوکس نے ۱۸۸۳ء میں ترجمے کا کام شروع کیا اور سینٹ مارکس اور سینٹ جان کے گاسپلز (سیرت مسیحؑ کی کتابیں) وغیرہ ترجمہ کیں۔ اس کی محنت کا پہلا پھل سینٹ مارکس کی گاسپل کے ترجمے ناشر پنجاب بائبل سوسائٹی لاہور ۱۸۸۸ء کی شکل میں سامنے آیا۔ یہ ترجمہ ڈیرے والی زبان میں ہے اور اسے منشی محمد حسن نے کتابت کیا ہے۔ اس ترجمے کی نظر ثانی او برائین (ڈپٹی کمشنر ملتان) اور پولیس آفیسر کرنل ملٹ نے کی تھی۔ جیوکس کی سی ایم ایس (کرسچیئن مشن سوسائٹی) سے کئی سال کی لگاتار خط و کتابت کے نتیجے میں ۱۸۹۸ء میں پنجاب بائبل سوسائٹی انار کلی لاہور کی طرف سے سینٹ میتھیو، سینٹ مارکس، سینٹ لیوک اور سینٹ جان کی چاروں گاسپلوں کے تراجم شائع ہوگئے۔ یہ تراجم پانچ، پانچ سو کی تعداد میں

چھاپے گئے۔ یہ تراجم اُردو رسم الخط میں اور سرائیکی حروف ہجا کے مطابق ڈیرہ غازی خان کے سرائیکی کاتب منشی محمد حسن کی کتابت کی وجہ سے قابل ذکر ہیں۔ سینٹ میتھیو کی ''انجیل مقدس متی دی معرفت'' اتفاق سے میرے پاس موجود ہے۔اس کتاب کے ترجمے کی زبان کو ٹائٹل پر جٹکی اور مغربی پنجابی لکھا گیا ہے۔ ایک صدی قبل امرتسر سے شائع ہونے والی یہ کتاب ۱۴۶صفحات پر مشتمل ہے۔ترجمے کی اختتامی سطریں ملاحظہ ہوں:

''اتیں اُنھیں کوں سکھالو جو انھیں سبھ ائیں گالیں تے جنھیں دا میں
تساکوں حکم ڈتا ہے، عمل کرن اتیں ڈیکھو میں زمانے دے آخر تائیں
ڈہاڑی تساڈے نال ہاں۔آمین''۔(صفحہ ۱۴۶)

دراصل یہ ترجمہ چار تراجم کی سیریز کا پہلا ترجمہ ہے۔دوسرا ترجمہ ''انجیل مقدس مرقس دی معرفت'' چھیانوے صفحات کا ترجمہ ہے جبکہ تیسرا ترجمہ ''انجیل مقدس یوحنادی معرفت'' ہے۔ یہ ۱۲۰ صفحے کا ہے، چھوتھا ترجمہ ''انجیل مقدس لوقا کی معرفت'' ۱۴۴ صفحے کا ہے، یہ تراجم بھی پنجاب بائبل سوسائٹی لاہور نے ۱۸۹۸ء میں ہی شائع کیے۔

ایف ڈبلیو سکیمپ کی کتاب ''ملتانی سٹوریز'' مطبوعہ لاہور ۱۹۱۷ء کے بعض حصوں، کہانیوں کا سرائیکی ترجمہ طارق ممتاز سومرو نے کیا، جسے بالاقساط ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان نے شائع کیا۔۱۹۷۲ء میں نواب مظفر خان سدوزئی (فروری) نواب بہاول خان دے قصے (مئی، جولائی، اگست) کرپل خاں (اکتوبر) ۱۹۷۳ء میں دیوان ساون مل دے قصے (جنوری)، نواب غازی خان (فروری)، دیوان دی روہی (اپریل)، نواب ولی محمد خان (نومبر)، سردار دا فیصلہ (مارچ ۱۹۷۵ء) اور بہادر خاں جتوئی (فروری ۱۹۷۶ء)۔شوکت مُغل نے بھی سکیمپ کی ''ملتانی سٹوریز'' کو سرائیکی رسم الخط میں ''ملتانی کہانیاں'' کے عنوان سے نجوک پبلیکیشنز ملتان سے ۱۹۹۷ء میں شائع کرایا۔

Scanned with CamScanner

پروفیسر محمد عنایت چوہدری نے ڈاکٹر سید حسین نصر آف ایران کے انگریزی مقالے کا سرائیکی ترجمہ کیا، جسے ''البیرونی'' کے عنوان سے سرائیکی لائبریری بہاولپور نے ۲۴ صفحات کی کتابی شکل میں ۱۹۷۴ء میں شائع کیا۔

ولیم شیکسپیئر کے ڈرامے ''میکبتھ'' کا ماخوذ ترجمہ دلشاد کلانچوی نے ''اقتدار دی ہوس'' کے عنوان سے کیا۔ جسے سرائیکی لائبریری بہاولپور نے ۳۲ صفحے کی کتابی شکل میں ۱۹۷۸ء میں شائع کیا۔

۱۹۸۰ء میں سجاد حیدر پرویز کا اسی (۸۰) صفحے کا افسانوی مجوعہ ''سوجھلا اندھاری رات دا'' سرائیکی رائٹرز فورم ملتان نے شائع کیا تو اس میں انگریزی افسانے ''دی لاسٹ کلاس'' کا ترجمہ ''چھیکڑی ڈینہوار'' کے عنوان سے شامل تھا۔

مس جان کونکوئیسٹ کے انگریزی ناول ''این ایسٹرن لور (An Eastern lover) کا سجاد حیدر پرویز کا کیا ہوا آزاد سرائیکی ترجمہ ۱۹۸۵ء میں ''عشق دے ونڑنج انوکھڑے'' نام کی ۸۰ صفحے کی کتابی شکل میں سرائیکی ادب تحریک ملتان نے شائع کیا۔

ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل کی کتاب ''فرام اچ ٹو ساؤدرن لہندا۔ اے سنچری آف سرائیکی سٹڈیز ان انگلش'' ناشر بزم ثقافت ملتان ستمبر ۱۹۸۳ء صفحات ۳۷ کا سرائیکی ترجمہ دلشاد کلانچوی نے ''اچ توں لہندا تائیں سرائیکی مطالعے دے سوسال'' (۱۸۱۸ء۔۱۹۱۹ء) کے عنوان سے کیا۔ ۱۴۴ صفحے کے اس ترجمے کو سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ جبکہ اصل کتاب میں بائبل کے سرائیکی تراجم پر صفحہ ۵۴ سے ۶۵ اور کلانچوی کے ترجمہ پر اس کا ترجمہ صفحہ ۱۲۱ سے ۱۳۵ تک شامل ہے۔ ۱۹۹۴ء میں پیٹ رابرٹسن کی ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا مظفر قادر تھہیم کا کیا ہوا سرائیکی ترجمہ روزنامہ ''سجاک'' ملتان نے قسط وار شائع کیا۔

انگریزی سے سرائیکی لغتوں کے حوالے سے مزید دو کتب شائع ہوئیں۔ شوکت مغل کی

Scanned with CamScanner

کتاب ''سرائیکی اُردو لغت'' ایڈورڈ او برائین کی'' گلاسری آف دی ملتانی لینگویج'' کا سرائیکی رُوپ ہے۔ ۱۷۶ صفحات کی یہ کتاب ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی۔ ۱۶۸ صفحات کی ''حرف جمیل'' زبیر احمد کی کوشش ہے۔ ۲۰۰۱ء میں سوجھلا پبلی کیشنز تونسہ نے انگریزی الفاظ کے سرائیکی تراجم پر مشتمل اِسے شائع کیا۔ اِسی سال انگریزی ڈرامے کی کلاسیکل کتاب کا ترجمہ ''وینس دا تاجر'' اقبال نسیم صحرائی نے کیا جسے جھوک پبلشرز ملتان نے شائع کیا۔

''ایمنسٹی انٹرنیشنل جان سجان'' کے عنوان سے آٹھ صفحوں کا کتابچہ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ایسٹرن سٹریٹ لندن سے شائع کیا۔ ایک اطلاع کے مطابق ۱۹۹۴ء میں شائع ہونے والے اس کتابچے کا انگریزی سے سرائیکی ترجمہ عبداللہ عرفان مرحوم نے کیا تھا۔

شعبہ سرائیکی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے جن انگریزی کتابوں کے سرائیکی تراجم کرانے میں اہم کردار ادا کیا ان تراجم کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ ۱۹۹۱ء میں جاوید حسان چانڈیو نے احسن واگھا کی کتاب ''دی سرائیکی لینگویج۔ اٹس گروتھ اینڈ ڈیویلپمنٹ'' مطبوعہ ڈیرا اور پبلیکشنز اسلام آباد ۱۹۹۰ء کا ترجمہ ''سرائیکی زبان دانسرن تے اسرن'' کیا۔ جبکہ شہباز فخر قریشی نے ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل کی کتاب کا ترجمہ ''سرائیکی۔ پاکستان وچ ہک لسانی تحریک'' کے عنوان سے کیا۔ ۱۹۹۲ء میں پیرزادہ وسیم صالح نے ایف ڈبلیو سکیمپ کی کتاب ''ملتانی سٹوریز'' کا ترجمہ کیا۔ سجاد حسین سیال نے کرسٹوفر شیکل کے مقالے ''سرائیکی پوئٹکس'' کا ترجمہ کیا جبکہ سید صفدر حسین نے ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل ہی کی ''ملتانی مرثیہ'' کا ترجمہ کیا۔ ۱۹۹۳ء میں آسیہ مہ زیب نے ای او برائین کی ''گلاسری آف دی ملتان لینگوئج'' کا ترجمہ کیا۔ ۱۹۹۴ء میں اوصاف فاطمہ قریشی نے ڈیوکرسٹل کی ''وٹ از لنگوسٹک'' کا ترجمہ کیا اور عقیلہ مختار نے گریرسن کی ''لہندا'' کا ترجمہ کیا۔ جبکہ ۱۹۹۶ء میں سعید اختر نے کرسٹوفر شیکل کی انگریزی کتاب ''لوئر سندھ کی سرائیکی شاعری کے اسلوب اور موضوعات'' کا ترجمہ کیا۔

۳۔ عربی سے تراجم

عربی سے سرائیکی میں قدیم تراجم کے حوالے سے علامہ بوصیریؒ (۶۰۸ھ تا ۶۹۴ھ) کے قصیدہ بردہ کا سرائیکی منظوم ترجمہ ۱۶۲ اشعار پر مشتمل ہے جسے لطف اللہ مہندس کے فارسی ترجمہ سے ماخوذ کیا گیا ہے، اسے مہر عبدالحق نے ''سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں'' میں صفحہ ۷۷ تا ۱۰۰ شامل کیا ہے۔ دوسری تحریر حاجی عبدالوہاب کے عربی حلیہ مبارک کا ماخوذ ترجمہ ہے۔ غلام حسین کا کیا ہوا یہ ترجمہ ۹۰۰ ہجری کی پہلی نصف صدی کی تصنیف ہے۔ مہر عبدالحق نے اسے صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۹ پر نقل کیا ہے۔

اب عربی سے سرائیکی میں قرآن مجید کے تراجم کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلا نثری ترجمہ ''پارہ الم'' مولوی احمد بخش کا ۱۳۱۳ھ میں شائع ہوا۔ ۳۲ صفحے کے اس ترجمے کو عبدالعزیز، محمد عبدالرشید، علی محمد لاہور نے مطبع گلزار محمدی سے شائع کرایا۔ اس کے بعد پارہ اول جو نثری ترجمہ سمیت ۸۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ محمد خیرالدین صابر ملتانی کی کاوش ہے۔ جسے مخدوم شیخ مرید حسین قریشی الہاشمی ملتان نے گیلانی پریس لاہور سے ۱۳۴۴ھ میں شائع کیا۔ اگلا ترجمہ مولانا عبدالتواب ملتانی کے ''قرآن پاک دے تریہویں پارے'' کا چوالیس صفحوں کا نثری ترجمہ ہے۔ جسے مولوی عبدالسمیع اولادہ، ملتان نے ۱۳۵۹ھ میں مقبول عام پریس لاہور سے شائع کیا۔ اسد ملتانی لکھتے ہیں کہ یہ ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا'' (ح۔۱۵)۔ مولانا خیرالدین صابر ملتانی کا ''قرآن پاک دا پہلا پارہ الم'' ترجمہ، حاشیے کے ساتھ ۳۲ صفحات پر مشتمل مولوی عبدالسمیع اولادہ، ملتان نے ۱۳۷۵ھ میں شائع کیا۔ نور احمد بن شمس الدین سیال آف سمہ سٹہ بہاولپور کا ''قرآن کریم پارہ نمبر ۱'' کا ترجمہ ۲۸ صفحات پر مشتمل انجمن حفظ القرآن بہاولپور نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے ۱۳۹۵ھ میں شائع کیا۔ جبکہ ''پارہ نمبر ۲'' ۳۲ صفحات میں ۱۳۹۶ھ بمطابق ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا۔ نور احمد سیال ایڈووکیٹ ہی کا ''پارہ نمبر ۳'' کا ترجمہ ۱۹۸۶ء میں ۲۴ صفحے کا سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کیا۔ دلشاد کلانچوی کے قرآن مجید کے پہلے چھ پاروں کا سرائیکی ترجمہ الگ الگ

اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے شائع کیا۔ تفصیل یہ ہے کہ پہلا سپارہ جنوری ۱۹۹۰ء میں ۲۶ صفحے کا، دوسرا سپارہ فروری ۱۹۹۰ء میں ۲۴ صفحے کا، تیسرا سپارہ مارچ ۱۹۹۰ء میں ۲۴ صفحے کا، چوتھا سپارہ جنوری ۱۹۸۹ء میں ۲۶ صفحے کا، پانچواں پارہ جنوری ۱۹۹۱ء میں ۲۴ صفحے کا اور چھٹا سپارہ جنوری ۱۹۹۲ء میں ۲۴ صفحے کا۔ محمد رمضان طالب نے قرآن کے آخری پارے ''۳۰۔عم'' صفحات ۳۲ مع عربی متن سرائیکی ترجمہ ۲۰۰۲ء میں فریدؒ سرائیکی سنگت ڈیرہ غازیخان سے شائع کرایا۔

قرآن مجید کے مکمل تراجم میں پہلا مکمل نثری ترجمہ ''قران مجید'' محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ بہاولپوری نے کیا اور عزیز المطابع بہاولپور سے ۱۳۷۲ھ میں شائع کیا، اس کے ۹۶۴ صفحے ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کا ترجمہ ''قرآن مجید'' کے نام سے ہی سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے پاکستان قومی ہجرہ کونسل اسلام آباد کے اشاعتی پروگرام کے تحت ۱۴۰۴ھ میں شائع کیا۔ اس کے مجموعی صفحات ۹۹۴ ہیں جبکہ ترجمہ صفحہ ۹۲۴ تک ہے۔ دو احمد یوں خاں محمد لسکانی اور رفیق احمد لسکانی کا ترجمہ ''قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال'' جماعت احمدیہ کی سوویں سالگرہ ۲۳ مارچ ۱۹۸۹ء کو مرزا طاہر احمد کی طرف سے پچاس زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کے اشاعت کے اعلان کی ایک کڑی ہے۔ ۹۶۷ صفحات کا یہ ترجمہ اسلام انٹرنیشنل پبلی کیشنز لمیٹڈ اسلام آباد لین یو کے نے شائع کیا اور ۱۹۹۱ء میں منظر عام پر آیا۔ چوتھا مکمل ترجمہ دلشاد کلانچوی مرحوم کا ''سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف'' ہے جسے اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے رجب ۱۴۱۴ھ بمطابق دسمبر ۱۹۹۳ء میں شائع کیا۔ پہلے چھ سیپاروں کے صفحات الگ الگ ہیں۔ مگر مجموعی صفحات ۷۴۲ ہیں۔ کلانچوی مرحوم کے مکمل ترجمے کو دوسری بار ابنِ کلیم نے ملتان سے خصوصی اہتمام کے ساتھ ۲۰۰۰ء میں شائع کیا۔ قرآن کی تفاسیر کے حوالے سے مہر عبدالحق کی ''الحمد اللہ'' اور دلشاد کلانچوی کی ''دلشادیہ تفسیر العظیم سورۃ فاتحہ'' صفحات ۶۴ طبع ۱۹۸۶ء، طبع دوم ۱۹۹۹ء کے بعد ایک بھرپور کوشش ڈاکٹر محمد صدیق شاکر نے کی۔ انھوں نے پہلی منزل کی پہلی جلد ''تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر'' کے عنوان سے ۵۹۲ صفحات میں ۲۰۰۵ء میں شائع کرائی۔

محمد رمضان طالب نے فریدؒ سرائیکی سنگت ڈیرہ غازیخان سے عربی سے سرائیکی تراجم کی مزید یہ کتب شائع کروائیں۔ ''الصوم جنۃ'' لکھی ماہ رمضان (فروری ۱۹۹۵ء) ''دعائیں پناہیں'' جُووی (مارچ ۹۵ء) ''سوہنے سئیں دے سوہنے سنیہے'' ۵۵ سے زیادہ خطوط کے تراجم (اکتوبر ۹۷ء)۔ ''سوجھل خبراں'' (اپریل ۹۵ء) صفحات ۴۸، صحابہؓ کے دین سے متعلق سوالات اور اللہ کے فرمان کے مطابق حضورؐ کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۹۹ء میں ''مدنی سائیں دے سوہنے سنیہے'' صفحات ۱۱۲ جن میں ۶۳ عنوانات ہیں، کچھ خطوط کا عکس بھی ہے۔ جبکہ دلبر مولائی نے ''دعا کمیل'' کا سرائیکی نثر میں ترجمہ بزمِ اکرم مانہ احمدانی سے ۲۰۰۴ء میں شائع کرایا۔

قرآن مجید کے دیگر تراجم میں ''بارہاں سورۃ شریف'' کے نام سے محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ بہاولپوری کا ترجمہ پہلے نمبر پر ہے جو چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ مکتبہ عزیزیہ بہاولپور نے ۱۳۷۱ھ میں اسے شائع کیا۔ ''قرآن مجید آپریں متعلق کیا آہدے'' دلشاد کلانچوی کی اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے ۱۹۸۶ء میں ۴۸ صفحے کا شائع کیا۔ ''قرآن کریم وچوں چونڑویاں آیتاں'' کے عنوان سے ترجے کی کتاب نظامت اشاعت ربوہ نے ۱۹۸۹ء میں شائع کی۔ ۵۷ صفحات کا یہ ترجمہ خان محمد لسکانی نے کیا۔ محمد رمضان طالب کی کتاب ''قرآن پاک دیں آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح'' ۱۹۸۹ء میں فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان نے شائع کیا، اس کے ۵٦ صفحے ہیں۔ ''قرآن پاک دیاں چالھی آیتاں'' نام کا کتابچہ بھی اسی مترجم کا اسی ادارے نے ۱٦ صفحات پر مبنی جنوری ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔ ۱۹۹۹ء میں خادم ملک ملتانی مرحوم ''قرآن پاک کے پہلے پارے کا منظوم سرائیکی ترجمہ'' منظر عام پر لائے۔ عربی سے ۳ مزید سرائیکی منظوم تراجم محمد رمضان طالب کے یوں ہیں۔ ۲۰۰۳ء میں ''سوجھل سوچاں'' قرآنی آیات کا انگریزی ترجمہ مع منظوم سرائیکی ترجمہ صفحات ۹٦ ہے، ۲۰۰٦ء میں ''سورۃ الرحمٰن'' کا اردو، انگریزی ترجمے کے ساتھ ''سوجھل نعتاں'' کے عنوان سے سرائیکی منظوم مفہوم صفحات ۳۲ ہے۔

اپریل ۲۰۰۶ء میں کتابچہ ''قرآنی دعائیں'' اُردو انگریزی ترجمے کے ساتھ منظوم سرائیکی مفہوم صفحات ۳۲ ہے۔

منظوم ترجمے کی اکلوتی مثال ''قرآن القیوم فی ترجمۃ المنظوم'' ہے۔ ۴۰ صفحات کی یہ کتاب مترجم محمد اسماعیل نے پاکستان پبلسٹی پرنٹنگ ورکس ملتان سے شائع کرائی۔

اسی طرح احادیث کے تراجم کے سلسلے میں اکلوتا منظوم ترجمہ ''رسالہ متشابہات'' ہے۔ سولہ صفحے کا یہ ترجمہ حافظ سراج الدین نے کیا جسے پہلے محمد بشیر الدین ملتانی نے یونین پرنٹنگ پریس ملتان سے ۱۳۲۵ھ میں اور پھر حافظ عبدالسلام، عبدالاحد ملتان نے راجپوت پرنٹنگ ورکس لاہور سے شائع کیا۔

نثر میں ''چالیھ حدیثاں'' نام ترجمہ و تشریح پر مبنی دلشاد کلانچوی کی کتاب سرائیکی لائبریری بہاولپور نے ۱۹۷۵ء میں شائع کی۔ ''چونڑویاں حدیثاں'' نام کی کتاب نظامتِ اشاعت ربوہ نے ۱۹۹۹ء میں شائع کی۔ خان محمد لسکانی کی اس کتاب کے ۷۱ صفحے ہیں۔ محمد رمضان طالب کی دو کتابیں ''مشکوٰۃ شریف وچوں ۲۰۰ حدیثاں'' ۳۲ صفحے کی یکم جنوری ۱۹۹۳ء اور ''مشکوٰۃ شریف وچوں ۱۰۰ احدیثاں'' ۱۶ صفحے کی ۸ فروری ۱۹۹۳ء کو فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان نے شائع کیں۔ محمد رمضان طالب نے ۱۲۸، احادیث ۱۶ اصفحات پر ترجمہ کر کے ''چالھی حدیثاں'' کے عنوان سے فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازیخان سے اگست ۲۰۰۰ء میں شائع کرائیں۔

دیگر موضوعات پر عربی سے تراجم میں پہلے محمد عزیز الدین (وفات ۱۹۰۵ء) کی کتاب ''نظم الورع'' آتی ہے۔ جو ۱۸ شعبان ۱۲۹۷ھ بروز جمعہ مکمل ہوئی اور ۱۳۰۱ھ میں شائع ہوئی۔ منظوم ترجمے پر مشتمل ۱۱۶ صفحے کی یہ کتاب مطبع حسنے بمبئی نے شائع کی۔ محمد عبید الرحمٰن بہاولپوری لکھتے ہیں کہ:

''یہ عربی کے مشہور قصیدہ بُردہ شریف کی تضمین ہے۔ صرف عربی تضمین ہی نہیں بلکہ فارسی، اردو اور سرائیکی تینوں زبانوں میں نظم مخمس میں ہے''۔

(ح۔۱۶)

امام محمد شرف الدین البوصیری کے ''قصیدہ بُردہ شریف'' کا محمد عزیز الدین بہاولپوری کا ۱۳۰۴ھ میں کیا گیا ترجمہ ''نظم الورع'' پیکجز لاہور نے ۲۰۰۲ء میں اور پھر ۲۰۰۷ء میں اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد نے سبط الحسن ضیغم کی مُرتبہ کتاب میں شامل کیا ہے۔ ''قصیدہ بُردہ'' ہی کا انگریزی، فارسی اور اردو کے ساتھ سرائیکی ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم نے کیا۔ ۲۰۷ صفحے کی یہ کتاب ۱۹۷۸ء میں سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے شائع کی۔ دوسرا ایڈیشن فاروقیہ کتاب خانہ ملتان نے ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔ ''قصیدہ غوثیہ شریف مترجم ومحشی'' بھی منظوم ترجمہ ہے، خلیفہ یار محمد کا ۸ صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ ۱۳۴۴ھ میں میاں محبوب احمد ملتان نے لاہور پرنٹنگ پریس لاہور سے اور بعد میں حافظ شمس الدین، منورالدین، حمیدالدین ملتان نے آریہ سٹیم پریس لاہور سے شائع کرایا۔ قصیدہ بُردہ کے دیگر تراجم میں فریدؒ سرائیکی سنگت ڈیرہ غازیخان سے شائع شدہ محمد رمضان طالب کا ''اوچھن'' اور جون ۲۰۰۲ء میں محمد اکرم قریشی کا بزم اکرم مانہ احمدانی سے ۱۶ صفحات پر مشتمل ''قصیدہ بُردہ سرائیکی'' ۱۶۵ اشعار شامل ہیں۔

نثری تراجم میں علامہ عبدالعزیز پرہاوڑی کی حافظ جمال اللہ ملتانیؒ کے بارے میں عربی کتاب ''انوارِ جمالیہ'' کا سرائیکی ترجمہ ''جمالی جلوے'' ہے۔ علامہ محمد اعظم سعیدی کی ۸۰ صفحے کی اس کتاب کو سرائیکی اردو رائیٹرز گلڈ کراچی نے شیخ پرہاڑوی اکیڈمی کراچی کے تعاون سے ستمبر ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ سرائیکی ترجمہ صفحہ ۱۵ سے ۳۴ اور اردو ترجمہ صفحہ ۳۵ سے ۵۱ پر ہے۔ عربی میں ''خطاباتِ شریفہ بلا الف و بلا نقطہ منسوب بہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ'' کے سرائیکی میں مترجم ومحشی علامہ محمد اعظم سعیدی ہی ہیں۔ ۶۴ صفحے کی یہ کتاب سرائیکی اردو رائٹرز گلڈ پاکستان نے ہی جنوری ۱۹۸۴ء میں شائع کی۔ نماز محمدی سئیں سرائیکی ترجمہ، سرائیکی ادبی سنگت ملتان کی پیشکش ہے۔

مترجم فدا ملتانی اور معاون اکرم رونگھا ہیں۔ دوسرا ایڈیشن کچھ تبدیلیوں کے ساتھ فرید سرائیکی سنگت کے اشتراک سے جون ۱۹۹۵ء میں اور پھر نئے انداز میں نیا ایڈیشن جنوری ۱۹۹۶ء میں شائع کیا گیا۔ طبع پنجم ۲۰۰۳ء۔ اِن کے علاوہ محمد اکرم قریشی کے بزم اکرم مانہ احمدانی سے دو ترجے ''عہد نامہ'' صفحات ۶ مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۲ء اور ''خطبہ حجۃ الودع''۔ متن مع اُردو ترجمہ و سرائیکی منظوم ترجمہ مطبوعہ جولائی ۲۰۰۲ء شامل ہیں۔

۴۔ فارسی سے تراجم

ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں کہ'' مولوی خدا بخش آف سوکڑ تحصیل تونسہ نے ۱۲۷۹ھ میں ''نصاب ضروری'' جو فارسی سے سرائیکی لُغت ہے (ح۔۱۷) سیٹھ محمد عبید الرحمٰن نے ''سرائیکی کتابیں،، صفحہ ۹۶ پر اس کے چھ مطبوعہ ایڈیشن گنوائے ہیں۔ مولانا خدا بخش جراح صابر تونسوی کی فارسی سے سرائیکی میں یہ کتاب ''نصابِ ضروری'' ۱۲۱۲ھ کا ترجمہ ڈاکٹر محمد بشیر انور ابوہری ملتانی نے کیا ہے اور ۹۶ صفحے کی کتابی صُورت میں سرائیکی ادبی بورڈ ملتان سے ۲۰۰۳ء میں شائع کی ہے۔

فارسی سے تراجم کی دوسری مثال دلشاد کلانچوی کے بقول'' آمدن نامہ'' ہے۔ لکھتے ہیں: '' آمدن نامہ'' میں فارسی کے سرائیکی مترادفات مل جاتے ہیں، اس ضمن میں وہ قواعدِ زبان کے متعلق رحیم بخش ملتانی کے ۱۳۳۷ھ (بمطابق ۱۸۹۰ء) کے مطبوعہ آمدنامے کا ذکر کرتے ہیں جس میں انھوں نے فارسی کے مصادر کا سرائیکی میں ترجمہ کر کے چھپوایا تھا۔ (ح۔۱۸)

یاد رہے کہ مذکورہ '' آمد نامہ نُسخہ صحیحیہ '' ۱۲ صفحے ناشر حافظ شمس الدین، منورالدین ملتانی، ملتان الیکٹرک پریس ملتان کے علاوہ بھی '' سرائیکی کتابیں'' کے صفحات ۹۷۔ ۹۸ پر اس کے سولہ ایڈیشنوں کے کوائف دیے گئے ہیں۔ قاضی فخر الدین راضی کی کتاب ''فرائض'' جو سرائیکی نثر کے بیس صفحات پر مشتمل ہے ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۳ء میں چھاپہ خانہ بلالی واقع ساڈھورہ ضلع انبالہ سے شائع ہوئی۔ یہ فارسی میں حضرت قطب الدین محمد ولد غیاث الدین کی کتاب کا سرائیکی ترجمہ

ہے۔ جس میں ایمان، اسلام کے متعلق عبادات کے احکام اور رکنوں کے متعلق بتایا گیا ہے۔ آخر میں تاریخ لکھی ہے۔

''چوڈویں صدی دے وِیہویں ورھیں ربیع الاول دی اٹھارویں، خمیس دے ڈہاڑے پُج گئی'' (۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ بروز جمعرات)۔ جدید دور میں محمد بشیر احمد ظامی بہاولپوری نے سعدی شیرازیؒ کی ایک سو ایک حکایتوں کا سرائیکی نثری ترجمہ ۱۳۰ صفحے کی کتابی شکل میں ''سعدیؒ آکھیا'' کے عنوان سے مرکز سرائیکی زبان تے ادب بہاولپور سے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔

منظوم تراجم میں دیکھیں تو کیفی جامپوری ، مولوی عبدالحکیم کی مشہور مثنوی ''یوسف زلیخا'' (سن تصنیف ۱۲۱۸ھ مطبوعہ ۱۳۱۷ھ) کے بعض اشعار جامیؒ کی فارسی مثنوی یوسف زلیخا کا ترجمہ بتاتے ہیں اور نمونے کے طور پر کتاب ''سرائیکی شاعری'' کے صفحات ۱۷۶۔۱۷۷ پر چھ شعر درج کرتے ہیں۔ شاہنامہ فردوسی کی مشہور عشقیہ داستان ''بیزن منیژہ'' کو سید باغ شاہ قریشی (کہروڑ لعل حسین) نے ۱۸۸۰ھ بمطابق ۱۲۹۸ھ میں مکمل کیا۔ جبکہ مولوی اللہ بخش جانباز (سیت پور) پیدائش ۱۸۴۰ء وفات ۱۹۱۱ء نے بھی اس کا منظوم ترجمہ کیا۔ فارسی سے سرائیکی میں مطبوعہ منظوم دیگر نصف درجن کتابی تراجم کے کوائف کچھ یوں ہیں۔ پہلے رُباعیات عمرِ خیام کے تراجم ہیں۔ عبدالعزیز نشتر غوری مرحوم نے خیام کی ۸۰ رباعیوں کا منظوم ترجمہ ''شہکار'' کے نام سے کیا۔ جسے ۸۶ صفحے کی کتابی شکل میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ستمبر ۱۹۷۱ء میں شائع کیا، طبع دوم ۲۰۰۷ء۔ نشتر غوری (۲۱ جولائی ۱۹۱۸ء تا ۶ فروری ۱۹۷۹ء) نے خیام کی تین سو رباعیات اور حافظ شیرازی کی دو سو غزلوں کا منظوم سرائیکی ترجمہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ علامہ اقبال کی رموز بے خودی کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہ سب کام تا حال غیر مطبوعہ ہے۔

نعمت اللہ شاہ کی ۵۴۷ھ کی تحریر ''اگو نیاں خبراں'' کے عنوان سے اکرم قریشی نے فارسی سے سرائیکی میں منظوم کی اور بزم اکرم نے مئی ۱۹۹۹ء میں شائع کی۔ ڈاکٹر ایاز احمد سہروردی

سرائیکی تراجم میں مثنوی بُو علی قلندر'' باغ وحدت'' صفحات ۱۰۴ اور مثنوی شمس تبریز (گلریز) ۸۶ صفحات کے علاوہ مختلف صوفیاء کا کلام'' پیام عارفاں'' صفحات ۲۰۸ شامل ہیں۔ کے دیوان صفحات ۴۹۰ میں منظوم تراجم میں فارسی سے

عزیز نشتر غوری نے دسمبر ۷۲ء کے '' سہ آتشہ'' میں رباعیات عمرِ خیام کا اُردو عبدالحمید عدم اور سرائیکی اپنا ترجمہ شائع کیا۔ جبکہ اس سے پہلے جنوری ۷۲ء میں ''رُباعیات عمر خیام'' کا سرائیکی منظوم ترجمہ '' عرفانیات'' کے عنوان سے شروع کیا تھا جو جولائی ۷۲ء کی کتابی شکل پر ختم ہوا۔ ماہنامہ '' سرائیکی ادب ملتان میں '' مے دو آتشہ'' حافظ شیرازی کی غزلوں کا منظوم سرائیکی ترجمہ دسمبر ۷۲ء سے شروع کیا۔ مارچ ۷۴ء تک قسط وار درجن بھر تراجم شائع ہو پائے۔

رباعیاتِ خیام کا دوسرا ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے '' مئے گلفام'' کے عنوان سے کیا۔ ۴۱۵ صفحے کی یہ کتاب پریت مہار پبلی کیشنز ملتان نے ۱۹۷۳ء میں شائع کی۔ غوری کے ترجمے میں علاقائی اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے اس لیے مولانا نور احمد خان فریدی نے کتاب ''ملتان اور مؤرخین'' (مطبوعہ اپریل ۱۹۸۵ء) میں رباعیاتِ عمر خیام کے سرائیکی تراجم پر صفحہ ۳۹۴ تا ۴۲۸ پر بحث کر کے نشتر غوری کے ترجمے کو مہر عبدالحق کے ترجمے پر فوقیت دی ہے۔ تیسرا ترجمہ ڈاکٹر ایاز احمد ایاز سہروردی کا '' ڈھیر برساتاں دے بعد'' میں پانچ رباعیات کا ترجمہ ہے۔ یہ ۲۴ صفحے کی کتابی شکل میں سرائیکی اکادمی صادق آباد نے ۱۹۸۸ء میں شائع کی ہے۔ '' جاوید نامہ اقبال'' ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ترجمہ شدہ کتاب ہے۔ ۲۴۴ صفحے کی یہ کتاب سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے ۱۹۷۴ء میں شائع کی۔ صفحہ ۲۱۹ کے بعد تشریحات ہیں۔

'' کریما'' شیخ سعدی شیرازیؒ کا سرائیکی ترجمہ نُور احمد سیال نے کیا۔ بزم سرائیکی اُبھار، سمہ سٹہ نے ۱۹۸۳ء میں اِسے ۳۸ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کیا۔ جبکہ ''پند نامہ'' حضرت مولانا شیخ فریدالدین عطارؒ کا سرائیکی ترجمہ نظم میں غلام حسین ڈاہر نے کیا، جسے فریدؒ سرائیکی

Scanned with CamScanner

سنگت ڈیرہ غازی خان نے مارچ ۱۹۹۶ء میں ۶۰ صفحے کی کتابی شکل میں شائع کیا۔ ان کے تراجم کے علاوہ دلشاد کلانچوی نے کتاب ''سرائیکی زبان تے ادب'' میں لکھا ہے کہ:

''حلیۃ النبی ﷺ کا فارسی سے منظوم سرائیکی ترجمہ محمد اعظم بہاولپوری نے کیا جو صادق انوار پریس بہاولپور سے شائع ہوا''۔ (ح۔۱۹)

Scanned with CamScanner

طنز ومزاح

(الف) شاعری

دوسری زبانوں کی طرح سرائیکی زبان کے ادب میں بھی پہلے شاعری بالخصوص لوک شاعری کا نمبر آتا ہے۔ لوک گیت جو دکھ سکھ، خوشی غمی، ہنسی مذاق کے علاوہ طنز ومزاح کا نمونہ بھی پیش کرتے ہیں، ان کا ذکر لوک ادب کے عنوان تلے موجود ہے۔ لوک شاعری کے دور کے بعد جو دور آیا اس میں طنز ومزاح کا عمل دخل جاری رہا۔ مولوی لطف علی اور مخدوم محمد بخش نے ''قصہ شاہ سیفل'' میں زنگانی عورت کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ بھی طنزیہ شاعری کی مثال ہے۔ (نمونہ پہلے آچکا ہے)

حمل لغاری نے، اپنے لالچ کی خاطر خلقِ خدا کو نشانہ بنانے والے مولوی پر طنز کی ہے۔ اس کے علاوہ جوانی کے چلے جانے اور آوارہ نوجوانوں پر لکھی ہوئی نظمیں طنز ومزاح کا بہترین نمونہ ہیں۔ حسین دیدڑ آف تحصیل قنبر ضلع لاڑکانہ نے نبی بخش لغاری کی مثنوی ''سستی'' میں تضمین کر کے کام چور لوگوں پر چوٹ کی ہے۔ سندھ کے حاجی ٹالپور نے بھی ایک نظم میں نوجوانوں کو طنز ومزاح کا نشانہ بنایا ہے۔ مولوی گل محمد چشتی نے ''پیرنامہ'' میں لٹیرے پیروں پر، فقیر اکرم شاہ ماہی کے مطبوعہ ''قصہ مُلوانیاں'' میں پیسے بنانے کے چکر میں پڑے رہنے والے مولویوں اور پھر خواجہ فرید کی ایک کافی میں ''مُلاں نہیں کہیں کاردے'' میں ظاہری عالموں پر طنز کی گئی ہے۔ خرم بہاولپوری کے کلام میں طنز ومزاح کا ایک بڑا حصہ ملتا ہے۔ انھوں نے بھی مولویوں کو کھری کھری سنائی ہیں۔

مُلاں جیڑھا رَت آن کیتی
شالا گروکی غیبی گولا

امیر حیدر میرن نے ''قصہ کالی گوری'' میں عورتوں کی زبان اور محاورے میں بھرپور طنزیہ نمونے پیش کیے ہیں۔ (میاں بخش نے بھی قصہ کالی گوری لکھا ہے)۔ اسی طرح میرن نے نظم ''روہی'' میں مزاحیہ انداز میں یہاں کا نقشہ کھینچا ہے۔ ایک مزاحیہ ''پنواری نامہ'' بھی لکھا ہے۔ اس نظم کو سن کر امیر آف بہاولپور نے نہ صرف مالیہ معاف کر دیا تھا بلکہ انعام بھی دیا تھا۔ خرم بہاولپوری کی نظم ''بڈھیا'' بھی شہکار مزاحیہ نظم ہے۔ حاجی شاہ فائق آف ترنڈہ محمد پناہ تحصیل احمد پور شرقیہ کی مزاحیہ شاعری کے نمونے بھی دستیاب ہیں۔ ساس اور بہو کے جھگڑوں پر لکھی گئی نظمیں سرائیکی زبان کے ادب میں اپنی ایک پہچان رکھتی ہیں۔ ان میں موجی کے علاوہ مرزا تیغ علی سلوتری، اخلاق ملتانی اور شفقت بزدار کی نظمیں شائع ہو چکی ہیں۔ ٹھل گامن، چوٹی بالا ڈیرہ غازی خان کے دُر محمد بلوچ عرف دُرّن فقیر کی نظم ''زبان دا فساد''، بستی چاکر خان، شیدانی شریف کے سوبھا منشی کی نظمیں ''مچھر'' اور ''ہٹی''، سخی امیر کی ''دال دے حال''، ٹیبی سوہاگن، نور پور نورنگا کے مصری خان مفلس کی نظم ''حقہ''، بستی ماہڑہ، روہیلانوالی کے قاصد ماہڑوی کی ''جنج پرائی تے احمق نچّے'' قابلِ ذکر ہیں۔ تونسہ کے اُستاد فیض تونسوی مرحوم کے کلام میں بھی طنز و مزاح کے نمونے موجود ہیں۔ غلام حیدر یتیم جتوئی کے دیوان ''دُرِّ یتیم'' کو کافی شہرت ملی ہے۔ ان کی طنزیہ و مزاحیہ نظموں میں ''رشوت، اَٹے گھٹے، کبوتر بازی، کنواری دی فریاد، رِچھ دا سلام، مَن گھنو، نگ نہ ناساں، پہاجاں، کُتیاں کوں غیرت ڈھیر ہے، اور شاہین بس (Bus) قابلِ ذکر ہیں۔ اسی طرح خلیق ملتانی کی مزاحیہ شاعری میں بھی طنز کا عنصر شامل ہے۔ ایک نمونہ دیکھیں:

ڈِھڈھل ڈھڈھال بہوں ہِن
چندے اُگاڑ بہوں ہِن
تقریر جھاڑ بہوں ہِن
ملّت سنوار کینی
اے اور بہار کوئی نیں

سرائیکی میں ہزل گو شعرا کی روایت بھی ملتی ہے۔ غلام غوث غلام ایک ہزل گو شاعر گزرے ہیں۔ ان کی ایک مزاحیہ نظم کا شعر دیکھیے:

شادی کیتی گُھدے یارو ے
ہے جج داڈھوں اندھارو ے

اسی طرح ایک اور ہزل گو شاعر خواجہ محمد الدین (سجادہ نشین دربار پراراں شریف) صاحبِ دیوان ہیں۔ ایک شعر دیکھیں:

واہ دے بگاتیڈی گھوڑی ہے
اے گھوڑی تاں پُچھ مروڑی ہے

ہزل گوئی میں ممداڈ کن آف لیاقت پور اور جنگھ ٹھول کے نام بھی معروف ہیں۔

گامن کہروڑوی سرائیکی کے قادر الکلام شاعر کوٹ کہروڑ ملتان میں ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ گامن اپنے شہر کے ایک ہندو بنئے جیندے مل کے گھوڑے کے متعلق لکھتے ہیں:

گھوڑا گڈھا جیندے مَل
کِلّے توں نہیں سگدا ہل

آ گھوڑے دیاں دھماں پیاں
شہر بازاراں بوٹے لیاں
ٹُوگھوڑے دی ڈیکھو سائیں
کوہ کرے ڈینہ لتھے تائیں

(جنید ے مل کا گھوڑا ہے یا گدھا، وہ تو کھونٹے سے لگا کھڑا ہے اور ہل جُل بھی نہیں سکتا۔ اِس گھوڑے کی مشہوری ہوئی اور شہر بازار اور جنگل بیلے تک پہنچی۔ اس گھوڑے کی چال تو دیکھیے جناب کہ یہ سورج غروب ہونے تک ایک میل کرتا ہے۔)

Scanned with CamScanner

غلام دائروی، دائرہ دین پناہ ضلع مظفر گڑھ میں ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی مشہور نظم مَنڈی گھوڑی (لنگڑی گھوڑی) ہے۔ جسے ماہنامہ "پنجند" کراچی نے جون ۱۹۵۰ء میں پہلی بار شائع کیا۔

پیر مرید حسین گھیری بخشی مَنڈی گھوڑی ہے
ڈنڈ کریٹے، ہنجھوں دیٹے واہ اُستاداں ٹوری ہے
گھوڑی دیاں کیا صِفتاں لکھاں واگ نپاں تاں لہندِن سِکاں
اَگوں چھکا، پچھوں دِھکاں رات تھئی گھر توڑی ہے
چُٹانا ہس گنڈ دے اُتے، پکی ہائی کھیر گھنڈ دے اُتے
زور ڈیندی ہائی مَنڈ دے اُتے، تھی تھی ڈنگی ڈوڑی ہے

(پیر مرید حسین کھیری نے مجھے لنگڑی گھوڑی دی ہے، جو دانت کچکچاتی ہے، آنسو بہاتی ہے۔ اُستاد نے کیا عمدہ چیز دی ہے۔ اِس گھوڑی کی کیا صفات لکھوں۔ اس کی لگام تھامتے ہی تمام خواہشیں پوری ہو جاتی ہیں۔ آگے کھینچتے اور پیچھے سے دھکے لگاتے گھر تک پہنچتے رات ہوئی ہے۔ اس کی پُشت پر بگڑا ہوا زخم ہے۔ کیونکہ یہ دودھ اور چینی کی پروردہ ہے۔ یہ اپنے لنگڑے پن پر زور دیتی ہے اور ٹیڑھی میڑھی ہو ہو جاتی ہے۔)

آغا نواز سیت پوری ایک بڑے شاعر گزرے ہیں جن کا انتقال ۱۹۴۶ء میں ہوا۔ ان کی ایک نظم سے اقتباس دیکھیے:

سوال مُلّاں تے ہویا ڈس مُلّاں، تے لالاں دِے ٹِک وِچ ڈیندن
تیار کا کرا چا حلوہ تے سارے بھلوے بھیج ڈیندن
اگرچہ حلوے گوں کھاندیاں کھاندیاں عانے ساڈے اُپتر تیج ڈیندن
زمانے تنگٹ پھسکیج ڈیندن، تاں ویں ڈھڈ دے تیج ڈیندن
تے لاچی دی جاہ نسے چھوڑیندے توڑے جو ڈھڈ دی پڑتج ڈیندن
بھسو کڑا نجھے دی بعضے ہوندن جو گھٹڑیاں تے چَو تیج ڈیندن

(مُلاّ سے سوال ہوا کہ بتلاؤ کب تمھاری رال ٹپکتی ہے۔ اُس نے کہا کہ اے شخص حلوہ تیار کرالو پھر دیکھو کہ سب غلط فہمیاں اور مغالطے دور ہو جائیں گے۔ اگر چہ حلوہ کھاتے کھاتے ہمارے دیدے اُبل پڑتے ہیں۔ بے کس نرخرہ پھٹنے کو آ جاتا ہے اور پیٹ کے بل گس جاتے ہیں۔ مگر ہم ایک الائچی کی جگہ بھی خالی نہیں چھوڑتے خواہ ہمارے پیٹ پھٹ ہی کیوں نہ جائیں۔ مگر کئی کئی جلدی تھک جانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں چار پائی پر اُٹھا لے جاتے ہیں۔)

خُرمّ بہاولپوری کی متذکرہ بالا نظم ''بڈھیپا'' کا ایک بند بھی ملاحظہ فرمائیں:

ہَے ہَے بُڈھیپا آ گیا
تن من سَبھو مُکلا گیا
ڈندوی رہ گئی نہ ذات ہے
واہ حیات تھی گیا وات ہے
غُوں غُوں نکلدی بات ہے
کھنگ کھنگ تے سر چکرا گیا

(افسوس کہ بڑھاپا آ پہنچا ہے۔ تمام جسم اور اعضا ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ دانت نام کی کوئی چیز تو باقی ہی نہیں بچی۔ نتیجتاً منہ عجیب و غریب ہو گیا ہے۔ بات کرتے ہوئے محض غوں غوں کی آواز سی نکلتی ہے۔ کھانستے کھانستے سر چکرا جاتا ہے)۔

ڈُتے والا، میانوالی کے ایک اَن پڑھ مزاحیہ شاعر عاشق راں ہیں جن کی مزاحیہ واریں جن میں طنز کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے، مشہور ہیں ''بنّو رانی'' ملاحظہ کیجیے جس میں ماں نو بیاہتا بیٹی کو اس طرح نصیحت کرتی ہے:

سُن بنّو رانی راہویں تڈ بنا کے
کوئی کُجھ جو آکھی ڈسّیں پیکے آ کے

پہلاں مہینے رکھیں سب نوں نوکر
بھانویں کجھ وی ہووے ماریں اڈی دی ٹھوکر
سر کوئی چائے، رکھیں کل نوا کے
سن بنو رانی راہویں تنڈ بنا کے

(سُنو نو بیاہتا بیٹی، تم نخرے سے رہنا۔ اگر تمھیں کوئی کچھ بھی کہے تو نخرہ کرنا۔ پہلے مہینے ہی سب کو نوکر کر لینا چاہیے۔ تمھارے سامنے کا نچ بھی ہو تو پاؤں کی ایڑی سے ٹھوکر مارنا۔ تمھارے سامنے کوئی سر نہ اُٹھائے سب کو جھکا کر رکھنا۔ سنو نو بیاہتا بیٹی تم نخرے سے رہنا۔)

ڈیرہ نواب صاحب ضلع بہاولپور کے شاعر فقیر بخش نشتی کی نظموں میں انگریزی الفاظ کا استعمال مزاح کا باعث بنتا ہے۔ چار شعر دیکھیے:

تیڈے حسن دی ڈیکھ تے لائٹ
میڈی پریم دی گزری نائٹ
آل نائٹ میں خواب پئے ڈٹھم
ہونٹھ عُنابی تے رُخ ہا وائٹ
کیا تھی پیا جو کر گئیں اَینڈ
میں نی بُھلدا اتیکوں فرینڈ
بائی گاڈ میں روندا راہنداں
میں ڈے اپنا فوٹو سینڈ

(تمھارے حسن کی روشنی کو دیکھ کر میری رات آرام سے بسر ہوگئی۔ تمام رات میں نے خواب دیکھتے گزار دی کہ ہونٹ عنابی اور چہرہ سفید تھا۔ کیا ہوا کہ تم بس کر گئے مگر دوست میں تمھیں نہیں بھول پاتا۔ بخدا میں روتا رہتا ہوں۔ مجھے اپنی تصویر بھیجو)۔

مخدوم غفور ستاری سرائیکی کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کا ایک معتبر نام ہے۔ نمونہ کلام دیکھیں:

ووٹاں دی رُت ہے کاکا
کُجھ تُوں وی مار ڈاکا
اَج وقت ہئی کَما گِھن
ٹُکر دی جاہ بنا گِھن

(اے شخص، اے بھائی! آج ووٹوں کا موسم ہے، اس لیے کچھ تم بھی ڈاکہ مارلو۔ آج وقت ہے کچھ کمالو اور کھانے پینے کی جگہ بنالو)۔

نئی نسل کے سرائیکی شاعر بھی پیچھے نہیں ہیں۔ بابر حمید بلوچ کی ایک نظم ساکوں لوڑھ اے لوکو رشتے دی'' اس طرح شروع ہوتی ہے۔

ساکوں لوڑ ہے لوکو رشتے دی ساڈا سولہویں پڑھدا چھور اے
ہے یُوسف ثانی، صورت تو ہِس حسن دی کوئی نہ تھوڑ اے
ذرا مغرور طبیعت دا، اِیں گالھوں قطرہ چَوڑ اے
ہے حد تُوں بہوں اشراف باہر کرو رشتے دی کُئی غور اے

(لوگو ہمیں ایک رشتے کی ضرورت ہے۔ ہمارا لڑکا سولھویں میں پڑھتا ہے۔ یوسف ثانی ہے اور اس کے حسن میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ ذرا طبیعت کا مغرور ہے، اس لیے تھوڑا بگڑا نکھد ہے۔ ویسے حد سے زیادہ شریف ہے اس لیے رشتے پر غور کیجیے)۔

غرض جدید دور میں بھی سرائیکی شاعری میں طنز و مزاح کا عنصر شامل ہے۔ ایسی شاعری دکھ اور غم میں متفکر انسان کو بھی کھلکھلا کر ہنسنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ایک عرصے سے سرائیکی زبان میں طنزیہ و مزاحیہ شاعری پر مشتمل کتابچے شائع ہو رہے ہیں۔ مرحوم شعرا میں دلو رام موجوی کے

''سب کم کرڈ کھلیند ے پیسہ''، ''ڈُو ڈرانڑیاں دا جھیڑا''، ''غافل سیٹھ تے نمک حرام نوکر''، ''سَس تے نونہہ دا جھیڑا''، منشی حسین بخش خان نامد مُبارکپور کا ''دا جل دی گئی''، محمد رمضان بے وَس سیت پوری کا ''دعا حصولِ زال'' وغیرہ کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ سرائیکی شعراء کے شعری مجموعوں میں مزاحیہ شاعری شامل ہوتی ہے۔ مثلاً: ۱۹۹۸ء میں کوٹ مٹھن کے چندوڈہ مغموم کے مجموعہ ''الکلّہ پھلا'' میں مزاحیہ شاعری موجود ہے۔ مثلاً نظم ''منصوبہ بندی'' جبکہ اس شاعر کی کتاب بعنوان ''ٹھاکے پھاکے'' صفحات ۱۲۶ تو طنز و مزاح پر ہی مشتمل ہے۔ ۱۹۹۸ء میں ہی رسولپور (جام پور) کے جمشید احمد کمترا حمدانی کے شعری مجموعے ''اُبھرداسجھ'' میں طنز و مزاح پر مشتمل نظمیں موجود ہیں۔ مارچ ۱۹۹۹ء میں دمان آرٹس کونسل ڈیرہ اسماعیل خان سے عبداللہ یزدانی کی ''اسماناں تُو لتھے پھل'' شائع ہوئی۔ اِس میں بھی مزاحیہ کلام موجود ہے۔ ۲۰۰۳ء میں میرن بلوچ کے مجموعے ''اکھریں دے پھل'' میں طنز و مزاح پر مشتمل شاعری موجود ہے۔ وہاں بے رنگ سرائیکی ادبی سنگت خان پور کا طنزیہ و مزاحیہ شاعری پر مشتمل کتابچہ ''شاعریں دے تروپے'' صفحات ۳۲ چھٹی بار ۲۰ نومبر ۲۰۰۳ء کو شائع کیا گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے پہلے صفحے پر مزاحیہ نثر یعنی لطیفے بھی شائع کیے گئے ہیں۔

جون ۲۰۰۴ء میں دلنور نور پوری کے ڈوہڑے، قطعے اور نظموں کا مجموعہ ''سچ کوں مرچاں'' جھوک پبلشرز ملتان نے شائع کیا۔ دلنور کے کتابچے ''پُتر جواری'' کا ساتواں ایڈیشن اگست ۲۰۰۵ء میں چھپا تو نومبر ۲۰۰۶ء میں ان کے ضخیم مجموعے ''مَتّاں مل پووے'' میں بھی ''طنز و مزاح'' کے عنوان سے شاعری صفحہ ۱۷۷ تا ۲۰۸ پر موجود ہے۔ ۲۰۰۶ء میں محمد رمضان مندو کا کتابچہ ''تانگہ'' صفحات ۳۲ مزاحیہ نظم ہے جسے جھوک پبلشرز ملتان نے چھاپا ہے، تو ۲۰۰۷ء میں سیف اللہ سیفل کے اکتوبر میں چھپنے والے کتابچے ''نصیبیں دی وَنڈ'' میں ''نونہہ سَس'' مزاحیہ ہے۔ جبکہ جون میں چھپنے والے کتابچے ''تماشہ'' میں بھی مزاحیہ کلام موجود ہے۔ دونوں کتابچے

جھوک پبلشرز نے ہی چھاپے۔ اِن کے علاوہ درج ذیل شعراء کے مطبوعہ کتابچوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکے ہیں۔

آزاد فیروز پوری کے "مہنگائی دی سَٹ" "غریب دی پکار"

اصغر ہینڈل کے "ہینڈل ۴۲۰" "پروتھابھت"

امام بخش شاکر کا "ڈکھ سُکھ دا حال"

بخت علی مسرور کا "رَن مُرید"

بشیر احمد آزاد کا "آکڑ دے نال ٹردے"

تاج محمد تاج کے "الیکشن ہِک تے ڈُو"، "ممبراں دا حال"، "ڈُوجھی ذال چِھتی ذال"

حضور بخش شاہین کے "ڈُوجھی شادی"، "ذال دی سِک"

خلیل ابنِ بے رنگ کا "غریب مُواپے"

دلنور نور پوری کے "اج کل دا دور ڈیکھو"، "بے فرمان پُتر"، "پُتر جواری"، "چِمچے گیر"، "ڈُوجھی شادی"، "رشوت"، "رَن مُرید"، "سچ کُوں مرچاں"، "واندھے دی اَرداس"، "ووٹ دا حقدار کون"

رحیم بخش حافظ کا "ڈُوجھی رَن"

رمضان فقیر کے "سَس نُونہہ دا تکرار"، "شادی دی دعا"

زید جعفری کے "بکھا عاشق"، "لالچی معشوق"

شبیر ابنِ بے رنگ کے "اَساڈے ممبر"، "تھانیدار"، "فصلی بٹیرے"

شفقت بزدار کا "نُونہہ تے سَس دا جھیڑا"

شہزادہ آصف کے "ٹھرکی مزاج"، "عاشق مزاج"

شیر محمد مسن کا "کتوں تے قیمہ دا جھیڑا"

عبدالقادر دامی کا "حملے دا حال"

عبدالقیوم منظر کا "چِٹکے دا پَٹکا المعروف وِیڈیو دی شوقن"

غلام سرور بے روزگار کے "بدھو"، "جرس ڈھڈھ شریف"، "کاں تے لالی دی شادی"

فیاض احمد فیاض کے ''پولیس مین''، ''رانی خان''

کریم بخش کریمن کا ''بس دا سفر''

محمد اکرم قریشی کے ''الانبھے''، ''ڈاکٹر یا ڈاکو''، ''عورت ذات ڈکھیں وات''، ''گنوار''

محمد اقبال عاقل کے ''تونہہ سَس دا جھیڑا''، ''ڈوجھی شادی دا انجام''، ''بڈھیپے دی کھنگھ''

محمد رفیق ساقی کا ''ننینگر ذال تے بڈھڑا پئیے''

محمد رمضان بے وس کا ''احوال زمانہ''، ''ڈُعا حصول ذال''

محمد قاسم شوکت بھٹی کے ''بھاڑی پُتر''، ''ذال دی شادی''، ''ذال دے نوکر''، ''شادی تھیوے''
''فلم دی شوقین''، ''فیشنی عورت''، ''کھلپا''۔

محمد نواز شید انوری کا ''ٹیڈی فیشن''

محمد یار بے رنگ کا ''چمچہ''

منظور احمد شوق اُچوی کا ''ذال دے گن''

میر عبداللہ خان احمدانی کا ''میر دا سائیکل''

ہمراز سیال اُچوی کا ''ڈش انٹینا'' وغیرہ

مقبول ہوئے ہیں، دیگر یادگار مزاحیہ نظموں میں یتیم جتوئی مرحوم کی ''دیہہ دا گھگھرا، مَری کنوار، ان پڑھ جٹّی دا خط''، جانباز جتوئی مرحوم کی ''لوٹیاں سُودھی جھلار چٹ اے''، نصر اللہ خان ناصر کی ''پٹواری''، غلام سیت پوری مرحوم اور حافظ عبدالکریم دلشاد کی ''بڈھیپا''، مختیار مست کی ''ذال''، شاغل صدیقی مرحوم کی ''معاشرہ''، رفیق ساحل کی ''بس ڈرائیور'' کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ''بس دا سفر'' سے نمونہ دیکھیں:

رن بَس دے ٹورے لاوے　　　مرد کریمؔن گھر وساوے
کنی روٹی آپ پکاوے　　　ننڈھے چھوٹے بال رہاوے

(عورت بسوں پر سیر کر رہی ہے اور کیرمن مرد ہو کر گھر کو آباد کیے بیٹھا ہے۔ روٹی ہنڈیا خود پکا رہا ہے اور چھوٹے بچوں کو بہلا رہا ہے۔)

Scanned with CamScanner

''ڈوجھی شادی'' کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

جیکر ڈوجھی رَن پرنیسیں   جو دم جیسیں اَوکھا تھیسیں
رناں کنوں روز کٹیسیں   کٹ کٹ ڈیسن پسلیاں بھن

(اگر تم دوسری شادی کرو گے تو جتنا عرصہ زندہ رہو گے، تنگ رہو گے، عورتوں سے روز مار کھاؤ گے اور وہ مار مار کر تمھاری پسلیاں توڑ دیں گی۔)

طنزیہ و مزاحیہ کلام پر مشتمل کتب کی روایت بھی موجود ہے۔ مثلاً جھوک پبلشرز ملتان کی شائع کردہ دو کتب دیکھیں۔ نومبر ۱۹۹۸ء میں چھپنے والی کتاب ''خدُ ولا'' کو جو نومبر ۱۹۹۸ء میں چھپ چکی تھی، دوسری بار مئی ۲۰۰۵ء میں ۱۶۰ صفحات کی کتابی شکل میں شائع کی گئی۔ خُدولا کے تخلص سے ڈاکٹر خورشید محمد نلک نے شاعری کی ہے اور اپنے رسالے ماہنامہ ''عصائے کلیم المعروف دِگا'' کوٹ مٹھن میں ۱۹۹۳ء سے ۱۹۹۸ء کے درمیان ایک تہذیبی اشعار ''خُد لا پو لی'' کی زبان سے ادبی مزاحیہ کلام تخلیق کیا ہے۔ نظم ''گورے'' کے دو شعر دیکھیں۔

صدارت تُہاڈی، نظامت تُہاڈی   سیاست تہاڈی، وزارت تُہاڈی
پنجاہ سال تُوں مِل تے قوم ساری   بجھندی وڈّی ہے بُجھارت تُہاڈی

کتاب میں صفحہ ۱۳۷ سے تبرکاتِ خلیق ملتانی شامل ہیں۔ جن میں ایک نظم اور ۲۹ مزاحیہ قطعات شامل ہیں۔ دوسری کتاب ۲۰۰۶ء میں فیض بلوچ نے مُرتّب کر کے ''سرائیکی شاعری اچ طنز و مزاح'' کے عنوان سے ۶۴ صفحات پر مشتمل شائع کرائی ہے۔ مختلف ادوار کے مختلف علاقوں کے مزاحیہ شعراء کے مختلف اصنافِ سخن میں لکھے گئے مزاحیہ کلام کا انتخاب ہے۔ اِس سے پہلے ۲۰۰۱ء میں زید جعفری ''مزاحیہ سرائیکی شاعری'' کے عنوان سے مُرتّب کر کے ۶۴ صفحات کی کتابی صورت میں انتخاب ادب ملتان سے شائع کرا چکے تھے اور دسمبر ۲۰۰۲ء میں محمد اکرم قریشی

بزمِ اکرم مانہ احمدانی سے ''مزاحیہ شاعری'' کے عنوان سے مختلف مزاحیہ شعراء کا کلام بارہ صفحات کے کتابچے میں شائع کرا چکے تھے۔ اِس میں اللہ وسایا قریشی، غلام حسین قمر مانوی اور کریم بخش کریمن وغیرہ کا کلام شامل ہے۔ دلنور نور پوری نے بھی دلنور سرائیکی پبلیکیشنز نور پور نورنگا بہاولپور سے ''مزاحیہ نظماں'' کے عنوان سے کتابچہ شائع کیا ہے۔

(ب) نثر

سرائیکی نثری ادب بھی طنز و مزاح سے خالی نہیں۔ طنزیہ و مزاحیہ ادب مختلف اصناف، مضامین، فکاہیہ کالم، ڈرامے، افسانے، خاکے، مکالمے، خط، لطیفے وغیرہ میں اخبارات و رسائل کے علاوہ کتابوں اور کتابچوں کی شکل میں چھپا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بریگیڈیئر ریٹائرڈ سید نذیر علی شاہ مرحوم کے مضمون ''اَکھ پٹ کناری ڈھاندی اے'' سہ ماہی ''سرائیکی'' بہاولپور کے جنوری ۱۹۶۷ء میں اور ''ہِک گالھ کریندان'' ، ماہوار ''اختر'' ملتان کے اگست ۱۹۶۸ء کے شمارے میں شائع ہوئے۔ اس کے بعد ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔ جس کے لکھنے والوں میں ابن الامام شفقتر، ابن قیصر، انجم لشاری مرحوم، راہی گبول، فاروق آتش، ممتاز الحسن الیاس فاروقی، منظور اعوان، میاں نذیر، نجیب الدین اویسی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

طنزیہ و مزاحیہ ادب میں ایک بڑا حصہ فکاہیہ کالموں کا ہے۔ ''سرائیکی ادب'' ملتان کے ۷۳-۱۹۷۲ء کے شماروں میں م۔ا۔ت (محمد اقبال تحسین سبائے والوی مرحوم) اور کلیم جتوئی نے ''ایڈون اوڈوں'' کے عنوان سے لکھا تو ۷۴-۱۹۷۳ء میں مولانا نور احمد خان فریدی مرحوم نے ''مٹھیاں چونڈھیاں'' کے عنوان سے سہ ماہی ''سرائیکی'' میں اپریل ۱۹۷۲ء میں نشتر غوری مرحوم نے ''نوکاں جھوکاں'' لکھا تو قیصر مصطفیٰ جلیس نے ہفتہ وار ''تمدّن'' ڈیرہ اسماعیل خان کے جون ۱۹۷۵ء میں ''نوکاں ٹوکاں'' کے عنوان سے لکھا۔ م۔ی۔ قیصرانی نے ''سنہیا'' ستمبر ۱۹۷۸ء میں ''بٹ کڑاک'' لکھا تو اقبال سوکڑی نے ''سوچاں'' کے پہلے شمارے اپریل ۱۹۸۰ء سے آخری

Scanned with CamScanner

شمارے جولائی ۱۹۸۳ء تک ''شراتی شیشہ'' کے عنوان سے لکھا۔ روزنامہ ''جھوک'' جب خان پور سے شروع ہوا تو انیس دین پوری کا فکاہیہ کالموں کی تاریخ کا سب سے طویل اور یادگار سلسلہ ''بٹ کڑاک'' شروع ہوا۔ ''جھوک'' ہی نے راہی گبول کا ''گٹ کڑاک'' اور ''اکھ پٹ'' اختر شاکر کا ''ول ڈیکھ تماشا'' فیصل رفیق تبسم کا ''چوچدھار'' اے بی بھٹی کا ''چونڈھیاں'' سجاد حیدر پرویز کا ''کندھ دے اوڈھر'' وغیرہ شائع کیے۔ روزنامہ ''سانول'' لاہور نے گ۔ ع اور دولت علی کے ''میڈا کالم'' روزنامہ ''سرائیکی گو''، ڈیرہ غازی خان نے حسین گوہر کا ''چُتّی'' روزنامہ ''سجاک'' ملتان نے عباس ملک کا ''جھات''، شبیر حسن اختر کا ''پارت'' ہفت روزہ ''سرائیکی آواز''، خان پور نے محمد نواز فریدی کا ''لِیر کیتراں'' ہفت روزہ ''صدائے مخدوم'' مظفر گڑھ نے غفور ستاری کا ''گانمن سچیار''، پندرہ روزہ ''پربت'' کوئٹہ نے مصطفیٰ خادم کا ''چڑن گوڑ'' وغیرہ شائع کیے۔ ان کالموں کا ایک بڑا حصہ فرضی یا قلمی ناموں سے لکھا گیا، جیسے سرائیکی ادب نومبر ۱۹۷۲ء میں ''چھچھ گیری'' کے عنوان سے مُلّاں ہاں ٹھار ''جھوک'' میں ''کھیر کھنڈ'' کے عنوان سے بندہ بشر ''سرائیکی گو'' میں ''تماشا'' کے عنوان سے تماشبین اور ''فرید رنگ'' میں ''سچ گوں مرچاں'' سیلانی نے لکھے۔ صرف ۱۹۹۴ء میں مختلف اخبارات و رسائل میں چھپنے والے سلسلہ وار کالموں کی تعداد اٹھارہ تھی۔ (ح۔۲۰)

م۔ی قیصرانی کی تحریر سے ایک اقتباس دیکھیے:

''ڈُوذال پئے ہک ہوٹل وچ بٹ کڑاک کریندے (بلکہ مریندے بیٹھے ہِن۔ کیوں جو ذال پئے ہک بےکوں گال سُنیندے گھٹ تیں ڈانگ آلی کار مریندے زیادہ ہِن) تاں سائیں انہیں دی بٹ کڑاک آرٹ تیں فن اُتیں تھیندی پئی ہاوی؟ ساہمنے کندھ اُتیں ہک تصویر ٹنگی ہوئی ہائی۔ ذال آہدی ہئی جو تصویر اِچ تریمت ذات کوں مظلوم ڈکھایا گئے تیں مڑس آہدا ہا جو تصویر دے مرکزی خیال وچ عورت ظالم نظر دی پئی ہے۔

جھیڑ ھلے ڈُوہیں کہیں حل اُتیں نہ اَپڑ سگیئے تاں بیرے کوں سَڈ یونیں تیں
اُوں کنوں پچھونیں جو تصویر دا مرکزی خیال چہ ہے بیرے کجھ واہنو تج
کیں تے کجھ شرمیج کیں آکھیا۔ سائیں کیوں ٹوکاں کریندے او ایہہ تاں
کندھی دا پلستر اُکھڑیا کھڑے''۔ (ح-۲۱)

طنزیہ و مزاحیہ مطبوعہ مضامین کی گنتی اب تک سینکڑوں میں پہنچ چکی ہے۔ جہاں ''سرائیکی ادب'' میں چھپے نجیب الدین اویسی کے مضمون ''مَیڈے سکّے'' (جون، جولائی ۱۹۷۹ء) اور ''مَیڈے نورتن'' (جون ۱۹۸۴ء) قابلِ ذکر ہیں۔ وہاں حیات چغتائی کا ''بندے دے لِنگھ تے اُنہیں دے کم کار'' (نومبر ۱۹۷۹ء) اور ''سوچاں'' نمبر ۴ (مطبوعہ جولائی ۱۹۸۳ء) میں صفدر بلوچ کا ''نویں لغات'' پیروڈی کے حوالے سے منفرد مثالیں ہیں۔ اُردو کے معروف ادیبوں نے بھی اس طرف دھیان دیا جیسے پروفیسر حسین سحر کا ''مِنی ویگن'' اور ڈاکٹر صلاح الدین حیدر کا ''لاڈلا بال'' کی مثال دی جاسکتی ہے۔ خواتین بھی اس میدان میں پیچھے نہیں ہیں۔ مثلاً سہ ماہی ''سرائیکی'' میں سلمٰی قریشی کا ''ڈینہہ تتّا تے جِن متّا'' (جولائی ۱۹۶۷ء)، بیگم تسنیم رشید غوری کا ''بٹ کڑاک'' (جنوری ۱۹۷۲ء) اور مُسّرت کلانچوی کا ''پیو، گھر دا گھیو'' (اکتوبر ۱۹۸۴ء) جبکہ ماہانامہ ''سرائیکی ادب'' میں مسرت کلانچوی کا ''اسّاں مضمون لکھیا'' (ستمبر ۱۹۷۵ء) پروین عزیز کا ''مسکراؤ تاں سہی'' (نومبر ۱۹۷۷ء) اور فوزیہ باقر کا ''جشنِ بہاراں'' (مارچ ۱۹۷۹ء) اس کی ابتدائی مثالیں ہیں۔

طنزیہ و مزاحیہ مطبوعہ نثری کتابوں اور کتابچوں کا ایک جائزہ اس طرح ہے۔

۱۔	گُتکالیاں	اسلم قریشی	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	۱۹۸۲ء
۲۔	ٹک ٹکور	ابنِ قیصر	سنیہا پبلی کیشنز کوٹ قیصرانی	۱۹۸۳ء
۳۔	بُجھ پیا او سونا	دلشاد کلانچوی	اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور	۱۹۸۷ء
۴۔	مِٹھڑے تیر	راہی گبول	سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی بھونگ	۱۹۹۲ء
۵۔	گُجھے ڈَھک	منظور احمد اعوان	سنجوک سرائیکی ادبی سنگت رحیم یار خان	مارچ ۱۹۹۳ء
۶۔	صحرائیں گلاب	ڈاکٹر محمد عباس	شمیم خطاطی اکیڈمی ڈیرہ غازی خان	جنوری ۱۹۹۴ء

Scanned with CamScanner

سرائیکی نثر میں لطیفوں کے مختلف مجموعے شائع ہوئے۔ ''ڈندنہ پٹ'' احسان اعوان نے جنوری ۱۹۹۴ء میں مرتب کیے جسے دلچسپ سرائیکی سنگت جندو پیر کمال نے شائع کیا۔ مختلف اداروں نے اس کے متعدد ایڈیشن شائع کیے ہیں۔ ''کھل اوئے کا کا کھل'' ستمبر ۱۹۹۶ء میں سجاد حیدر پرویز نے سرائیکی نثر کی ریڈرشپ میں اضافے کے لیے لکھے۔ دلنور سرائیکی پبلیکیشنز نور پور نورنگا بہاولپور نے ہی اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۶ء میں شائع کیا۔ سرائیکی دانشور حمید اُلفت ملغانی کی اہلیہ سعیدہ بانو بلوچ نے سلیمان برادرز سے چار مجموعے شائع کرائے۔ ''مٹھڑی مُسکار'' اور ''گھوٹ کنوار دے لطیفے'' ۱۹۹۷ء میں جبکہ ''ڈاکٹریں دے لطیفے'' اور ''نرسیں دے لطیفے'' ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئے۔ راہی گبول کے پانچ مجموعے ''ڈڈکٹ''، ''کھل دے ٹہکارے'' (نومبر ۹۷ء) مشکو لے (مارچ ۹۹ء) وَلا ڈندنہ پٹ (اپریل ۲۰۰۱ء) اور ''مشکریاں'' (۲۰۰۵ء) میں شائع ہوئے۔ منظور اعوان کا ''کتکاڑیاں'' اپریل ۱۹۹۷ء میں ،قدیرالدین قباچہ کا ''کھل اوئے کھل'' ۲۰۰۰ء میں زید جعفری کا ۶۸ صفحات کا مُرتبہ مجموعہ ''کھل دے ٹہکارے'' ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئے۔

''کتکالیاں'' میں جہاں اسلم قریشی نے اُردو کے مزاحیہ ادب سے پانچ شہ پارے (امتیاز علی تاج کا ''چچا چھکّن''، پطرس بخاری کا ''مرحومہ کی یاد میں'' شوکت تھانوی کا ''رضائی'' سجاد حیدر یلدرم کا ''مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ'' اور رشید احمد صدیقی کا ''میرا بچپن'') ترجمہ کیے ہیں وہاں فدائے اطہر، س، پروین، قاسم جلال، ابن الامام شفتر اور اسلم قریشی کی پانچ طبع زاد تحریریں بھی اس میں شامل ہیں۔ اس کے بعد آنے والی کتاب ''ٹک ٹکور'' میں دو مزاحیہ نظموں اور مضمونوں کے علاوہ چھ لطیفے شامل ہیں۔ دراصل سرائیکی کا طنزیہ و مزاحیہ ادب مختلف نثری صنفوں میں لکھا گیا ہے۔ ان چھ لطیفوں کے علاوہ ''گجھے دھک'' میں پندرہ لطیفوں کے علاوہ لطیفوں کے تین با قاعدہ مجموعے احسان اعوان کا ''ڈندنہ پٹ (۵۱ لطیفے)، سجاد حیدر پرویز کا ''کھل اوئے کا کا کھل'' (۵۰ لطیفے) اور بانو بلوچ کا ''گھوٹ کنوارے دے لطیفے'' (۱۰۵ لطیفے) چھپ چکے ہیں۔ جمشید کمتر رسولپوری کی ''سرائیکی سمل'' مطبوعہ ۱۹۷۷ء میں ۳ لطیفے اور کمتر کی ایک اور کتاب ''سرائیکی ساڈی

سنجان'' مطبوعہ ستمبر ۱۹۹۲ء میں شامل ۳ لطیفے ان کے علاوہ ہیں۔ اسی طرح جہاں '' کھکالیاں'' میں قاسم جلال کی تحریر'' مالشی' فیچر ہے وہاں ''مٹھڑے تیر'' میں'' صاحب بہادر'' اور'' گجھے دکھ'' میں ''محبت دا جنازہ'' ڈرامے ہیں۔ ''بٹھ پیا او سونا'' میں'' ذخیرہ اندوز دے ناں'' اور'' جھوٹے مقدمہ باز دے ناں'' خط ہیں۔ قاصر فریدی کی'' کوجھے موڑ'' تو خیر ہے ہی مکالموں کا مجموعہ، جس میں گیارہ مکالمے شامل ہیں جبکہ '' گجھے دکھ'' میں بھی '' ہک طالب علم نال گالھ مہاڑ'' اور ''مٹھڑے تیر'' میں ''بختی چور نال گالھ مہاڑ'' بھی مکالمے ہیں۔

سرائیکی طنزیہ و مزاحیہ نثری ادب کے اسلوب اور موضوعات پر بات کریں تو راہی گبول کی تحریروں میں ہلکی ہلکی مسکان ہے۔ جو خود بخود ہونٹوں پر آ جاتی ہے وہ صرف چٹکی لیتے ہیں۔ ان کا اسلوب نمکین اور مزیدار ہے۔ ان کی کتاب میں افسانہ، انشائیہ، خاکہ، مکالمہ غرض ہر صنف موجود ہے۔ شاید وہ سرائیکی نثر کی ہر صنف میں طنز و مزاح کے جوہر دکھانا چاہتے ہیں۔ '' گجھے دکھ'' میں جہاں قاسم جلال نے لکھا ہے کہ منظور اعوان کی یہ کتاب سرائیکی کے مزاحیہ ادب میں ایک اہم اضافہ ثابت ہوگی وہیں وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

> '' گجھے دکھ'' کے آئینے میں اپنی بدلی اور بگڑی ہوئی شکلیں دیکھ کر پہلے ہمارے ہونٹوں پر قہقہے آتے ہیں اور پھر آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں''۔ (ح۔۲۲)

جبکہ دلشاد کلانچوی مرحوم اپنی کتاب ''بٹھ پیا او سونا'' کی تحریروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> '' یہ اپنی باتیں ہیں، اپنے وسیب کی باتیں ہیں، اپنی ثقافت کی باتیں ہیں۔
> یہ میٹھی میٹھی باتیں ہیں یا کڑوی کسیلی باتیں ہیں۔ یہ پسند آتی ہیں یا نہیں۔
> سنتے تو رہتے ہیں۔ آج پڑھ بھی لیں۔ شاید کوئی بات دلشاد کر دے''۔

''صحرا میں گلاب'' جو طنزیہ مضمونوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں نثر پاروں کے ساتھ کچھ نظمیں بھی دی گئی ہیں۔ اس کتاب کی منفرد بات یہ ہے کہ کتاب کے ایک صفحہ پر سرائیکی اور سامنے والے صفحے پر اس کا اُردو ترجمہ دیا گیا ہے۔

صحافت

کالم نگاری

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ صحافت نے ہر زبان کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ کسی بھی زبان میں چھپنے والے اخبار اور رسالے اس زبان کے بولنے والوں کے نمائندہ سمجھے جاتے ہیں اور زبان بولنے والوں کی پسماندگی یا ترقی کے مظہر ہوتے ہیں۔ سرائیکی زبان میں صحافت کے ابتدائی خدوخال کیا رہے؟ باقاعدہ آغاز کب ہوا؟ ارتقائی مراحل سے گزر کر اب اِس کی کیا صورت ہے؟ اِن سوالوں کا جواب تین زمانی اَدوار کے ذریعے ڈھونڈھتے ہیں۔ کچھ اخبار، رسالے، کتابی سیریز تو خالص سرائیکی زبان میں چھپے۔ کچھ قومی زبان اُردو کے ساتھ مل کر سامنے آئے کہ دونوں طرح کی ریڈرشِپ کو مائل کیا جا سکے۔ کچھ پنجابی، سندھی جیسی ہمسایہ زبانوں کے اخبارات و رسائل میں جگہ پاتے رہے اور کچھ خالص اُردو، اخبارات و رسائل و جرائد ہیں، مگر اِنھوں نے اُردو میڈیم میں سرائیکی علاقے کی تاریخ، ثقافت، شخصیات، زبان اور ادب کی نمائندگی کی۔ اِن سب کا ایک جائزہ پیش ہے۔ یاد رہے کہ گارساں دتاسی کے مطابق:

> ''۱۸۵۲ء میں ملتان میں ایک چھاپہ خانہ قائم تھا اور ۱۸۶۶ء میں پہلا صادق الانوار پریس قائم ہوا۔''

I ۔ پہلا دور ۱۸۲۳ء سے ۱۹۴۷ء تک (۱۵۔عدد)

مُغل بادشاہ شاہجہاں کے دور کے سرکاری اخبار، جو دارالخلافہ، ''شاہجہاں آباد'' سے شائع ہوتا تھا۔ ۱۴۔ ربیع الاوّل ۱۱۸۳ھ (اندازاً ۱۷۶۹ء) کے شمارے سے پتہ چلتا ہے کہ صوبہ

ملتان میں ایسے وقائع نویس موجود ہیں جو یہاں کی خبریں بھیجتے تھے۔ اسی طرح کلکتہ کا ہفتہ وار اخبار ''شمس الاخبار'' جو ۱۸۲۳ء میں شائع ہو رہا تھا، اِس اخبار کے ساتھ ملتان کا ایک اخبار نویس وابستہ تھا۔ توفیق حسن کی کتاب ''ہندوستان میں اخبار نویسی کی ابتداء'' میں لکھا ہے:

''ملتان اُجڑ کر پھر آباد ہوتا رہ گیا ہے، اگر ملتان میں شورشیں نہ ہوتیں تو یہ شہر اپنی قدامت کے برابر بڑا ہوتا۔ پھر بھی یہ شہر اخبار نویسی اور دوسرے شہروں کے اخبارات کو خبریں بھیجنے کے معاملے میں اپنی ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔'' (صفحہ۔۱۷۱)

۱۔روزنامہ ''شمس'' ملتان (۱۸۲۳ء تا ۱۸۹۱ء)

غلام حسین نقوی نے جاری کیا۔ پریتم سنگھ آہوجہ ساکن ڈیرہ غازیخان نے اپنی کتاب ''ہڈورتی'' (اُردو) مطبوعہ دہلی ۱۹۷۹ء میں اِس کا ذکر کیا ہے۔ ابتدائی دور کے اخبارات میں مقامی خبروں، مسائل کو مقامی زبان کی اصطلاحات یا مخصوص الفاظ کے ذریعے ہی بیان کیا جاتا تھا یا پھر کہیں کوئی مقامی کہاوت یا مقبول عام مصرعہ استعمال ہو جاتا تھا۔

۲۔ہفت روزہ ''صادق الاخبار'' بہاولپور (بندش: ۱۸۹۹ء)

صادق آباد کے میر زاہد حسین کے ریکارڈ کے مطابق ۱۶ صفحات کا یہ اخبار ہر جمعرات کو شائع ہوتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی محمد اشرف بزمی اور حافظ عبداللہ دس قدسی تھے۔ یہ اخبار نواب بہاولپور نے حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے فرمان پر جاری کیا۔ جس میں اُردو اور فارسی کے ساتھ سرائیکی کلام بھی چھپتا تھا۔

۳۔ ''فکرِ فریدؒ''۔ چاچڑاں (بہاولپور) (بندش دسمبر ۱۹۰۰ء)

مولانا نبی بخش فریدی کے ریکارڈ کے مطابق یہ رسالہ چاچڑاں سے شمال میں بیٹ سمکہ

Scanned with CamScanner

سے نکالا گیا۔ دوسرا اور آخری پرچہ ۱۳۱۸ھ (دسمبر ۱۹۰۰ء) میں شائع ہوا۔ مدیر خواجہ فریدؒ کے مُریدؒ فقیر حکیم اللہ بخش جھکڑ تھے۔ چالیس صفحات پر مشتمل ان دو شماروں میں خواجہ کے اقوال، افکار اور اشعار شامل تھے۔

۴۔ ''اخبارِ حق'' ۔ الہ آباد (رحیم یار خان) (جاری ۱۹۰۲ء)

اِس اخبار کی سرائیکی اِضافی حروف اور رسم الخط کے حوالے سے لسانی اہمیت بھی ہے کہ اضافی حروف ب۔ ڈ۔ گ کے نیچے گول دائرہ اور ن+ ڑ کی آواز کو ''نڑ'' لکھا جاتا تھا۔ یہ قلمی اخبار سرائیکی میں مولانا نور احمد راجوڑی نکالتے تھے۔ وراثت، شادی، طلاق کے مسئلے بتائے جاتے تھے۔ ۱۹۰۲ء کے کچھ پرچے محمد اظہر کے پاس موجود ہیں۔

(۵)۔ ''حکمت'' ۔ الہ آباد (رحیم یار خان) (جاری ۱۹۲۲ء)

اِس اخبار کے ملنے کے دو پتے درج ہوتے تھے۔ پہلا معاون۔ حکیم غلام یٰسین دواخانہ برلبِ بہاول واہ اور دوسرا مالک اخبار حکیم نتھو رام مُتصل عدالت جج الہ آباد۔ یہ فارسی۔ اُردو۔ ہندی کے ساتھ سرائیکی زبان میں بھی چھپتا تھا۔ مثلاً ''چھٹانک'' کو ''شارک'' لکھا جاتا تھا۔ ایک پنساری حکیم رانجھے خان کی دوکان کا اشتہار ملاحظہ فرمائیں:

''تجرُ د سائیں دا آزمودہ نُخہ

تَپ جیھجاوی ہووے لَپ رانجھے دی ہووے

دَہندی اَکھ گیتے۔ بھتّل دا پانڑیں

فَردری لَکھ وی نہ جانڑیں

دوانال دعا مُفت''

۱۹۲۲ء کے کچھ شمارے غلام نازک فریدی نمبردار دیدہ گبولاں کے پاس موجود ہیں۔

(۶) ہفت روزہ ''الشمس'' ۔ ملتان (آغاز ۱۹۲۲ء۔ ۱۹۹۰ء اندازاً)

اسد ملتانی کے بھائی محمد اکرم خان شیرانی مرحوم بانی تھے۔ اُن کی بیٹی ایس ایف اکرم شیرانی مُدیر تھیں جبکہ اُن کے داماد جاوید احسن اشاعتی معاملات کی نگرانی کرتے تھے۔ ۱۹۸۴ء کے شماروں پر جلد ۳۴، ۱۹۸۶ء پر جلد ۳۶ اور ۱۹۸۷ء پر جلد ۳۷ درج ہے۔ ۱۹۸۷ء میں ارشاد احمد امین مُدیر ہوئے تو اس سال فروری سے نومبر تک ممتاز حیدر ڈاہر مرحوم کی نگرانی میں سرائیکی ادبی صفحہ ''وسیب'' بھی باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۵۴ء میں اس کی اشاعت میں تعطّل آیا اور بیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائی میں یہ پرچہ بالکل چھپنا بند ہو گیا۔

(۷)۔ ہفت روزہ ''ساقی'' ملتان (آغاز۔ ۱۹۲۸ء۔ بندش ۱۹۳۰ء)

مشہور شاعرہ بہار النساء بہار کے دادا، مُنیر الدین تمنا مرحوم (وفات۔ ۱۹۹۶ء) کے والد مولوی خیر الدین (صابر ملتانی) کتب فروش ملتانی مرثیہ جات و ناشر کتب اِس کے مُدیر اور مالک تھے۔ سرائیکی کلام اور مرثیہ جات شائع ہوتے رہے۔

(۸)۔ ماہنامہ ''الفریدؒ'' چاچڑاں (بہاولپور) (اجراء ۱۹۳۱ء)

مولانا نور احمد خان فریدی نے اپنے مُرشد خواجہ نور احمد فریدی عُرف سانول کریم فرید آباد۔ رحیم یار خان (ولادت جمادی الثانی ۱۲۹۳ء۔ تا محُرم ۱۳۵۵ھ) کے نام پر ''الفرید'' جاری کیا۔ حکیم مولوی محمد عبدالحق احسان اِس کو ترتیب دیتے تھے۔ ۲۲ شمارے شائع ہوئے۔ ۱۶ پرچے دبیر الملک لائبریری بہاولپور میں محفوظ ہیں۔ ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' مُلتان شمارہ اگست ۱۹۷۶ء صفحہ ۴۸ پر مولانا نور احمد خان فریدی کی تحریر کے مطابق:

> دیوان فریدؒ کے ترجمے کی تحریک تو ۱۹۲۶ء خواجہ فیض احمد (فرید آباد) خلیفہ حضرت خواجہ فریدؒ کے زمانے سے تھی۔ اِس کے اجراء پر ممتاز مرحوم نے قطع لکھا جس سے سال اجراء بھی نکلتا ہے۔

یادگارِ خواجہ قطب اولیاء ...... ہے فریدی نے نکالا ''الفرید''

دراصل مولانا غلام رسول مرحوم جتوئی اِس میں خواجہ فریدؒ کی کافیوں کا ترجمہ لکھتے تھے۔

(۹)۔ ''میراث'' (جاری: ۱۹۳۲)

مفتی عبدالواحد کے ریکارڈ کے مطابق اِس کے دو شُمارے شوال (صفحات ۴۳) ذی قعد (صفحات ۔ ۴۸) مطبوعہ ۱۹۳۲ء موجود ہیں۔ بانی اور مُدیر مولانا سراج احمد مکھن بیلوی (مکھن بیلہ۔ زوہیلانوالی ضلع مظفر گڑھ میں ہے۔) تھے۔ عربی، فارسی اور اُردو زبانوں میں میراث کے مسائل چھاپے جاتے تھے مگر سرائیکی نام اور کلام (نعتیں اور کافیاں بالخصوص خواجہ فریدؒ کی) شامل ہیں۔

(۱۰)۔ ہفتہ وار ''سفینہ'' ڈیرہ غازیخان (آغاز: ۱۹۳۲ء)

مشہور سرائیکی شاعر غلام حسین زائر (پہلے ظاہر لکھتے تھے) مرحوم (یکم جون ۱۹۱۶ء تا ۱۹۹۹ء) نے شروع کیا۔ وہی مالک اور وہی ایڈیٹر تھے۔ اُن کی بیٹی رشیدہ اردو اور سرائیکی کی شاعرہ ہیں۔

(۱۱)۔ ماہنامہ ''گنجِ شکر'' ملتان (آغاز ۱۹۳۴ء۔ بندش ۔ ۱۹۳۵ء)

مولانا نُور احمد خان فریدی (۸۔ ستمبر ۱۹۰۸ء۔ ۱۹۹۴ء) نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ (کو ٹھیوال۔ ملتان) سے اظہارِ عقیدت کے لیے جاری کیا۔ اس میں بابا فریدؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرنے والے مضامین شائع ہوتے تھے۔ رسالہ نو بہار الیکٹرک پریس ملتان میں چھپا تھا۔ مولانا فریدیؒ کی متذکرہ بالاتحریر بسلسلہ ''الفرید'' کے مطابق دیوانِ فریدؒ کے ترجمے کی اشاعت کے تسلسل کے لیے ''الفریدؒ'' کی بوجوہ بندش پر مرشد سے اجازت لے کر ''گنج شکر'' کا اجراء کیا تھا۔

Scanned with CamScanner

(۱۲)۔ پندرہ روزہ ''العاشق'' ملتان (۱۹۳۹ء۔۱۹۴۲ء)

فِقہ جعفریہ اور دیگر فرقوں کے خیالات، مضامین اور مراسلے شائع ہوتے تھے۔ مدیر منشی گل محمد تھے۔

(۱۳)۔ ماہنامہ / ہفت روزہ ''العزیز'' بہاولپور (۱۹۳۹ء۔ ۱۹۴۶ء)

نگران مولوی عزیز الرحمٰن اور مدیر حفیظ الرحمٰن تھے۔ پہلے ماہنامہ تھا۔ (اکتوبر ۱۹۴۳ء کا ایک شمارہ میرے پاس موجود ہے۔) پھر ہفت روزہ ہو گیا۔ تمام ریکارڈ سیٹھ محمد عبید الرحمٰن علیگ (ماڈل ٹاؤن بی۔ بہاولپور) کے پاس محفوظ ہے۔ یہ باتصویر چھپتا تھا ہفت روزہ کے دور میں کچھ عرصہ علامہ رحمت اللہ ارشد مدیر رہے) یہ سرائیکی صحافت کا ایک اہم سنگِ میل سمجھا جاتا ہے۔

(۱۴)۔ سہ روزہ ''روشن چراغ'' ۔ ملتان (۱۹۴۱ء۔۱۹۵۸ء)

مدیر عاشق حسین حسینی سرائیکی شاعر تھے۔ ہر شُمارے میں اپنی سرائیکی شاعری ضرور شائع کرتے تھے۔ اخبار کا دفتر اُن کے گھر پُل موج دریا ملتان میں تھا۔ اخبار برقی پریس سے شائع ہوتا تھا۔

(۱۵)۔ ہفت روزہ ''اصلاح'' ۔ ڈیرہ غازیخان

یہ ڈسٹرکٹ بورڈ کا اخبار تھا، جس کے ایڈیٹر تحصیل تونسہ کے تُمن کھیتران کے اللہ نواز کھیتران تھے۔ جو خود سرائیکی کے قادر الکلام شاعر اور نثر نگار تھے۔

II۔ ڈوسرا دور۔ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۸۵ء (۳۳ عدد)

پہلے دور میں اکا دُکا اخبار یا رسالے تھے جن میں سرائیکی علاقے کے لوگوں کے مسائل، حالات، مطالبات کے بارے میں خبریں یا کم از کم شاعری نظر آ جاتی تھی۔ اب سرکاری اور نجی اخبارات و رسائل کے ناشران نے مقامی زبان سرائیکی کو وقعت دینا شروع کر دی۔

(۱)۔ ماہنامہ "پنجند" کراچی (جاری: ۱۹۵۰ء)

جون سے دسمبر ۱۹۵۰ء ۲۴ صفحات پر مشتمل چھ شمارے شائع ہوئے۔ ایڈیٹر سیّد علی شاہ ملتانی تھے۔ دبیر الملک لائبریری بہاولپور میں محفوظ ہیں۔ راقم کے پاس بھی پہلا شمارہ جون ۱۹۵۰ء موجود ہے۔ جلد نمبر ا شمارہ نمبر ا پر اعزازی مدیر مولوی نور احمد فریدی اور امان اللہ احمدانی کے نام بھی چھپے ہیں۔ کاتب کا نام شبیر کربلائی ڈیروی درج ہے۔

(۲)۔ ہفت روزہ "راستہ" خان پور (۱۹۵۶ء۔۱۹۶۴ء)

جنوری ۵۶ء میں ایڈیٹر میاں ظہیر الحق دین پوراور سب ایڈیٹر مس رفیع قمر (سرائیکی نثر نگار خاتون) تھیں۔ اپریل ۱۹۶۰ء کے شمارے میں خواجہ فرید کو "سرائیکی بولی دا بابا آدم" کہا گیا ہے اور خواجہ کی کافی، حکیم غلام غوث نواں کوٹی کا مضمون "میڈے مُربی" اور پنڈت واحد بخش بلوچ کا مضمون "ملتان قدیم دا ہک موحد،، شامل ہیں۔

(۳)۔ ہفت روزہ "سیر وسفر"۔ ملتان (۱۹۵۸ء)

۱۹۵۸ء کے قریب ایڈیٹر اے کے دُرّانی نے اخباری سائز کے آٹھ صفحات کی صورت میں شائع کیا۔ مقامی زبانوں کو بھی اہمیت دی گئی۔

(۴)۔ ہفت روزہ "بشارت" مظفر گڑھ (۱۹۵۹ء۔۱۹۷۶ء)

مترجم اُردو "دیوانِ فریدؒ" "نغمۂ صحرا" فقیر اللہ بخش کشفی الاسدی المعروف کشفی ملتانی (وفات ۱۷ جنوری ۱۹۷۶ء) اس کے مالک اور مدیر تھے۔ اس ہفت روزہ نے سرائیکی زبان و ادب کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ آخری دور میں فقیر نور جعفری مرحوم، نقیب جعفری مرحوم اور سجاد حیدر پرویز ادارۂ تحریر میں شامل تھے۔ کشفی کی وفات کے بعد اگست ۷۶ء تک چھپ سکا۔ ۱۹۷۵۔۷۶ء کی اکثر اشاعتیں میرے پاس موجود ہیں۔

(۵)۔ ''قانون'' ملتان (آغاز ۱۹۶۴ء)

امیر آباد ملتان کے ہندو قانون داں ہری ہند جو قیامِ پاکستان کے بعد مسلمان ہو کر عاشق حسین حسینی کہلائے فروری ۱۹۶۴ء میں یہ پرچہ جاری کیا۔ ''حسینی ڈوہڑوں'' میں خاص مقام رکھتے تھے۔ ایک طنزیہ شعر ہے:

میں کیڈا چنگاں بندہ ہاں میں گل غرباء دے پھندہ ہاں

راجہ رسالو مرحوم (وفات ۲۰۰۸ء) کے مطابق گلڈ ہوٹل ملتان میں نُور محمد سائل مرحوم کے ساتھ ایک شام میں یوں آغاز کیا۔

اَج سائل اَساڈا مہمان، شام مَیندی پئی اے۔ وِچ گلڈ ہوٹل ملتان چاہ پڑ کیندی پئی اے

(۶)۔ ہفت روزہ/ماہنامہ ''اختر'' ملتان (۱۹۶۴ء۔۱۹۶۹ء)

شارح فرید ؒ مولانا نذر احمد خان فریدی کے بڑے بیٹے اختر علی بلوچ (یکم ستمبر۔ ۱۹۳۵ء) کے نام پر، جو اِس رسالے کے مُدیر بھی تھے۔ ۱۹۶۴ء میں پہلے ہفت روزہ اور پھر ماہوار ادبی رسالے کی صورت ۱۹۶۹ء تک شائع ہوتا رہا۔ اس نے پہلی بار سرائیکی زبان و ادب بالخصوص نثر اور افسانہ کو ارتقائی مراحل سے گزرنے میں مدد دی۔ اسی دور میں نثر نگار خواتین بھی مُتعارف ہوئیں۔ ۱۴۔ اکتوبر ۶۹ء کا ''افسانہ نمبر؟؟؟'' یادگار ہے۔ ۶۷ء تک کے ہفت روزہ اور ۶۹ء کے ماہنامے کافی تعداد میں بشمول ''افسانہ نمبر۴'' میرے پاس موجود ہیں۔

(۷)۔ سہ ماہی ''سرائیکی'' بہاولپور (۱۹۶۵۔۲۰۰۳ء)

جون ۱۹۶۵ء میں بانی و مُدیر بریگیڈیئر ریٹائرڈ (ریاست بہاولپور) سیّد نذیر علی شاہ مرحوم (وفات ۱۹۸۴ء) نے سرائیکی ادبی مجلس (رجسٹرڈ) بہاولپور کی طرف سے شروع کیا۔ تاہم

Scanned with CamScanner

شروع میں ایک شمارہ مثلاً جون ۶۵ء پر اکتوبر ۶۵ء اور اپریل ۶۶ء تک کی تاریخیں لکھ کر بانٹی گئیں۔ تاہم بانی کی وفات اور تنظیمی مسائل کی وجہ سے دوبار تعطل کا شکار بھی ہوا۔ یوں اس کا پہلا دور جون ۶۵ء سے اکتوبر ۸۴ء تک ہے۔ دوسرا جولائی ۸۹ء سے جولائی ۹۶ء تک اور تیسرا جنوری ۹۹ء سے جون ۲۰۰۳ء تک۔ مختلف ادوار میں صادق بشیر، نصر اللہ خان ناصر، اقبال عادل، عزیز نشتر غوری، محمد اسلم قریشی، فدائے اطہر، دلشاد کلانچوی، ممتاز احمد زاہد، سیّد دین محمد شاہ، نواز کاوش، جاوید چانڈیو، حیات چغتائی، ریاض سندھڑ وغیرہ اِس کی اِشاعت اور ادارت میں شامل رہے۔ خاص نمبروں میں جنوری ۶۹ء (غالب نمبر) جولائی۔ دسمبر ۷۶ء (قائداعظم نمبر) جولائی ۷۷ء (ضامن حسینی نمبر) اکتوبر ۷۷ء (اقبال نمبر) جولائی ۷۸ء (آئین نمبر) اکتوبر ۹۲ء (صدیق طاہر اور ممتاز حیدر ڈاہر نمبر) یادگار ہیں۔

(۸)۔ ہفت روزہ ''مغرب'' ڈیرہ غازیخان (۱۹۶۵ء۔ تاحال)

عبدالرحیم غوری مرحوم نے شروع کیا۔ بیٹے افتخار غوری مرحوم بھی اِدارت کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ کیف انصاری اور اعجاز ڈیروی جیسے سرائیکی شعراء اس سے وابستہ رہے ہیں۔

(۹)۔ ہفت روزہ ''ساحل'' راجن پور (آغاز۔ ۱۹۹۷ء)

مئی ۷۱ء میں عبدالغفور قریشی بانی و مدیر نے شروع کیا جو کئی سرائیکی تنظیموں کے روحِ رواں رہے ہیں۔

(۱۰)۔ ''وَسدیاں جھوکاں''۔ ملتان (۱۹۷۱ء)

سرائیکی اکیڈمی ملتان کی طرف سے جمشید رضوانی (جنگ، جیو نیوز فیم) کے والد خان رضوانی مرحوم نے ستمبر ۷۱ء میں کتابی صورت میں ایک یادگار مجلّہ شائع کیا۔ اس میں شامل تمام ادبی مواد مثلاً غلام حسین حیدرانی مرحوم کا ڈرامہ، ارشد ملتانی مرحوم کی غزل وغیرہ یادگار ہیں۔

(۱۱)۔ ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان (۱۹۷۱ء۔ تا حال)

مولانا نور احمد خان فریدی نے شروع کیا۔ مارچ ۷۴ء میں چھوٹے بیٹے عمر علی خان بلوچ کے حوالے کیا جو تا حال شائع کر رہے ہیں۔ مختلف ادوار میں ان کی بیگمات میمونہ یوسفی اور شیما سیال کے علاوہ ممتاز حیدر ڈاہر، ارشد ملتانی، سجاد حیدر پرویز، رحیم طلب وغیرہ نے ادارتی معاونت کی۔ یادگار اشاعتوں میں اگست ۷۵ء (ریاض رحمانی نمبر) مارچ اپریل ۸۰ء (میانوالی جھنگ نمبر)، ۸۱ء (سرائیکی سٹوڈنٹس فیڈریشن نمبر)، جنوری ۸۲ء (خواتین نمبر) اکتوبر ۸۲ء (سرائیکی افسانے نمبر) جولائی ۸۵ء (نینگر بخت بہار نمبر) اپریل ۸۷ء (یوتھ نمبر) اپریل ۹۲ء (افضل عاجز نمبر)، دسمبر ۹۴ء (مولانا فریدی نمبر) کے علاوہ خواجہ فرید نمبرز فروری ۸۱ء فروری ۸۲ء، ۸۳ء، ۹۳ء اور سالنامہ نمبر ۸۱، ۸۸ء یادگار ہیں۔

(۱۲)۔ ماہنامہ ''سورج'' لاہور (۱۹۷۹ء)

مُدیر اعلیٰ تسلیم احمد تصور کے اِس پرچے کا فروری مارچ ۷۵ء میں عامر فہیم نے سرائیکی ادبی ایڈیشن با تصویر شائع کیا۔ جس نے سرائیکی صحافت کو ترقی پسندی، جدّت اور بے باکی کی طرف لے جانے کی کوشش کی۔

(۱۳)۔ ہفت روزہ ''تمدّن''۔ ڈیرہ اسماعیل خان (۱۹۷۵ء)

سرائیکی اکیڈمی ڈیرہ اسماعیل خان اور انجمن دربار سرائیکی کے زیرِ اہتمام ۱۲ مئی ۱۹۷۵ء سے مُتذکرہ بالا اُردو اخبار کا سرائیکی رسالہ سائز ایڈیشن ''سوجھلا'' اور بعد میں ''سرائیکی'' کے ذیلی ناموں سے چھاپا گیا۔ انھیں تسلیم فیروز، الٰہی بخش سودائی اور رفیق فاروقی نے ترتیب دیا۔ ۷۵ء میں نو شمارے چھپے۔ اکتوبر نومبر کا شمارہ ''سودائی نمبر'' تھا۔

(۱۴)۔ ''سنہیا''۔ تونسہ (۱۹۷۶ء۔ ۱۹۷۷ء)

عوامی سوچ سوسائٹی تونسہ نے سائیکلوسٹائیل پہلے تین شمارے، شائع کیے۔ شمارہ نمبر ۴

مطبوعہ ۷۷ء، کے مُرتّب محمود نظامی تھے۔ ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان شمارہ جولائی ۷۷ء کے مطابق کل آٹھ شمارے چھپے۔

(۱۵)۔ ''سرائیکی مجلس'' ملتان (۱۹۷۷ء،۱۹۸۰ء)

اِس نام کے سرائیکی ادبی ادارے نے ۱۹۷۷ء میں ۶۴ صفحات پر مُشتمل ادبی مُجلّہ شائع کیا۔ نگران فرید پیرزادہ اور مُرتّب فرحت مُلتانی (وفات ۲۰۰۰ء) تھے۔ پھر ماہانہ ادبی کارروائی پر مبنی رسالہ جنوری ۸۰ء میں شُروع کیا گیا۔ یہ محض آٹھ صفحات کا تھا۔ مُنتظم مشکور قطب پوری (وفات ۲۰۰۰ء) تھے۔ ناشر فرید پیرزادہ کے نائیجیریا چلے جانے پر سلسلہ آگے نہ چل سکا۔

۱۶۔ ''سہنیا''۔ ڈیرہ غازیخان (۱۹۷۸ء۔۱۹۸۰ء)

انڈس پبلیکشنز کی طرف سے اکتوبر ۱۹۷۸ء میں اسلم رسولپوری پہلا شمارہ سامنے لائے۔ اِس کی ادارت اور مقامِ اشاعت تبدیل ہوتا رہا۔ کوٹ قیصرانی سے ابن قیصر، سلیم حیدرانی اور اقبال قریشی نے شائع کیے۔ اِس کے سولہ شمارے چھپ سکے۔ آخری ۱۹۸۰ء میں سلیم حیدرانی نے پیش کیا۔

۱۷۔ ہفت روزہ ''نوائے تھل'' لیہ (۱۹۷۸ء)

ہفتہ وار رسالہ ''نوائے تھل'' لیہ سے مُدیر عبدالکریم شوق نے ۱۹۷۸ء میں شائع کرنا شروع کیا۔

۱۸۔ ''سانجھ'' تونسہ (۱۹۷۸ء۔۱۹۷۹ء)

سنہیا سوسائٹی کی طرف سے ۱۹۷۸ء میں احسن واگھا نے شروع کیا۔ تیسری اور آخری بار ۷۹ء میں شائع کیا۔

۱۹۔ ''سوجھلا'' رحیم یار خان (۱۹۷۹ء۔۲۰۰۳ء)

اسی عنوان سے اپریل ۷۹ء میں کتابی سائز میں ممتاز اکیڈمی بھٹہ واہن نے مُرتّب

ممتاز حیدر ڈاہر (مُعاون قیس فریدی، فانی الہٰ آبادی) کی ترتیب میں شروع کیا۔ شمارہ نمبر۳ مئی جون ۷۹ء نمبر۶ نومبر دسمبر ۷۹ء نمبر۷ دسمبر ۸۳ء شائع ہوئے۔ ڈیکلریشن ملنے کے بعد جنوری فروری ۹۰ء سے اپریل ۹۱ء تک شائع ہوا۔ اب ایڈیٹر ممتاز حیدر ڈاہر کی وفات کے بعد بند ہو گیا۔ مگر اسی نام سے بزمِ فریدؒ۔ رحیم یار خان کے اُخلاق مزاری نے رسالہ سائز میں دو شمارے ۲۰۰۳ء میں شائع کیے۔

(۲۰)۔ روزنامہ ''آفتاب'' ملتان (۱۹۷۹ء۔۱۹۸۳ء)

۹۔ ستمبر ۷۹ء کو تاج الملوک (عامر فہیم) نے ہفتہ وار سرائیکی ادبی صفحہ ''سرائیکی میگزین'' کے عُنوان سے مُرتّب کرنا شروع کیا۔ سجاد حیدر پرویز اور شہریار ناصر (امیر بخش پرہاڑ) نے ۴ نومبر ۷۹ء سے مُعاونت کا آغاز کیا۔ یہ سلسلہ ۲۷ جنوری ۱۹۸۰ء تک چل پایا۔ پھر ۹ نومبر ۱۹۸۰ء سے سجاد حیدر پرویز نے رنگین اور باتصویر اشاعت مرتّب کرنا شروع کی جو شجاع آباد کے وکلاء کی طرف سے دائر مُقدمے کی وجہ سے ۲۱ دسمبر ۸۰ء کے بعد جاری نہ رہ سکی۔ تاہم ۱۹۸۳ء میں عباس ملک نے اسے پھر جاری کیا۔ مگر کچھ ہی پرچے شائع ہو پائے۔

(۲۱)۔ ''سوچاں'' رسولپور (۱۹۸۰ء)

سرائیکی پبلیکیشنز کی طرف سے اسلم رسولپوری کی نگرانی میں دو کتابی سائز اور دو رسالہ سائز کل چار شمارے چھاپے گئے۔ چھاپنے والوں میں مشتاق جاوید فریدی، طارق اسماعیل احمدانی، طلعت محمود احمدانی، اِمتیاز فریدی اور حشمت مسعود شامل تھے۔ اپریل۔ مئی۔ جون اور ستمبر میں چار اشاعتیں سامنے آسکیں۔

(۲۲)۔ پیامِ فریدؒ۔ لاہور (۱۹۷۹ء۔۱۹۸۴ء)

خواجہ فریدؒ اکیڈمی پاکستان لاہور کا سالانہ سووینیر ۱۹۷۹ء میں شروع ہوا۔ بانی بخت

آور کریم مرحومہ (۱۹۸۴ء) اور مدیر طفیل عرشی مرحوم (۱۹۹۵ء) اور عمرانہ پروین عنبر تھے۔ ستمبر ۸۱ء، اکتوبر ۸۲ء کے بعد آخری شمارہ ۱۹۸۴ء میں بخت آور کریم مرحومہ نمبر تھا۔

(۲۳)۔ روزنامہ ''انقلاب'' کراچی (۱۹۸۰ء)

قیامِ کراچی میں دورانِ ملازمت رحیم طلب نے اِس اخبار کے کئی سرائیکی ادبی صفحے مُرتّب کر کے شائع کروائے۔

(۲۴)۔ سچار۔ کراچی (۱۹۸۰ء۔۱۹۸۱ء)

سچار پبلیکیشنز کی طرف سے غلام یٰسین فخری مرحوم (وفات ۲۰۰۱ء) نے جنوری ۱۹۸۰ء میں ایک معیاری سرائیکی اُردو ادبی پرچہ شائع کیا۔ ششماہی بنیاد پر اس کی تین اِشاعتیں سامنے آسکیں۔ آخری شمارہ ''محسن نقوی نمبر'' تھا۔

(۲۵)۔ دوماہی ''وسیب'' احمد پور شرقیہ (۱۹۸۰ء)

ظفر لشاری کی سرپرستی میں سعید خاور اور صادق جُنید ہوت نے مارچ ۸۰ء میں پہلا شمارہ مُرتّب کیا۔ دوسرا شمارہ ملک ممتاز احمد زاہد اور رحیم طلب نے ۱۱۲ صفحات کا ترتیب دیا۔

(۲۶)۔ ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' لاہور / ''نوّاں سرائیکی ادب'' / ''سنگت'' لاہور (۱۹۸۱ء تا ۱۹۸۲ء)

گندھارا بکس کی طرف سے اِرشاد احمد امین نے جنوری ۱۹۸۱ء سے ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان کو لاہور سے شائع کرنا شروع کیا۔ مجلس ادارت میں رفیع اللہ نیازی اور سجاد حیدر پرویز کو بھی شامل کیا گیا۔ مارچ کا شمارہ مُلتان اور لاہور سے الگ الگ شائع ہوا۔ جبکہ اپریل ۱۹۸۱ء کے ''نوّاں سرائیکی ادب'' کے عُنوان سے لاہور سے ہی شائع کیا گیا جبکہ بعد میں سنگت پبلی کیشنز کے زیرِ اہتمام لاہور سے ارشاد احمد امین کی ادارت میں ۱۹۸۱ء کے کے اواخر میں ''سنگت'' کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ اِس کا دوسرا شمارہ ۱۹۸۲ء کے شروع اور تیسرا سال کے درمیان میں شائع ہوا۔

(۲۷)۔ ''س۔ سرائیکی''۔ ملتان (۱۹۸۱ء)

ماہنامہ ''سرائیکی ادب'' ملتان کی ایک اشاعت سرائیکی سٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان شعبہ خواتین کی طرف سے ''س۔ سرائیکی'' کے عنوان سے فروری ۸۱ء میں صبیحہ قریشی نے ترتیب دی۔ جبکہ سجاد حیدر پرویز مرکزی جنرل سیکرٹری نگران تھے۔ اِسے ''ڈھپ چھاں'' کا ذیلی عنوان دیا گیا۔ یہ سلسلہ آگے نہ چل سکا۔

(۲۸)۔ ''پڑچول''/''شہادتیں''۔ میانوالی

سرائیکی ادب سنگت تھل۔ واں بھچراں نے ۱۹۸۰ء میں عطاء اللہ خان نیازی عیسیٰ خیلوی کی سرپرستی اور روشن ملک کی نگرانی میں ''پڑچول'' شروع کیا۔ یہ سرائیکی اُردو خبر نامہ غلام عباس شاکر نے ترتیب دیا۔ تیسرے شمارے مطبوعہ اپریل ۸۴ء کو سنگت پبلیکیشنز لاہور کا اور صفدر بلوچ کا تعاون حاصل ہوا۔ پانچواں پرچہ فروری ۱۹۸۶ء میں منصور آفاقی سامنے لائے۔ جبکہ مکتبہ ''پڑچول'' میانوالی کی طرف سے یہ خبر نامہ سرائیکی/اُردو منصور آفاق کی سرپرستی میں اصغر حسین اور ظفر اقبال برق ترتیب دے رہے تھے۔ ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۴ء کے بعد اِس کا بھی شمارہ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں منصور آفاق نے ترتیب دیا پھر یہ دونوں عنوان میانوالی کے ادبی منظرنامے پر نہ اُبھر سکے۔

(۲۹)۔ روزنامہ ''امروز'' ملتان/لاہور (۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۸ء)

ملتان سے شائع ہونے والے اِکلوتے سرکاری روزنامے نے اگرچہ اِس سے پہلے بھی ہفتہ وار ادبی اشاعتوں میں ''سرائیکی ادب'' شائع کیا تاہم پہلی بار باقاعدہ طور پر اخبار کے ملازمین سرائیکی ادیب حضرات مظہر عارف اور مسیح اللہ جام پوری نے ''روہی رُوپ'' کے عنوان سے سرائیکی ادبی صفحہ ہفتہ وار شائع کرنا شروع کیا۔ ۳۰۔ اپریل ۸۳ء سے ۱۲ نومبر ۸۳ء تک کم و بیش سولہ اشاعتیں شائع ہوئیں اس کے بعد ایک اور ملازم اور سرائیکی محقق کیفی جام پوری مرحوم کے

Scanned with CamScanner

صاحبزادے شبیر حسن اختر مرحوم (وفات ۲۰۰۷ء) نے ۱۹۸۸ء کے وسط میں ہفتہ وار سرائیکی ادبی صفحہ ''دِبستان'' شائع کرنا شروع کیا جو اخبار کے بند ہونے تک چھپتا رہا۔ بند ہونے سے چار سال پہلے روزنامہ ''امروز'' لاہور ایڈیشن نے جہاں سجاد حیدر پرویز کے سالانہ سرائیکی ادبی جائزے چھاپنے کا اہتمام کیا، جن کا سہرا اسلم ملک کے سَر ہے۔ وہاں راجہ رسالو (وفات ۲۰۰۸ء) کے صُوفی شعراء پر ہفتہ وار خصوصی اشاعتوں میں سرائیکی شعراء پر بھی اِشاعتیں مُرتّب کیں۔ مثلاً ۲۳۔ اگست ۱۹۸۵ء ''بُھلے شاہ نمبر''، ۲۰ ستمبر ۸۵ء ''سلطان باہو نمبر'' وغیرہ۔

(۳۰)۔ روزنامہ ''نوائے وقت''۔ ملتان

ملتان میں ''امروز'' اور ''آفتاب'' کے بعد قدیم اور کثیر الاشاعت روزنامہ ''نوائے وقت'' شیخ ریاض پرویز مرحوم کے دور سے ہی سرائیکی زبان وادب کی نمائندگی کرتا رہا ہے۔ ۸۰ء کے بعد عبداللطیف اختر نے ہفتہ وار ثقافتی صفحہ ''روہی رنگ'' مُرتّب کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ اب بھی چھپ رہا ہے۔ سرائیکی صوفی شاعر خواجہ فریدؒ کے عُرس وغیرہ کے مواقع پر خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کرنے کے ساتھ سرائیکی زبان وادب کی نمائندگی کرتا رہا ہے۔ مثلاً ۲۰۰۱ء کا سرائیکی ادبی جائزہ ۲۳۔ جنوری ۲۰۰۲ء کو چھاپا ۳۰۔ دسمبر ۲۰۰۴ء کو ''پہلی جنوبی پنجاب اہلِ قلم کانفرنس'' پر خصوصی اشاعت پیش کی۔ خواجہ فریدؒ پر اشاعت کی تازہ مثال ۲۵ نومبر ۲۰۰۸ء ہے۔

(۳۱)۔ ''رسالہ ۸۳، ۸۴ء'' رسولپور (۸۳ء۔ ۱۹۸۴ء)

''رسالہ ۸۳'' سرائیکی پبلیکیشنز کی اِشاعت کے طور پر نومبر ۸۳ء میں ۸ صفحات پر مُشتمل شائع ہوا۔ جبکہ ''رسالہ ۸۴ء'' نظم نمبر کے طور پر بشیر بلوچ نے مُرتّب کیا۔ اِس کے سولہ صفحے تھے۔

(۳۲)۔ ''پیت پریت''۔ لیّہ (۱۹۸۴ء)

جھوک سرائیکی کی ادبی رپورٹ ۱۹۸۴ء کے آغاز میں ۲۴ صفحات کی سامنے آئی۔ نگرانِ اعلیٰ فقیر میاں الٰہی بخش تھے اور پیشکش امین سہیل ملغانی کی تھی۔

(۳۳)۔ ''پرکھرا'' تونسہ (۸۵ء۔۱۹۸۷ء)

بزمِ سوچ سنجوک کی ادبی رپورٹ پرکھرا پبلیکیشنز نے رمضان ۱۴۰۹ھ یعنی مئی ۸۵ء میں ۱۶ صفحات کی شائع کرنا شروع کی۔ مُرتب رفیق ہمراز سنجرانی اور فاروق تونسوی تھے۔ تین پرچے چھپ سکے آخری ۸۷ء میں شائع ہوا۔

III۔ تیسرا دور ۱۹۸۶ء سے ۲۰۰۸ء تک (۹۷ عدد)

اِس دور میں جہاں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں شعبہ سرائیکی اور بہاء الدین زکریاؒ یُونیورسٹی ملتان میں پہلے سرائیکی ریسرچ سنٹر اور پھر باقاعدہ سرائیکی شعبہ قائم ہونے سے سرائیکی تعلیم و تحقیق کو وُسعت ملی وہاں علمی، ادبی، صحافتی سرگرمیوں میں ریسرچ جنرلز اور ملحقہ مکالجوں کے سالانہ ادبی مُجلّوں کی وجہ سے نِکھار پیدا ہوا۔ اِس دور میں قومی زبان کے قومی روزناموں ہفت روزوں، ماہناموں، سہ ماہی جرائد اور سالانہ مُجلّوں نے کمرشل بُنیاد پر ہی سہی، سرائیکی ادب کی نُمائندگی کی۔ صحافت کا فنی اعتبار اور معیار بہتر ہوا۔ جہاں سرائیکی زبان میں فلمی میگزین، بچّوں کے رسالے، رسالوں کے طنزومزاح نمبروں کی اِشاعت ہو پائی تو وہاں ہمسایہ زبانوں، پنجابی اور سندھی کے اخبارات ورسائل وجرائد میں بھی سرائیکی زبان وادب کو نُمائندگی دی گئی، یہاں تک کہ پڑوسی مُلک ہندوستان میں ہجرت کر کے جانے والے سرائیکیوں نے بھی اخبارات ورسائل چھاپنا شروع کیے اور سب سے بڑی بات کہ ''کالم نگاری''، جیسی صنفِ نثر بھی سرائیکی میں مُتعارف ہوئی، مذہبی اور ادبی کالم نگاری کے ساتھ فکاہیہ کالم بھی چھپنا شروع ہوئے۔ پہلے اِس صحافتی سفر کا سال وار جائزہ لیتے ہیں۔

(۱)۔ ماہنامہ ''سرائیکی زبان''۔ بہاولپور (۱۹۸۶ء تا ۱۹۹۱ء)

دلشاد کلانچوی مرحوم اور رحیم طلب نے سرائیکی لائبریری بہاولپور سے جنوری ۸۶ء میں

چار صفحات پر مشتمل ادبی خبر نامہ مرتب کرنا شروع کیا۔ جو جولائی اگست ۱۹۹۱ء میں اشاعت نمبر ۶۷۔۶۸ پیش کر سکا۔

(۲)۔ ''سندھ سار''۔ کراچی (۱۹۸۶ء تا ۱۹۸۸ء)

• علامہ محمد اعظم سعیدی نے سرائیکی اُردو رائٹرز گلڈ کراچی سے کتابی سلسلہ شروع کیا۔ مئی ۱۹۸۶ء سے جنوری ۱۹۸۸ء تک چھاپے گئے بیس شماروں میں اُنیسواں شمارہ ''انجم لشاری نمبر'' تھا۔ (۲۰۰۹ء میں دوبارہ آغاز کیا گیا ہے)۔

(۳)۔ شُعاعِ سرائیکی۔ لیاقت پور (۱۹۸۶ء)

بزمِ سانجھ سرائیکی لیاقت پور کی طرف سے ندیم ملک اور احمد حسن پُرسوز بخاری نے مئی ۱۹۸۶ء میں ایک شمارہ شائع کیا۔

(۴)۔ بانگ۔ بہاولپور/کراچی (۱۹۸۶ء تا ۱۹۸۸ء)

بانگ پبلیکیشنز بغداد الجدید بہاولپور کی طرف سے گلفام عندلیب ہاشمی نے نومبر ۱۹۸۶ء میں ۸ صفحات کا اخبار شروع کیا۔ جو بعد میں ۱۶ صفحات کے رسالہ سائز میں تبدیل ہو گیا۔ پہلے یہ پندرہ روزہ، پھر ماہوار اور آخر میں سہ ماہی چھپنے لگا۔ ۱۹۸۸ء کے آخر میں اِس کی پیشانی پر بہاولپور کے ساتھ کراچی بھی چھاپا گیا۔ پھر کچھ عرصہ دکھائی نہ دیا۔ ۳۲ صفحات پر مُشتمل اُردو سرائیکی ''بانگ'' میں ساجدہ نسیم ہاشمی بھی شاملِ ادارت تھیں۔ جولائی، اگست، ۱۹ ستمبر ۱۹۸۹ء تک کا شمارہ سامنے آیا۔

(۵)۔ یادگاری مُجلہ ''جشنِ فرید'' کوئٹہ (۱۹۸۶ء)

پاکستان سرائیکی ادبی سماجی سنگت بلوچستان، کوئٹہ کی طرف سے ''جشنِ فرید'' کے موقع پر اشرف شاہین قیصرانی نے ۸۲ صفحات پر مشتمل سُوینیئر ٹائپ مُجلہ شائع کیا۔

Scanned with CamScanner

(۶)۔ روزنامہ ''رہبر'' بہاولپور (۱۹۸۶ءتا۱۹۸۹ء)

جولائی ۱۹۸۶ء سے اِس اخبار نے سرائیکی ادبی صفحے شائع کیے۔ مدیر ملک محمد حیات تھے۔ ۸۹ تک پندرہ روزہ سرائیکی ادبی ایڈیشن ظہور احمد دھریجہ نے مُرتب کیا۔

(۷)۔ روزنامہ ''دستور''۔ بہاولپور (۱۹۸۶ء)

۱۹۸۶ء میں اِس اخبار نے کچھ سرائیکی ادبی صفحے شائع کیے۔

(۸)۔ روزنامہ ''ستلج'' بہاولپور (۱۹۸۶ءتا۱۹۸۸ء)

اِس اخبار نے بھی ۱۹۸۶ء سے ۱۹۸۳ء تک کے دوران مختلف اوقات میں سرائیکی ادبی ایڈیشن شائع کیے۔ جنھیں ملک ممتاز احمد زاہد نے ترتیب دیا۔

(۹)۔ سُنجان (۱۹۸۶ء۔۲۰۰۸ء)

۱۹۸۶ء کی ایک شام بنگلہ کورائی میں ''سرائیکی لوک سانجھ'' کے نام سے ایک ادبی ثقافتی تنظیم بنی جس نے ''سُنجان'' کے نام سے ایک کتابی سلسلہ شروع کیا۔ جس کے پہلے مُرتب اُستاد فدا حسین خان گاڈی مرحوم تھے۔ تیسرا شمارہ اگست ۱۹۸۷ء میں رحیم یار خان سے ممتاز حیدر ڈاہر مرحوم نے پیش کیا۔ شمارہ نمبر ۵ کو اَحسن واگھا نے محمد خالد کے گھر اسلام آباد سے پیش کیا، یہ اکتوبر ۱۹۸۸ء میں ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ اِسے مرکزی سیکرٹری مظہر عارف اور رُکن اشاعتی کمیٹی عاشق بُزدار کا تعاون شامل تھا۔ ۲۰۰۱ء میں وسیم واگھا نے اسلام آباد سے اِس کا دوبارہ اجراء چشمہ رائٹ بنک کینال اور گریٹر تھل کینال کے بارے میں آگاہی کے موضوع پر ۳۰ صفحے کے کتابچے کی صورت میں کیا۔ سہ ماہی ''سنجان'' اسلام آباد کی صورت میں وسیم واگھا نے اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۰۳ء میں ۱۵۸ صفحات کی کتابی شکل میں شائع کیا۔ پانچویں لڑی مطبوعہ مئی ۲۰۰۴ء صفحات ۲۴۰ اور چھٹی لڑی مطبوعہ فروری ۲۰۰۵ء صفحات ۲۸۸ کو اسلام آباد ہی سے مُزار خان اور مشتاق گاڈی نے پیش

کیا۔ ساتویں لڑی ۲۰۰۶ء میں اٹھویں لڑی ۲۰۰۷ء میں مشتاق گاڈی نے اور نویں ۲۰۰۸ء میں ۲۴۴ صفحے کی اُحسن واگھا اور دیگر نے پیش کی ہے۔ سرائیکی لوک سانجھ، ڈیرہ غازیخان یونٹ کی پیشکش ''سدا اری'' کے عنوان سے ۱۹۸۶ء اور ۱۹۸۷ء میں دوبار سامنے آئی۔ اس کے مرتب ابن ملک تھے۔ صفحات ۲۴ تھے۔

سرائیکی شاگرد سانجھ (ذیلی تنظیم) نے بہاولپور سے ۱۹۹۰ء میں ''سنہڑا'' بہاولپور کے نام سے سلسلہ شروع کیا۔ پہلے شمارے کے مرتب شہزادہ عرفان تھے پھر ملک جاوید اقبال ہوئے۔ اس کے سات شمارے شائع ہو سکے۔ سرائیکی شاگرد سانجھ کے سنہڑا نمبر ۷ (ستمبر ۱۹۹۰ء) کے مطابق ''سرائیکی تریمت سانجھ'' کا قیام عطیہ سجاول، ریحانہ واگھا وغیرہ کے حوالے سے ۲۸ر جون ۱۹۹۰ء کو ملتان میں ہوا۔ لہٰذا سرائیکی ''تریمت سانجھ'' نے ۱۹۹۳ء میں ایک کتاب لڑی ''سلون رت'' بھی شائع کی۔

(۱۰)۔ سویل۔ سرائیکی۔ خان بیلہ (۱۹۸۷ء)

بزم سانجھ سرائیکی خانُ بیلہ لیاقت پور کی طرف سے ندیم ملک نے جنوری ۱۹۸۷ء میں شائع کی صفحات ۲۴ تھے۔

(۱۱)۔ گلدستہ سرائیکی رفریدؒ رنگ ررنگ فریدؒ۔ ڈیرہ غازیخان (۱۹۸۷ء۔ تا حال)

فریدؒ سرائیکی سنگت (رجسٹرڈ) ڈیرہ غازی خان کی طرف سے محمد رمضان طالب نے اپریل ۱۹۸۷ء میں ''گلدستہ سرائیکی۔ سوچ سنجان نمبر'' ۱۶ صفحے کا شائع کیا۔ چھٹا شمارہ اکتوبر ۱۹۸۷ء میں چھپا۔ ڈیکلریشن ملنے کے بعد مارچ ۱۹۸۹ء میں ''فریدؒ رنگ'' کے عنوان سے چھپنا شروع ہوا۔ خصوصی نمبروں میں خواجہ فریدؒ نمبر، نور محمد سائل نمبر، احمد خان طارق نمبر، عزیز شاہد نمبر، شاکر شجاع آبادی نمبر، اعجاز ڈیروی نمبر، قاسم جلال نمبر، شاکر مہروی نمبر، نواز جاوید نمبر، صادق جھبیم

نمبر اور سجاد حیدر پرویز نمبر یادگار ہے۔ ۱۹۹۸ء تک چھپتا رہا۔ ''رنگِ فرید'' کے عنوان تلے پہلی تندیر اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۰۱ء میں چھپی جو ۲۰۰۸ء کے آخر تک جاری تھی۔

۱۲۔ ہفت روزہ ''الاستاذ'' خان پور (۱۹۸۶ء۔۱۹۸۷ء)

اس کے مُدیر مُنوّر نقوی نے ۱۹۸۶ء سے ۱۹۸۷ء تک اس کے سرائیکی ادبی ایڈیشن شائع کیے۔ جن کے مُرتّب ظہور احمد دھریجہ تھے۔

۱۳۔ ''محرم راز''۔ خان پور (۱۹۸۸ء)

روہی پبلیکیشنز خان پور کی طرف سے مُجاہد جتوئی اور شاکر ملک نے اگست ۱۹۸۸ء میں ایک کتابی ادبی رسالہ پیش کیا۔

۱۴۔ ماہنامہ اُوتار/اُوتا میگزین۔ ڈیرہ غازیخان (۱۹۸۸ء۔۲۰۰۸ء)

ادارہ تحفظ برائے سرائیکی ڈیرہ غازیخان کی طرف سے احسان احمد سنگوانی نے ستمبر ۱۹۸۸ء میں کتابی سلسلے کا آغاز کیا جو جنوری ۱۹۸۹ء میں باقاعدہ ماہنامہ بن گیا۔ جنوری فروری ۱۹۹۵ء سے تعطل کے بعد ''اُوتا میگزین'' کے نام سے ۲۰۰۸ء میں اِس کی اشاعتیں اہتمام کے ساتھ منظرِ عام پر آئیں۔ جن میں ''ڈیرہ غازیخان نمبر'' خاصے کی چیز ہے۔

۱۵۔ روزنامہ ''قومی آواز''۔ ملتان (۱۹۸۸ء۔۱۹۸۹ء)

اِس اخبار نے دسمبر ۱۹۸۸ء سے اور ۱۹۸۹ء میں بھی ہر منگل کو ''سرائیکی لوک ورثہ'' کے عنوان سے ادبی صفحہ شائع کیا جسے رفعت عباس اور رحیم طلب نے مرتّب کیا۔

۱۶۔ ہفت روزہ ''ندائے سیالکوٹ'' (۱۹۸۸ء)

سیالکوٹ سے اِس اخبار نے عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کے بیٹے سانول کے نام پر اس کے مدّاحوں کی تنظیم سانول سنگت، پاکستان کے زیرِ اہتمام ماہنامہ ''سانول'' ایڈیشن چھاپنے کا اہتمام کیا۔ ۱۹۸۸ء میں فروری سے اگست تک اِسے تنویر شاہد محمد زئی نے مُرتّب کیا۔

۱۷۔ ماہنامہ ''معاشرہ'' بہاولپور (۱۹۸۹ء)

عبداللہ عرفان نے مارچ سے مئی ۱۹۸۹ء اِسے شائع کیا۔ صفحات ۸۶ تھے۔

۱۸۔ ماہنامہ ''پریت'' بہاولپور (۱۹۸۹ء)

اکرم ناصر نے اپریل سے جون ۱۹۸۹ء اِس کے تین شمارے شائع کیے۔ ۴۸ صفحات تھے۔

۱۹۔ ماہنامہ ''سنہڑا'' واہی حسین (بہاولپور) (۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۸ء)

سنہرا پبلی کیشنز احمد پور شرقیہ کی کتاب لڑی مطبوعہ ۱۹۸۴ء کے بعد ڈیکلریشن لے کر ملک ممتاز احمد زاہد نے رحیم طلب کے ہمراہ واہی حسین سے اگست ۱۹۸۹ء میں شروع کیا۔ دلنور نور پوری نمبر (مارچ ۱۹۹۱ء)، دلشاد کلانچوی نمبر (دسمبر ۱۹۹۲ء) اور قاسم جلال نمبر (۱۹۹۸ء) یادگار ہیں۔

۲۰۔ ماہنامہ ''سَمَل''۔ احمد پور شرقیہ (۱۹۸۹ء تا ۲۰۰۰ء)

ممتاز عاصم نے ۸۹ء میں ڈمی چھاپنا شروع کیا۔ عبدالباسط بھٹی ساتھی تھے۔ یہ سرائیکی اُردو رسالہ ۴۸ اور ۵۶ صفحات کی ضخامت میں ۱۹۹۰ء میں باقاعدگی سے شائع ہوا۔ جون ۱۹۹۵ء میں محمد سلیم خان نیازی نے ایک شمارہ شائع کیا۔ مئی جون ۲۰۰۰ء کا شمارہ بھی دیکھا گیا۔

۲۱۔ ہفت روزہ ''صدائے عوام''۔ خان پور (۱۹۸۹ء)

۱۹۸۹ء میں اِس اخبار نے ''سرائیکی ادبی میگزین'' کے عُنوان سے کچھ اشاعتیں شائع کیں جس کے مرتب اختر شا کر تھے۔

۲۲۔ ہفت روزہ ''انصاف''۔ بہاولپور (۱۹۸۹ء۔ ۱۹۹۰ء)

تیمور ناصر کی ادارت میں اِس ہفت روزے نے ۱۹۸۹ء۔ ۱۹۹۰ء میں مختلف سرائیکی شخصیات پر خصوصی اشاعتیں شائع کیں۔ مثلاً سجاد حیدر پرویز پر ۵۔ اگست ۱۹۸۹ء اور ۲۹ ستمبر ۱۹۸۹ء کو دو اور ۱۹۹۰ء میں ماسٹر سونا خان بے وس پر چار اشاعتیں چھاپیں۔ اِن کے مُرتبین محمد

اصغر خان اور تنویر شاہد محمد ذئی تھے۔

۲۳۔ ہفت روزہ ''نوائے احمد پور شرقیہ'' (۱۹۸۹ء۔۱۹۹۲ء)

احمد پور شرقیہ سے احسان احمد سحر نے ۱۹۸۹ء میں پندرہ روزہ سرائیکی اشاعت ''لوک ورثہ'' کے عنوان سے شائع کرنا شروع کی۔ ۱۹۹۲ء تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ مُرتّب ممتاز الحسن الیاس فاروقی تھے۔

۲۴۔ ''سَسّی''۔ کراچی (۱۹۸۹ء۔۱۹۹۰ء)

سَسّی پبلیکیشنز کراچی نے ''سَسّی ، کے عُنوان سے ایک کتاب لڑی ۸۹، اور ۹۰ء میں چھاپی۔ مُرتّب سعید خاور تھے۔

۲۵۔ روزنامہ ''پارس'' بہاولپور (۱۹۸۹ء)

اکرم ناصر کی ادارت میں روزنامہ ''پارس'' نے ۱۹۸۹ء اور اس کے بعد بھی سرائیکی ادب کو جگہ دی۔ ۱۹۸۹ء کا مولوی لطف علی نمبر یادگار ہے۔

۲۶۔ ''مینارہ نور''۔ خیر پور ٹامیوالی (۱۹۸۹ء)

خواجہ خدا بخش اکیڈمی خیر پور ٹامیوالی ضلع بہاولپور کی طرف سے محمد نواز انیس پیرزادہ نے یہ کتاب لڑی ۱۹۸۹ء میں شائع کی۔

۲۷۔ ماہنامہ ''وسیب'' ڈیرہ غازیخان (۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۵ء)

جنوری ۱۹۹۰ء کا شمارہ پانچواں تھا۔ ۱۹۸۹ء میں اِسے واجد محمود واجد نے شروع کیا۔ جنوری ۱۹۹۵ء تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

۲۸۔ روزنامہ ''جھوک'' خان پور رملتان (۱۹۹۰ء۔تاحال)

۱۱جون ۱۹۹۰ء کو مُنیر احمد دھریجہ اور ظہور احمد دھریجہ نے دھریجہ پرنٹرز خان پور سے

سرائیکی روزنامہ جھوک کا آغاز کیا۔ ۱۷۔نومبر۱۹۹۴ءکو یہ اخبار مُلتان سے بھی شائع ہونا شروع ہوا۔ اِس کا خان پور ایڈیشن بھی جاری رہا۔ البتہ مُنیر احمد دھریجہ کی وفات (۲۰۰۴ء) کے بعد یہ معطل ہو گیا۔ اِس اخبار نے کئی یادگار نمبر شائع کیے ہیں۔ جن میں خواجہ فریدؒ نمبر، سچل سرمستؒ نمبر، خواجہ محمد یار بُلبل فریدیؒ نمبر، فاروق روکھڑی نمبر، مجبور عیسیٰ خیلوی نمبر کے علاوہ عطاءاللہ عیسیٰ خیلوی ''قائداعظم'' اور ''لیاقت علی'' سپلیمنٹ بھی شائع کیے۔

۲۹۔ روزنامہ ''سانول'' لاہور (۱۹۹۰ءتا۱۹۹۲ء)

طُفیل عرشی اور عمرانہ پروین نے جون ۱۹۹۰ء میں پنجاب کے صدر مقام لاہور سے سرائیکی روزنامہ نکالنے کا آغاز کیا۔ سال کے آخر تک اِشاعت باقاعدہ رہی۔ ۹۲ء تک کسی نہ کسی طرح شائع ہوتا رہا اِس کے بعد دیکھنے میں نہیں آیا۔

۳۰۔ سُرّت۔لیّہ (۱۹۹۰ءتا۱۹۹۳ء)

تھل دمان سرائیکی سنگت لیّہ کی طرف سے ابنِ ملغ بلوچ نے جولائی ۱۹۹۰ء میں ''سُرّت'' کے نام سے کتاب لڑی شروع کی۔ شمارہ نمبر۳ نومبر۱۹۹۱ء ہٹ کڑاک نمبر (طنزومزاح نمبر) تھا۔ مارچ ۹۳ء تک یہ سلسلہ سامنے آیا۔ صفحات ۴۸ ہوتے تھے۔

۳۱۔ ہفت روزہ ''تھل ٹائمز''۔ بھکر (۱۹۹۰ء۔۱۹۹۵ء)

یہ ہفت روزہ ملک احمد خان کی ادارت میں ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۱ء تک سرائیکی ادبی صفحہ چھاپتا رہا۔ ۱۹۹۵ء کے آغاز میں بھی کچھ اشاعتیں سامنے آئیں۔

۳۲۔ ہفت روزہ ''صدائے مخدوم''۔ مظفر گڑھ (۱۹۹۰ء۔تاحال)

مخدوم غفور ستاری مرحوم (۱۹۲۹ء۔ ۲۸ دسمبر۲۰۰۳ء) کی اِدارت میں چھپنے والے اِس ہفت روزے نے ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۴ء تک سرائیکی ادبی صفحہ شائع کیا۔ شروع میں بشیر مُونس اِسے

ترتیب دیتے رہے۔ ''ادب جزیرہ'' الگ سے بھی افضل چوہان وغیرہ مُرتّب کرتے رہے۔ آج کل بھی اُن کے بیٹے جمشید ستاری اِسے چلا رہے ہیں جبکہ نوید ستاری ''سرائیکی کارنر'' مرتّب کرتے ہیں۔

۳۳۔ ہفت روزہ ''یاور'' احمد پور شرقیہ (۱۹۹۰ء۔۱۹۹۱ء)

اقبال چوغطہ کے ہفت روزہ ''یاور'' میں ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۱ء میں ''سرائیکی لوک خزینہ'' کے عنوان سے ممتاز الحسن الیاس فاروقی سرائیکی ادبی صفحہ ترتیب دیتے رہے۔

۳۴۔ ماہنامہ ''تانگھ'' ڈیرہ غازیخان (۱۹۹۰ء۔۱۹۹۱ء)

عاشق حسین جعفری نے ڈیرہ غازی خان سے اکتوبر ۱۹۹۰ء میں ''تانگھ'' کے عنوان سے ایک ماہنامہ شروع کیا جو ۱۹۹۱ء کے آغاز میں بند ہو گیا۔

۳۵۔ ماہنامہ ''ملّت'' مانہ احمدانی (۱۹۹۰ء)

سائیکلوسٹائل سرکلر ستمبر ۱۹۹۰ء اور اکتوبر ۱۹۹۰ء میں جاری کیا گیا۔ یہ محمد اطہر کی کاوِش تھی۔

۳۶۔ ''دھانہہ''۔ فتح پور کمال (۱۹۹۰ء۔۱۹۹۱ء)

فتح پور کمال رحیم یار خان سے سیّد احمد حسن پُرسوز بخاری نے ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۱ء میں ''دھانہہ'' کے عنوان سے کتابی سیریز شائع کی۔ صفحات ۴۰ تھے۔

۳۷۔ ماہنامہ ''پینگھ'' ۔ جام پور (۱۹۹۱ء)

آفتاب نواز مستوئی نے اپریل اور مئی ۱۹۹۱ء میں ۴۸ صفحات پر مُشتمل اُردو۔ سرائیکی کے دو رسالے شائع کیے۔

۳۸۔ روزنامہ ''سرائیکی کاوُرکھو'' ڈیرہ غازی خان

ادارہ تحفظ برائے سرائیکی ڈیرہ غازیخان کے پلیٹ فارم سے ۱۷۔ اپریل ۹۱ء کو سرائیکی اُردو روزنامہ ''سرائیکی کاوٗ'' کے نام سے احسان احمد چنگوانی نے شروع کیا۔ جس کا نام بعد میں

''سرائیکی گھو'' کر دیا گیا۔۱۹۹۲ء میں اس کے ساتھ حسین گوہر بھی وابستہ رہے۔۹۵ء کی آخری سہ ماہی میں یہ ہفت روزہ ہو گیا۔۱۹۹۷ء کے بعد بالکل ہی نظر آنا بند ہو گیا۔

۳۹۔ روزنامہ ''تکمیل پاکستان'' خان پور (۱۹۹۱ء)

یہ روزنامہ ۱۹۹۱ء میں پندرہ روزہ سرائیکی ایڈیشن شائع کرتا رہا۔ ان کو اشفاق بخاری اور حبیب اللہ خیال نے مرتّب کیا۔

۴۰۔ ہفت روزہ ''جاگ'' احمد پور شرقیہ (۱۹۹۱ء تا ۱۹۹۴ء)

اس سرائیکی اخبار کے ایڈیٹر اقبال چوغطہ ہیں۔ (۱۲۔اپریل ۱۹۹۱ء ''جھوک'' کے مطابق چھپ چکا ہے)۔۱۹۹۱ء میں اس نے بچوں کے لیے پھلواڑی ''عورتوں کے لیے'' تریمت کچاہری'' اور فلمی شائقین کے لیے ''فلم تماشا'' جیسے ایڈیشن چھاپنے کی روایت ڈالی۔ ان ایڈیشنوں کی ترتیب میں رحیم طلب کا ہاتھ تھا۔۱۹۹۴ء تک یہ سلسلہ کسی نہ کسی طرح چلتا رہا۔

۴۱۔ ہفت روزہ ''سرائیکی آواز'' خان پور (۱۹۹۱ء تا۔تاحال)

۷ مئی ۱۹۹۱ء کو عمر علی خان بلوچ نے یہ اخبار اپنے سُسرالی شہر سے شروع کیا۔ ابتداء میں ظفر اقبال جتوئی اس کے مدیر رہے۔ایڈیشن بھی چھاپے گئے جیسے خان پور ایڈیشن۔ مولانا نور احمد خان فریدی ایڈیشن ۱۹۹۹ء تک باقاعدہ رہا۔اب بھی یہ جاری ہے۔

۴۲۔ پندرہ روزہ ''پربت'' کوئٹہ (۱۹۹۱ء۔۱۹۹۲ء

اشرف شاہین قیصرانی نے کوئٹہ بلوچستان سے پندرہ روزہ اخبار ''پربت'' شروع کیا۔ اُنھوں نے ''سرائیکی نامہ'' کے نام سے سرائیکی صفحہ بھی شروع کیا جو ۱۹۹۲ء تک شائع ہوتا رہا۔

۴۳۔''تشویش''۔ڈیرہ غازیخان (۱۹۹۱ء) ماہنامہ۔(۱۹۹۲ء)

''سوچ سنجان'' کے ذیلی عنوان سے شبیر ناز ۹۱ء میں اس اخبار کا سرائیکی صفحہ ترتیب

دیتے رہے بعد میں سوچ سنجان سرائیکی سنگت ڈیرہ کے زیر اہتمام امجد بلوچ کی ادارت میں ماہنامہ ''تشویش'' کے نام سے رسالہ چھپتا رہا۔ جون سے اکتوبر۱۹۹۲ء تک یہ رسالہ شائع ہوا۔ اگست کا پرچہ شفیع شہرت نمبر اور اکتوبر کا ظفر ساجد تھہیم نمبر تھا۔

۴۴۔ سالانہ ''آشکار'' خیر پور (سندھ) (۱۹۹۱ء تا ۱۹۹۴ء)

سچل چیئر شاہ لطیف یونیورسٹی خیر پور نے سچل کے بارے تحریروں کا سالانہ مجلہ ''آشکار'' کے نام سے ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۴ء تک شائع کیا۔ اس کے مرتب ایاز گل تھے۔

۴۵۔ ہفتہ وار ''سرائیکی'' حیدر آباد (سندھ) (۱۹۹۱ء)

''سرائیکی'' نام کا سندھی سکرپٹ میں یہ رسالہ جنوری، فروری ۱۹۹۱ء میں ۲۸ صفحے کا شائع ہوا۔ صفحات ۲۸ تھے۔

۴۶۔ ہفت روزہ ''جلوس'' مظفر گڑھ (۱۹۹۲ء۔۲۰۰۵ء)

ہفت روزہ ''جلوس'' مظفر گڑھ کے مدیر اے بی مجاہد ہیں۔ جو ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۴ء تک سرائیکی کی بھرپور نمائندگی کرتا رہا۔ کچھ سرائیکی اشاعتیں بھی چھپتی رہی ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں کشفی ملتانی نمبر، ریاض انور نمبر، اور گوڑے خان جتوئی نمبر یادگار ہیں۔ ۱۹۹۴ء میں نذیر احمد بھٹی سرائیکی ادبی صفحہ ''وسیب مہار'' ترتیب دیتے رہے۔ ۱۹۹۹ء تک باقاعدگی سے شائع ہوا پھر بچوں کی ماہانہ اشاعت کی صورت میں ۲۰۰۵ء میں چھپتا رہا۔

۴۷۔ ہفت روزہ ''سرائیکی وسیب''۔ بہاولپور (۱۹۹۲ء۔۱۹۹۴ء)

سیٹھ محمد عبید الرحمٰن بہاولپوری کے ''سرائیکی تاڑا'' سے دو صفحوں کا یہ اخبار ۲۰ فروری ۱۹۹۲ء سے چھپنا شروع ہوا۔ اِس کی پیشانی پر حفیظ اللہ امین، انعام الرحمٰن اور صالحہ رحمٰن کے نام چھپتے تھے۔ ۱۹۹۴ء تک یہ چھپ رہا تھا۔

ماہنامہ ''سنگھار'' مانہ احمدانی (ڈیرہ غازیخان) (۱۹۹۲ء)

قصبہ مانہ احمدانی سے صغیر احمدانی نے فروری اور مارچ ۱۹۹۲ء میں دو رسالے چھاپے۔

۴۸۔ ماہنامہ ''ڈِگا'' (عصائے کلیم) مٹھن کوٹ (۱۹۹۳ء۔۲۰۰۷ء)

یہ رسالہ ڈاکٹر خورشید محمد ملک نے فروری ۱۹۹۳ء میں شروع کیا۔ اُردو سرائیکی رسالہ کے صفحات ۴۸ تھے۔ پورا سال باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا اور اِس رسالے نے کئی یادگار نمبر شائع کیے۔ ۱۹۹۴ء میں خواجہ فریدؒ نمبر، ستمبر ۱۹۹۴ء میں عید میلادالنبیؐ نمبر، اکتوبر ۱۹۹۵ء میں قیس فریدی نمبر (صفحات ۲۲۸)، سرائیکی میلہ نمبر اکتوبر ۱۹۹۶ء، دیوانِ فریدؒ نمبر اگست ۱۹۹۶ء، ۱۹۹۷ء، ۲۰۰۲ء اور ۲۰۰۷ء میں بھی اشاعت کی اطلاع ہے۔

۴۹۔ ماہنامہ ''جلترنگ'' ملتان (۱۹۸۹ء۔۱۹۹۷ء)

اختر عزیز کی ادارت میں یہ رسالہ جنوری ۱۹۸۹ء میں شروع ہوا۔ عامر فہیم، سجاد حیدر پرویز جیسے سرائیکی قلمکار وابستہ رہے۔ شاندار عطاء اللہ عیسٰی خیلوی نمبر مئی ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔ یہ رسالہ وقتاً فوقتاً سرائیکی ادب اور ثقافت کی نمائندگی کرتا رہا ہے۔

۵۰۔ ماہنامہ صدائے اُمّت ''لودھراں'' (۱۹۹۳ء)

مدیر احمد سلیم مظہر چغتائی نے سرائیکی ادبی جائزہ ۱۹۹۲ء، چار اقساط میں فروری، مارچ، اپریل جون ۱۹۹۳ء میں شائع کیا۔

۵۱۔ سہ ماہی ''پاکستانی ادبیات'' اسلام آباد (۱۹۹۴ء۔۱۹۹۵ء)

اکادمی ادبیاتِ پاکستان اسلام آباد نے اکتوبر ۱۹۹۴ء میں علاقائی زبانوں کے ادب پر مشتمل رسالہ شروع کیا۔ پہلا شمارہ ۳۹۹ صفحات پر مُشتمل ہے۔ حصہ سرائیکی صفحہ ۳۰۱ تا ۳۵۴ کے مُرتب ڈاکٹر انوار احمد تھے۔

۵۲۔ روزنامہ ''منجاک'' ملتان/لاہور (۱۹۹۴ء۔۱۹۹۵ء)

ارشاد احمد امین اور اُن کے بھائی ضیاء احمد پھوڑ نے ملتان سے یکم دسمبر ۱۹۹۴ء کو شروع کیا۔ ۱۹۹۵ء کی پہلی سہ ماہی تک شائع ہو سکا۔ شمارہ نمبر ۲۳۸ بعد میں ۱۴۔ اگست ۲۰۰۱ء لاہور سے دوبارہ آغاز کیا گیا مگر سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔

۵۳۔ ہفت روزہ ''شانِ وطن'' رحیم یار خان (۱۹۹۴ء)

مقبول دھریجہ کی ادارت میں ۱۹۹۴ء میں ''سنیہڑا'' کے عُنوان سے سرائیکی ادبی مواد بھی چھپنا شروع کیا گیا۔

۵۴۔ ماہنامہ ''خیرالبلاد'' خیر پور ٹامیوالی (۱۹۹۴ء)

محمد الیاس قیصر کی ادارت میں ۱۹۹۴ء میں فوزیہ محمود بھٹی کی ترتیب میں سرائیکی حصّے میں سرائیکی ادبی مواد شائع ہوا۔

۵۵۔ ''ادبی دنیا''۔ ڈیرہ غازیخان (۱۹۹۵ء۔۲۰۰۴ء)

سلیمان ادبی سنگت کی طرف سے نواز جاوید نے پہلے جون ۱۹۹۵ء میں ''امام حسین نمبر'' سے اُردو ادبی کتابی سلسلہ شروع کیا جسے دوبارہ اپریل ۲۰۰۰ء میں (محرم ۱۴۲۱ھ) ۳۲ صفحے کے حسین نمبر کی صُورت شائع کیا۔ تیسرا سلسلہ جون ۲۰۰۱ء، علامہ اقبال نمبر، نومبر ۲۰۰۱ء چوتھا دسمبر ۲۰۰۲ء پانچواں حمدیہ کلام (ہِک دی سِک) دسمبر ۲۰۰۳ء چھٹا مُنتخب حسینیہ کلام فروری ۲۰۰۴ء شائع کیا۔ یہ ۳۲ صفحے کا ہے۔

۵۶۔ ''سرائیکستان''۔ مُلتان (۱۹۹۵ء)

پاکستان سرائیکی پارٹی کا سرکلر ۲۵ مئی ۱۹۹۵ء کو شروع کیا گیا۔ اِس سال اس کے چار شمارے شائع ہوئے۔ مگر یہ سرکلر اس کے بعد اگلے سال بھی جاری رہا۔ یہ شبیر لکھیسر کی کاوش تھی۔

Scanned with CamScanner

۵۷۔ ہفت روزہ ''عورت''۔ میر پور خاص (۱۹۹۵ء۔۱۹۹۶ء)

چیف ایڈیٹرز وبینہ مہر کا چیلوی نے اُردو سندھی رسالہ فروری ۱۹۹۵ء میں جلد نمبر ۵ شمارہ نمبر ۳۳ سے آغاز کیا۔ اِس سال چھ شمارے شائع ہوئے۔ ۱۹۹۶ء تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔

۵۸۔ روزنامہ ''سعادت'' بہاولپور (۱۹۹۵ء)

اس کے مدیر محمد ہمایوں گلزار ہیں۔ اِس اخبار نے ۱۹۹۵ء میں سرائیکی ادبی صفحہ شروع کیا جسے ممتاز زاہد کے بیٹے اعجاز جان ترتیب دیتے رہے۔

۵۹۔ ماہنامہ ''انتخاب''۔ ملتان (۱۹۹۵ء)

شاکر حسین شاکر اور رضی الدین رضی کے اِس اُردو پرچے میں علاقائی رنگ میں ''سرائیکی'' کو بھی شامل کیا گیا۔

۶۰۔ ''مہکتے حرف''۔ ملتان (۱۹۹۵ء)

ملتان پریس کلب ملتان کی دُوسری کتاب لڑی میں سرائیکی نظمیں بھی شامل کی گئیں۔

۶۱۔ ماہنامہ ''وائس آف سرائیکی'' رحیم یار خان (۱۹۹۶ء۔۱۹۹۷ء)

نومبر میں عبدالرحیم ملک کی ادارت میں اُردو سرائیکی ماہنامہ جس نے ادب و ثقافت کے ساتھ شوبز کو بھی نمایاں جگہ دی۔ ۱۹۹۶ء کے آغاز میں شروع ہو چکا تھا۔ جون ۱۹۹۶ء کے شمارہ کو نمبر ۷ لکھا گیا ہے۔ اپریل ۱۹۹۷ء تک دیکھنے میں آیا۔

۶۲۔ ماہنامہ ''روہی'' کراچی (۱۹۹۶ء تا ۱۹۹۸ء)

شوبز، ادب اور سیاست پر مبنی قومی سطح کا، بین الاقوامی معیار کا ماہنامہ، چیف ایڈیٹر ظہور رائے ملک اور ایڈیٹر غفور ملک نے مارچ ۱۹۹۶ء میں کراچی سے شروع کیا۔ ۸۲ صفحے کا رنگین تصاویر سے مُزیّن یہ رسالہ ستمبر/اکتوبر ۱۹۹۸ء تک دیکھنے میں آیا۔

Scanned with CamScanner

۶۳۔ ''سرائیکی پنجابی ادبی سانجھ''۔رحیم یار خان (۱۹۹۶ء)

عبدالحمید سفری نے ترنڈہ سوائے خان رحیم یار خان سے سرائیکی پنجابی ادبی سانجھ کے بینر تلے رسالہ شائع کرنا شروع کیا۔ تیسرا شمارہ ۴۰ صفحات پر مشتمل مئی ۱۹۹۶ء میں سامنے آیا۔

۶۴۔ ''نصیر'' رسولپور رخبرنامہ ''رسولپور'' (۱۹۹۶ء)

محمد اسماعیل احمدانی کی نگرانی میں ''خبرنامہ رسولپور'' مئی ۱۹۹۶ء میں ۸ صفحے کا شروع ہوا جو اکتوبر ۱۹۹۶ء میں بھی شائع ہوا۔ اِس دوران ''نصیر'' رسولپور کے عنوان سے ۲۰ صفحے کی ایک کتاب لڑی ستمبر ۱۹۹۶ء تک شائع ہوئی۔

۶۵۔ ہفت روزہ ''المنظور''۔ تونسہ (۱۹۹۷ء۔۲۰۰۳ء)

اس اخبار نے مختلف رسالوں اور مُختلف شماروں میں سرائیکی زبان وادب کو نمائندگی دی ہے۔ مثلاً ۱۹۹۷ء، ۱۹۹۸ء اور ۲۰۰۳ء کے شماروں میں سرائیکی ادبی مواد موجود ہے۔

۶۶۔ ماہنامہ ''انعم''۔ بہاولپور (۱۹۹۷ء۔۱۹۹۹ء)

قادر مصطفٰی خان مرحوم نے اُردو ماہنامہ شائع کیا مگر اِس میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور سے وابستگی کی بنیاد پر سرائیکی زبان وادب کو بھی نمائندگی دی۔ ۱۹۹۹ء کے آخر تک باقاعدگی سے چھپ رہا تھا۔

۶۷۔ روزنامہ ''وفا'' بہاولپور (۱۹۹۸ء)

اِس اخبار کا خواجہ فریدؒ ایڈیشن ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو دیکھنے کو ملا۔

۶۸۔ خبرنامہ ساغر صدیقی رائٹرز کونسل۔ ملتان (۱۹۹۸ء تا ۲۰۰۲ء)

شاہد سِتھو نے ساغر صدیقی رائٹرز کونسل ملتان کا خبرنامہ ۹۸ء کے آغاز میں شروع کر دیا تھا۔ شُمارہ نمبر ۱۲ نومبر ۹۸ء میں چھپا۔ سلسلہ نمبر ۵۰ جون ۲۰۰۲ء میں چھپا۔ ستمبر ۲۰۰۲ء تک اس کی اِشاعتیں دیکھنے کو ملیں۔

Scanned with CamScanner

۶۹۔ ہفت روزہ ''مشن'' لودھراں۔(۱۹۹۶ء۔۱۹۹۹ء)

اِس کے مدیر اعلیٰ مبشر لودھی ہیں۔ ''ادب رنگ'' کے عنوان سے اِس کی خصوصی سرائیکی ادبی اِشاعتیں اگست ۱۹۹۸ء سے نومبر ۱۹۹۹ء تک شائع کی گئیں۔

۷۰۔ ''وَسّوں وِیڑھے'' شادن لُنڈ (۱۹۹۹ء۔تاحال)

سُجاک ادبی سنگت شادن لُنڈ ڈیرہ غازیخان کی طرف سے رسالہ سائز میں چیف ایڈیٹر مطلوب بلوچ اور ایڈیٹر یٰسین بھروانی نے ۱۹۹۹ء میں دوسرا شمارہ صفحات ۴۰ شائع کیا۔ جبکہ پانچواں صفحات ۵۶، ۲۰۰۰ء میں نظر آیا۔ خواجہ فرید نمبر ۲۰۰۱ء میں چھپا۔ دسمبر ۲۰۰۳ء تک رسالہ سائز میں چھپتا رہا۔ شمارہ ۳۔۴ میں چیف ایڈیٹر محبوب تابش ہو گئے تھے، جبکہ پہلے شماروں میں سب ایڈیٹر تھے۔ کتابی شکل میں یہ ۲۰۰۸ء تک شائع ہو رہا ہے۔ ہوا یوں کہ ''اجو کے سرائیکی ادب دا سنیہڑا'' کے طور پر سہ ماہی اشاعت جنوری ۲۰۰۳ء میں شروع ہوئی جو ۶۴، ۸۰، ۹۶ اور ۱۱۲ صفحات تک کی صُورت میں نصف درجن سے زیادہ بار شائع ہو چکی ہے۔

۷۱۔ ماہنامہ ''سُنجان''۔ رحیم یار خان (۱۹۹۹ء۔۲۰۰۲ء)

چیف ایڈیٹر بشیر احمد بیتاب اور ایڈیٹر غلام یٰسین فخری نے سچار پبلی کیشنز رحیم یار خان سے ۱۹۹۹ء میں دو شمارے مارچ اور اکتوبر ۹۹ء صفحات ۸۰ شائع کیے۔ تیسرا شمارہ جولائی ۲۰۰۰ء میں ''خواجہ فرید نمبر'' صفحات ۱۲۸ شائع ہوا جبکہ غلام یٰسین فخری کی وفات (۲۰۰۱ء) کے بعد بشیر احمد دیوانہ کی اِدارت میں ماہنامہ ''سنجان'' اُردو سرائیکی رسالے کے دو شمارے ستمبر، نومبر ۲۰۰۲ء اور مارچ ۲۰۰۴ء دیکھنے کو ملے۔

۷۲۔ پندرہ روزہ ''سرائیکو ٹائمز'' کراچی (آغاز۔۱۹۹۹ء)

ڈاکٹر خلیل احمدانی نے ۱۹۹۹ء میں کراچی سے پندرہ روزہ اشاعت کا کامیاب آغاز

Scanned with CamScanner

کیا۔ جو ایک عرصے تک جاری بھی رہا۔

۷۳۔ خبر نامہ ''بزم ادب و ثقافت'' ڈیرہ غازیخان (۱۹۹۹ء)

محبوب جھنگوی نے اپنے ادارے ''بزم ادب و ثقافت'' کے ادبی خبر نامے کا اجراء مارچ ۱۹۹۹ء میں کیا۔ دسمبر تک باقاعدگی سے دو فل سکیپ صفحات کی یہ خبر نامہ سامنے آیا۔ جس میں سرائیکی کلام اور ادب سے متعلق خبریں شامل ہوتی تھیں۔

۷۴۔ ہفت روزہ ''نیلاب'' جام پور (۲۰۰۰ء۔۲۰۰۴ء)

آفتاب نواز مستوئی کے اِس اخبار نے شروع سے سرائیکی کی نمائندگی کی۔ مثلاً ۲۰۰۰ء کے شماروں میں جبکہ ۷ جون ۲۰۰۳ء میں مُرتّب کائنات ملک اور شہناز قادر ''خواجہ فریدؒ نمبر'' ترتیب دیا۔ ۲۳ مارچ ۲۰۰۴ء کے شُمارے پر جلد نمبر ۱۱۶ اور شمارہ نمبر ۷ تھا۔

۷۵۔ پندرہ روزہ ''پلیڈر'' ڈیرہ غازیخان (۲۰۰۰ء)

یہ مختلف موضوعات پر سرائیکی سے مُتعلق تحریریں شائع کرتا رہا ہے۔ مثلاً ۲۰۰۰ء میں خواجہ فریدؒ پر بھی اشاعت شائع کی۔

۷۶۔ سہ ماہی ''ہم عصر''۔ مُلتان (۲۰۰۰ء)

اسد فیض نے اپریل جون ۲۰۰۰ء خصوصی اشاعت میں ''ڈاکٹر طاہر تونسوی نمبر'' شائع کیا۔ یہ ہفت روزہ ''ملتان'' کی سہ ماہی ادبی اشاعت ہے جس کا آغاز ۱۹۹۹ء میں ہوا تھا۔

۷۷۔ ''مُرجات''۔ رحیم یار خان (۲۰۰۱ء۔۲۰۰۲ء)

مقبول دھریجہ اور علامہ اجمل مزاری نے یہ سرائیکی اُردو رسالہ ۴۰ صفحات پر مبنی مارچ ۲۰۰۱ء میں شروع کیا۔ اپریل مئی ۲۰۰۱ء اور مئی جون ۲۰۰۲ء تین شمارے دیکھنے کو ملے۔

۷۸۔ سہ ماہی ''چندر تارے/قصہ قصولی'' ۔خان پور (۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۴ء)

چیف ایڈیٹر نذیر احمد بزمی اور ایڈیٹر محمد شاہد دھریجہ تھے۔ اکتوبر دسمبر ۲۰۰۱ء میں بچّوں کے لیے اُردو۔ سرائیکی رسالہ صفحات ۱۹۹۶ء ''چندر تارے'' کے عنوان سے شروع ہوا۔ جنوری مارچ ۲۰۰۳ء تک پانچ رسالے چھپے۔ جبکہ باقی ۸۰ صفحات پر مُشتمل تھے۔ اِس دوران اکتوبر دسمبر ۲۰۰۳ء میں ۸۰ صفحات کا ہی سہ ماہی ''قصہ قصولی'' چھاپا گیا۔ اب چیف ایڈیٹر نذیر احمد بزمی، ایڈیٹر طاہر محمود دھریجہ ج ایگزیکٹو ایڈیٹر محمد شاہد دھریجہ اور معاون ثمینہ مقبول تھے مگر دُوسرے شمارے جنوری مارچ ۲۰۰۴ء میں شاہد دھریجہ اور ثمینہ دھریجہ کے نام شامل نہ تھے۔ لہذا دوبارہ ''چندر تارے'' کے نام سے جنوری مارچ ۲۰۰۴ء میں ۸۰ صفحے کا رسالہ بھی چھاپا گیا۔ جس پر سلسلہ نمبر ا لکھا گیا اور اِس میں چیف ایڈیٹر شاہد دھریجہ اور ایڈیٹر ثمینہ مقبول دھریجہ تھے۔ مگر اِس کے بعد یہ دونوں سلسلے آگے نہ چل پائے۔

۷۹۔ ہفت روزہ ''کوک'' کراچی۔ (۲۰۰۱ء۔۲۰۰۴ء)

چیف ایڈیٹر ظہور احمد ملک نے چار جلدیں ۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۴ء شائع کیں۔ تیسری جلد ۲۰۰۲ء کے اواخر سے ۲۰۰۳ء کے تقریباً نصف تک اور چوتھی ۲۰۰۳ء کے اواخر سے اپریل ۲۰۰۴ء تک شائع ہوئی۔ اس اخبار نے سرائیکی ادب کی نمائندگی کے ساتھ سرائیکی صحافت کو بھی ایک وقار بخشا۔

۸۰۔ سہ ماہی ''سفیر'' ڈیرہ نواب صاحب۔ (۲۰۰۲ء)

سرائیکی اُردو رسالہ محمد منوّر سراج نے ڈیرہ نواب احمد پور شرقیہ سے جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء کی ۴۸ صفحات پر مُشتمل اکلوتی اشاعت شائع کی۔

۸۱۔ ''اُشاک'' رحیم یار خان (۲۰۰۲ء)

خورشید بخاری نے ۶۴ صفحات پر مُشتمل دو شمارے مئی اور جولائی ۲۰۰۲ء میں شائع کیے۔

Scanned with CamScanner

۸۲۔ ''بیڑی''۔ کہروڑلعل عیسن (۲۰۰۲ء)

اَشولال اور ھتاں نے چوپال۔ کہروڑلعل عیسن ضلع لیہ سے ''بیڑی'' کے عنوان سے افسانوی انتخاب کی صورت میں ضخیم کتابی اشاعت کو ممکن بنایا۔

۸۳۔ ''جیون جوگ''۔ ملتان (۲۰۰۲ء۔۲۰۰۳ء)

یہ کتابی سلسلہ اجو کے آرٹس کونسل کی ایک نئی لہر کے حوالے سے شروع کی گئی۔ پہلی کتاب چیتر بہار ۲۰۰۲ء میں شبیر حسن اختر نے صفحات ۲۷ مُرتّب کی۔ ڈوسری ساون بھادوں ۲۰۰۳ء میں صابر چشتی نے ۱۶۰ صفحات کی اور تیسری اَسوج کاتک میں مُرتّب وِسمل نے ۱۷۵ صفحات کی شائع کی۔

۸۴۔ پندرہ روزہ ''اخبارِ فریدؒ'' مٹھن کوٹ (۲۰۰۲ء۔ تا ۲۰۰۴ء)

خواجہ فریدؒ فاؤنڈیشن کے ممبران کے لیے جریدے کے طور پر مجاہد جتوئی کی ادارت میں نیوز شیٹ نمبرا یکم جون ۲۰۰۲ء کو شائع ہوئی۔ بعد میں ہفت روزہ ''زبانِ خلق'' بہاولپور چیف ایگزیکٹو سیّد رضا گیلانی کی پندرہ روزہ اشاعتِ خاص کے طور پر دسمبر ۲۰۰۲ء سے مئی ۲۰۰۴ء تک دیکھی گئی۔

۸۵۔ ''نوائے سنگت'' ٹاٹے پور (۲۰۰۲ء۔۲۰۰۸ء)

سچّل سانجھ مُلتان کی طرف سے خضر حیات نون نے اپریل ۲۰۰۲ء میں ''نوائے سنگت'' کے عُنوان سے خبرنامہ جاری کیا جو ۲۰۰۸ء تک جاری ہے۔

۸۶۔ ماہنامہ ''پیلھوں'' راجن پور (۲۰۰۲ء۔۲۰۰۳ء)

جون ۲۰۰۲ء کا شمارہ جلد نمبر ۴ شمارہ نمبر ۸ کمال فرید ملک نے رضا گیلانی کے ساتھ مل کر شائع کیا۔ کمال فرید ملک کے اس ماہنامے نے جون ۲۰۰۳ء میں ۵۶ صفحات کی خاص اشاعت ''جشنِ فریدؒ'' مجاہد جتوئی کے تعاون سے بھی پیش کیے۔

۸۷۔ ماہنامہ ''تذکارِ فریدؒ'' ملتان (۲۰۰۴ء۔۲۰۰۷ء)

نومبر ۲۰۰۴ء سے اگست ۲۰۰۷ء تک باقاعدگی سے ''فریدیات'' پر ایک اہم دستاویز کی صُورت میں خواجہ شمس الدین چیف ایڈیٹر نے رسالہ سائز میں مُلتان سے شائع کیا۔ آخری شمارہ جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۱۰ تھا۔ عصمت اللہ شاہ نے معاونت کی۔

۸۸۔ ''گامن سچار'' صادق آباد۔ (۲۰۰۴ء۔ تا ۲۰۰۷ء)

مُدیر بشیر احمد دیوانہ اور راہی گبول نے شمارہ نمبر ۱ جولائی، اگست ۲۰۰۴ء (۲) فروری مارچ ۲۰۰۵ء (۳) ستمبر اکتوبر ۲۰۰۵ء، (۴) فروری مارچ ۲۰۰۶ء، (۵) مئی، جون ۲۰۰۶ء، (۶) اکتوبر، نومبر ۲۰۰۶ء (۷) فروری مارچ ۲۰۰۷ء، (۸) مئی جون ۲۰۰۷ء اور (۹) جولائی اگست ۲۰۰۷ء شائع کیے۔ یہ سب شمارے ۶۴ صفحات پر مشتمل تھے۔

۸۹۔ ''راول'' رحیم یار خان (۲۰۰۴ء)

اُردو سرائیکی رسالہ صفحات ۳۲ جنوری ۲۰۰۴ء میں ساجد راہی نے ترتیب دیا۔

۹۰۔ ''وسیب رنگ'' نور پور نورنگا (۲۰۰۴ء)

دیوانہ بلوچ نے نور پور نورنگا بہاولپور سے اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔

۹۱۔ ''لیّہ ٹائمز'' لیّہ (۱۹۹۷ء۔۲۰۰۵ء)

فیصل جمال مُدیر اور جمشید ساحل مُدیر اعلیٰ ہیں۔ ۱۹۹۷ء اور ۲۰۰۵ء میں سرائیکی ادب کی نمائندگی کی۔ پہلے اخبار تھا۔ اب رسالہ کی شکل میں فروری، مارچ ۲۰۰۸ء میں چوتھی اشاعت منظر عام پر آئی ہے۔

۹۲۔ پیامِ ادب، لیّہ (۲۰۰۵ء)

مدیر مہر اختر وہاب نے پہلا شمارہ ''شعیب جاذب نمبر'' شائع کیا۔

۹۳۔ ''دامان'' ، چوٹی بالا (۲۰۰۷ء)

جام پور سے ۲۰۰۷ء میں اِس عنوان سے دو پرچے چھپ چکے ہیں۔

۹۴۔ادبی منظر ، ملتان (۲۰۰۷ء)

مقصودہ بیگم میموریل ادبی سنگت ملتان کے اِس رسالے کے مُرتّب مشتاق کھوکھر ہیں۔ تیسرے سال میں کتابی سلسلہ نمبر۱۶۔۱۷ مئی، جون ۲۰۰۷ء میں سلاؔم نمبر۲، کی صورت میں ہے۔

۹۵۔سوچ۔سرائیکی، جام پور (۲۰۰۷ء)

عنایت اللہ مشرقی اور محمد اعظم فریدی نے خواجہ فریدؒ سرائیکی ادبی سنگت جام پور سے جولائی اگست ۲۰۰۷ء میں ۶۲ صفحے کا رسالہ شائع کیا۔ دوسرا شمارہ بھی شائع ہوا۔

۹۶۔پین ٹاک۔ڈیرہ غازیخان (۲۰۰۷ء)

یہ ہاشم شیر خان کی کاوِش ہے۔سرائیکی کی نمائندگی بھی موجود ہے۔

۹۷۔''رُت'' تھل (۲۰۰۷ء)

اس عُنوان سے ۲۰۰۷ء میں چار لڑیاں شائع ہوئیں۔ پہلا دور (۱۵) دوسرا دور (۳۳) تیسرا دور (۹۷) کے علاوہ کئی اخبارات۔رسائل اور جرائد ہیں جوان ادوار میں سرائیکی زبان وادب کی اشاعت یا نمائندگی کر رہے ہیں۔آئیں اِن کا اب موضوع وار جائزہ اختصار سے لیا جاتا ہے۔

(۱)۔کالج میگزین

بہاولپور ڈویژن

''نخلستان ادب۔بہاولپور

گورنمنٹ صادق ایجرٹن (SE) کالج کی ''بزمِ حمید'' کا یہ سب سے قدیم مُجلّہ ہے۔

جریدہ تھا۔۱۹۱۲ء میں کالج کے پرنسپل کے نام پر اِس بزم کے، اِس رسالے کے وُہی مدیر تھے۔ اِس دور میں سرائیکی کو کم موقع ملا۔ پھر ۱۹۲۰ء میں رسالہ تعطّل کا شکار ہوا تاہم اِس کے ''صد سالہ نمبر ۱۹۸۶ء، ''پاکستان گولڈن جوبلی نمبر''۔۱۹۹۷ء، اور ''خواجہ فرید نمبر ۲۰۰۰ء'' قابلِ ذکر ہیں۔ مثلاً ۱۹۹۷ء کے مجلے جس کے نگران ڈاکٹر سیّد محمد عارف تھے اُردو حصّے میں دلشاد کلانچوی، مخدوم شمس الدین گیلانی اور بہاولپور کی تاریخ پر مضامین کے علاوہ ''روہی'' (صفحہ ۲۸۳ تا ۳۱۲) سرائیکی نظم و نثر موجود ہے۔

''الکاسب''۔ بہاولپور

گورنمنٹ کالج آف کامرس کا رسالہ ہے۔۹۹۔۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر قاسم جلال کی نگرانی میں چھپنے والے شمارے میں ''پنجاب رنگ'' صفحہ ۱۷۳ تا ۱۹۰ میں سرائیکی نظم ونثر موجود ہے۔

''العباس''۔ احمد پور شرقیہ

یہ گورنمنٹ صادق عباس ڈگری کالج کا رسالہ ہے۔

''بانگِ سحر''۔ خان پور

گورنمنٹ ترقی تعلیم ڈگری کالج کے اِس رسالے کے خصوصی شمارے ۱۹۸۸ء اور ۲۵ سالہ نمبر ۱۹۹۰ء قابلِ ذکر ہیں۔

ملتان ڈویژن

''نخلستان۔ ملتان

یہ گورنمنٹ (ایمرسن) کالج ملتان (بوسن روڈ کا رسالہ ہے۔ ۱۹۹۵ء کے مدیر عامر فہیم اور خصوصی شمارہ ۰۲۔۲۰۰۱ء قائداعظم نمبر مدیر حصہ سرائیکی ڈاکٹر نعمت الحق صفحہ ۲۴۵ تا ۳۱۰ میں سرائیکی مواد موجود ہے۔

''مسلک''۔ ملتان

موجودہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن یونیورسٹی کا رسالہ ہے۔۱۹۹۷ء گولڈن جوبلی نمبر مدیر ڈاکٹر ممتاز ظفر میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کا انٹرویو شامل ہے۔ ۱۹۹۹ء'' خواجہ فریدؒ نمبر'' مدیر شوکت مُغل میں'' گوشۂ فریدؒ'' میں شامل چودہ مضامین کے علاوہ کشفی ملتانی پر مختار ظفر کا مضمون شامل ہے۔جبکہ ۲۰۰۰ء کے شُمارے میں'' خواجہ فریدؒنمبر'' پر آراء کو شامل کیا گیا ہے۔

''تخیّل'' لودھراں

گورنمنٹ انٹر کالج آف کامرس کا رسالہ ہے۔۱۹۹۹ء کے شمارے میں ضلع لودھراں کی تاریخ، خواجہ فریدؒ، پیر سلطان احمد قتالؒ، اور بہاءالدین زکریاؒ پر مضامین شامل ہیں۔

ڈیرہ غازیخان ڈویژن

''الغازی''۔ڈیرہ غازیخان

موجودہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج (زکریاؒ یونیورسٹی بلاک) کا رسالہ ہے۔ ۲۰۰۳ء کی اشاعتِ خاص ''تحریک پاکستان میں ڈیرہ کا کردار'' ،ڈیرہ میں قائداعظم کے ساتھی اور ''قائداعظم اور نواب بہاولپور'' وغیرہ جیسے مضامین شاملِ اشاعت ہیں۔

''دانش''۔ڈیرہ غازیخان ر''بیاض''ڈیرہ غازیخان

گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن کا رسالہ'' دانش'' تھا۔اب یونیورسٹی کالج آف ایجوکیشن کا'' بیاض'' ہے۔شمارہ نمبر ا،۲۰۰۵ء کے مُدیر غلام قاسم مجاہد نے علاقے کی تاریخ کے علاوہ، خواجہ فریدؒ، حضرت شاہ جمالی، حیدر قریشی وغیرہ پر مضامین شامل کیے ہیں۔

''دی کریسنٹ''۔ڈیرہ غازیخان

ڈویژنل پبلک سکول اینڈ کالج ڈیرہ غازیخان کا رسالہ ہے۔اشاعت ۰۱۔۲۰۰۰ء میں''

Scanned with CamScanner

جھوک فریدیؒ' سرائیکی ادب صفحہ ۱۰۷ تا ۱۳۵ شامل ہے۔

''رودکوہی''۔راجن پور

گورنمنٹ کالج کارسالہ ہے۔

''گونج''۔جام پور

گورنمنٹ کالج کارسالہ ہے۔۲۰۰۱ء میں ''خواجہ فرید نمبر'' ڈاکٹر اسلم عزیز درانی نے بطور مدیر شائع کیا۔

''تھل''۔ لیہ

موجودہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج کارسالہ ہے۔۰۵-۲۰۰۳ء کے شمارے میں خواجہ فریدؒ پر مُزمّل حسین ،شفقت بزدار کے جعفر بلوچ پر اور مہر عبدالحق پر حمید اُلفت ملغانی کے مضامین کے علاوہ شفقت بُزدار کا کلام شامل ہے۔

''پنجند''۔مظفرگڑھ

موجودہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج کا رسالہ ہے۔شمارہ ۱۹۶۶ء میں نمائندگی موجود ہے۔عامر فہیم کی ادارت میں دوشمارے ۷۸-۱۹۷۷ء اور ۸۰-۱۹۷۹ء میں ''چناب رنگ'' کے عنوان تلے سرائیکی ادب بھی شامل ہے جبکہ سجاد حیدر پرویز کی ادارت میں ۱۹۸۹ء اور ''ادبی کاوشیں'' ۹۵-۱۹۹۴ء دونوں میں ''چناب رنگ'' شامل ہے جبکہ گولڈن جوبلی نمبر ۰۵-۲۰۰۴ء صفحات ۵۰ مُدیر ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز میں سرائیکی شاعری کے علاوہ خواجہ فریدؒ پر طاہر تونسوی اور شاہد حسن رضوی جبکہ کشفی ملتانی پر مختار ظفر اور دلشاد کلانچوی پر قادر مصطفٰی کے مضامین شامل ہیں۔

Scanned with CamScanner

۲۔ یونیورسٹی میگزین اور جرنلز

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے شعبہ سرائیکی نے ''سویل'' کے عنوان سے سرائیکی علمی ادبی تحقیقی رسالہ ۱۹۹۵ء کے اواخر میں شائع کیا۔ ۳۲۰ صفحات پر ہی مشتمل دوسرا شمارہ اگلے سال سامنے آیا۔ دونوں شُمارے انچارج شعبہ، جاوید چانڈیو نے ترتیب دیے۔ جبکہ جنوری ۲۰۰۷ء میں ''جرنل آف سرائیکی لینگوئج اینڈ لٹریچر'' کے عنوان سے ایک شمارہ ۲۰۰ صفحات پر شائع کیا گیا۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر نے اس میں (۶) سرائیکی (۲) اُردو اور (۴) انگریزی تحقیقی مقالہ جات شامل کیے۔ اِن سے پہلے شعبہ ابلاغیات ''کاوِشیں'' کے عنوان سے ۱۹۹۵ء میں اپنی اشاعت میں نمائندگی کر چکا تھا۔ اسی طرح اکتوبر ۲۰۰۳ء سے شروع ہونے والے ''جرنل آف سوشل سائنسز اینڈ ہیومینٹیز'' میں بھی سرائیکی سے مُتعلق مواد موجود ہے۔

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی مُلتان شعبہ اُردو کے ادبی رسالے کا نام ''زُلال'' تھا۔ مثلاً ۱۹۸۵ء کی اشاعت مگر اِس میں سرائیکی کو نمائندگی نہیں ملی جبکہ موجودہ رسالہ ''چندر آب'' اشاعت ۰۶۔۲۰۰۵ء صفحات ۲۸۳ میں ڈاکٹر سلیم ملک کا انشائیہ ''تل وطنی'' اور نو سرائیکی شعراء کا کلام شامل ہے۔ اِس کے علاوہ ''جرنل آف ریسرچ فیکلٹی آف لینگوئجز اینڈ اِسلامک سٹڈیز'' جس کی ۲۰۰۳ء میں چوتھی، ۲۰۰۴ء میں پانچویں، ۲۰۰۵ء میں ساتویں، ۲۰۰۷ء میں بارہویں جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ اِن میں خطّے کی تاریخ وثقافت اور سرائیکی زبان وادب کے بارے میں تحقیقی مقالہ جات شائع ہوئے ہیں۔ مثلاً مہار اجمل کی تحریر ''فردوس الشہداء۔ قلمی سرائیکی'' وغیرہ

۳۔ پنجابی اخبارات ورسائل

پنجابی زبان میں شائع ہونے والے اخبارات ورسائل میں بھی سرائیکی زبان وادب کو شامل کیے جانے کی روایت موجود ہے۔ تیسرے دور کے کچھ نمایاں پرچوں کا ذکر ضمناً کیا جاتا

Scanned with CamScanner

ہے۔ پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف لینگوئجز، کلچر اینڈ آرٹس لاہور کے ماہنامہ ''ترنجن'' نے دسمبر ۲۰۰۰ سے تاحال نمائندگی کی ہے۔ پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور کے سہ ماہی ''پنجابی ادب'' نے آصف خان مرحوم، راجہ رسالو مرحوم اور پروین ملک وغیرہ کی اِدارت میں جنوری ۱۹۸۷ء سے تاحال (دسمبر ۲۰۰۸ء تک ۸۸ شماروں میں نمائندگی کی ہے۔ خصوصی اشاعتوں میں ۱۹۸۸ء کا ''میانوالی نمبر'' (معاون مدیر منصور آفاق۔ خصوصی مطالعہ افضل عاجز)، ۱۹۸۹ء کا ''بھکر نمبر'' (معاون مُدیر انیل چوہان، خصوصی مطالعہ ملک سونا خان بے وس، ۱۹۹۳ء میں ''بہاولنگر نمبر'' (معاون مُدیر سلیم شہزاد) ۱۹۹۵ء میں ''خواجہ فریدؒ نمبر'' قابلِ ذکر ہیں۔ شعبہ پنجابی اور ینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور کے تحقیقی ششماہی مُجلّے ''کھوج'' (مُدیر ڈاکٹر شہباز ملک، ڈاکٹر عصمتُ اللہ زاہد) نے اپنے آغاز جولائی ۱۹۷۸ء سے اب تک (دسمبر ۲۰۰۶ء شمارہ ۵۷) تک بھرپور نمائندگی کی ہے۔ ۱۹۸۲ء میں قلمی نسخہ نمبر اور ۱۹۹۵ء میں ''سلور جوبلی نمبر'' یادگار ہے۔ سرائیکی زبان وادب اور قدیم ادیبوں شاعروں پر تحقیقی مقالے چھپتے رہتے ہیں۔ سالانہ ''سایت'' لاہور مُدیر الیاس گھُمن نے بھی ۱۹۹۶ء، ۱۹۹۷ء اور ۱۹۹۸ء میں سالانہ سرائیکی ادبی جائزے وغیرہ چھاپ کر نمائندگی کی جبکہ ماہنامہ ''لہراں'' لاہور۔ ماہنامہ ''پکھیرو'' لاہور، ماہنامہ ''وارث شاہ'' (ملتان) اور پندرہ روزہ ''رویل'' لاہور مُدیر کرامت علی مغل وغیرہ نے بھی نُمائندگی کی ہے۔

۴۔ اُردو روزنامے ہفت روزے، ماہنامے، سہ ماہی اور کتاب سیریز پہلے سرکاری مطبوعہ صحافت کا جائزہ لیتے ہیں۔

ماہنامہ ''ماہِ نو'' ادارۂ مطبوعات پاکستان، راولپنڈی کا مجلہ ہے۔ اختر وحید انصاری مرحوم کا ''مُلتانی زبان کی تاریخ'' (مطبوعہ جون ۱۹۵۲ء) سے لے کر آج تک یہ سرائیکی زبان کی نمائندگی کر رہا ہے۔ بالخصوص ''ماہِ نو'' لاہور (ادارت۔ کشور ناہید۔ پروین ملک۔ قائم نقوی۔ صفدر بلوچ) میں سرائیکی افسانوں اور نظموں کے اُردو تراجم شائع ہوئے۔ ماہنامہ ''آہنگ'' پاکستان

براڈ کاسٹنگ کراچی کا رسالہ ہے۔ ۱۹۵۰ء سے ریڈیو ملتان۔ بہاولپور وغیرہ پر نشر ہونے والی منتخب تحریریں شائع کرتا رہا ہے۔

ماہنامہ ''اخبارِ اُردو'' مقتدرہ قومی زبان۔ پاکستان کا اسلام آباد سے شائع ہونے والا رسالہ ۱۹۸۴ء سے تا حال سرائیکی زبان اور اُردو کے لسانی اشتراک کے حوالے سے مضامین، کتب پر تبصرے، شخصیات پر مضامین شائع کر رہا ہے۔ مئی ۹۰ء میں ڈاکٹر انعام الحق جاوید کی ادارت میں ''اُردو اور علاقائی زبانوں کے لسانی روابط'' کے عُنوان سے خصوصی اشاعت کے علاوہ ۲۰۰۵ء میں مُلتان کے حوالے سے خصوصی اشاعت قابلِ ذکر ہے۔

ماہنامہ ''کتاب'' نیشنل بُک فاؤنڈیشن کا رسالہ ہے۔ لاہور اور اسلام آباد سے نمائندگی کی۔ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں لاہور سے ستار طاہر کی ادارت میں ''ہیر قلمی نسخہ نمبر'' خاصے کی چیز ہے۔ اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد نے ۱۹۸۳ء سے ۲۰۰۸ء تک کچھ وقفوں سے ماہنامہ خبر نامہ ''اکادمی'' میں سرائیکی کُتب کی اشاعت، تقریبات کی رُوداد وغیرہ کی اشاعت کے ذریعے نمائندگی کی ہے اور ادارے کے سہ ماہی ''ادبیات'' نے تو سرائیکی موضوعات پر مضامین، شخصیات پر تحریریں۔ کُتب پر تبصرے، نظم و نثر کے تراجم ہر طرح سے پہلے شمارے جولائی ۸۷ء سے اب تک بھر پور نمائندگی کی ہے مثلاً ۱۹۹۳ء میں خالد اقبال یاسر کی ادارت میں سرائیکی اور سرائیکی افسانے پر مضامین، تراجم کا انتخاب، مہر عبدالحق پر مضمون، شعری تراجم وغیرہ۔ اب غیر سرکاری ہفت روزوں، ماہنامہ، سہ ماہی پرچوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ''تجدید نو'' لاہور پہلے رسالہ سائز میں ۱۹۸۹ء میں چھپنا شروع ہوا پھر یہ سہ ماہی عذرا اصغر اور شجر طراز کی اِدارت میں ۲۰۰۶ء سے ضخیم کتابی صورت میں چھپنا شروع ہوا۔ اِس رسالے نے سرائیکی کی علاقائی ادب میں نظم و نثر کے تراجم چھاپ کر نمائندگی کی ہے۔ اُردو اکیڈمی بہاولپور سے ماہنامہ ''اِلہام'' ہو یا سہ ماہی ''الزّبیر'' الہام جو ۱۹۴۱ء سے چھپ رہا ہے۔ ۲۰۰۸ء تک ۱۹۶۹ء جلدیں چھپ چکی ہیں۔ پہلے ہفت روزہ تھا۔ شہاب

دہلوی مرحوم کی اِدارت میں ''مشائخ نمبر'' مطبوعہ ۲۱ فروری ۱۹۷۵ء میں سرائیکی مشائخ کا بھی ذکر ہے۔ یا شہاب دہلوی نمبر، ۲۸ دسمبر ۱۹۹۰ء جو سرائیکی زبان کے محسن تھے۔ (صفحات ۸۲) اب مدیرہ بیگم قمر شہاب ہیں۔ سرائیکی خطے کی تاریخ، ثقافت، مذہبی شخصیات وغیرہ کی نمائندگی ہوتی ہے۔ ''الزبیر، شہاب دہلوی مرحوم کی اِدارت سے لے کر ڈاکٹر شاہد حسن رضوی کی اِدارت تک کئی ضخیم یادگار نمبر خواجہ فرید نمبر (۱۹۸۵ء) شہاب نمبر (۱۹۹۲ء) بہاولپور نمبر ۱۹۹۴ء وغیرہ شائع کر چکا ہے۔

۱۹۸۹ء میں ملتان سے جاوید اختر بھٹی نے ماہنامہ ''اَشعاب'' شروع کیا۔ ۱۹۹۰ء سے کتابی صورت اختیار کر لی۔ ۱۹۸۰ء سے حسین سحر نے مقبول احمد سے مل کر ۱۹۸۰ء میں ''اہلِ قلم'' کے عُنوان سے سالانہ کتابی سلسلہ شروع کیا جو ۱۹۹۲ء تک ۱۳ شمارے چھاپ چُکا تھا۔ ملتان سے شائع ہونے والے اِن پرچوں نے سرائیکی کی بھرپُور نُمائندگی کی۔

خانیوال سے طاہر نسیم نے ''مطلع'' شائع کیا تو ۱۹۹۱ء میں تراجم نمبر چھاپ کر نُمائندگی کی۔ شفیق آصف نے حامد کرتار پوری ٹرسٹ مُلتان سے ''نقیبِ ادب'' چھاپا۔ شمارہ نمبر ۳ میں سرائیکی ادب کی نُمائندگی کے ساتھ ۲۸۸ صفحات کی کتاب میں پروفیسر حسین سحر کی شخصیت اور فن پر گوشہ مخصوص کیا۔ ۱۹۸۱ء سے بشریٰ رحمٰن نے وطن دوست لمیٹڈ لاہور کی طرف سے ماہنامہ ''وطن دوست'' لاہور شروع کیا تو حقِ نُمائندگی ادا کیا۔ ابنِ کلیم احسن نظامی نے ملتان سے ۱۹۸۹ء میں ہفت روزہ ''کلیم'' شروع کیا تو ماہنامہ ادبی اشاعت میں سرائیکی ادب کی بھرپور نمائندگی کی جاتی رہی ہے۔ نومبر ۲۰۰۷ء میں کتابی شکل میں بھی شائع کیا۔ تا حال سلسلہ جاری ہے۔ کچھ رسالوں نے ایک آدھ اشاعت بھی وقف کی۔ جیسے ۱۹۹۲ء میں شروع ہونے والے سرگودھا کے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کے ماہنامہ ''سُفید چھڑی'' نے جون ۲۰۰۸ء میں ۶۴ صفحے کی ''خالد اقبال نمبر'' کی صُورت میں اشاعت وقف کی۔ پہاڑپور سے جسارت خیالی نے ''نیا قدم'' جاری کیا جو نیا قدم انٹرنیشنل بن گیا۔ اُردو سرائیکی علمی ادبی، تخلیقی، انقلابی تحریروں کا یہ کتابی سلسلہ ۲۰۰۸ء کے اوائل جنوری۔ مارچ

Scanned with CamScanner

تک دس کتابی سلسلے چھاپ چکا ہے۔ یاد رہے چوتھا سلسلہ اکتوبر دسمبر ۲۰۰۰ء میں، چھٹا جنوری جون ۲۰۰۳ء، ساتواں اکتوبر دسمبر ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا تھا۔ ماہنامہ ''زمزم'' بہاولپور جس کے مدیر اعلیٰ منظور احمد رحمت اور مدیر قاضی محمد غوث ہیں۔ ۱۹۹۰ء سے مولوی عزیز الرحمٰن عزیز کے ''ترجمہ و شرح دیوانِ فریدؒ'' کو قسط وار شائع کر رہے ہیں۔

اب وہ قومی اخبارات جن کا ذکر نہیں ہوا۔ روزنامہ ''جنگ'' ملتان نے ۷۔ اکتوبر ۲۰۰۲ء سے آغازِ اشاعت کیا۔ پھر ۱۵ جنوری ۲۰۰۴ء سے ''تہذیب و ثقافت ایڈیشن'' اور ''لوک رِیت'' میں سرائیکی تہذیب و ثقافت کی اور ''ادب'' میں سرائیکی ادب کی نمائندگی کی ہے۔ اس کے علاوہ بھی مثلاً ۸ جنوری ۲۰۰۵ء پر خواجہ فریدؒ پر خصوصی اشاعت ہے۔ روزنامہ ''پاکستان'' بھی ہر سال خواجہ فریدؒ پر خصوصی اشاعت کا اہتمام کرتا ہے۔

روزنامہ ''خبریں'' ملتان نے پہلے سرائیکی علاقے کے مختلف شہروں پر خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کیا۔ پھر ۳۰ جنوری ۲۰۰۳ء کی طرح اشاعتوں میں، خواجہ فریدؒ ایڈیشن ''وسیب رنگ'' پھر ''وسیب سنگ'' کے عُنوان سے ہفتہ وار خصوصی ثقافتی اشاعت شروع کی۔ صابر چشتی۔ محبوب تابش اور رازش لیاقت پوری وابستہ رہے ہیں۔ مارچ ۲۰۰۳ء سے ادبی صفحہ پر سرائیکی حصہ الگ شائع کرنا شروع کیا۔ روزنامہ ''نیا دور'' ملتان نے ۲۰۰۲ء سے ہفتہ وار ''سرائیکی ورتا'' شروع کیا۔ جبکہ یکم فروری ۲۰۰۱ء سے ''ادب'' میں بھی سرائیکی کی نمائندگی کی۔ مُلک کے طُول و عرض میں مثلاً روزنامہ ''میزان'' کوئٹہ نے ۲۰۰۳ء میں خواجہ فریدؒ پر خصوصی اشاعت شائع کی۔ روزنامہ ''نیا اُجالا'' فیصل آباد سے بھی ۴ جون ۲۰۰۳ء کو خصوصی نمبر چھاپا۔ روزنامہ ''اوصاف'' مُلتان نے بھی ۶ مئی ۲۰۰۳ء کو خواجہ فریدؒ پر اشاعت کا اہتمام کیا، یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔

اب آتے ہیں اُن ادبی اخباروں اور خبر ناموں کی طرف جو مُلک بھر سے شائع ہوتے ہیں اور جن کا ذکر نہیں ہوسکا۔ اِن میں اختر شمار کی پندرہ روزہ ''بجنگ آمد'' لاہور ۱۹۹۷ء سے شروع

ہوا۔ ۲۰۰۳ء تک شائع ہوا۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے اسلام آباد سے ''رُوداد'' شروع کیا اور ۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۲ء تک خوبصورت طریقے سے شائع کیا۔ آشر محمود نے لاہور سے پندرہ روزہ ''لٹریری نیوز'' اگست ۱۹۹۸ء سے شائع کیا۔ مُدیرِ اعلیٰ عامر بن علی اور مُدیر ابرار سحر یا ابرار ندیم نے جنوری ۲۰۰۱ء سے ماہنامہ ''ارژنگ'' لاہور سے شائع کرنا شروع کیا۔ مُدیر آفتاب حسین پندرہ روزہ ''ادبی اخبار'' لاہور سے جنوری ۱۹۹۸ء سے چھاپتے رہے۔ اِن سب نے سرائیکی زبان و ادب کی ادبی شخصیات، تقاریب، کُتب کی اشاعت کی خبروں وغیرہ کے حوالے سے نمائندگی کی۔

کالم

سرائیکی صحافت کے پہلے دو ادوار میں اخبارات و رسائل میں ادارتی نوٹ اور اداریوں کا رواج رہا۔ تیسرے دور میں فکاہیہ کالم، ادبی کالم اور مذہبی کالم کے ساتھ سیاسی اور مزاحیہ کالم تک لکھے جانے لگے۔ یہ سلسلہ کافی طویل ہے تاہم مختصراً ذکر ہو جائے۔ روزنامہ ''جھوک'' خان پور سے شروع ہوا تو ۱۹۹۰ء میں انیس دین پوری کے مقبول کالم ''پُٹ کڑاک'' کے علاوہ راہی گبول نے ''کُٹ کڑاک'' بندہ بشر نے ''کھُنڈ کھیر، اختر شاکر نے ''وَل تماشا ڈیکھ'' ، فیصل رفیق تبسّم نے ''چوبُد ھار'' کے عُنوان سے کالم لکھے۔ ۱۹۹۱ء میں سجاد لاکھا اور اے بی بھٹی نے ''چُونڈھیاں'' کے نام سے لکھا۔ ۱۹۹۲ء میں سعید خاور نے مٹھل خاصخیلی کے نام سے ''کھڑی ڈیندی آں سنہڑے اِنہاں لوکاں کُوں'' کا عُنوان استعمال کیا۔ ۱۹۹۳ء میں حبیب اللہ خیال کا ''سُر خیاں تُہاڈیاں تبصرہ اَساڈا'' شروع ہوا۔ ۱۹۹۴ء میں فقیر سرائیکی کے قلمی نام سے ''کشکول'' چھپتا رہا۔ اخبار مُلتان سے چھپنا شروع ہوا تو جہانگیر مُخلص (پرہ باکھ) اکبر ہاشمی (نروار) مُزمّل حسین (منڑ دریاتے) حمید اصغر شاہین (گامن سچار کیا آہدے) گُل زیب حسن خاکوانی (کُوک) وغیرہ لکھ رہے ہیں۔ روزنامہ ''سجّاک'' نے ملتان سے چھپنا شروع کیا تو فدا حسین گاڈی کا ''اُستاد دیاں گالھیں'' ، شبیر حسن اختر کا ''پارَت'' عباس ملک کا ''جھات'' اور سجاد حیدر پرویز کا ''کندھ دے اوڈرھ'' چھپنا

شروع ہوئے۔ راقم الحروف نے ''سجاک'' کی بندش کے بعد اِسی عُنوان سے ''جھوک'' میں کالم لکھے۔ ذین الملوک کے قلمی نام سے بھی کچھ کالم لکھے۔ ہفتہ وار ''جاگ'' احمد پور شرقیہ میں سیّد فیاض بخاری نے آکاش سرائیکی کے نام سے ''دِلوں سوچم'' کے عُنوان تلے لکھا۔ ہفت روزہ ''صدائے مخدوم'' مظفر گڑھ میں حبیب سرائیکی کا ''ڈُکھ سُکھ'' ہفت روزہ کارنامہ'' لودھراں میں مجید ناشاد کا ''ہَٹ ترٹ'' ہفت روزہ ''المنظور'' تونسہ میں اقبال سوکڑی کا ''شیشہ'' چھپے تو ماہنامہ فریدؒ رنگ نے محمد حیات فیروز کا ''سوجھلا'' اور ماہنامہ ''دِگّا'' نے سچّو دانہ'' کے قلمی نام سے ''کُوڑ اے دو کُوڑاے'' کے عنوان تلے کالم چھاپے۔

ہندوستان میں صحافت

سرائیکی ساہتیہ سنگم دہلی نے بیرسٹر جگدیش چندر بترہ کی ادارت میں سالانہ کتابی سلسلہ ''سرائیکی انٹرنیشنل'' کے عُنوان سے شروع کیا۔ جس میں برّصغیر پاک و ہند کے سرائیکی ادیبوں کی تحریریں شامل کی گئیں۔ ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء میں دو شمارے شائع ہو سکے۔ نئی دہلی سے ''سرائیکی شوبھا'' کے نام سے ملتانی اکادمی مایاپوری نئی دہلی نے رسالہ شائع کیا۔ اس کے ایڈیٹر آدم پرکاش نندوانی چکّر ورتی تھے۔ ۱۶ صفحات پر مُشتمل اِس کے دو شُمارے مطبوعہ ۱۹۹۵ء اور ۱۹۹۶ء جو یہاں دستیاب ہیں، میں سرائیکی کا قدیم لُنڈا (کِرِکّا) رسم الخط استعمال کیا گیا ہے۔ ماہنامہ ''سرائیکی دُنیا'' نئی دہلی رسالہ سائز میں مارچ ۱۹۹۶ء سے اگست ۱۹۹۶ء تک شائع کیا گیا۔ چیف ایڈیٹر جگدیش چندر بترہ اور ایڈیٹر اُن کی دھرم پتنی سُورن بترہ تھیں۔ ۳۲ صفحات کے اِس رسالے میں ۱۶ صفحے اُردو اور ۱۶ صفحے ہندی رسم الخط میں چھاپے جاتے تھے۔ یہ با تصویر رسالہ تھا۔ جولائی کا پرچہ صرف ۱۶ صفحے کا تھا جبکہ اگست میں خصوصی اشاعت ۸۰ صفحات پر مُشتمل ''بسلسلہ آزادیٔ ہند گولڈن جوبلی تقریبات'' کتابی شکل میں شائع کی گئی۔ اِس میں بھی نصف ۴۰ صفحے اُردو رسم الخط اور نصف ۴۰ ہندی رسم الخط میں شائع کیے گئے۔

Scanned with CamScanner

ان باقاعدہ سرائیکی پرچوں کے علاوہ بھی سرائیکی زبان وادب وثقافت کو پرنٹ میں نمائندگی حاصل رہتی ہے۔ جیسے نئی دہلی سے پندرہ روزہ ''جے جواہر'' مدیر جے سی ہانڈہ۔ اس میں جتوئی ضلع مظفر گڑھ کے سرائیکی ادیب جے دیر پریمی کی تحریریں ۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۵ء کے درمیان شائع ہوتی رہیں۔ مثلاً ''سرائیکی (ملتان) بولیئے، سنسکرت نہیں''، ''ایک ملتانی رفیوجی بھائی کی آپ بیتی''، ''بھولی بسری یادیں (بچپن) وغیرہ۔ ''کتاب نما'' نئی دہلی جو مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کا ماہنامہ ہے۔ شمارہ ستمبر ۱۹۹۴ء میں مہمان مدیر بیرسٹر جگدیش چندر بترہ کا اشاریہ ''سرائیکی اور اُردو'' شامل تھا۔ اسی طرح انگریزی اخبار ''سنڈے ٹائمز انڈیا'' میں بھی جگدیش چندر بترہ کی سرائیکی زبان وادب کے حوالے سے تحریریں شائع ہوتی رہی ہیں۔

Scanned with CamScanner

حوالہ جات (حصہ پنجم)

ح-۱	سرائیکی ادب ٹورتے پندھ	صفحہ-۱۵۵
ح-۲	ماہنامہ ''کتاب'' لاہور (مئی ۱۹۹۰ء)	صفحہ-۲۶
ح-۳	ادبی چول پڑچول	صفحہ-۴
ح-۴	ماہنامہ ''سنہوا'' واہی حسین (دسمبر ۱۹۹۲ء)	صفحہ-۲۲۷
ح-۵	ادبی چول پڑچول	صفحہ-۴
ح-۶	سرائیکی ادب ٹورتے پندھ	صفحہ-۴۱، ۴۲
ح-۷	پندرہ روزہ ''بجنگ آمد'' لاہور (یکم جون ۱۹۹۷ء)	صفحہ-۲
ح-۸	سرائیکی ادب ریت تے روایت	صفحہ-۲۰
ح-۹	سرائیکی ادب دی چنگیر	صفحہ-۱۲۰
ح-۱۰	دیورے	صفحہ-۶۹، ۱۱
ح-۱۲	سرائیکی اور اس کی نثر	صفحہ-۷۹
ح-۱۳	سرائیکی زبان تے ادب	صفحہ-۲۳۵
ح-۱۴	پنجابی کتابیات	صفحہ-۷۸۹
ح-۱۵	دُرّ و گوہر	صفحہ-۳
ح-۱۶	رسالہ ''سچار'' کراچی (شمارہ نمبر ۱)	صفحہ-۶۱
ح-۱۷	سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں	صفحہ-۲۷۳
ح-۱۸	سرائیکی اور اُس کی نثر	صفحہ-۷۵
ح-۱۹	سرائیکی زبان تے ادب	صفحہ-۲۳۷
ح-۲۰	سرائیکی ادبی پندھ ۱۹۹۴ء	صفحہ-۴۱
ح-۲۱	''سلیہا'' (شمارہ نمبر ۱۰)	صفحہ-۱۳
ح-۲۲	گجھے دُھک	صفحہ-۱۱

☆ تفصیل ''کتابیات'' میں ملاحظہ فرمایے۔

Scanned with CamScanner

کتابیات

(بمطابق حوالہ جات حصہ اوّل تا حصہ پنجم)

الف۔ کتابیں

ابنِ کلیم، احسن نظامی	''پھلپوٹ''	کلیم پبلشرز ملتان	مارچ ۱۹۹۶ء
احسن واگھا	''دی سرائیکی لینگوئج اِٹس گروتھ اینڈ ڈویلپمنٹ''	ڈیراور پبلیکیشنز، اسلام آباد	۱۹۹۰ء
اختر وحید	''دُرّ و گوہر''	کاشانۂ ادب ملتان	جولائی ۱۹۵۲ء
اسلم رانا، ڈاکٹر	''سچل سرمستؒ احوال، آثار تے سرائیکی کلام دامعروضی تجزیہ''	عزیز پبلیکیشنز رسولپور	فروری ۱۹۸۹ء
اسلم رسولپوری	''سرائیکی زبان، اُوندا رسم الخط تے آوازاں''	سرائیکی پبلیکیشنز رسولپور	جام پور ۱۹۸۰ء
اسلم عزیز درانی، ڈاکٹر	''سجھ دا سنہپا''	کتاب سرائے جام پور	۱۹۹۵ء
اسلم میتلا	''گلشن سرکارؐ''	میتلا پبلیکیشنز نعمت والا جہانیاں	۱۹۹۵ء
اعظم چانڈیہ	''مجموعہ حلیہ مبارک ومعراج نامہ وغیرہ''	ملتان	۱۸۹۰ء
اعظم سعیدی، علامہ	''وادیٔ پنجند اِچ صحافت''	سرائیکی اُردو رائٹرز گلڈ، کراچی	اگست ۱۹۸۵ء
اقبال صلاح الدین	''فہرست پنجابی نثری تخلیقات مُصنف وار''	عزیز پبلشرز لاہور	مارچ ۱۹۸۸ء
اُمید ملتانی	''مدنی سئیں سلطان''	سرائیکی اشاعتی ادارہ، سرائیکی مجلس ادب ملتان	مئی ۱۹۸۸ء
انعام الحق جاوید، ڈاکٹر	''پنجابی ادب داارتقاء''	اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد	دسمبر ۱۹۹۰ء
	''پنجابی ڈرامہ''	ادارہ ثقافت پاکستان، اسلام آباد	جون ۱۹۸۶ء
	''پنجابی زبان وادب کی مختصر تاریخ''	(مرتب) مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، اسلام آباد	
ایچ ٹی لیمبرک	''سندھ اے جنرل انٹروڈکشن''		
ایڈورڈ او برائین اینڈ	''اے گلاسری آف دی ملتان لینگوئج''		
ریوجیوکس	''ڈکشنری آف جٹکی آر ویسٹرن پنجابی''	لاہور	۱۸۸۱ء
ایم بی اشرف	''کونین دا سنہپ''	لاہور	۱۹۰۰ء
بہار النساء بہار	''چھل بل کھتیں''	شہباز سرائیکی سنگت ملتان	۱۹۸۰ء
جاوید احسن	''سرائیکی ثقافت''	سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان	جون ۱۹۹۴ء
حسان الحیدری، میر	''سرائیکی ادب'' (مقالہ مشمولہ ''تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند'' (جلد نمبر ۱۴ حصہ دوسرا باب ساتواں)	سلیمان اکیڈمی ڈیرہ غازی خاں	جنوری ۱۹۹۵ء
		پنجاب یونیورسٹی لاہور	۱۹۷۱ء

سید اُلفت ملغانی	''سرائیکی ادبی پندھ ۱۹۹۴ء''	سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان	۱۹۹۵ء
خُرّم بہاولپوری	''خیابانِ خرم''	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	۱۹۸۶ء
دلشاد کلانچوی	''ادبی چول پڑ چول''	اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور	۱۹۸۸ء
	''سرائیکی ادب دی چنگیر''	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	۱۹۹۶ء
	''سرائیکی اور اس کی نثر''	مکتبہ سرائیکی لائبریری بہاولپور	۱۹۸۲ء
	''سرائیکی زبان تے ادب''	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	مئی ۱۹۸۷ء
	''سرائیکی شاعری دے کجھ مہاندرے شاعر''	اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور	جون ۱۹۹۴ء
	''سرائیکی لسانیات''	اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور	۱۹۹۰ء
	''سرائیکی مطالعے دے سو سال (ترجمہ)	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	۱۹۸۶ء
	''قدیم سرائیکی شاعر تے ادیب''	اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور	۱۹۸۷ء
	''مثنوی یوسف زلیخا'' (ترجمہ)	اردو اکیڈمی بہاولپور	مئی ۱۹۷۸ء
راہی گبول	''مٹھڑے تیر''	سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی بھونگ، رحیم یار خان	مئی ۱۹۹۲ء
رشید عثمانی	''اکھیں دے جگارے''	خواجہ خدا بخش اکیڈمی خیر پور ٹامیوالی بہاولپور	۱۹۷۶ء
روبینہ ترین، ڈاکٹر	''ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ''	بیکن بکس ملتان	۱۹۸۹ء
ریاض احمد شاد	''کلیاتِ لاآلی''	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور	اکتوبر ۱۹۸۲ء
سجاد حیدر پرویز	''سرائیکی ادب ٹور تے پندھ''	مجلس سرائیکی مصنفین پاکستان بلوچ نگر مظفر گڑھ	اکتوبر ۱۹۹۶ء
	''سرائیکی ادب دی مختصر تاریخ''	س۔ سرائیکی پبلیکیشنز بلوچ نگر مظفر گڑھ	اپریل ۱۹۸۶ء
	''ضلع مظفر گڑھ تاریخ ثقافت تے ادب''	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور	مئی ۱۹۸۹ء
سعید اختر	''دیرا سندھ کنارے''	ڈیرہ اسماعیل خان	مارچ ۱۹۹۱ء
سعید بھٹہ	''چن چھاں دے''	پنجند اکیڈمی لاہور	ستمبر ۱۹۹۰ء
	''کلیاتِ شاہ عظیم''	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور	اگست ۱۹۹۱ء
شوکت مغل	''الف بے بنوا''	جھوک پبلشرز ملتان	۱۹۹۶ء
	''ملتان دیاں واراں''	سرائیکی ادبی بورڈ ملتان	۱۹۹۴ء
شہباز ملک، ڈاکٹر	''پنجابی کتابیات'' جلد اول	اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد	مئی ۱۹۹۱ء
صادق تھیم	''پرکھ''	تھیم برادران ڈیرہ غازی خان	دسمبر ۱۹۹۶ء
صدیق طاہر	''دیورے''	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	۱۹۹۶ء
صفدر حسین ڈوگر	''نقیبانِ کربلا''	عالمی مجلس اہل بیت پاکستان اسلام آباد	نومبر ۱۹۹۳ء

Scanned with CamScanner

ضامن حسینی	"معارف سرائیکی"	مصطفیٰ شاہ اکیڈمی احمد پور شرقیہ	۱۹۷۲ء
طاہر تونسوی، ڈاکٹر	"سرائیکی ادب ریت تے روایت"	بیکن بکس ملتان	مارچ ۱۹۹۳ء
	"سرائیکی وچ مزاحمتی شاعری"	سرائیکی ادبی بورڈ ملتان	۱۹۹۵ء
ظامی بہاولپوری، محمد بشیر	"پھلاں دے ہار"	مرکز سرائیکی زبان تے ادب، بہاولپور	فروری ۱۹۷۳ء
	"پھلاں دے ہار"	مرکز سرائیکی زبان تے ادب بہاولپور	جنوری ۱۹۷۹ء
ظامی بہاولپور، محمد بشیر احمد	"چھرکے"	مرکز سرائیکی زبان تے ادب بہاولپور	اگست ۱۹۶۶ء
	"حکایات سعدی (سعدی آکھیاں)	مرکز سرائیکی زبان تے ادب بہاولپور	۱۹۷۶ء
	"سرائیکی لوک کہانیاں"	اُردو اکادمی بہاولپور	۱۹۸۴ء
	"سیف الملوک" ترجمہ	اردو اکادمی بہاولپور	۱۹۶۴ء
عبدالحق، ڈاکٹر مہر	"سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں"	سرائیکی ادبی بورڈ ملتان	
	"ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق"	اردو اکادمی بہاولپور	۱۹۶۷ء
عتیق فکری، علامہ	"العتیق العتیق"	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	۱۹۷۱ء
عزیز الرحمان عزیز بہاولپوری مولانا	"دیوانِ فریدؒ" (ترجمہ)	عزیز المطابع بہاولپور	۱۹۴۴ء
عمر کمال خان	"ملتانی واراں"	بزمِ ثقافت ملتان	اپریل ۱۹۹۱ء
	"ہسٹری آف جوڈیشری"	ایضاً	
عین الحق فریدکوٹی	"ہیر چراغ اعوان"	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور	۱۹۷۸ء
غلام حیدر مستانہ	"گلزار سسی"	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور	دسمبر ۱۹۷۸ء
غلام علی الانہ، ڈاکٹر	"سندھی بولی جو بنیاد"	حیدر آباد	۱۹۷۴ء
فداء الاحمدانی	"جانباز جتوئی"	سرائیکی اکادمی ملتان	فروری ۱۹۶۸ء
قاضی راضی	"کتاب قاضی دی تے دیوان راضی دا"	ملتان الیکٹرک پریس ملتان	۱۹۲۷ء
کیفی جامپوری	"سرائیکی شاعری"	بزم ثقافت ملتان	۱۹۶۹ء
کرسٹوفر شیکل، ڈاکٹر	"اے سنچری آف سرائیکی سٹڈیز ان انگلش"	بزم ثقافت ملتان	۱۹۸۳ء
	"سرائیکی اے لینگویج موومنٹ ان پاکستان"	لندن یونیورسٹی	۱۹۷۷ء
متفرق	"آزادی مگروں پنجابی ادب"	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور	مئی ۱۹۸۶ء
	"ریاستی قاعدہ"	جمعیت الانصار دین پور (خان پور)	۱۹۴۳ء
محمد عبیدالرحمان بہاولپوری	"سرائیکی کتابیں"	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	۱۹۸۳ء
منظور اعوان	"مجھے دھک"	نجوک سرائیکی ادبی سنگت رحیم یار خان	مارچ ۱۹۹۳ء
موہن سنگھ دیوانہ، ڈاکٹر	"پنجابی ادب دی مختصر تاریخ" حصہ اول	ماڈرن پبلی کیشنز لاہور	(س۔ن)
م۔ی قیصرانی	"سرائیکی تاریخ داراں" جلد اول	ریپبلکن بکس لاہور	مارچ ۱۹۹۴ء

Scanned with CamScanner

نواب سیال	''نادر شاہ دی وار''	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور	ستمبر ۱۹۸۹ء
نصیر شاہ سید	''ککڑ دے پھل''	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور	جنوری ۱۹۸۷ء
نذیر احمد، میاں	''پلر پانی''	پاکستان سرائیکی رائٹرز گلڈ ملتان	جون ۱۹۹۰ء
نواز کاوش	''ترکہ''	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور	۱۹۹۲ء

(ب) رسالے، اخبار

☆ بجنگ آمد۔ (لاہور)، (پندرہ روزہ)، شمارہ یکم جون ۱۹۹۷ء

☆ بشارت (مظفر گڑھ)، (ہفت روزہ)، شمارہ ۲۳ دسمبر ۱۹۶۰ء، ۷ جون ۱۹۷۲ پنجابی ادب (لاہور) شمارہ ستمبر ۱۹۶۸ء

☆ جھوک (ملتان)، (روزنامہ)، شمارہ ۲۳ فروری ۱۹۹۷ء

☆ ڈان، (روزنامہ)، شمارہ ۲۰ جولائی ۱۹۶۹ء

☆ سچار (کراچی)، (مجلّہ)، شمارہ ۱ (جنوری ۱۹۸۰ء)

☆ سرائیکی (بہاولپور)، (سہ ماہی)، شمارہ جنوری ۱۹۷۲ء

☆ سرائیکی ادب (ملتان)، (ماہنامہ)، شمارے: جون ۱۹۷۴ء، جولائی ۱۹۷۶ء، مارچ، اپریل ۱۹۸۰ء (میانوالی جھنگ نمبر) جنوری ۱۹۸۶ء، ستمبر ۱۹۹۳ء، نومبر ۱۹۹۵ء

☆ سنگت (لاہور)، (مجلّہ)، شمارہ نمبر ۲ (جنوری ۱۹۸۲ء)

☆ ہنڑ ء، واہی حسین (بہاولپور)، (ماہنامہ)، شمارہ دسمبر ۱۹۹۲ء

☆ سنیہا۔ تونسہ، (مجلّہ)، شمارہ نمبر ۱۰ (ستمبر ۱۹۷۸ء) شمارہ نمبر ۱۷ (مئی ۱۹۷۹ء)

☆ کتاب۔ (لاہور)، (ماہنامہ)، شمارہ مئی ۱۹۹۰ء

☆ ماں بولی (لاہور)، (ماہنامہ)، شمارہ جولائی ۱۹۹۷ء

(ج) یونیورسٹی مقالہ جات

☆ نصر اللہ خان ناصر، ''سرائیکی شاعری دا ارتقاء'' (پنجابی)، پی ایچ ڈی زکریا یونیورسٹی ملتان، ۱۹۹۴ء

☆ فرحت محمود خاں، ''غلام حسن حیدرانی شخصیت تے فن''، ایم اے سرائیکی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ۱۹۹۱ء

☆ حضرت ملا، ''نورنامہ''، محررہ ۱۱۸۰ھ، مملوکہ میر حسان (الحیدری او باڑو (سکھر)

☆☆☆☆

پاکستان میں قومی زبان اُردو کے ساتھ ساتھ دوسری پاکستانی زبانیں بھی اپنے اپنے علاقوں میں بولی جاتی ہیں۔ مختلف علاقوں میں رائج پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی، سرائیکی، کشمیری، براہوئی اور دیگر زبانوں کی تاریخ بہت پُرانی ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ہم انگریزی اور بعض دیگر بیرونی زبانوں کے پس منظر سے تو بخوبی واقف ہوتے ہیں مگر خود اپنی زبانوں کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔ ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کی زبان کے ادب سے بھی اُس طرح واقف نہیں ہوتے جیسے ہونا چاہیے۔ کون نہیں جانتا کہ پاکستان کی تمام زبانیں آپس میں قریب آئیں گی تو ان سے قومی آہنگی اور اتحاد و یک جہتی میں آسانی ہوگی۔ ادب دلوں کو جوڑتا ہے اور رابطوں کو مستحکم کرتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر مقتدرہ قومی زبان نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم پاکستان کی دوسری زبانوں کے ادب کی تاریخ قومی زبان میں محفوظ کریں اور اُن تک پہنچائیں جو براہِ راست اُن زبانوں کے ادب سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ ان مختصر ادبی دستاویزوں کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہم پاکستان کی تمام زبانوں کے پس منظر اور اس کے ادب سے واقف ہوسکیں اور اپنی لسانی اور ادبی ثروت مندی کا احساس کرسکیں۔ پیش نظر کتاب ''مختصر تاریخ زبان و ادب ۔ سرائیکی'' سرائیکی ادب کے ممتاز سکالر ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز نے لکھی ہے۔ انھوں نے انتہائی احسن طریقے پر سرائیکی زبان و ادب کے بنیادی خدوخال اُجاگر کیے ہیں پاکستانی زبانوں اور ان کے ادب کے اجتماعی دھارے کا مطالعہ کرتے وقت یہ کتاب یقیناً ممد و معاون ہوگی۔

Scanned with CamScanner